

جسدا اول

سیرت انبیاء کرام علیہم السلام

سیدنا آدم علیہ السلام تا حضرتنا شموئیل علیہ السلام

www.ahlehaq.org



ادارة السلاسل

لاهور — کراچی

تَبَصُّرَةٌ وَذِكْرٌ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ

ہدایت کے چراغ
جلد ۱
یعنی

سیرت انبیائے کرام علیہم السلام

ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و دعوت تک تمام انبیائے کرام کے حالات و واقعات۔ قرآن کریم میں بیان کردہ قصص قدیم اقوام اور سابقہ امتوں کا مستند تذکرہ۔ قرآن و حدیث کے اوراق سے سلیس زبان اور عام فہم انداز میں

سیدنا آدم علیہ السلام تا حضرتنا شموئیل علیہ السلام

تألیف: مولانا محمد عبد الرحمن صاحب
استاذ حدیث و تفسیر، ناظم مجلس علمیہ حیدر آباد دکن
ناشر

۱۹۰۔ انارکلی لاہور
ادارۃ اسلامیات

طباعت اول :	ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
	اکتوبر ۱۹۹۰ء
باہتمام :	اشرف براوران ستمہم الرحمان
ناشر :	ادارہ اسلامیات، لاہور
مطبع :	عرفان افضل پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت :	

ادارہ اشرف پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

• دنیا بھر میں پیشہ ورانہ دکان لاہور	• ۱۹۰، مارکیٹ، لاہور، پاکستان	• پتہ: ۱۹۰، مارکیٹ، لاہور، پاکستان
فون: ۳۳۳۳۳۳۳۳، ۳۳۳۳۳۳۳۳	فون: ۳۳۳۳۳۳۳۳، ۳۳۳۳۳۳۳۳	پتہ: ۱۹۰، مارکیٹ، لاہور، پاکستان

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰، مارکیٹ، لاہور
 دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
 ادارۃ المعارف - دارالعلوم کورنگی، کراچی
 مکتبہ دارالعلوم - دارالعلوم کورنگی، کراچی

فہرست عناوین

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۶	فطرت کی حکمرانی	۱۳	پیش لفظ۔ قرآن حکیم اور لسان نبوت
"	توبہ کی سنت	۱۸	تذکرہ ابوالبشر سیدنا آدم صفی اللہ علیہ السلام
۴۷	تذکرہ کا عبرتناک پہلو	"	تعارف
۴۸	تذکرہ ہابیل وقابیل	۲۱	قرآنی مضمون
"	نسل انسانی کے بڑے بھائی	۲۲	ابلیس کا مناظرہ
۴۹	انسان کا پہلا قتل	۲۳	قرآنی مضمون
۵۰	قرآنی مضمون	۲۴	درازی عمر کی درخواست
۵۱	نتائج و عبرت	"	قرآنی مضمون
"	مقتل ہابیل	۲۷	خلافت ارضی
"	دفن کا پاکیزہ طریقہ	۲۸	قرآنی مضمون
۵۲	قابیل کی حیثیت	"	اقرار و تسلیم
"	مقام عبرت	۲۹	قرآنی مضمون
۵۳	تذکرہ سیدنا ادریس علیہ السلام	۳۰	جنت کا قیام
"	اسم گرامی	۳۲	قرآنی مضمون
۵۴	قرآنی مضمون	۳۴	نتائج و عبرت
"	نتائج و عبرت	"	تاریخ پیدائش آدم و حوا
"	علم رمل کی ایجاد	۳۵	آدم و حوا
۵۶	سیدنا ادریس علیہ السلام کا مزید تعارف	۳۶	ایک شبہ اور اس کا جواب
۵۷	کا حلیہ مبارک	"	ابلیس کی حقیقت
"	کی تعلیمات کا خلاصہ	۳۷	معیار خلافت
۵۸	اقوال حکمت	۳۸	معیار اسوہ اور عصمت انبیاء
۵۹	سیدنا ادریس علیہ السلام کی پیشین گوئی	۴۱	دو وضاحتیں
۶۰	تذکرہ اولیٰ الرسل سیدنا نوح علیہ السلام	۴۲	ابوالبشر
"	اولیٰ الرسل	۴۳	فرشتوں کی حقیقت
۶۱	سلسلہ نسب	۴۴	جنات کا تعارف
"	سیدنا نوح علیہ السلام اور قرآن حکیم	۴۶	ایک مشت فاک

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۰۸	سیدنا ہود علیہ السلام اور قرآن حکیم	۶۳	سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت اور قوم کی لغت
۱۰۹	قوم عاد	۶۴	قرآنی مضمون
۱۱۰	سیدنا ہود علیہ السلام کی تبلیغ	۶۶	بے بسی اور خرباد
۱۱۳	عذاب کی آمد	۶۷	قرآنی مضمون
۱۱۴	قرآنی مضمون	۷۱	اپنے ہاتھوں تباہی
۱۲۱	نتائج و عبرت	۷۲	قرآنی مضمون
"	احقاف والے	"	آخری منزل
۱۲۲	بے حقیقت نام	۷۳	قرآنی مضمون
۱۲۴	آخری مہلت	۷۴	سفینہ اور قوم کا استہزاء
۱۲۵	ذہنی و فکری ارتداد، ایک شبہ کا ازالہ	۷۵	قرآنی مضمون
۱۲۶	بادِ مصر	"	عذاب کی آمد اور ضروری ہدایات
۱۲۷	ایامِ نجات	۷۷	قرآنی مضمون
۱۲۹	تلمی کا جواب شیریں کلامی	۷۹	انجامِ سفینہ
"	قدیمی جرثومہ	۸۱	نتائج و عبرت
۱۳۱	تذکرہ سیدنا صالح علیہ السلام	"	ایک قدیم بین الاقوامی گمراہی اور اسکا ازالہ
"	اور قوم ثمود - اصحابِ الحجر	۹۳	قوم نوح کے معبود
"	سیدنا صالح علیہ السلام اور قوم ثمود	۹۴	سنت اللہ
"	سلسلہ نسب	۹۵	دانشندی یا بے دانشی؟
۱۳۲	ثمود کی بستیاں	"	طوفان کی عالمگیری
"	ثمود کا زمانہ	۹۹	شبہ کا ازالہ
۱۳۴	ثمود کا مذہب	۱۰۱	ایک اور شبہ کا ازالہ
"	قوم کا انکار	۱۰۲	آزمائش
۱۳۶	ناقصۃ اللہ	۱۰۴	بُری صحبت کا انجام
۱۴۰	ہجرت	۱۰۵	شکر گزاری
۱۴۱	قرآنی مضمون	۱۰۶	ایک اور قدیم جاہلی مرض
۱۴۷	نتائج و عبرت	"	چند عبرتیں
"	قوم کی آزمائش اور ناقصۃ اللہ	۱۰۸	تذکرہ سیدنا ہود علیہ السلام اور قوم عاد
۱۴۹	اک شبہ کا ازالہ	"	تعارف

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۰۱	نتائج وعبر	۱۴۹	انسانی خود فریبی
"	انبیاء کرام کی الہانی کیفیت	۱۵۱	چند عبرتیں
۲۰۲	حیات بعد الموت کا ایک اور واقعہ	۱۵۲	ناپاک مردوں سے خطاب
۲۰۴	بنی قنطورہ	۱۵۳	معجزات کی حقیقت
"	پہلی دعائے ابراہیمی کی وضاحت	۱۵۴	آثار عبرت
۲۰۸	دوسری دعائے ابراہیمی کی وضاحت	۱۵۸	ایک مشترک نہ نظریہ
۲۰۹	تیسری دعائے ابراہیمی کی وضاحت	۱۶۱	جاہلیت اور اسلام کا طرز استدلال
۲۱۱	ثلث کذبات	"	نبی کی قوت اعتماد
۲۱۶	مشرک کے لئے دعائے مغفرت	۱۶۲	بگڑے تمدن کی علامت
۲۱۷	ایک شبہ کی وضاحت	۱۶۳	قانون نکافات
۲۱۹	آثار کائنات سے رب کائنات تک	۱۶۴	اطاعت گریزی کے اسباب
"	دو ٹوک بات	۱۶۵	ہر اقتدار سے بالاتر
۲۲۰	اندھی تقلید	}	تذکرہ خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام
۲۲۳	علم و یقین کی ایک علامت		اور نمرود
۲۲۴	اسلام کا حسن سلوک		سلسلہ نسب
"	مشکل الان علی	"	تعارف
۲۲۵	بڑوں کا بچپن	۱۶۹	سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور قرآن حکیم
۲۲۶	تذکرہ ذبیح اللہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام	۱۷۱	قوم ابراہیم
"	اور تعمیر کعبہ	"	قرآنی مضمون
"	ذکر ولادت	۱۷۲	باپ کو دعوت توحید
۲۲۸	سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور قرآن حکیم	۱۷۳	قرآنی مضمون
۲۲۹	وادی غیر ذی زرع	۱۷۴	قوم کو دعوت توحید
۲۳۲	ذبیح عظیم	۱۷۵	قرآنی مضمون
۲۳۸	قرآنی مضمون	۱۷۷	ستارہ پرستی یا خدا پرستی؟
۲۳۹	ذبیح اللہ	۱۷۹	قرآنی مضمون
۲۴۲	قرآنی مضمون	۱۸۰	بتوں کی بے بسی
۲۴۵	سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد	۱۸۴	قرآنی مضمون
۲۴۶	اور قرآن حکیم	۱۸۶	بادشاہ وقت کو دعوت توحید
۲۴۷	نتائج وعبر	۱۸۸	قرآنی مضمون
" سلاوہ گھر خدا کا	۱۸۹	یا نانا کوئی بددعاؤ سلا مہا
"	تعمیر کعبہ	۱۹۰	قرآنی مضمون
۲۵۵	تذکرہ سیدنا اسحق علیہ السلام	۱۹۲	ہجرت ابراہیمی
"	ولادت باسعادت	۱۹۴	ہجرت بجانب فلسطین
۲۵۷	قرآنی مضمون	۱۹۵	ہجرت بجانب مصر
۲۶۰	نتائج وعبر	۱۹۸	مشاہدہ حیات بعد الموت
"	سنت ابراہیمی	۲۰۰	قرآنی مضمون
"	سیدنا اسحق کا نکاح		
۲۶۱	سیدنا اسحق کی اولاد		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۹۶	آغاز قصہ اور نہال خواب	۲۹۲	تذکرہ سیدنا لوط علیہ السلام
۲۹۸	قرآنی مضمون	"	تعارف
"	برادرانہ سازش	"	سودم
۳۰۰	قرآنی مضمون	۲۹۴	تین قومی جرائم
"	جھوٹا خون	۲۹۵	دعوت و تبلیغ
۳۰۳	قرآنی مضمون	۲۹۶	ملائکہ اللہ کی آمد
۳۰۴	دور غلامی	۲۹۷	قرآنی مضمون
۳۰۶	قرآنی مضمون	۲۹۹	ملائکہ اللہ اور سیدنا لوط علیہ السلام
"	بازار مصر میں	۲۹۳	قرآنی مضمون
۳۰۸	قرآنی مضمون	۲۹۷	نتائج و عبرت
"	سخت ترین آزمائش	"	قوم لوط کا وطن
۳۱۰	عظیم کامیابی	۲۹۸	نرالا گناہ
۳۱۳	حسن یوسفی کا آشکارا	"	لواطت کی شرعی سزا
۳۱۴	قرآنی مضمون	۲۸۰	ایک ضروری تنبیہ
۲۱۶	قید خانے میں	۲۸۱	پاکیزہ طریقہ اور شبہ کا جواب
۳۱۸	قرآنی مضمون	۲۸۳	دواہم وضاحتیں
۳۲۰	خواب سلطانی	۲۸۶	آیت اللہ
۳۲۲	مضمون قرآنی	۲۸۷	تذکرہ سیدنا لوط علیہ السلام کا قرآنی درس
۳۲۳	دربار مصر میں	"	چند اعلیٰ تفسیلیں
۳۲۵	قرآنی مضمون	۲۸۹	تذکرہ سیدنا یعقوب علیہ السلام
۳۲۷	دربار یوسفی اور بھائیوں کی آمد	"	تعارف
۳۳۱	قرآنی مضمون	۲۹۰	سیدنا یعقوب علیہ السلام اور قرآن حکیم
۳۳۳	دربار یوسفی اور دوسرا داخلہ	۲۹۱	بنی اسرائیل
۳۳۷	قرآنی مضمون	"	اولاد یعقوب علیہ السلام اور قرآن حکیم
۳۴۱	دربار یوسفی اور تیسرا داخلہ	۲۹۳	تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السلام
۳۴۴	قرآنی مضمون	"	اور عزیز مصر
۳۴۸	دربار یوسفی اور چوتھا داخلہ	"	تعارف
۳۵۰	قرآنی مضمون	۲۹۴	قرآن حکیم اور سیدنا یوسف علیہ السلام
		"	حسن القصص
		۲۹۵	چند تمہیدی باتیں

صفحہ نمبر	مُنوان	صفحہ نمبر	مُنوان
۳۹۳	نتائج و عبرت	۳۵۱	قصہ کا اختتام
"	عبرت ہی عبرت	۳۵۲	نتائج و عبرت
۳۹۶	معیار دیانت	"	پاکی فطرت
"	سُنّت اللہ	"	استقامت کا اثر
۳۹۸	زمانے کا اُتار چڑھاؤ	۳۵۳	عزت نفس
"	دین بیزاری مرض	"	حقیقت صبر
۳۹۹	نئی روشنی نہیں۔ تاریک خیالی	۳۵۵	آخری بات
۴۰۰	سنگِ دلی نہیں۔ رحمِ دلی۔	۳۶۱	حقیقتِ خواب
۴۰۳	تذکرہ سیدنا موسیٰ و سیدنا ہارون علیہما السلام	۳۶۳	وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِنَّ وَهَمَّ بِهِنَّ
"	اور قارون۔ فرعون۔ ہامان	۳۶۸	ایک عبرت
"	تعارف	"	ایک نصیحت
۴۰۵	حدیث الفتن	"	ایک مصیبت
۴۲۶	نقد و تبصرہ	۳۶۹	برادرِ دست
۴۲۸	جدید سانچہ	۳۷۱	پُر معنی خاموشی
"	سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام	۳۷۲	انبیاء و رسل کی قوتِ ادراک
"	اور قرآن حکیم	۳۷۳	سجدہ کی حقیقت
۴۳۲	قرآنی مضمون	۳۷۷	ایک گہری حقیقت
۴۳۴	غیر ارادی قتل	۳۷۸	روحِ تذکرہ
۴۳۶	قرآنی مضمون	۳۸۱	تذکرہ سیدنا شعیب علیہ السلام
۴۳۷	ہجرت	"	اور اصحابِ الامم
"	بابِ مدین	"	تعارف
۴۳۹	شیخِ کبیر	"	قومِ شعیب
۴۴۱	قرآنی مضمون	۳۸۲	اہلِ مدین۔ اصحابِ الایکہ
۴۴۲	شیخِ کبیر اور دامادی رشتہ	۳۸۵	دعوت و تبلیغ
۴۴۳	قرآنی مضمون	۳۸۷	قرآنی مضمون
۴۴۴	تاجِ نبوت اور عطاےِ معجزہ	۳۹۱	آخری انجام
۴۴۶	قرآنی مضمون	۳۹۲	قرآنی مضمون
۴۴۹	شرفِ ہمکلامی	۳۹۳	مدفنِ پاک

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۰۷	قرآنی مضمون	۴۵۰	وادی مقدس
۵۰۸	ترویج تورات	۴۵۲	داخلہ مصر
۵۱۰	قرآنی مضمون	"	قرآنی مضمون
۵۱۲	مصنوعی خدا	۴۵۷	فرعون اور دعوت حق
۵۱۵	قرآنی مضمون	۴۵۸	قرآنی مضمون
۵۱۹	خیانت اور ہلاکت	۴۶۲	ہامان
۵۲۰	قرآنی مضمون	۴۶۳	آغازِ مقابلہ
۵۲۱	رفع طور	۴۶۵	قرآنی مضمون
۵۲۲	قرآنی مضمون	۴۶۹	ظہور حق
۵۲۳	ارض مقدس	۴۷۱	قرآنی مضمون
۵۲۶	قرآنی مضمون	"	انتقامی کارروائی
۵۲۷	ذبح بقرہ	۴۷۲	قرآنی مضمون
۵۳۰	قرآنی مضمون	۴۷۳	مردِ مؤمن
۵۳۲	قارون	۴۷۶	قرآنی مضمون
۵۳۴	قرآنی مضمون	۴۷۸	مردِ مؤمن اور انجامِ خیر
۵۳۷	بے وفا الزام تراش	۴۷۹	قرآنی مضمون
۵۳۹	قرآنی مضمون	۴۸۰	تسع آیات (نو معجزے)
۵۴۰	عَبْدَ اَمِّنْ عِبَادِنَا	۴۸۶	قرآنی مضمون
۵۴۸	قرآنی مضمون	۴۸۸	تغالب اور فلقِ بحر
۵۵۰	وفاتِ سیدنا موسیٰ علیہ السلام	۴۹۱	قرآنی مضمون
۵۵۲	ایک عمدہ تشریح	۴۹۶	عبرتِ ناک انجام
۵۵۴	رُتَبے جسے دُنیا میں خدا دیتا ہے	"	قرآنی مضمون
۵۵۷	نتائج و عبرت	۴۹۹	پہلا مطالبہ
"	روحِ تذکرہ	"	دوسرا مطالبہ
"	حق کا اعجاز	۵۰۱	تیسرا مطالبہ
۵۵۸	صبر کی پونجی	۵۰۲	چوتھا مطالبہ
۵۵۹	اخلاقی کمزوری	۵۰۳	قرآنی مضمون
"	عزم و ہمت کی موت	۵۰۵	کوہ طور اور اعتکاف

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۹۲	اکسیر حیات	۵۶۰	کمال دانائی
"	تہذیب یا شجاعت؟	۵۶۲	ظلم کی اعانت
۵۹۵	تذکرہ سیدنا الیاس علیہ السلام	۵۶۳	بیادار لڑکیاں
"	تمہید	۵۶۵	اسلامی تہذیب اور فقہی نزاکت
"	اسم گرامی اور سلسلہ نسب	۵۶۶	آخرت کی نعمتیں اور زحمتیں
۵۹۶	سیدنا الیاس علیہ السلام اور قرآن حکیم	"	ایک نادر تفسیر
۵۹۸	قرآنی مضمون	۵۶۷	فیصلہ کن بات
۵۹۹	نتائج و عبرت	۵۶۹	عظیم انقلاب اور دلیلِ راہ
"	ایک تفسیری نکتہ	۵۷۰	قبر کی زندگی
۶۰۱	حیات الیاس علیہ السلام	۵۷۱	جہنم کے رہنما
۶۰۳	تذکرہ سیدنا الیسع علیہ السلام	۵۷۳	حقیقت یا تاویل؟
"	تعارف، بعثت	۵۷۵	حیاتِ خضر اور مسائلِ سہ گانہ
"	سیدنا الیسع علیہ السلام اور قرآن حکیم	۵۸۵	تذکرہ سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام
۶۰۵	تذکرہ سیدنا شمویل علیہ السلام	"	سلسلہ نسب اور تعارف
"	تمہید	۵۸۶	ارض مقدس کی بازیابی
۶۰۶	نام و نسب	۵۸۷	ناسپاسی یا شکر گزاری
۶۰۷	طاہوت کی حکمرانی	۵۸۸	قرآنی مضمون
۶۰۸	قرآنی مضمون	۵۹۰	نتائج و عبرت
۶۰۹	تابوتِ سکینہ	"	اعترافِ نعمت
۶۱۰	قرآنی مضمون	"	کفرانِ نعمت
"	جہاد مقدس	۵۹۱	تذکرہ سیدنا حزقیل علیہ السلام
"	اور قتلِ جالوت	"	تمہید
۶۱۲	قرآنی مضمون	"	نام و نسب اور بعثت
۶۱۳	نتائج اور عبرت	۵۹۲	سیدنا حزقیل اور قرآن حکیم
"	مرکزیت	"	قرآنی مضمون
۶۱۵	جاہلی اعتقاد	۵۹۳	نتائج و عبرت
۶۱۶	روحِ کامرانی	"	حیات بعد الموت

تقریظ

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم، ناظم مدارس دعوۃ الحق ہر دینی، دیوبند،

مکرم و محترم مولوی عبدالرحمن صاحب زید لطفہ السامی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اپنی مولفہ کتاب ”ہدایت کے چراغ“ کی جلد اول کا مطالعہ اور اس سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا اس بات سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ نے آیات قرآنی اور احادیث شریفہ کی روایات معتبرہ پر حالات حضرات انبیاء کرام کو مدار رکھا نیز اسکے ساتھ ساتھ جن مقامات پر کوئی اشکال یا سوال پیدا ہوتا ہے انکا مفصل اور تحقیقی جواب بھی لکھا گیا ہے۔ کتاب کے مضامین کے لحاظ سے جمی چاہتا ہے کہ انکا خلاصہ ایسے طور پر ہو جاوے کہ حضرات انبیاء کرام کے قرآنی حالات جو قرآن پاک میں ہیں نیز انکے بارے میں جو سوال اور اشکال ہے انکا جواب بھی ہو جاوے۔ اس سے امت مسلمہ کے بچوں اور دینی مدارس کے طلبہ کو بھی زیادہ نفع کی توقع ہے۔ یہ ناکارہ دُعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرمائے اور آپکو اسکی جزائے خیر عطا فرمادے اور امت مسلمہ کو اس سے نفع اُٹھانے کی توفیق عطا فرمادے۔

(حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب، بقلم (قاری) امیر حسن۔)

تقریظ

لسانِ مثنوی مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ، ناظم مجلس اشاعت الحق گلشن اقبال کراچی۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

ہمدے محترم و مخلص مولانا عبدالرحمن صاحب زید لطفہ نے اپنی کتاب ”ہدایت کے چراغ“ دو جلدوں میں ترتیب دی ہے۔ موصوف کی اس تالیف کا حصہ اول دیدہ زیب حسن طباعت سے آراستہ ہو کر منصفہ شہودیں آچکا ہے۔ اس مطبوعہ صحت کو جہاں بھی دیکھا اس شوق منداں

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم : کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا یں جا

اسلوب بیباں کی دلکشی مضامین کی معیاری بلندی اور ہر موضوع کا مدلل فادہ باوجود تعیلاً بر صفت کے دیر تک مطالعہ کرتا رہا۔ قلب متاثر ہونے کیساتھ اس کتاب کی نافعیت علمیہ اور عملیہ کا معتقد ہوا اور قرآن پاک کے معجزانہ انداز کے عبرتناک اقعا اور انبیاء علیہم السلام کی پیغمبرانہ تعلیمات اور نافرمان قوموں کی طاغوتی طاقتوں کی تباہ کاریاں، قہر خداوندی کی دمدہ خیر غذاہوں کی تفصیلات سے ایمان کو ناز کی، روح میں بایستگی اور نفس میں فتادگی اور بندگی کی جو شان پیدا ہوتی ہے وہ اس کتاب ”ہدایت کے چراغ“ سے آفتاب روشن کی طرح واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف حسن قبول بخشے اور صدقہ جاریہ بنائے، امت مسلمہ کیلئے ”ہدایت کا چراغ“ بنائے۔ آمین۔

العارض محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ نزیل جدہ ۵ اگست ۱۹۸۹ء مطابق ۲۲ محرم ۱۴۱۰ھ

آخذ و مرجع

(تفسیر، حدیث، تاریخ و سیرت)

قرآن

- (۱) قرآن حکیم (مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)
- (۲) تفسیر دُرّ المنثور
- (۳) تفسیر ابن کثیر
- (۴) تفسیر جلالین
- (۵) تفسیر ابن جریر طبری (جامع البیان)
- (۶) تفسیر روح المعانی
- (۷) تفسیر مظہری
- (۸) تفسیر قرطبی
- (۹) تفسیر بیان القرآن
- (۱۰) تفسیر معارف القرآن
- (۱۱) تفسیر باجدی
- (۱۲) ترجمہ قرآن شاہ عبد القادر صاحب
- (۱۳) ترجمہ قرآن شاہ رفیع الدین صاحب
- (۱۴) ترجمہ قرآن شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب
- (۱۵) ترجمہ قرآن مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی
- (۱۶) ترجمہ قرآن مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
- (۱۷) ترجمہ قرآن مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی

حدیث

- (۱) بخاری شریف
- (۲) مسلم شریف
- (۳) ترمذی شریف
- (۴) ابوداؤد شریف
- (۵) نسائی شریف
- (۶) ابن ماجہ شریف
- (۷) توطا نامہ الکبیر
- (۸) مرقات شرح مشکوٰۃ
- (۹) فتح الباری
- (۱۰) عینی شرح بخاری

(تاریخ و سیرت)

- (۱) قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
- (۲) قصص الانبیاء ابن کثیر
- (۳) قصص الانبیاء عبد الوہاب بخاری
- (۴) تاریخ ابن کثیر
- (۵) ارض القرآن مولانا سلیمان ندوی
- (۶) البدایہ والنہایہ
- (۷) سیرت ابن ہشام
- (۸) أسد الغابہ
- (۹) زرقانی
- (۱۰) زاد المعاد
- (۱۱) سیرت المصطفیٰ
- (۱۲) روض الالف علامہ سہیلی

ابوالحسن علی احسنی الہندوی

مولانا محمد عبد الرحمن صاحب

مؤلف کتاب ہذا کا خصوصی عربی تعارف جو ایک
موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ہندوی ظلہ سے مکہ المکرمہ میں
حاصل کیا گیا تھا۔ ترجمہ درج ذیل ہے:-

بعد حمد و صلوة :-

حضرت مولانا عبد الرحمن بن احمد شریف صاحب حیدر آبادی سے میں بخوبی واقف ہوں
مولانا علوم دینی و اسلامی کے فاضل ہیں۔ جنوبی ہند کے دینی و علمی حلقوں میں آپ کی بیش بہا
خدمات رہی ہیں۔ مولانا نے ہندوستان کے مختلف اداروں سے استفادہ کیا ہے۔ آخر میں مدرسہ
مظاہر علوم ضلع سہارنپور (یوپی) سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اصول دین و علم شریعت میں
اعلیٰ سندیں حاصل کیں۔ تحصیل علم کے بعد جامعہ نظامیہ حیدر آباد میں تقریباً پندرہ سال درس تدریس
کے خدمات انجام دی ہیں۔ اسکے علاوہ مولانا موصوف نے عامۃ المسلمین کی تعلیم و تربیت کی
جانب بھی خصوصی توجہ دی۔ اس سلسلے میں اہل علم حضرات کیلئے ”مجلس علمیہ“ کی تاسیس رکھی
جس کا دینی و علمی حلقوں میں اثر رہا ہے۔

چونکہ مولانا توحید و سنت کے داعی و علمبردار تھے اپنے شہر میں اہل بدعت
کی مخالفتوں سے دوچار ہو گئے۔ اسی سال موصوف نے فریضہ حج ادا کیا اور ان کی خواہش
ہے کہ کچھ عرصہ انہی مقامات مقدسہ میں رہ کر علمی و دینی خدمت انجام دیں۔ چنانچہ انہیں اس
مقصد کے حصول کے لئے تعاون کی ضرورت ہے۔

مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ مولانا کے مقصد کی تکمیل ہو۔ اس بارے میں جو
بھی ان کے ساتھ معاونت کریں میں ان کا شکر گزار رہوں گا۔

والسلام

کتبہ الفقیر الی اللہ

ابوالحسن علی احسنی الہندوی

مکہ المکرمہ
۳ صفر ۱۴۲۹ھ

پیش لفظ

قرآن حکیم اور لسان نبوت

قرآن حکیم میں اگلی اور پچھلی قوموں کے حالات مذکور ہیں۔
 اس میں تمہارے فیصلہ جات بھی موجود ہیں۔
 یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ مذاق و دل لگی پر مشتمل نہیں۔
 جو اس کے خلاف بغاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اور جو کوئی
 اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب سے ہدایت و رہنمائی طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دیگا۔
 یہ اللہ عظیم کی مضبوط رسی ہے۔
 یہ ذکر حکیم اور صراطِ مستقیم ہے۔
 اس کے پڑھنے سے خیالات میں بے راہ روی نہیں آتی اور نہ ہی الجھن پیدا
 ہوتی ہے۔

علم والے اس کی تلاوت سے سیر نہیں ہوتے ہیں۔
 بار بار کی تلاوت سے اکتاہٹ اور ملال نہیں ہوتا۔
 یہ وہی کتاب ہے جس کو جنات نے سنا تو بے اختیار پکار اٹھے :-
 اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا اِنَّمَا (سورہ الجن آیت ۷)
 (ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے..... اور آپر ایمان لائے ہیں)
 ”جو شخص قرآن کے مطابق بات کرے گا وہ سچائی پر قائم رہیگا
 اور جو اس پر عمل کرے گا وہ اجر پائے گا اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا
 وہ عدل و انصاف کا فیصلہ دے گا اور جس نے اس کی جانب دعوت دی
 وہ صراطِ مستقیم پر قائم رہا۔“ (ترمذی جلد ۷)

اللہ کریم کی بڑی رحمت و عنایت ہے کہ اُس نے انسانی ہدایت و رہنمائی کیلئے آئینی اور فوجداری طرزِ خطاب اختیار نہیں کیا جس میں مرضیات اور نامرضیات کی طویل فہرست ہوتی ہے جیسا کہ حکومت و سلطنت کے آئینی دفعات و قوانین ہوا کرتے ہیں۔ اگرچہ اللہ عظیم کی حاکمانہ و قابرانہ ذاتِ عالی ہر طرح سزاوار ہے کہ وہ زمین پر اپنی مرضیات اور نامرضیات کا دستور دفعات کی شکل میں نافذ کرے۔ لیکن اُس کے فضل و کرم احسان و عنایت، جو دو سخا رحمت و رافت نے انسانی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اپنی کتابِ مبین میں آئینی اور فوجداری دفعات کا طرزِ اختیار نہیں کیا بلکہ وعظ و نصیحت، درس و عبرت، شفقت و محبت کا عنوان اختیار کیا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ۔

(القمر آیت ۱۷)

(ہم نے قرآن کو نصیحت و عبرت کے لئے بہت آسان

کر دیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے)

قرآن حکیم میں وعظ و نصیحت، دعوت و تبلیغ، درس و عبرت کے عموماً چار عنوان اختیار کئے گئے ہیں جسکے ذریعہ انسانیت کو رشد و ہدایت کا راستہ فراہم کیا گیا ہے:-

(۱) تذکیر بِالْآيَاتِ اللّٰهِ

(۲) تذکیر بِآيَاتِ اللّٰهِ

(۳) تذکیر بِآيَاتِ اللّٰهِ

(۴) تذکیر بِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔

(۱) تذکیر بِالْآيَاتِ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر دن رات جن نعمتوں کی ارزانی فرمائی ہے اُن کو یاد دلانا کہ اپنی اطاعت و شکر گزاری کا فریضہ یاد دلایا جائے کہ جس ذاتِ کریم کے ایسے کرم و احسان ہوں اُس کو کیوں کر بھولا جاسکتا ہے۔

فَاذْكُرُواْ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ۔

(اعراف آیت ۲۹، ۳۰)

(اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ)

(۲) تذکیر بِآيَاتِ اللّٰهِ کا یہ مطلب ہے کہ اقوام سابقہ اور ملل قدیمہ کے حالات اور اُن کے

عروج و زوال کا تذکرہ کر کے نصیحت و عبرت فراہم کی جائے تاکہ موجودہ قومیں اُن حوادث سے دوچار نہ ہو جائیں جو مکافاتِ عمل کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔ سورۃ ابراہیم آیت ۷ میں اس تذکیر کا ذکر موجود ہے :-

وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ الْآتِيَةِ

جن قوموں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرستادہ رسولوں کی اطاعت و پیروی کی اُنھوں نے دنیا و آخرت کی فلاح پائی اور جن قوموں نے سرکشی و بغاوت کی اس کے نتیجے میں عذاب الہی کا شکار ہوئے۔

قوم نوح اور اصحاب الرس، قوم ثمود، قوم عاد، فرعون، قوم لوط، اصحاب الالک، قوم سبج ان میں سے ہر ایک نے نبیوں کی تعلیمات سے روگردانی کی، اللہ عظیم کا قانونِ مکافات سب کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

(۳) تذکیرِ آیات اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ عالم کون و مکان کی نشانیاں دکھا کر خالق کائنات کی ہستی اور اُس کی وحدت کا اعتراف کروایا جائے کہ یہ روشن سارے ٹھنڈا چاند، دکھتا سورج، بے ستون آسمان، کشادہ زمین، فلک بوس پہاڑ، رواں دواں دریا، ہواؤں کی ریل پیل، دن رات کا آنا جانا، طلوع و غروب کا منظم نظام، یہ کیا ایسے ہی چل رہا ہے؟ جبکہ معمولی سی حرکت بھی بغیر کسی سبب نہیں ہوتی تو پھر یہ زمین و خلا اور آسمانوں کا باقاعدہ نظام کسی ہستی کے بغیر کیوں کر قائم و دائم رہ سکتا ہے؟

اس سارے نظام کائناتی کے جزئیات و تفصیلات پر اگر عقل و تدبیر سے کام لیا جائے تو تم خود بول اٹھو گے کہ بیشک جس ذات نے ایسے کامل اور مستحکم انتظامات کئے ہیں وہی ذات واحد قادرِ مطلق اور حکیم کل اور سب کا پروردگار ہے۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

سورۃ یوسف میں اس تذکیر کا اظہار کیا گیا ہے :-

وَكَايْنِ مِّنْ آيَاتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ۔ (آیت ۷۱)

(اور زمین و آسمانوں میں اللہ کے بہت سے نشانات ہیں

جن پر یہ لوگ بے توجہی سے گزر جاتے ہیں اور اُن کی طرف سے منہ

پھیرے رہتے ہیں)

(۴) تذکیر بما بعد الموت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عالم برزخ (قبر) اور عالم آخرت و قیامت کے حالات و حوادث سنا کر وعظ و نصیحت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس مخصوص عنوان کے جا بجا خبردار کیا ہے اور ذکرِ آخرت کو قرآن حکیم کی اسی تذکیر شمار کیا ہے۔
قرآن حکیم کی یہ تذکیر سورہ قی میں بیان کی گئی ہے:-

قَدْ كُنَّا بِأَلْفُؤْدَانٍ مِّنْ يَّخَافُ وَيَعِيبُ (آیت ۲۵)
(پس قرآن کے ذریعہ نصیحت کرو اس شخص کو جو اللہ کی وعید

یعنی بعد الموت کے عذاب سے ڈرتا ہو)

قرآن حکیم کا وعظ و ارشاد عموماً انہی چار عنوانات پر مشتمل ہے۔

زیر نظر کتاب قرآنی تذکیر اربعہ کا ایک عنوان ہے (تذکیر بایام اللہ) اسمیں انبیاء و رسل کی دعوت و تبلیغ، قوموں کا ردِ عمل اور اللہ عزوجل کے قانونِ مکافات کا تذکرہ چالیس عناوین میں جمع کیا گیا ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ عنوان واحد کے تحت جس قدر بھی مواد قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر ملتا ہے اُسکو یکجا کر دیا جائے اور احادیث صحیحہ میں اس عنوان کے تحت جو وضاحت آئی ہے اس کو قرآن حکیم کی تشریح و تاویل کے طور پر شریک کیا جائے۔ تاریخ و سیرت سے اُسی قدر استفادہ کیا گیا جو قرآن و حدیث کی وضاحت کے لئے ضروری تھا اور جو ان کے منشاء اور مراد سے ٹکراتا نہ ہو۔

آخر میں ہر ہر عنوان کے تحت نتائج و عبرت کا مفید و موثر ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے جو قرآنی تذکیر کا مقصد و منشا ہوا کرتا ہے۔ گویا آپ کی یہ کتاب انبیاء و رسل کی حیاتِ طیبہ اور ان کی دعوت و تبلیغ، ایثار و قربانی کا تذکرہ اور قوموں کے عروج و زوال کی روئیداد ہے۔ کتاب کا پڑھنے والا قرآنی واقعات اور اخبار کو بیک نظر تفصیل کے ساتھ یکجا مطالعہ کر سکتا ہے۔ قرآنی قصص اور واقعات کے تحت اہل علم حضرات نے بکثرت کتابیں تالیف کیں ہیں جن میں بعض کتب ماخذ و مرجع کی حیثیت سے معروف و مقبول ہیں۔ انہی معروف و مستند کتب سے زیر مطالعہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ تفصیلات، اختلافات، بحث و مباحثہ جیسے عنوانات سے حتی الامکان احتراز کیا گیا ہے۔ عام طور پر حوادث و واقعات کو تاریخ و سیرت کی کتابوں سے اخذ کیا جاتا ہے اور اسی کو ماخذ و مرجع بھی سمجھا گیا ہے لیکن زیر نظر کتاب میں اصل ماخذ

و مرجع قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کو قرار دیا گیا ہے یعنی تاریخ و سیرت سے وہی بات قبول کی گئی ہے جو قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ سے مطابقت رکھتی ہو اور اسکی روح و منشا سے ٹکرائی نہ ہو۔ ہمارا احساس و یقین اسی اصول پر قائم ہے کہ قرآن حکیم میں اقوام قدیمہ اور ملل سابقہ کے وقائع و حوادث کا جو بھی تذکرہ پایا جاتا ہے وہی اصل ماخذ اور قابل اعتماد غیر مشکوک علمی ذخیرہ ہے۔ اسی اصول پر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عام طور پر قرآنی واقعات میں اسرائیلی روایات بکثرت نقل کی جاتی ہیں جس کا سلسلہ آغاز اسلام سے آج تک جاری رہا ہے لیکن زیر مطالعہ کتاب کو اس کثرت سے آپ خالی پائیں گے ہم کو اس سلسلے میں اپنے اسلاف کرام کا عنوان پسند ہے :-

حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ (اللہ کی کتاب کافی ہے)

کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اُن کی مکمل فہرست دیدی گئی ہے۔ آپ کتاب کے مضامین کو انہی کتب سے ماخوذ پائیں گے۔

ہمیں اس بات کے اظہار میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ آپ کی یہ کتاب مَصَابِيحُ الْهُدٰی (ہدایت کے چراغ) کا حرف آغاز مسجد الْهُدٰی (جدہ) سے شروع ہوا اور پانچ سال کی مسلسل مشغولیت کے بعد شبِ قدر ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں مقامِ ابراہیم کے قریب اختتام کو پہنچا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

خطا و نسیان سے کون محفوظ رہا ہے جو آپ کا یہ خادم محفوظ ہوگا۔ بس اس سے زیادہ اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ وَافْضَلِ رُسُلِهِ سَيِّدِنَا وَوَسِيْلَتِنَا فِي الدَّارَيْنِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔

خادم القرآن

عبد الرحمن غفرلہ

۱۷ جمادی الآخرہ ۱۴۰۸ھ

مطابق ۵ فروری ۱۹۸۸ء

یوم الجمعہ

تذکرہ ابوالبشر سیدنا آدم صلی اللہ علیہ السلام

تعارُف | سیدنا آدم علیہ السلام موجودہ زمین کے سب سے پہلے انسان اور پہلے نبی و رسول ہیں۔ قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ اس بارے میں ساکت ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے اس زمین پر اور بھی کوئی مخلوق آباد تھی یا نہیں؟ اگرچہ سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے جنات کی پیدائش ہو چکی تھی اور ملائکہ اللہ ان سے بھی پہلے وجود میں آچکے تھے، لیکن یہ وضاحت نہیں ملتی کہ موجودہ زمین ان مخلوقات کا مسکن رہی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے وہی باتیں بیان کیں ہیں جو بندوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے ضروری تھیں، ایسے مباحث و تحقیقات سے احتراز فرمایا ہے جس میں نہ ان کے دنیا کا نفع ہے نہ آخرت کا۔

اس لئے ہمیں بھی ایسے ہی امور کی جانب توجہ دینا چاہیے جو ہمارے لئے نفع بخش ہوں۔ بالفرض سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے موجودہ زمین پر کوئی اور مخلوق آباد تھی جیسا کہ طبقات الارض کے ماہرین کا خیال ہے تاہم اس تحقیق سے ہمیں صرف ”انکشاف“ کی حد تک فائدہ حاصل ہوگا، ہمارا سلسلہ نسب جس ذات سے ہے وہ ذات گرامی سیدنا آدم علیہ السلام کی ہے جن کا تذکرہ قرآن حکیم نے سب سے پہلے کیا اور بار بار کئی آیات میں بیان کیا ہے۔

قرآن حکیم نے نہایت وضاحت کے ساتھ غیر مشکوک اور غیر مبہم الفاظ میں کئی ایک مقام پر ہمیں یہ بتایا ہے کہ انسانیت کا آغاز خالص انسانیت ہی سے ہوا ہے۔ انسان کی تاریخ کسی غیر انسانی وجود سے قطعاً کوئی بھی رشتہ نہیں رکھتی، وہ اول روز ہی سے انسان بنایا

گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسکو کامل انسانی شعور کے ساتھ اسکی ارضی زندگی کی ابتداء کی ہے۔
 ڈارون کا نظریہ ارتقار (بندر سے انسان ہونا) ویسے یہ نظریہ خود اپنے درست
 ہونے میں محتاج ثبوت ہے تاہم یہ اہم نکتہ ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ کسی
 نظریہ پر اگر کچھ دلائل قائم بھی ہو جائیں تو خواہی خواہی کسی چیز کا بالکل ثابت ہو جانا
 ضروری ہو جائے ایسا ہرگز نہیں ہے، اگر کسی وقت منطق و عقل کی قوت و طاقت نے
 کسی معمولی ستون کو سونا ثابت کر دیا ہو اور انسان اُس کے قبول کرنے پر مجبور بھی ہو گیا
 ہو تاہم پتھر، پتھر ہی رہے گا سونا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نظریہ ارتقار اپنے دلائل میں اگر بہت کچھ
 سامان رکھتا بھی ہو تو اسکی حیثیت محض ایک "موروثی دفتینہ" سے کچھ زیادہ نہیں ہو سکتی۔
 حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن حکیم کی گیارہ سورتوں میں ملتا ہے۔ اور آپکا
 اسم گرامی پچیس مرتبہ آیا ہے۔ اور ہر مرتبہ کسی نہ کسی لطیف عنوان کے ضمن میں لایا گیا ہے۔

۱۔ البقرہ — آیات — ۲۱، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷۔

۲۔ آل عمران — آیات — ۳۳، ۵۹۔

۳۔ المائدہ — آیت — ۲۷۔

۴۔ الاعراف — آیات — ۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۴۲۔

۵۔ الاسراء — آیات — ۶۱، ۷۰۔

۶۔ الکہف — آیت — ۵۰۔

۷۔ مريم — آیت — ۵۸۔

۸۔ طہ — آیات — ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱۔

۹۔ یس — آیت — ۶۰۔

۱۰۔ الحجر — آیت — ۲۶، ۳۲۔

۱۱۔ ص — آیات — ۷۱ تا ۷۴۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت خاص سے ایسی مٹی سے پیدا کیا
 جو سخت اور کھنکھانے کی صفت رکھتی تھی، اس لئے قرآن حکیم نے تین لفظ استعمال کئے ہیں۔

صَلْصَلَالُ	حَمَأُ	مَسْنُونُ
سوکھا گارہ	خمیر شدہ	تغیر پسند چکنا
بجنے والا	سیاہ سیچڑ	بودار

ان مختلف الصفات مٹی کا خوبصورت پتلا بنایا پھر اسمیں روح داخل کی۔ سورہ حجر میں ان اوصاف کا ذکر آیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّمَّنْ حَمَءٍ مَّسْنُونٍ - (حجر آیت ۲۸)

اور یاد کرو اُس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں خمیر شدہ مٹی کے سوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔

یعنی اول گارے کو خوب خمیر کیا کہ اسمیں بو آنے لگی، پھر وہ خشک ہو گیا، اور خشک ہونے سے کھن کھن بولنے لگا۔ جیسے کہ مٹی کا برتن ٹھونک مارنے سے بجا کرتا ہے پھر اُس خشک گارے سے آدم کا پتلا بنایا گیا۔

انسان (حضرت آدم علیہ السلام) کی پیدائش کی حقیقت جس طرح قرآن حکیم نے بیان کی ہے نوع انسانی کی تاریخ کا یہ وہ نادر باب ہے جسکے معلوم ہونے کا کوئی دوسرا ذریعہ انسان کو میسر نہیں آسکتا۔ تخلیق انسانی کے اس آغاز کو تفصیلی کیفیت کیساتھ سمجھنا انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اس طرح پیدا نہیں ہوئے جس طرح عام انسان پیدا ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش کے مضمون میں واضح طور پر یہ کہا ہے کہ میں نے اُنہیں اپنی ”قدرت خاص“ سے پیدا کیا ہے۔ انہیں پیدائش کے وہ اسباب نہیں ہیں جو عام انسان کے لئے ضروری ہوتے ہیں بلکہ اپنی قدرت خاص سے انہیں بنایا ہے۔ اس خصوصیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قَالَ يَا ابْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ الْاٰیۃ

اے ابلیس تجھ کو کس بات نے روکا کہ تو سجدہ کرے اس مخلوق کو (ص آیت ۷۵)

جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھ سے بنایا ہے۔

اس لئے ہم اس حقیقت کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتے کہ موادِ ارضی سے بشر کس طرح بنایا گیا؟ اور اس کی صورت گری کیوں کر ہوئی؟ اس لئے ہم انسان کی تخلیق کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

الغرض حضرت آدم کا ان مختلف الصفات مٹی سے ایک خوبصورت پتلا بنایا گیا اور اسمیں روح داخل کی گئی تو وہ گوشت پوست کے انسان ہو گئے اور عقل و ہوش و قوت

وارادہ، دیکھنے بولنے، سننے سمجھنے، چلنے پھرنے، کے اوصاف کے حامل بن گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام جب مکمل انسانی لباس اختیار کر چکے تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ تمام فرشتوں نے بلا توقف تعمیل کی، ابلیس جو جنات کی قسم سے تھا اور تعظیم و تربیت کے لئے فرشتوں میں رکھا گیا تھا غرور و تکبر سے انکار کیا اور اپنی برتری کا اظہار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ذلت و خواری کے ساتھ اسکو زمین پر اتار دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر، فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم، ابلیس کا انکار ذیل کی آیات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون | وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ۔ (الانعام: ۲۸)

اور ہم نے انسان کو بھتی ہوئی مٹی سے جو کہ خمیر کئے ہوئے گارے کی بنی تھی پیدا کیا اور جنات کو آدم سے بہت پہلے آگ سے کہ وہ ایک گرم ہوا تھی پیدا کر چکے تھے۔ اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں ایک بشر کو بھتی ہوئی مٹی سے جو کہ خمیر کئے ہوئے گارے کی بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں۔ سو جب میں اسکو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی مخلوق روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔

چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟ تو وہ کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسکو آپ نے بھتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے۔

سورۃ اعراف میں اس طرح تفصیل ملتی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدْوا لِلَّذِيْنَ خَلَقْنَا ثُمَّ سَبَّكَ الَّذِيْ سَخَّرْنَا لَكُمُ الْوَدَّاعَ الْاَنْعَامَ (الاعراف آیت ۱۷)

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل

نہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے

تجھ کو حکم دیا تھا؟

بولائیں اُس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اُس کو مٹی سے۔

فرمایا تو آسمان سے اتر جا تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر، لہذا نکل جا بے شک تو ذیلیوں میں شمار ہونے لگا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا الْإِبْلِيسَ. الخ (الکہف آیت ۱۷)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اُنہوں نے سجدہ

کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جتنوں میں سے تھا، سو اُس نے اپنے رب کے حکم کو خروج کیا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا الْإِبْلِيسَ. الخ (بقرہ آیت ۳۵-۳۶)

اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو سو سب نے سجدہ

کیا سوائے ابلیس کے اُس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔

اور ہم نے آدم سے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن کی زندگی بسر کرو، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں شمار ہو گے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ. الخ (ص آیت ۷۱ تا ۷۲)

اور وہ وقت یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے

ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

پھر جب میں اُس کو پوری طرح بنالوں اور اُس میں اپنی مخلوق روح سے

کچھ مچھونک دوں تو سب فرشتے اُس کے لئے سر بسجود ہو جائیں، پس سب ہی نے سجدہ

کیا مگر ابلیس نے نہ مانا گھمنڈ کیا اور وہ (علم الہی میں پہلے ہی سے) کافروں میں تھا۔

ابلیس کا مناظرہ | اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے جواب لینے کے لئے پوچھا کہ تجھ کو

کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا؟

اللہ تعالیٰ کا یہ سوال اپنے جاننے کے لئے نہ تھا بلکہ ابلیس پر اپنی حجت پوری

کرنے کے لئے تھا۔ ابلیس نے جواب دیا اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں، کیونکہ

تو نے مجھے آگ سے پیرا کیا اور آدم کو مٹی سے۔
ظاہر ہے آگ مٹی سے افضل ہے کیونکہ مٹی ہمیشہ پستی کی طرف جاتی ہے اور
آگ بلندی و رفعت چاہتی ہے۔ اور ہر بلند اپنے کمتر سے افضل ہوا کرتا ہے۔ مہلایں
افضل و اعلیٰ ہو کر بھی آدم جیسے کم درجہ مخلوق کو سجدہ کروں اور اُس کی تعظیم بجالاؤں؟
میرے نزدیک یہ عقل و دانش کا فیصلہ نہیں۔

یہ تھا خلاصہ ابلیس کی حجت و دلیل کا جس نے اپنے ہی رب سے مقابلہ کرنا
شروع کر دیا۔ علم جب ناقص ہوتا ہے تو کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے کمزور اور بُودے
سہارے پہاڑ کی طرح بلند و مضبوط نظر آتے ہیں۔ ابلیس کے ناقص علم نے اسکو ایسے ہی
رہنمائی کی اور وہ گمراہی کی طرف چل پڑا۔

آگ و خاک کا مقابل جس انداز سے کیا گیا ہے اگر وہ اپنی جگہ درست بھی ہو جائے
تب بھی جرم اپنی جگہ باقی ہے۔ سوال اپنے افضل و غیر افضل کا نہیں تھا بلکہ اطاعت الہی
کا تھا۔ حکم یہ دیا گیا تھا کہ ہمارے حکم کی تعمیل کرو، اسمیں چھوٹا بڑا، اعلیٰ و کمر
سب یکساں ہیں چنانچہ اس حکم میں مَلاَءِ اَعْلٰی کے فرشتے بھی شامل تھے جو دیگر فرشتوں
سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ سب ہی نے سجدہ کیا، حکم کی علت اگر کمتر یا برتر ہوتی تو ملائکہ
کے فرشتوں کو سجدہ نہ کرنا چاہیے تھا۔ ابلیس کا یہ مناظرہ ان آیات میں اسی طرح بیان
کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون

قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السَّٰجِدِيْنَ۔ الخ

(الحجر آیات ۲۷ تا ۳۵)

اللہ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ کہا
مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اُٹھے ہوئے گارے کو
بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے (یعنی آدم کم درجہ مخلوق ہے اور میرا درجہ اُس سے بڑا ہے)
حکم ہوا تو یہاں سے نکل جا کہ تو دہشتکارہ ہوا ہے اور روز جزا تک تجھ پر لعنت ہوتی رہے گی۔
سورہ اعراف میں اس طرح آیا ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اُمِرْتُكَ الخ (الاعراف آیت ۷۰ تا ۷۱)

اللہ نے فرمایا کس بات نے تجھ کو سجدہ کرنے سے منع کیا جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟ کہا اس بات نے کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسکو مٹی سے۔

فرمایا اچھا تو یہاں سے نیچے اتر، تجھے حق نہیں کہ یہاں بڑائی کا گھنڈ کرے، نکل جا کہ درحقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں۔

درازی عمر کی درخواست

بہتر خطا کا روہ ہے جو فوری توبہ کر لے۔ ابلیس کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا انکار کرنا، بھول یا غفلت کا نتیجہ نہ تھا۔ دیدہ و دانستہ ارتکاب جرم تھا۔

جرم کی پاداش میں جنت سے اتر جانے کا غضب ناک حکم سُکر توبہ و ندامت کے بجائے اللہ تعالیٰ سے استدعا کرنے لگا کہ قیامت تک میری عمر دراز کر دی جائے اور مجھے ایسی طاقت و قدرت دے دی جائے کہ اولاد آدم کو ہر طور و طریقے سے گمراہ کر سکوں؛ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کا بھی یہ ہی فیصلہ تھا کہ بنی آدم کی آزمائش کے لئے اسکو لمبی مہلت دی جائے۔ چنانچہ اُس کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ نہ صرف اُس کو حیات طویل دے دی گئی بلکہ اُس کو وہ اسباب و ذرائع بھی مہیا کر دیئے گئے جو انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے درکار تھے۔ اس موقع پر اُس نے پھر ایک اور مرتبہ اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا۔ کہنے لگا اب جبکہ تو نے مجھے راندہ درگاہ کر ہی دیا تو جس آدمؑ کی بدولت یہ رسوائی نصیب ہوئی میں بھی آدمؑ کی اولاد کو ذلیل و رسوا کر کے رہوں گا اور ان کے ہر چار سمت ہو کر گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ اور ان کی اکثریت کو ناشکر گزار بنا دوں گا۔ پھر شاید کچھ ہوش میں آکر کہنے لگا البتہ تیرے ”مخلص بندے“ میرے تسلط پر باہر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بے نیازی سے جواب دیا مجھکو اسکی کیا پرواہ ہے میرا قانون مکافات اپنی جگہ اُٹل رہے گا، جو انسان بھی مجھ سے روگردانی کر کے تیری پیروی کرے گا، وہ تیرے ساتھ جہنم کا سزاوار ہوگا اور ابدی لعنت کا مستحق۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل انہی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

قرآنی مضمون | قَالَ مَا مَنَّكَ إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ الْخَزَا اْلَاْعِرَافِ آيَات ۱۸ تا ۲۱

اللہ نے فرمایا (اے ابلیس) تجھ کو کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں نے تجھ کو

حکم دیا تھا؟

کہا میں اُس سے بہتر ہوں، مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُس کو مٹی سے،

اللہ نے فرمایا تو پھر تو نیچے اتر جا۔ تیرا یہ حق نہیں کہ تو یہاں بڑائی جتائے، لہذا تو

نکل جا بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے۔

کہنے لگا مجھے اُس دن تک مہلت دے جس دن سب دوبارہ اُٹھائے جائیں گے

(یعنی قیامت تک) اللہ نے فرمایا بے شک تو اُن افراد میں سے ہے جن کو مہلت

دی گئی ہے۔

کہنے لگا اچھا جس طرح تو نے مجھے بے راہ کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر

ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔

پھر (گمراہی کا سامان لیکر) اُن انسانوں کے پاس اُن کے آگے سے اور اُن کے

پچھے سے اور اُن کے دائیں سے اور اُن کے بائیں سے آؤں گا اور تو اُن میں سے اکثر کو

شکر گزار نہ پائے گا۔

اللہ نے فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل و ٹھکرایا ہوا ہو کر (اور جان لے) کہ ان میں

سے جو تیری پیروی کریں گے تجھ سمیت اُن سب سے جہنم کو بھردوں گا۔

قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السَّاجِدِيْنَ اِنَّ (الحجرات ۲۲ تا ۲۴)

اللہ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟

کہا میں ایسے بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا جیسے تو نے خیر اُٹھے ہوئے گارے

سے پیدا کیا ہے جو سوکھ کر بجھنے لگتا ہے۔ (یعنی معمولی درجہ کی مخلوق)

اللہ نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا کہ تو مردود ہے۔

اور بیشک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

کہنے لگا خدا یا مجھے اُس دن تک مہلت دیدے جبکہ انسان دوبارہ اُٹھائے جائیں گے

(یعنی قیامت تک)۔

اللہ نے فرمایا بیشک تو مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے۔

اُس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے۔

بولایا رب جیسا کہ تو نے مجھ پر نجات کی راہ بند کر دی ہے تو میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں انسانوں کے لئے دل فریبیاں پیدا کر کے اُن سب کو بہکا دوں گا۔
البتہ اُن میں سے جو تیرے مخلص بندے ہوں گے (جو میرے بہکانے میں نہیں آئیں گے)۔

اللہ نے فرمایا بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں اُن پر تیرا کچھ بھی زور نہیں چلیگا صرف انہیں پر چلیگا جو (بندگی کی راہ) سے بھٹک گئے ہوں۔ اور اُن سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو کبھی ٹلنے والا نہیں) اس جہنم کے ثبات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے اُن لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں۔

سورۃ اسراء میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اتباع کرنے والوں کا انجام اس طرح بتایا ہے:-

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْاۤ اٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَۙ اَنۡهٰ

(بنی اسرائیل آیات ۷۵ تا ۷۷)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا آدمؑ کے آگے جھک جاؤ، اس پر سب جھک گئے مگر ابلیس نہ جھکا، اُس نے کہا کیا میں ایسی ہستی کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

نیز اُس نے کہا کیا تیرا یہی فیصلہ ہے کہ تو نے اس (حقیر) ہستی کو مجھ پر بڑائی دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں ضرور اسکی نسل کی بیخ و بنیاد اُکھاڑ کے رہوں گا، البتہ تھوڑے آدمی اس ہلاکت سے بچیں اور کوئی نہ بچے۔

اللہ نے فرمایا جا اپنی راہ لے، جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ چلے گا، اُس کے لئے اور تیرے لئے جہنم کی پوری پوری سزا ہوگی۔

اُن میں سے جس کسی کو تو اپنی صداائیں سنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کر لے، اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر، اور اُن کے مال و اولاد میں شریک ہو جا، اور اُن سے (طرح طرح کی باتوں کے) وعدے کر، اور شیطان کے وعدے تو سراسر دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

جو میرے سچے بندے ہیں اُن پر تو قابو پانے والا نہیں، تیرا پروردگار کار سازی کے لئے بس ہے۔

قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيدَيَّ اِنَّ (ہں آیات ۳۵ تا ۳۸)
فرمایا اے ابلیس! کس چیز نے روک دیا تجھ کو سجدہ کرے اُس کو جسکو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا متنا درجے میں؟
بولامیں بہتر ہوں اُس سے، مجھکو تو نے آگ سے بنایا ہے اور اُسکو مٹی سے۔
فرمایا نکل جا آسمان سے بیشک تو مردود ہو گیا ہے۔

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے جزا کے دن تک۔
بولامیں مجھے مہلت دیدے اُس دن تک جس میں مردے اُٹھائے جائیں گے
(یعنی قیامت تک)

فرمایا تجھکو مہلت ہے معین وقت کی تاریخ تک۔
بولاقسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا اُن سب کو۔
مگر جو بندے ہیں تیرے اُن میں سے چنے ہوئے (وہ میری گمراہی سے دور رہیں گے)

فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں۔
مجھکو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو اُن میں تیری راہ چلیں ان سب کو بھی۔

خلافتِ امی

خلیفہ اپنے حاکم کا نائب اور وکیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنا نائب و خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں اُسکو صورت دینا چاہی تو فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین پر اپنا نائب و خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جو میری مرضیات کو زمین پر نافذ کرے گا۔ اور زمین کا وہ مالک بھی ہوگا۔ اس میں میرے امر و منہار کے مطابق حکومت قائم کرے گا۔ اس اطلاع پر فرشتے حیرانی ظاہر کرنے لگے۔ حیرانی کی وجہ غالباً یہ تھی کہ زمین پر خلافت کی ضرورت آخر کیوں محسوس کی گئی؟ مخلوق تو ہم بھی ہیں کسی دوسری مخلوق کی پیدائش کیا ہماری نااہلی کے سبب سے تو نہیں؟ اس سے قبل جنات بھی تو تھے جنکی سرکشی و بغاوت کی وجہ سے انھیں دوزخ

علاقوں میں مقید کر دیا گیا۔ اب جو مخلوق پیدا ہوگی ظاہراً اس میں خیر و شر ہوگا (کیونکہ خیر محض تو ہم ہیں ہی) ایسی مخلوق سے فتنہ و فساد کی توقع ممکن ہے۔ کہنے لگے پروردگار! ایسی نئی مخلوق سے اگر تیری تسبیح و تقدیس، تہلیل و تکبیر مقصود ہے تو یہ منصب ہمارے لئے زیادہ مناسب ہے کیونکہ ہم ہر لمحہ تیری تسبیح و تقدیس بجالاتے ہیں۔ اور بے چون و چرا تیرا حکم تسلیم کرتے ہیں۔ خدا یا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نئی مخلوق زمین میں خرابی اور خون ریزی برپا کر دے؛ بار الہا تیرا یہ فیصلہ سر آنکھوں پر لیکن اسکی آخر کیا حکمت و مصلحت ہوگی خدا یا اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں؟

بارگاہِ الہی سے اُنھیں اولاً یہ ادب سکھایا گیا کہ مخلوق کو خالق کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں جب تک کہ حقیقت سامنے نہ آجائے زبان بند رہنی چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا حاکمانہ جواب اس طرح دیا۔ جو حقیقت تم نہیں جانتے میں سکو جانتا ہوں۔ فرشتوں نے یہ جواب سُکر سر تسلیم خم کر دیا۔ آیات ذیل میں یہ ہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ (بقرہ آیت ۲۰)

قرآنی مضمون

اور جب ایسا ہوا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تمہارا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائیگی اور خون ریزی کرے گی؟ حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہوئے تیری پاکی و قدوسی کا اقرار کرتے ہیں کہ تیرا ارادہ بُرائی سے پاک اور تیرا کام نقصان و عیب سے منزہ ہے، اللہ نے فرمایا میری نظر جس حقیقت پر ہے تمہیں اسکی خبر نہیں۔

اقرار و تسلیم

چونکہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر حیرت کا اظہار کیا تھا اور عجلت میں اللہ تعالیٰ سے یہ سوال بھی کر دیا تھا کہ ایسی مخلوق کی غرض و غایت کیا ہے جبکہ ہم تسبیح و تقدیس کے لئے موجود ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں یہ جواب دیکر خاموش کر دیا تھا کہ اسکی حکمت میں جانتا ہوں تم کو خبر نہیں۔

فرشتوں کے سکوت اور اللہ تعالیٰ کے جواب سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتوں کی یہ کوئی گستاخی یا قابل سرزنش بات نہ تھی ورنہ اللہ تعالیٰ کے جواب کا عنوان ایسا نہ ہوتا۔ بہر حال فرشتوں کی نظروں میں حضرت آدم علیہ السلام کا مقام ظاہر نہ تھا اور اللہ کی مشیت تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فوقیت دی جائے اور اس کا اظہار بھی کر دیا جائے، تاکہ جہاں اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق کا مشاہدہ ہو وہاں فرشتوں کا اعتراف قصور بھی انہی کی زبان سے ہو جائے۔

اس کیلئے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ”صفتِ علم“ سے کچھ حصہ عطا فرما دیا جسکو قرآنی زبان میں ”علم الاسماء“ کہا گیا ہے۔

یہ علم کمن چیزوں کا تھا؟ قرآن حکیم نے اسکی کوئی وضاحت نہیں کی ہے البتہ احادیث نبوی میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ یہ علم ”موجودات“ کا علم تھا۔ عالم میں جو کچھ بھی تھا اُس کا نام اور حقیقت بتلا دی گئی کہ اُس کا یہ نام ہے اور کام یہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس علم کے حامل ہو گئے اور صفتِ علم سے سرفراز و مفتخر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت آدم ؑ کو فرشتوں کے سامنے لایا گیا اور سوال کیا گیا کہ اے فرشتو بتاؤ ان ان چیزوں کے کیا نام ہیں اور ان کی غرض و غایت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا یہ سوال بعینہ وہی سوال تھا جسکو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ یعنی تخلیقِ آدم ؑ کی غرض و غایت کیا ہے؟

فرشتوں کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی اور وہ ان چیزوں سے قطعاً ناواقف تھے فوراً بول اُٹھے یا الہی تو ہر عیب سے پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جو تو نے ہمیں بخشا ہے۔ تو ہی ہر بات پر قدرت والا اور حکمت والا ہے۔

اس کے بعد تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور حضرت آدم ؑ کی فضیلت کا اعتراف بھی فرشتوں سے یہ اعتراف کروانا دلیہ بھی بغیر کسی حجت و آزمائش کے ممکن تھا، لیکن یہ بات سوال و جواب کے حدود میں آگئی تھی اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کو دلیل و برہان سے واضح کر دیا گیا۔

آیات ذیل اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

قرآنی مضمون | وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ (بقرہ آیت ۳۱)

اور اللہ نے آدمؑ کو ساری چیزوں کے نام سکھا دیئے۔ پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا (اگر تمہارا خیال صحیح ہے کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائیگا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ؟

فرشتوں نے عرض کیا عیب سے پاک تو آپ کی ہی ذات ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے والا آپ کے سوا اور کوئی نہیں۔

اللہ نے آدمؑ سے کہا اے آدمؑ تم ان چیزوں کے نام انھیں بتاؤ؟ جب آدمؑ نے ان سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا (اے فرشتو!) میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہیں اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اُسے بھی میں جانتا ہوں۔

جنت کا قیام | فرشتوں کے اقرار کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت دے دی گئی، وہ اسمیں ایک عرصہ تک راحت و سکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن چونکہ انسان بھتے مسلسل تنہائی و یکتائی کی وجہ سے وحشت و تنگی محسوس کرنے لگے۔

اللہ علیم وخبیر نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ایک ہمدم و مونس حضرت حواؑ کی شکل میں پیدا فرما دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنا مونس و رفیق حیات پا کر بے حد مسرور ہوئے اور وہ تنہائی کی کلفت جاتی رہی۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے سکونِ قلب کا انتظام ہو گیا۔ (تخلیق حواؑ کی تفصیل آگے آرہی ہے)

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ کو عام اجازت تھی کہ وہ جنت کے جس حصے میں چاہیں قیام کریں، ساری آسائشیں مہیا تھیں جسکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی کے قلب پر اس کا تصور آسکتا تھا۔ اس مکمل عیش و فراوانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع بھی کر دیا تھا۔ اور یہ بھی تنبیہ کر دی تھی کہ اگر اس کے خلاف ہوا تو یہ ظلم کی بات ہوگی اور آگاہ بھی کر دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے کہیں تم کو نافرمانی میں مبتلا نہ کر دے؟

حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، اُن کی ارادۃً ایسی کوئی بات ممکن نہ تھی۔ لیکن خطا و نسیان بہر حال ہر بشر میں فطرۃً موجود تھے، حضرت آدم علیہ السلام ایک عرصہ تک اطمینان و بیفکرمی سے جنت میں مقیم رہے، ابلیس اُسی دن سے اس تاک میں تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اپنا انتقام لے، اُس نے کسی طرح حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ شجر ”شجرۃ الخلد“ ہے۔ اس کا پھل کھانا گویا جنت میں ابدی زندگی کا ضامن ہے۔ اور یہ زندگی علامت ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ہمیشہ راضی ہے اور راضی رہے گا، اور یہ عالم، ابدی عالم ہے جو ختم نہ ہونے والا ہے۔ پھر اس پر مزید دھوکہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی قسمیں کھانا اور اپنا خیر خواہ و مخلص ہونا ظاہر کیا۔ اس دھوکہ سے حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا کو اُس درخت تک لے آیا، حضرت آدم علیہ السلام وقتی طور پر یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اتنا غمی قسم کا ہے اور نہ اس جانب ذہن گیا کہ یہ حکم کوئی دائمی حیثیت رکھتا ہے، پھر جنت کے دائمی قیام کی خواہش اور قرب الہی کے شوق نے اُن کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کر دی۔ دونوں نے اُس درخت کا پھل کھا لیا کھانا تو درکنار صرف چکھنا ہی تھا کہ بشری لوازم اُبھرنے لگے۔ دونوں اپنے جسم کی اچانک برہنگی محسوس کرنے لگے، جنت کا وہ لباس جو دونوں کے لئے زینت و ستروپشی کا کام دیتا تھا اُتر گیا، گھبرا کر درخت کے پتوں سے اپنا بدن ڈھانکنے لگے۔ یہ حالت اُس لغزش کی پاداش تھی جو اس شکل میں نمودار ہوئی۔

اسپر کچھ دیر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا عتاب آمیز خطاب نازل ہوا حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اے آدم! کیا میں نے تم دونوں کو درخت کے قریب ہونے سے منع نہ کیا تھا؟ اور کیا میں نے تمہیں یہ تنبیہ نہ کی تھی کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام کو فوراً احساس ہوا کہ غلطی سرزد ہو گئی ہے اور دشمن شیطان نے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ فوری اور بغیر کسی توقف سجدہ میں گر پڑے، ندامت اور اعتراف کے ساتھ اس طرح گویا ہوئے: ”اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے اور اگر آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم خسارہ والوں میں ہو جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ جو دونوں کے بھیدوں تک کو خوب جانتا ہے حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوٰار کے پاکی قلب کو اچھی طرح جانتا تھا، عُذر کی خوبی اور غزم و ارادے سے خالی خطا و لغزش کو جان کر دونوں کو معاف کر دیا اور یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ اس عمل میں حضرت آدم علیہ السلام بالکل معصوم ہیں۔ (طہ آیت ۱۱۵)

لیکن چونکہ علم الہی میں وہ وقت آچکا تھا کہ زمین کو "انسانی معمورہ" بنایا جائے اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کی اس زمین پر پہلا خلیفۃ اللہ قرار دیا جائے۔ اس خوشخبری کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی بیوی حضرت حوٰا کو زمین پر اتار دیا گیا۔ اور یہ ہدایت بھی دی گئی کہ زمین پر بھی تمہارا اور تمہاری اولاد کا دشمن ابلیس موجود رہے گا اور تم کو اس سے بچ کر صراطِ مستقیم پر قائم رہنا ہوگا۔

آیات ذیل انہی تذکروں پر مشتمل ہیں۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ۖ

(بقرہ آیات ۲۵ تا ۲۹)

قرآنی مضمون

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے آدم سے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن و چین کی زندگی بسر کرو، مگر دیکھو وہ جو ایک درخت ہے کبھی اُس کے قریب نہ ہونا، ورنہ تم دونوں حد سے تجاوز کرنے والے ہو گے۔ (پھر کیا تھا) کہ شیطان کی وسوسہ اندازی نے اُن دونوں کے قدم ڈگمگادیئے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کو راحت و سکون کی زندگی سے نکلنا پڑا۔ اللہ کا حکم ہوا کہ یہاں سے چلو، تم میں سے ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا، اب تمہیں زمین پر رہنا ہے ایک خاص وقت کے لئے (جو علم الہی میں مقرر ہے۔ اور اس قیام سے فائدہ اٹھانا ہے۔) (پھر ایسا ہوا) کہ آدم نے اپنے پروردگار کے القار سے چند کلمات حاصل کر لئے (جو قبولیت و دعا کے لئے مفید تھے) پس اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور بلاشبہ وہی رحمت والا درگزر کرنے والا ہے۔ (لیکن جس زندگی سے وہ نکل چکے تھے وہ دوبارہ نہیں مل سکتی تھی) لہذا ہمارا حکم ہوا اب تم سب یہاں سے زمین پر اتر جاؤ لیکن یاد رکھو، جب تمہیں ہماری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے اُن کے لئے کوئی خوف و رنج نہ ہوگا۔ اور جو لوگ اس کو

قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

سورۃ اعراف میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذَا اٰدَمُ اَسْكَنُۢ اَنْتَ وَرَوْحُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝۱۰ (الاعراف آیات ۱۹ تا ۲۵)

اور اے آدم تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ پیو، مگر اس درخت کے قریب نہ ہونا ورنہ زیادتی کرنے والوں میں ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ اُن کا ستر جو اُن سے چھپا ہوا تھا اُن پر کھول دے، اُن سے کہا تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اُس کی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ تم فرشتے بن جاؤ گے (یعنی اس کے کھانی سے) یا تمہیں جنت کی دائمی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ اور اُس نے قسم کھا کر اُن سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ بھی ہوں۔

اس طرح دھوکہ دے کر اُن دونوں کو درخت کے قریب لے آیا، آخر کار دونوں نے اُس درخت کا (مزہ) چکھا تو اُن کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور دونوں اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے، تب اُن کے رب نے اُنہیں پکارا کیا میں نے تمہیں اُس درخت سے نہ روکا تھا؟ اور کیا میں نے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دونوں (آدم و حوا) فریاد کرنے لگے۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اگر آپ نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ والے ہو جائیں گے۔ اللہ نے توبہ قبول کرنے کے بعد) فرمایا۔ تم سب (مع ابلیس) زمین پر اتر جاؤ۔ تم میں بعض بعض کا دشمن ہوگا، اور تمہارے لئے ایک خاص مدت تک زمین ہی پر جائے قرار اور سامانِ زینت رہے گا۔ وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اُسی میں سے تم کو (مرنے کے بعد اٹھایا جائیگا)

سورۃ طہ میں اس طرح ذکر فرمایا۔

وَلَقَدْ عٰهَدْنَا اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَكَ عِزْمًا ۝۱۰ (طہ آیات ۱۱۵ تا ۱۲۳)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آدمؑ سے پہلے ہی عہد لے لیا تھا پھر وہ بھول گئے اور ہم نے اُن میں نافرمانی کا قصد نہیں پایا۔ (یعنی اُن سے بھول ہو گئی) اور پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کے آگے جھک جاؤ، سب جھک گئے مگر ابلیس نہیں جھکا اُس نے انکار کر دیا۔

اسپر ہم نے کہا اے آدمؑ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال کر رہے پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ تمہارے لئے تو اب ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں تم بھوکے رہو گے اور نہ برہنہ اور نہ تمہارے لئے پیاس کی جلن ہوگی نہ سورج کی تپش۔

لیکن شیطان نے آدمؑ کو وسوسہ میں ڈالا اُس نے کہا اے آدمؑ میں تم کو ”شجرۃ الخلد“ ہمیشگی کے درخت کا نشان بتا دوں؟ اور ایسے عالم کی خبر دوں جو کبھی فنا نہ ہو؟ (شیطان کی اس فریب آمیز خیر خواہی پر) آدمؑ اور حواؑ نے درخت کا پھل کھا لیا (کھانا ہی تھا کہ) اچانک اُن دونوں کے ستر اُن پر کھل گئے اور وہ دونوں باغ کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانکنے لگے۔ غرض کہ آدم اپنے رب کے کہنے پر نہ چلے۔ پس وہ (جنت کی زندگی سے) بھٹک گئے۔

لیکن پھر اللہ نے انہیں برگزیدہ کیا اور اپنی رحمت سے اُن پر متوجہ ہوا اور اُن پر علم و عمل کی راہ کھول دی۔ (چنانچہ اللہ نے انہیں) حکم دیا تم دونوں اکٹھے یہاں سے (زمین کی طرف) اتر پڑو۔ تم میں سے ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا (اب تم پر دوسری زندگی کی راہ کھلے گی) پھر اگر میری طرف سے تمہاری (نسل کے) پاس کوئی پیام ہدایت آئے تو (اس بارے میں میرا قانون یاد رکھو) جو کوئی میری ہدایت پر چلیگا وہ نہ راہ سے بے راہ ہوگا اور نہ دکھ میں پڑے گا۔

نتائج و عبرت

(۱) تاریخ پیدائش | یہ بات واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود گرامی

فِيهِ خُلِقَ آدَمُ (الحديث) جمعہ کے دن آدم پیدا کئے گئے۔

(۲) آدم و حوا مر | آدم اور حوا کا لفظ دراصل اُس لغت سے متعلق ہے جو دنیا کی معدوم لغات میں شمار کی جاتی ہیں۔ اس لئے اسکے حقیقی لغوی معنی متعین کرنا دشوار ہے تاہم بعض اہل علم نے آدم کا لفظ ”ادیم الارض“ سے ماخوذ سمجھا ہے۔ ادیم الارض کے معنی صفحہ زمین کے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایسا جسم جو مٹی سے تیار کیا گیا ہو۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اس لئے آدم نام رکھا گیا۔

نام رکھا لیا۔
 ”حوا“ حئی سے ماخوذ ہے۔ حئی کے معنی زندہ شخصیت کے ہیں۔ چونکہ وہ ہر حی کی ماں ہیں اس لئے اُن کا نام حوا رکھا گیا۔ واللہ اعلم۔
 یا اس وجہ سے کہ وہ ایک حئی (زندہ) یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کی گئی تھیں اس لئے انھیں حوا رکھا گیا۔

قرآن حکیم کے سورہ نسا کی پہلی آیت میں حضرت حواء کا ذکر اس طرح آیا ہے
وَخَلَقَ مِنْهَا نَرًا وَجَہًا ۝۱۲ (اور حواء کو آدم سے پیدا کیا۔)
یعنی بغیر ماں کے آدم کی پشت سے، کہا جاتا ہے کہ آدم جنت میں سورہ تھے

بیدار ہوئے تو پہلو میں حوّا کو بیٹھا دیکھا، فطرت خود بخود مائل ہو گئی دونوں میں اُنس پیدا ہو گیا۔ دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حوّا کو جنسِ آدم سے پیدا کیا گیا معنی اُس بقیہ مٹی سے جسکے ذریعہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بنایا گیا۔ واللہ اعلم۔

(۳) ایک شبہ اور اُس کا جواب

سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر ابلیس کو مردود بنا کر جنت سے نکال دیا گیا تھا پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں اُس درخت کے قریب کس طرح لایا جبکہ وہ جنت سے باہر ہو چکا تھا؟

اس کا جواب بعض مفسرین نے قرآن حکیم کے الفاظ سے اخذ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت تک ابلیس کا داخلہ جنت میں ممنوع نہیں ہوا ہو۔ اگرچہ وہ اس وقت تک مردود و مطرود ہو چکا تھا۔ قرآن حکیم نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے کے لئے یہ لفظ بیان کئے ہیں۔

اِهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا۔ تم سب جنت سے نیچے اتر جاؤ۔

اِهْبِطُوا جمع کا صیغہ ہے جو آدم اور حوّا اور ابلیس تینوں کو شامل ہے۔ ممکن ہے ابلیس ایک عاصی و مردود کی حیثیت سے اس کام کے لئے جنت کے کنارے آیا ہو اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا کو دھوکہ دیدیا ہو۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا کہ جنت کے باہر ہی سے بذریعہ وسوسہ حضرت آدم اور حوّا کو اُس درخت کے قریب لے آیا ہو۔ قرآن کریم کی آیت فَوَسَّوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ الْاِیَّیْمَ (پھر شیطان نے اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈالا)

آیت کا مفہوم بھی اس جواب کی تائید کرتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے تار و اسلی کے ذریعہ آواز کو دور دراز حصوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ ایسے ہی شیطان نے اپنے وسوسہ کی طاقت سے یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں پہنچائی ہو۔

(۴) ابلیس کی حقیقت

ابلیس کے لفظی معنی ”انتہائی مایوس“ کے ہیں۔ چونکہ یہ راندہ درگاہ ہونے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

رحمت الہی سے مایوس ہو گیا تھا اس لئے اس کا یہ لقب قرار پایا۔ روایات میں اُس کا اصل نام ”عزراہیل“ یا حارث بیان کیا گیا ہے۔

مورّ منثور میں سعید بن منصور کا قول سورۃ کہف کے تحت منقل کیا گیا ہے کہ ایک بار فرشتوں کے ذریعہ جنات کو اُن کی نافرمانی و بغاوت کی سزا دلانی گئی تھی جس میں بہت سے جنات قتل ہوئے۔ یہ ابلیس بچہ سا تھا اس کو آسمان پر لا کر رکھا گیا فرشتوں کیساتھ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہا کرتا تھا۔

قرآن حکیم نے اُس کا تعارف اس طرح کیا ہے۔

كَانَ مِنَ الْجِنَّۃِ فَفَسَقَ عَنْۢ اَمْرِ رَبِّہٖ (کہف آیت ۵)

وہ جنات میں سے تھا پھر وہ اپنے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔
علم ناقص اور مزاج ناپاک تھا غرور و تکبر میں مبتلا ہو گیا۔

(۵) معیارِ خلافت

خلافت الہیہ کا مدار کثرتِ ذکر و شغل پر نہیں ہے (یعنی جو سب سے بڑا عبادت گزار ہو اُس کو خلیفہ بنایا جائے) بلکہ کثرتِ علم و فہم پر موقوف ہے، خلافت کے لئے جہاں ذکر و عبادت ضروری ہیں وہاں بنیادی طور پر علم و فہم میں کامل ہونا بھی ضروری ہے۔ فرشتے چونکہ سراپا ذکر و تسبیح تھے اس لئے زمین کی خلافت کے لئے انہیں منتخب نہیں کیا گیا بلکہ ایک ایسی مخلوق کو منتخب کیا گیا جو علم و فہم کی استعداد رکھتی تھی اور وہ حضرت ”السان“ ہیں۔

زمین کی خلافت صفتِ علم کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ خلافت کی اہم ذمہ داری انتظام اور عدل کا رکھنا ہے۔ کسی بھی انتظام کے لئے علم اور فہم ضروری ہیں۔ اس لئے زمین کی خلافت کے لئے انسان کا انتخاب کیا گیا۔

انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی جن کا نام حضرت شمویل علیہ السلام بیان کیا جاتا ہے اپنی قوم پر حضرت طالوت کو حاکم مقرر کرنا چاہا جو ساری قوم میں غریب شمار کئے جاتے تھے۔

اس انتخاب پر قوم نے اعتراض کیا کہ وہ تو ایک غریب مفلوک الحال آدمی ہیں نہ اُن کے ہاں مال و دولت ہے اور نہ شان و شوکت، لہذا ہم میں سے کسی مالدار ذی حیثیت

آدمی کو حاکم مقرر کر دیا جائے ؟

حضرت شمول علیہ السلام نے فرمایا کہ طاوت کو اللہ تعالیٰ نے علم و قوت تم سے زیادہ عطا کی ہے وہی خلیفہ اور حاکم بننے کے اہل ہیں (سورہ بقرہ آیت ۲۵۴)۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلافت کے لئے علم و فہم ضروری ہیں جو انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور فرشتوں کی صفت اس سے خالی ہے۔

(۶) مِیَّارِ اُسُوۃٍ اور عصمتِ انبیاء حضرت آدم علیہ السلام صرف انسان و بشر ہی نہیں تھے،

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی و رسول بھی تھے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بتائیے کیا آدم نبی تھے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں وہ نبی تھے اور رسول بھی۔ انھیں اللہ سے شرف و مخاطب و تکلم حاصل تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲)۔
اور یہ عقلی بات بھی ہے جب وہ پہلے انسان تھے تو نسل انسانی کے لئے انہی ذریعہ پیام الہی پہنچنا ضروری تھا جبکہ وہی ان کے ہادی و رہبر بھی تھے۔

حضرات انبیاء کرام خطا و معصیت سے معصوم ہوا کرتے ہیں، اُن پر اللہ تعالیٰ کی مستقل حفاظت نگرانی قائم رہتی ہے۔ اگرچہ بشری تقاضوں کے حامل ضرور ہوتے ہیں لیکن اُن کے عمل و ارادے میں ہر قسم کی بدی و شر کے ظہور کو عملاً ناممکن و محال کر دیا جاتا ہے تاکہ اُن کا ہر قول و عمل بلکہ حرکت و سکون تک انسانیت کے لئے ”بہترین نمونہ“ بن سکے یہ ہی بات قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ البتہ بشریت و انسانیت سے متصف ہونے کی وجہ سے سہو، نسیان، زلت (لغزش) کا امکان باقی رہتا ہے۔ جو کبھی کبھی عملی بھی اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن ایسی امکانی صورت میں بھی اُنہیں اُس حالت پر باقی نہیں رکھا جاتا بلکہ فوراً ہی خبردار کر دیا جاتا ہے اور وہ اس حالت سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ سہو اور نسیان تو کوئی خطا یا معصیت ہی نہیں ہیں جسکی وضاحت ضروری ہو۔ البتہ زلّۃ (لغزش) کی تحقیق قابل ذکر ہے۔ لغزش بظاہر ایسے خلاف واقعہ عمل کو بولا جاتا ہے جہاں عمل و کردار میں بغاوت و سرکشی تو درکنار قصد و ارادے کا بھی دخل نہیں ہوتا، بشری تقاضہ کے پیش نظر

ایک ایسا عمل پیدا ہو جائے جو بظاہر خلاف واقعہ سمجھا جائے۔ اس عمل میں نیت، قصد، ارادہ، قسم کی کوئی چیز شامل نہیں ہوتی۔ اسکی مثال ایسے ہے جیسے ایک دوسرا معصوم بچے کے ہاتھ سے کسی کی آنکھ پھوٹ جائے۔ ظاہر ہے اس عمل میں اُس بچے کے علم و ارادہ، بغاوت و سرکشی کو کیا دخل ہے؟ بغیر کسی نیت مجرم اُس سے ایک ایسی بات سرزد ہوگئی جو نہ خطا کہلاتی ہے نہ معصیت و مجرم، تقریباً ایسی ہی کیفیت انبیاء کرام کے اُن واقعات کی ہے جو اُن سے بطور لغزش پیدا ہو گئے ہیں۔ اور یہ اُس بشری طبیعت کا خاصہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت سلیمہ میں شامل رکھا ہے۔ ہاں بالارادہ خلاف حکم کو گناہ عصیان وغیرہ کہتے ہیں جسکا صدور انبیاء سے محال ہے اور اُن سے مہجول چوک کے سرزد ہو جائے میں اللہ کی کئی ایک حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جنکو محققین نے مختلف تعبیرات سے ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امت کے لئے خطا و لغزش میں نبی کا اُسوہ و نمونہ پیش نظر رہے جس طرح نبی اپنی زلت و لغزش کے فوری بعد رجوع الی اللہ، توبہ، ندامت، انابت، الحاح و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور معافی و درگزر کا خواستگار ہوتا ہے ایسے ہی امت کو اپنی خطاؤں میں اسی طرح رجوع الی اللہ ہونا چاہیے۔

موطا امام مالک کی ایک روایت میں اس عنوان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

إِنِّي لَأَنْسِي أَوْ أَنْسَى لَأَسْنَ (موطا) مجھکو مہجلا یا جاتا ہے تاکہ امت کے لئے

سنت قائم ہو جائے۔

امام غزالی نے ایک اور لطیف حکمت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:-

”چونکہ انبیاء کرام کے ہاتھوں معجزات اور خرق عادات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور معجزات کی حقیقت یہی ہے کہ انسانی طاقت ایسے عمل جاری کرنے میں عاجز و درماندہ ہو جائے تاہم اُمم یہ بتلاتی ہے کہ بہت سی قومیں انبیاء کرام کے معجزات و خرق عادات دیکھ کر ان میں الوہیت و ربوبیت کے قائل ہو گئیں تھیں جسکی کہ بعض قوموں نے اپنے نبی کو خدا، خدا کا بیٹا، شریک خدا جیسے مشرکانہ عقیدوں سے متصف سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی لغزشوں کو اس گمراہی و بدعقیدگی کے انسداد کا ذریعہ بنایا کہ اگر یہ خدا یا خدائی طاقتوں کے حامل ہوتے تو ان سے لغزشیں نہ ہوتیں اور وہ اپنی لغزشوں پر پہلے ہی متنبہ ہو جاتے اور اُن سے ایسا عمل سرزد نہ ہوتا۔“ واللہ اعلم۔

بہر حال انبیاء کرام کی لغزشوں کی حکمت خواہ کچھ بھی ہو یہ نفوسِ قدسیہ نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ بشریت کے لوازم بھی رکھتے ہیں جنہیں سہو، نسیان، لغزش بھی شامل ہیں جو گناہ یا معصیت قطعاً نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ غلطی نہ گناہ تھی نہ معصیت بلکہ ایک قسم کی لغزش تھی۔ سورہ بقرہ کی آیت ۲ میں یہ الفاظ ہیں۔

فَازْتَمَمَا الشَّيْطَانُ شَيْطَانُ نَفْسِ دُونُوں سے لغزش کرادی۔

یہاں لفظ زلت استعمال کیا گیا ہے جسکی وضاحت اوپر آچکی ہے۔ حضرت آدم کا یہ عمل لغزش (زلت) تھا خطا یا معصیت نہ تھی۔

اور سورہ طہ آیت ۱۲ اور سورہ اعراف آیت ۱۷ میں اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے لفظ وسوسہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ (طہ آیت ۱۲)

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (اعراف آیت ۱۷)

شیطان نے اُن کو پھسلا دیا (یا) پھر شیطان نے اُن دونوں کے دلوں میں سودا لایا۔

پھر اسی سورہ طہ میں تیسری جگہ اس لغزش و وسوسہ کا سبب خود ہی بیان کر دیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر قسم کے ارادی و عملی گناہ سے پاک تھے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَخْلُقَ أَنْفُسَهُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْغَافِلِينَ (طہ آیت ۱۵)

اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ بھول گئے اور ہم نے (اس عمل میں) اُن کا کوئی عزم و ارادہ نہیں پایا یعنی آدم علیہ السلام کا درخت کے قریب ہونا قصدی و ارادی عمل نہ تھا بلکہ غفلت و بھول کا نتیجہ تھا۔

قرآن حکیم کی یہ تصریحات انبیاء کرام کی عصمت و پاک دامنی کو واضح کرتی ہیں کہ انبیاء کرام خطاؤں، معصیتوں، اور ذنوب سے پاک ہوتے ہیں۔ یہی سلف و خلف کا عقیدہ ہے اور اسی پر امت کا سوا داعظم متفق ہے۔ البتہ بعض ناواقفوں کو سورہ طہ کی آیت ۱۲

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ

سے شبہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے معصیت کا صدور ہوا اور وہ گمراہ ہو گئے۔

غالباً شبہ کی یہ وجہ ہوگی کہ آیت مذکورہ میں لفظ ”عصى“ اور ”غوی“ مذکور ہیں جن کا عام ترجمہ ”نافرمانی کی“ اور ”گمراہ ہو گئے“ لکھا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے (معوذ باللہ) گناہ کیا اور گمراہ ہو گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ باری النظر میں ایسے ہی سمجھا گیا مگر جب دیگر آیات کے ساتھ جو اس سلسلے میں موجود ہیں غور کیا جائے تو یہ شبہ بالکل ہی سطحی معلوم ہوگا۔ دراصل یہ ظاہری شبہ ہے جو محض الفاظ کے ظاہر سے پیدا ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں بہت سے ایسے لفظ ہیں جو دو دو چار چار معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ”ظلم“ کا لفظ گناہ، زیادتی، شرک کے معنی میں آیا ہے۔ ایسے ہی ”ضلاً لکھ“ گمراہی، نقصان، غائب ہونا، حیران و پریشان ہونا کے معنی میں آیا ہے۔ انہی الفاظ میں لفظ ”مَعْصِيَةٌ“ اور ”غَوَايَہُ“ بھی شامل ہیں۔ ان کے معنی جہاں گناہ رہا اور گمراہ ہونا آتے ہیں وہاں ”مَعْصِيَةٌ“ کے معنی لغزش کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب لِسَانُ الْعَرَبِ اور اقرب الموارد میں صراحت ہے۔

الْمَعْصِيَةُ قَدْ تُطْلَقُ عَلَى الذَّلٰلَةِ فَجَازًا۔

معصیت مصدر ہے سمجھی مجازاً لغزش کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اسی طرح غوی، ضلّ یا غاب کے معنی میں آتا ہے بہک گئے یا نقصان میں پڑ گئے۔ اب آیت وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوٰی کا ترجمہ یہ ہوا۔

لغزش کھائی آدمؑ نے اپنے رب کے حکم میں پس وہ نقصان میں پڑ گئے۔ لہذا آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آدمؑ نے نافرمانی کی اور گمراہ ہو گئے بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔ لغزش کھائی اور نقصان میں پڑ گئے۔

نقصان یہ کہ جنت جیسی جگہ چھوٹ گئی۔ جہاں ہر قسم کی آسائش مہیا تھی۔ اور دنیا کی زندگی میں آگئے جہاں نفع و نقصان دونوں پیش آتے ہیں۔

(۷) **دَوَّ وَضَاحَتَيْنِ** | شجر ممنوعہ کے کھاتے ہی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ کا وہ لباس جو زیب تن تھا اتر گیا اور ایک دوسرے کے ستر سامنے ہو گئے۔ دونوں درخت کے پتوں سے اپنا ستر چھپانے کی

کی فکر میں پڑ گئے۔

یہ لباس کس چیز کا تھا؟ اور اچانک کیوں اُتر پڑا؟
یہ دو سوال ہیں جن کی وضاحت درج کی جاتی ہے۔
ابن کثیرؒ نے وہب بن مُنبہؒ کے حوالہ سے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کوئی مادی لباس
نہ تھا بلکہ كَانَ لِبَاسَهُمَا نُورًا۔ دونوں کا لباس نور کا تھا۔ گویا مطلب یہ کہ یہ جنت کا
خصوصی لباس تھا جو صرف اسی عالم کے لئے سزاوار تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ جس دنیا میں اُترنے والے تھے اُس کے
مناسب نہ تھا اس لئے وہ لباس اُتار دیا گیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے پیدائش کے وقت
مولود کا وہ لباس جو لُطْنِ مادر میں زیب تن رہتا ہے پیدائش کے بعد اُتار دیا جاتا ہے
وہ ایک باریک سی جھلی ہوتی ہے جو بچے کے بدن پر لپٹی ہوئی رہتی ہے۔

بعض مفسرین نے دوسرے سوال کی یہ وضاحت کی ہے کہ لباس کا اچانک
اُتر جانا دراصل اُس نادانستہ لغزش کا نتیجہ تھا جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت
حواؑ سے سرزد ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جنت میں اُنکے ستر پوشی
کا انتظام فرمایا تھا، جب ان حضرات سے یہ لغزش ہو گئی تو اللہ کی حفاظت اُن سے
ہٹالی گئی اور اُن کا پردہ کھول دیا گیا اور انہیں خود اپنے نفس کے حوالہ کر دیا گیا۔
گویا اس حقیقت کا اظہار تھا کہ جب کسی انسان سے عدول حکمی ہوگی تو دیر یا سویر اُس
کا پردہ کھل کر رہے گا۔ اور اُسے خود اُس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی دعاؤں میں یہ بھی مذکور ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرَفَةً عَيْنٍ وَلَا تَنْزِعْ مِنِّيْ صَاحِبَ مَا اَتَيْتَنِيْ
خدا یا مجھ کو ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ فرما اور مجھ سے اپنی عطا کردہ نعمت
کو نہ چھین لے۔ (المحدث)

(۵) **ابو البشر** حضرت آدم علیہ السلام روئے زمین کے پہلے بشر ہیں اس لئے
انہیں ابو البشر کہا جاتا ہے۔ البتہ طبقات الارض کے بعض ماہرین
نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ انسانی دنیا سے پہلے بھی اس زمین پر ایک

انسان جیسی مخلوق کا وجود رہا ہے جس کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے تیس ہزار سال پہلے کا ہے۔ اس مخلوق کا نام ”تیاندرتال“ بتایا جاتا ہے۔ جو چھ کروڑ منفوس پر مشتمل تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پوری آبادی کسی مجرم کی پاداش میں ہلاک و ضائع کر دی گئی۔ اس تحقیق کی بنیاد آثار قدیمہ کی وہ ہڈیاں ہیں جو زمین کی کھدائی میں ظاہر ہوئے ہیں جو اپنی قد و قامت، شکل و صورت میں موجودہ انسانی اعضاء سے بہت حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔

لیکن قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں فرمائی۔ تذکرہ سیدنا آدم علیہ السلام کے سلسلے میں جس قدر بھی آیات موجود ہیں اُن سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس زمین کے پہلے بشر ہیں انسانیت کا آغاز انہی سے ہوا۔ یہ ہی زمین کے پہلے انسان اور نبی ہیں۔ نسل انسانی حضرت آدم علیہ السلام ہی سے شروع ہوئی۔ یہی اسلامی عقیدہ ہے اور ہمارے علم و یقین کے لئے صرف اس قدر کافی ہے جو ہم کو قرآن جیسے علم یقین اور وحی الہی کے بعد حاصل ہوا ہے۔ علم و یقین کے لئے یہ دو ماخذ کافی ہیں۔

(۹) فرشتوں کی حقیقت

حضرت آدم علیہ السلام کے تذکرے میں فرشتوں کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ فرشتے اللہ

کی مخلوقات میں سے ایک خاص مخلوق ہیں جو ”نور“ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ ہم کو دیکھ لیتے ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں پاتے۔

قرآن حکیم نے فرشتوں کی دو صفات بیان کی ہیں۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ الْآیۃ

(سورۃ التحریم آیت ۶)

اللہ جو انہیں حکم دیتا ہے اُسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اُسے بجالاتے ہیں۔ فرشتے خدائی اختیارات کے حامل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اس عظیم الشان کائنات کا انتظام چلاتا ہے۔ یہ سلطنت الہی کے ”اہل کار“ ہیں۔ اپنے فرائض منصبی کے لئے جس وقت جو ضرورت پیش آتی ہے ویسی ہی صورت

اختیار کر سکتے ہیں۔ بعض ان میں ایسے قوی ہیں کہ تنہا ایک ایک شہر کو تھس تھس کر سکتے ہیں۔ ان میں نافرمانی کا کوئی عنصر نہیں۔ یہ خیر محض ہوتے ہیں۔

یہ اپنی ذوات میں منفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جاہل قومیں انکی قوت و طاقت کا مظاہرہ دیکھ کر ان کو خدائی میں حصہ دار، خدا کا رشتہ دار، اور بعضوں نے ان کو خدا کی بیٹیاں قرار دے لیا ہے۔

اسلام نے ان غیبی ہستیوں کو تسلیم کرنے اور ان کو خدا کی مخلوق جاننے کی ہر مسلمان پر پابندی عائد کی ہے اور اس کو اسلام کے بنیادی عقائد میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے بعض کے نام قرآن حکیم اور احادیث رسولؐ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی جملہ تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ (المدثر آیت ۳۱)

اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
قرآن حکیم میں فرشتوں کا ذکر (۸۶) آیات میں ۸۸ مرتبہ آیا ہے۔

(۱۰) جنّات کا تعارف

ہیں۔ ان کی تخلیق میں آگ کا عنصر غالب ہے، یہ بھی

مختلف شکل اختیار کر سکتے ہیں، ان میں نیک و بد دونوں قسم ہیں۔ شریعت الہی کے یہ بھی مکلف (پابند) ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف بھی مبعوث فرمائے گئے ہیں اسی لئے آپؐ کو ”رسول الثقلین“ (جن و انس کے رسول) کہا جاتا ہے۔ آپؐ نے ان کے شہروں کا بھی سفر فرمایا ہے۔ احادیث میں ”لَیْلَتُنَا الْجَنِّ“ کا تذکرہ آیا ہے۔ روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے پانچ دفعہ جنّات کی دعوت پر ان کے شہروں کا سفر فرمایا ہے۔ اور انکے قبائل میں اسلام کی دعوت دی ہے۔ سینکڑوں جنّات نے اسلام قبول کیا۔ ان کے وفود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور آپؐ سے اسلام و ایمان کی باتیں معلوم کرتے تھے۔ کتب احادیث میں جنّات کے بعض خاص احکام بھی مذکور ہیں۔

قرآن حکیم میں ایک مستقل سورہ (سورۃ الجن) مذکور ہے اور سورۃ الاحقاف کا آخری رکوع بھی انہی سے متعلق ہے جس کا ترجمہ یہاں قابل ذکر ہے۔

اے نبی وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے تھے تاکہ وہ قرآن سنیں، پھر جب وہ اُس جگہ پہنچے جہاں آپ قرآن پڑھ رہے تھے، تو اُنھوں نے آپس میں کہا خاموش ہو جاؤ، پھر جب قرآن کی تلاوت ختم ہوئی تو وہ خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے۔

اُنھوں نے کہا، اے ہماری قوم کے لوگو، ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے، تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی کتابوں کی، رہنمائی کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف۔

اے ہماری قوم کے لوگو، اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کر لو اور اُس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں عذاب الیم سے بچا دیگا۔ اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات نہ مانے گا تو وہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ کر خدا کو) ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا اُس کا کوئی مددگار نہ ہوگا، اور ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہونگے۔

(احقاف آیات ۲۹ تا ۳۲)

جنات میں ولادت و موت کا سلسلہ بھی ہے، ان کی عمریں نسبتاً انسانوں سے زیادہ طویل ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ وہ انسانوں کو جس طرح دیکھ لیتے ہیں انسان اُن کو دیکھ نہیں سکتا۔

إِنَّمَا يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف آیت ۲۷)

بیشک وہ اور اس کے ساتھی تم کو ایسی جگہ سے دیکھ لیتے ہیں جہاں سے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

قرآن حکیم کی (۲۱) آیات میں (۳۲) مرتبہ جن کا لفظ آیا ہے۔

چونکہ فرشتے اور جنات ہم کو نظر نہیں آتے صرف اس وجہ سے اُن کے وجود کا انکار کر دینا کوئی معقول بات نہیں ہوگی۔ کائنات میں آج بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو انتہائی حساس دُور بین و خُور دین سے بھی دیکھی نہیں جاسکتی۔ لیکن اسکے باوجود ماہرینِ فلکیات ان چیزوں کا اقرار کرتے ہیں اور ایسی غیر مشاہد اشیاء کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، ماضی قریب میں بہت سی چیزوں کا انکار کیا جاتا تھا لیکن آج انکو تسلیم ہی نہیں بلکہ دلیل سے ثابت بھی کیا جاتا ہے اور اُن کے وجود پر دلائل قائم ہیں۔ فرشتوں اور جنات کے بارے

میں قرآن حکیم ہم کو اس کا یقین دلاتا ہے اور اُن کے وجود کو مستقل وجود قرار دیتا ہے تو اب ہم کو کسی کے نظریات سے متاثر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۖ (سورة النصار ۱۲۲)

اور اللہ کی بات زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟

(۱۱) **ایک مُشتِ خاک** | تخلیقِ سیدنا آدم علیہ السلام کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ایک مُشتِ خاک پر جب اللہ

کی عنایت و توجہ پڑی تو اُسکی عظمت و مرتبت کہاں سے کہاں تک پہنچی، وہ مسجود ملائکہ ہوئے، ”خليفة اللہ“ کا منصب اور صفی اللہ کا لقب پایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت و کرم اگر کسی معمولی شئی پر بھی پڑ جائے تو وہ بڑے سے بڑے مرتبے اور جلیل القدر منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔

(۱۲) **فطرت کی حکمرانی** | لغزشِ سیدنا آدم علیہ السلام سے یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بایں جلال و عظمت بڑے سے

بڑے کمالات پر فائز ہو کر بھی انسان اپنی بشری و طبعی خصوصیات سے خارج نہیں ہوتا۔ سیدنا آدم علیہ السلام جو کمالِ انسانیت کی علامت اور اخلاقِ خداوندی کے اعلیٰ ترین مظہر ہیں وہ بھی ابلیس لعین کے وسوسہ سے متاثر ہو گئے۔

اخلاق و کردار کی بلندی کے باوجود انسان انسانیت کے دائرے سے باہر نہیں ہوتا۔ وہ نہ فرشتوں کی صف میں جا ملتا ہے نہ اللہ کی صفات کا سہیم و شریک قرار پاتا ہے۔

(۱۳) **توبہ کی سُنت** | خطا کار ہونے کے باوجود اگر انسان ندامت کیساتھ اللہ کی جناب میں رجوع ہو جائے تو اس کیلئے ”بابِ رحمت“

بند نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قانون قیامت تک کے لئے انسانوں میں جاری کر دیا گیا ہے کہ خطا ارادۂ ہو یا سہواً، چھوٹی ہو یا بڑی، دل کی ندامت کے ساتھ اللہ کے حضور معافی

چاہی جائے تو نہ صرف معاف ہو جائیگی بلکہ قُرب الہی نصیب ہوگا۔ سیدنا آدم علیہ السلام موجودہ زمین کے پہلے انسان ہیں جن سے ”توبہ کی سنت“ نسل انسانی کو ملی۔ تذکرہ سیدنا آدم علیہ السلام کا یہ خصوصی پہلو ہے جسکو قرآن حکیم نے ظاہر کیا ہے۔

(۱۳) تذکرہ کا عبرت ناک پہلو | بارگاہ الہی میں بغاوت، گستاخی، عدول حکمی، غرور، تکبر ایسے خطرناک نتائج پیدا کر دیتے

ہیں جسکا ازالہ ممکن نہیں ہوتا، ابلیس کا یہ واقعہ عبرت ناک واقعہ ہے۔ ہزاروں سال کی عبادت و بندگی، مقدس فرشتوں کی معیت، آسمانی قیام اور جنت کا قرب سب کے سب ایک ”عدول حکمی“ میں خاک آلود ہو گئے۔

تذکرہ سیدنا آدم علیہ السلام کا یہ خصوصی پہلو عبرت و موعظت میں ایک عظیم درس کی حیثیت رکھتا ہے۔

اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا رِيبًا عَاقِلًا۔

تذکرہ ہابیل قابیل (نسل انسانی کے دو بڑے بھائی)

نسل انسانی کے بڑے بھائی | قرآن حکیم نے حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے دو بیٹوں کا تذکرہ بغیر کسی نام کی وضاحت کے ”ابْنِ آدَمَ“ آدم کے دو بیٹے کے الفاظ سے کیا ہے۔

البتہ تورات اور احادیث کی بعض کتب میں ان دونوں کا نام قابیل اور ہابیل بیان کیا گیا ہے۔ قابیل بڑا بھائی تھا اور ہابیل چھوٹا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا، زمین پر اُتار دئے گئے اور منشاء الہی میں اس زمین پر ان سالوں کو پیدا کرنا تھا تو انسانی آبادی کے اضافے کے لئے ”سنت اللہ“ اس طرح جاری ہوئی جس کا تذکرہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے۔

حضرت حوا کو بیک وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی (توأم) پیدا ہوتے تھے اور ان بچوں کے آپس میں نکاح کا یہ دستور بنایا گیا تھا کہ توأم (جوڑواں) پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا نکاح دوسرے مرتبہ پیدا ہونے والے توأم لڑکے اور لڑکی کے ساتھ کر دیا جاتا تھا۔ اس شرعی دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا مسئلہ پیش آیا۔ قابیل عمر میں بڑا تھا اور اسکی بہن (جو اسکے ساتھ پیدا ہوئی تھی) ہابیل کی بہن سے بہت زیادہ حسین و جمیل تھی، قابیل یہ چاہتا تھا کہ اپنی توأم بہن سے خود ہی نکاح کر لے اور دستور کے مطابق ہابیل کو یہ موقع نہ دے جو اسکا شرعی حق تھا۔ جب یہ کشمکش طویل ہو گئی اور کسی طرح افہام و تفہیم کا سلسلہ کامیاب نہ ہو سکا تو حضرت آدم علیہ السلام نے وحی الہی کی ہدایت پر اس نامرضی قضیے کا اس طرح فیصلہ دیا کہ دونوں بیٹے اپنی اپنی کمائی

سے اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش کریں، جسکی قربانی قبول ہو جائے وہی اپنا ارادہ پورا کرنے کا مستحق ہو گا۔ اُس زمانے میں قربانی پیش کرنے کا یہ دستور تھا کہ کسی بلند مقام پر اپنی نذر اور قربانی رکھ دی جاتی، آسمان سے آگ نمودار ہوتی اور اسکو جلا دیتی تھی۔ یہ علامت نذر کے قبول ہونے کی سمجھی جاتی تھی۔ اس دستور کے مطابق ہابیل چھوٹے بھائی نے اپنے جانوروں میں سے ایک فرہ جانور خدا کی نذر کیا۔ اور بڑے بھائی قابیل نے اپنی کھیتی کے غلے سے ردی قسم کا کوئی اناج قربانی کے لئے پیش کیا۔

جب دونوں نے اپنی اپنی نذر ایک بلند پہاڑ پر رکھ دی تو آسمان سے آگ نمودار ہوئی اور اُس کے چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر کو جلا دیا، اور قابیل کی نذر ویسے ہی پڑی رہی۔ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو گیا کہ ہابیل حق پر ہے اور قابیل ظلم اور ناحق پر۔ لیکن قابیل نے اللہ کے اس فیصلہ کو قبول نہ کیا اور اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کا دشمن بن گیا۔ بغض و عداوت نے قابیل کو اس حد تک پاگل بنا دیا کہ وہ اپنے حق پرست بھائی کو قتل کرنے کی فکر میں پڑ گیا۔ بالآخر اپنی حرکات سے ظاہر کر دیا کہ وہ کسی بھی وقت ہابیل کو قتل کر دے گا۔

ہابیل کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو وہ اس گناہ کے تصور سے کانپ گیا اور اپنے تقویٰ و نیکی کو باقی رکھنے کے لئے اپنے ظالم بھائی سے یوں مخاطب ہوا۔
تیری جو مرضی ہو وہ کر گزر، میں تو اس گناہ میں خود کو ملوث نہیں کروں گا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تو میرے قتل کے درپے ہوتا ہے تو ہو، میں تیرے قتل کے درپے نہیں ہوں گا۔ رہا قربانی والا معاملہ وہ تو واضح ہے کہ اللہ نیک اور حق پرست انسانوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے۔ یعنی اگر تیری قربانی قبول نہیں ہوئی تو یہ میرے کسی قصور کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ تجھ میں تقویٰ نہیں ہے۔ لہذا میری جان کے بجائے تجھ کو اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ قربانی کے اس امتحان سے تجھ کو ہدایت و نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ یہ ہی دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ ہے۔

انسان کا پہلا قتل
حضرت آدم علیہ السلام کے اس نیک بیٹے ہابیل کی مخلصانہ نصیحت و ہدایت کا الٹا اثر ہوا اور قابیل

نے طیش میں آکر اپنے حق پرست بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا۔ اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی۔

موت کے بعد زمین پر ابھی تک قتل انسانی کا حادثہ نہیں ہوا تھا اور غالباً یہ دنیا میں پہلی موت بھی تھی۔ ہابیل مظلوم کی معش زمین پر پڑی رہی نسل انسانی کا یہ پہلا ناحق خون تھا۔ قابیل کا جنون انتقام جب سرد پڑا تو یہ فکر سوار ہوئی کہ اپنے اس ”عمل بد“ کو کس طرح چھپایا جائے؟ اور معش کا کیا انتظام کیا جائے؟

اب تک دفن کرنا کی سنت جاری نہیں ہوئی تھی۔ قابیل اپنے مظلوم بھائی ہابیل کی معش کو اپنی پشت پر لئے پھرتا رہا، کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ جب تھک گیا تو اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی، ایک کوئے کو دیکھا کہ وہ زمین کڑید کڑید کر گرہا کر رہا تھا۔ اس کے بعد ایک مردہ کوئے کو اس میں چھپا دیا۔

قابیل کو احساس ہوا کہ مجھ کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے، چنانچہ زمین کھود کر اس میں اپنے بھائی کی معش کو چھپا دیا۔ اسی طرح مردہ جسم سے چھٹکارا پایا۔

اس عمل کے بعد اپنی کم عقلی پر افسوس کرنے لگا کہ ہائے افسوس میں اس کوئے سے بھی گیا گزرا ہوں جو اپنے جرم کو چھپانے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔ افسوس میں ایک حقیر جانور سے بھی کمتر ہوں اور مجھ میں اتنی بھی عقل نہیں۔ اُس کے بعد اُس کی عقل جاتی رہی اور بدن سیاہ پڑ گیا اور اسی حالت میں وہ فوت ہو گیا۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل انہی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

قرآنی مضمون

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَىٰ آدَمَ بِالْحَقِّ اِنَّهُ (مائدہ آیات ۲۷ تا ۳۱)

اور آپ ان اہل کتاب کو آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر

پڑھ کر سنائیے جبکہ دونوں نے (بارگاہ الہی میں) ایک ایک نذر پیش کی، ان میں سے ایک کی نذر تو مقبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی جسکی نذر قبول نہیں ہوئی تھی کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کر دوں گا؟ اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کا ہی عمل قبول کرتے ہیں۔ اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست دراز می کرے گا تب بھی میں تجھ کو قتل کر رہنے کے لئے ہرگز دست دراز می کرنے والا نہیں، میں تو پروردگارِ عالم سے ڈرتا

ہوں، میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر لے لے۔ پھر اہل دوزخ میں شامل ہو جائے، اور یہ ہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی۔ سو اُسکے جی نے اسکو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اُس نے بھائی کو قتل کر ڈالا، جس سے وہ نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔ پھر اللہ نے ایک کو ابھیجا کہ وہ زمین کو کھودتا تھا تاکہ وہ اُسکو تعلیم کرے کہ اپنے بھائی کی معش کو کس طریقے سے چھپائے، کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گزر کہ اس کو تے ہی کی طرح ہوتا تاکہ اپنے بھائی کی معش کو چھپا دیتا سو وہ بڑا شرمندہ ہوا۔

نتائج و عبرتیں

(۱) **مقتل ہابیل** دُشوق (ملک شام) کے شمال میں جبل قاسیون پر ایک زیارت گاہ عام ملی آرہی ہے جو مقتل ہابیل کے نام سے مشہور ہے۔ مؤرخ ابن عساکر نے احمد بن کثیر کے تذکرہ میں اُن کا ایک خواب بھی نقل کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ احمد بن کثیر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ کے ساتھ ہابیل بھی تھے۔ ہابیل نے قسم کھا کر کہا کہ یہ ہی میرا مقتل ہے۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصدیق فرمائی۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں اس واقعہ کو منقل سحر کے یہ کلام کیا ہے کہ اگرچہ یہ خواب سچا ہے تاہم اس سے کوئی شرعی یا تاریخی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) **دفن کا پاکیزہ طریقہ** ہابیل چونکہ خدا کا مقبول بندہ تھا اس لئے اُس کے بدن کی تعظیم و تکریم کے لئے دفن کا پاکیزہ طریقہ رائج کیا گیا جو قیامت تک کے لئے نسل انسانی کی سنت قرار پائی، اور اس سے بہتر کوئی اور طریقہ آج تک وجود میں نہ آیا۔ دراصل نیکیوں کی حیات و موت دونوں ہی قابل تذکرہ ہوتی ہیں۔

(۳) قابیل کی حیثیت

قابیل کے کفر یا ایمان کے بارے میں کوئی قابل ذکر روایت موجود نہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اُس کا نادم و شرمندہ ہونا اُس کے توبہ و استغفار کی علامت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ندامت بھائی کے قتل پر نہیں تھی بلکہ قتل پر جو نقصانات پیش آئے اُس پر تھی۔ یعنی معاش کے دفن کرنے میں حیران ہونا، اپنے کندھوں پر اٹھائے اٹھائے پھرنا، کوتے کی تعلیم کا محتاج ہونا، بدحواس ہو جانا، بدن کا سیاہ پڑ جانا، حضرت آدم علیہ السلام کا ناراض ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ محقق تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں کہ اگر یہ ندامت قتل ہی پر پیدا ہوئی ہو تو تب بھی اس سے توبہ ثابت نہیں ہوتی کیونکہ توبہ کیلئے شرط یہ ہے کہ ندامت کے بعد معذرت اور فکر تدارک بھی ہو، اور یہ قابیل سے ثابت نہیں۔ رہا ندامت کا پیدا ہونا محض طبعی طور پر تھا جو عقل کا بھی تقاضہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ صرف ندامت توبہ کی علامت نہیں۔

(۴) مقام عبرت

امام احمدؒ نے اپنی مُسند میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت منقول کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جب بھی کوئی ناحق خون ہوتا ہے تو اُس کا گناہ حضرت آدمؑ

کے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور پڑتا ہے، اسلئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتداء کی ہے اور یہ ناپاک طریقہ جاری کیا (المحدث)

انسان کو اپنی زندگی میں ہرگز ہرگز ایسا کام نہ کرنا چاہیے جو آئندہ بدکاروں اور ظالموں کیلئے بُرا نمونہ و مثال بنے، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات میں جو بھی شخص آئندہ کسی ظلم اور بدعت کا کام کرے گا تو وہ بانی ظلم و بدعت بھی اس گناہ میں برابر کا حصہ دار ہوگا۔ گناہ بہر حال گناہ ہے ہی لیکن گناہ کی ایجاد بھی موجد کیلئے ہمیشہ ہمیشہ سا مان جہنم فراہم کرتی رہیگی۔ اسلئے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدعت کو سخت ترین گناہ خیال کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ اپنے صاحبزادے کو نماز کے ایک مسئلہ پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بیٹا بدعت سے بچو کیونکہ میں نے اصحابِ نبیؐ میں سے ہر ایک کو دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی گناہ کو شدید نہیں سمجھا کرتے تھے۔ (ترمذی ج ۲ ابواب الصلوٰۃ)

تذکرہ سیدنا ادریس علیہ السلام

اسم گرامی حضرت شیت بن آدم کی اولاد میں پانچویں پشت پر حضرت ادریس علیہ السلام کا اسم گرامی بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ”البدایہ والنہایہ“ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت شیت علیہ السلام کے بعد یہ تیسرے نبی ہیں۔ حضرت شیت علیہ السلام کا کوئی تذکرہ قرآن حکیم میں موجود نہیں ہے۔ البتہ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں مختصر تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
اخوخ (ادریس) بن یارود بن مہائل بن قیثان بن النوش بن شیت

بن آدم (علیہ السلام)
حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم میں دو مقام پر آیا ہے ایک سورہ مریم اور دوسرے سورہ انبیاء میں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے نام و نسب اور زمانہ بعثت کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلافات ہیں۔

تمام اختلافی امور کو سامنے رکھنے کے بعد بھی کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہیں جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے مقصد (رشد و ہدایت) کے پیش نظر تاریخی و جغرافیائی بحث سے اجتناب کیا ہے۔ اور صرف اُن کی نبوت، رفعت مرتبت اور اُنکے صفات عالیہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی منشاء کے تحت احادیث رسول بھی اس سے آگے نہیں جاتیں۔ البتہ ضروری ضروری تذکرہ کتب احادیث سے مل جاتا ہے۔

قرآنی مضمون | وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِذَا كَانَ صِدْقًا نَبِيًّا ۖ الَّاٰیۃ اور یاد کرو قرآن میں ادْرِیْس کو، بلاشبہ تھے وہ سچے نبی۔ اور بلند

کیا ہم نے ان کا مقام۔ (مریم آیت ۵۶-۵۷)

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ۔ الَّاٰیۃ

اور اسمعیل اور ادْرِیْس اور ذوالکفل، ان میں سے ہر ایک صبر کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا بلاشبہ یہ سب نیکو کاروں میں سے تھے۔ (انبیاء آیت ۵۵-۵۷)

نتائج و عبرت

(۱) علم رَئِل کی ایجاد | صحیح ابن حبان میں ایک روایت ملتی ہے کہ حضرت ادْرِیْس پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس زمین پر سب سے پہلے قلم کا استعمال کیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے علم رَئِل کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ علم کیسا ہے؟ (علم رَئِل چند مخصوص لکیروں و نشانات کا علم ہے جس کے ذریعہ معلومات حاصل کی جاتی ہیں) آپ نے ارشاد فرمایا یہ علم ایک نبی کو دیا گیا تھا، پس اگر کسی شخص کے نقوش و خطوط اسکے مطابق آجاتے ہیں تو نشانہ ٹھیک بیٹھ جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اکثر محدثین نے اس نبی سے مراد حضرت ادْرِیْس علیہ السلام سمجھا ہے۔ واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم کی ”حدیث معراج“ میں اس قدر تذکرہ اور ملتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں حضرت ادْرِیْس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی تھی۔ (صحیح بخاری باب الاسرار صحیح مسلم ج ۱ باب الاسرار)

ابن جریر طبری نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں کعب احبار کی ایک روایت سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

لیکن یہ کعب احبار ایک یہودی عالم تھے جو خلافت فاروقی میں مسلمان ہو گئے تھے تورات اور انجیل سے واقعات بکثرت نقل کیا کرتے تھے۔ بہر حال اہل علم ان کے روایت کردہ واقعات پر کچھ زیادہ اعتماد نہیں کرتے ہیں۔

ابن جریر طبریؒ کعب احبارؒ کی یہ روایت ہلال بن یساف کی سند سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کعب احبارؒ سے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق اس آیت کا مطلب دریافت کیا۔

وَرَفَعْنَا لَهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (مریم آیت ۵۷)

اور ہم نے ادریس کو بلند مقام پر اٹھالیا۔

کعب احبارؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ حضرت ادریس علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے ادریس تمام اہل دنیا روزانہ جس قدر نیک عمل کرتے ہیں میں ہر روز اتنا اجر و ثواب تم کو عطا کرتا رہوں گا۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے جب یہ سنا تو دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میری حیات دراز ہوئی چاہیے تاکہ نیکیوں کے بڑے بڑے ذخیرے بن جائیں اور جنت کے اعلیٰ درجات نصیب ہوں۔ پھر آنکھوں نے اپنے ایک دوست فرشتے پر اللہ تعالیٰ کی اس وحی کا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور یہ بھی خواہش ظاہر کی فرشتہ موت سے اس بارے میں گفتگو کی جائے تاکہ میری زندگی دراز ہو جائے۔

اسپر دوست فرشتے نے حضرت ادریس علیہ السلام کو اپنے بازوؤں پر بٹھا کر آسمان کی طرف پرواز کیا۔ جب دونوں چوتھے آسمان سے گزر رہے تھے تو راہ میں فرشتہ موت زمین پر اتر رہے تھے وہیں دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ دوست فرشتے نے فرشتہ موت سے حضرت ادریس علیہ السلام کی خواہش کا اظہار کیا، اسپر فرشتہ موت نے دریافت کیا کہ ادریس کہاں ہیں؟

دوست فرشتے نے کہا میری پشت پر سوار ہیں!

اسپر فرشتہ موت نے کہا ابھی ابھی بارگاہ الہی سے حکم ملا ہے کہ میں ادریسؑ کی روح کو چوتھے آسمان پر قبض کروں۔

میں سخت حیرت و تعجب میں تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ ادریسؑ زمین پر ہیں۔

اسکے بعد فرشتہ موت نے حضرت ادریس علیہ السلام کی روح وہیں چومتے آسمان پر قبض کر لی۔

یہ واقعہ منقل کر کے کعب احبارؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد **وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا** اور ہم نے ادریسؑ کو بلند مقام پر اٹھالیا۔ کی یہی تفسیر ہے۔ (انتہی)

بعینہ یہ ہی واقعہ محدث ابن ابی حاتمؒ نے اپنی تفسیر میں ایک دوسری سند سے منقل کیا ہے لیکن دیگر مفسرین نے ان روایات پر تنقید کی ہیں۔ ابن کثیرؒ نے اسکو اسرائیلی روایت کہا ہے۔ تاہم آیت قرآن کی تفسیر اس روایت پر موقوف نہیں ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دنیا و آخرت میں بلند مقام عطا کیا ہے۔ یا یہ کہ چوتھا آسمان اُن کی قیام گاہ ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام سے چومتے آسمان پر ملاقات کی۔

علاوہ ازیں کعب احبارؓ والی روایت کو تاریخی روایت تسلیم کیا جائے تو اس کی حیثیت صرف منقل روایت سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگی۔ اور جن مفسرین نے بھی مذکورہ روایت اپنی اپنی کتاب میں منقل کی ہیں۔ غالباً اُن کا مقصد بھی ”منقل روایت“ سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(۲) حضرت ادریسؑ کا مزید تعارف

حضرت ادریس علیہ السلام کا مقام پیدائش مصر کا ایک قریہ ”منف“ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یونان کا کوئی شہر تھا۔ یونانی لوگ انکو ”ہرمس الہرامہ“ (ماہرین علوم نجوم کا استاذِ اول) کہتے ہیں۔ ہرمس یونان کا ایک مشہور منجم گزرا ہے۔ یونانی لوگ حضرت ادریس علیہ السلام اور ہرمس کو ایک ہی شخص تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے اور وہیں جوان ہوئے۔ ابتدائی عمر میں حضرت شیث بن آدم علیہ السلام سے علم لے یعنی تورات اور انجیل کے بیان کردہ واقعات۔

حاصل کیا جب سن شعور کو پہنچے تو نبوت سے سرفراز ہوئے اور اپنی قوم کی ہدایت کے لئے جدوجہد شروع کی۔ لیکن قوم نے ان کی سخت مخالفت کی، البتہ ایک مختصر جماعت ایمان لے آئی۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے قوم کی مسلسل مخالفت کے بعد ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ تو مسلمان قوم پر ترک وطن بھاری گزرا کہ بائبل جیسا خوبصورت شہر پھر کہاں ملیگا؟

حضرت ادریس علیہ السلام کی تسلی اور اطمینان دلانے پر قوم نے ہجرت میں ساتھ دیا اور مصر آگئے۔ یہاں پہونچ کر یہ لوگ دریائے نیل کی شادابی سے بہت خوش ہوئے، حضرت ادریس علیہ السلام نے یہاں اپنے تبلیغی سلسلے کو جاری رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس وقت ملک مصر میں ۷۲ زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو ان تمام زبانوں کا علم عطا کیا تھا۔ ہر قوم میں اُنہی کی زبان کے ذریعہ پیغام حق پہنچاتے تھے ان شہروں کی تعداد کم و بیش دوسو بیان کی جاتی ہیں۔

اسی دور میں علم فلکیات نہایت غروج پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو علم فلکیات کے ساتھ علم طب بھی عطا کیا تھا۔

(۳) حضرت ادریس علیہ السلام کا حلیہ مبارک

گندمی رنگ، دراز قد، سر پر بال قدرے کم، خوبصورت گھنی ڈاڑھی، رنگ و روپ میں ملامت و دلکشی، مضبوط بازو، عریض مونڈھے، چھریا بدن، سرنگین چکدار آنکھیں، گفتگو باوقار، خاموشی پسند، متین و سنجیدہ، چلتے وقت نگاہیں نیچی، دائم الفکر۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی عمر شریف ۸۲ سال بیان کی جاتی ہے۔ اُنکی انگومٹی پر یہ عبارت کندہ تھی۔ الصبر مع الایمان باللہ یورث الظفر۔ ایمان باللہ کیساتھ صبر اختیار کرنا کامیابی کا ذریعہ ہے۔

(ماخوذ از تاریخ الحكماء ج ۱)

(۴) حضرت ادریس علیہ السلام کی تعلیمات کا خلاصہ

۱۔ خدا کی ذات اور اُسکی توحید پر ایمان لانا۔

- ۲۔ صرف خالق کائنات ہی کی عبادت کرنا۔
- ۳۔ عذابِ آخرت سے بچنے کے لئے نیک اعمال اختیار کرنا۔
- ۴۔ دنیا سے بے التفاتی رکھنا۔
- ۵۔ عدل و انصاف کو ہر معاملہ میں پیش نظر رکھنا۔
- ۶۔ مقررہ طریقہ پر ہی عبادتِ الہی بجالانا۔
- ۷۔ ایامِ بیض (ہر ماہ قمری کی ۱۳-۱۴-۱۵) تاریخ کا روزہ رکھنا۔
- ۸۔ جہاد کا فریضہ جاری رکھنا۔
- ۹۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔
- ۱۰۔ طہارت و نظافت سے ہمیشہ متصف رہنا۔
- ۱۱۔ ہر نشہ آور چیز سے پرہیز کرنا۔
- ۱۲۔ نذر و قربانی میں اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی کرنا۔
- ۱۳۔ پھلوں اور پھولوں میں ہر موسم کی پہلی چیز صدقہ کرنا۔

(۵) **اقوالِ حکمت** | حضرت ادریس علیہ السلام کے بہت سے پند و نصائح اور ادب و اخلاق کے جملے مشہور ہیں جو مختلف زبانوں میں ضرب المثل اور رموز و اسرار کی طرح مستعمل ہیں۔ ان میں بعض درج کئے جاتے ہیں۔

- ۱۔ خدا کی بیکراں نعمتوں کا شکر انسانی طاقت سے باہر ہے۔
- ۲۔ جو علم میں کمال اور عمل صالح کا خواہشمند ہو اُس کو جہالت کے اسباب اور بدکرداری کے قریب نہ جانا چاہیے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کاریگر اگر سینے کا ارادہ کرتا ہے تو سوئی ہاتھ میں لیتا ہے نہ کہ برما۔
- ۳۔ دنیا کی بھلائی حسرت ہے اور بُرائی ندامت۔
- ۴۔ خدا کی یاد اور عمل صالح کیلئے خلوص نیت شرط ہے۔
- ۵۔ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ، اور نہ اللہ کے ناموں کو تختہ مشق بناؤ (یعنی قسمیں کھانے کیلئے) اور نہ جھوٹوں کو قسمیں کھانے پر آمادہ کرو۔ کیونکہ ایسا کرنے میں تم بھی شریک گناہ ہو جاؤ گے۔

- ۴۔ ذلیل پیشوں کو اختیار نہ کرو۔
 - ۷۔ اپنے بادشاہوں کی اطاعت کرو اور اپنے بڑوں کے سامنے پست رہو۔
 - ۸۔ ہر وقت حمد الہی میں اپنی زبان تر رکھو۔
 - ۹۔ حکمت روح کی زندگی ہے۔
 - ۱۰۔ دوسروں کی خوش عیشی پر حسد نہ کرو، اسلئے کہ انکی یہ مسرور زندگی چند روزہ ہے۔
 - ۱۱۔ جو ضروریات زندگی سے زیادہ طالب ہوا وہ کبھی قانع نہ ہوا۔
- تاریخ الحکماء کے صفحہ ۳۴ پر ہر مس ثالث کے تذکرہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ طوفانِ نوح سے پہلے دنیا میں جس قدر بھی علوم تھے اُن سب کے معلمِ اول حضرت ادریس علیہ السلام (ہر مس اول) ہیں جو مصر کے حصہ اعلیٰ کے باشندے تھے۔ ان علماء کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ فلسفہ کی کتابوں میں جن علمی جواہر اور حرکاتِ نجوم کا تذکرہ ملتا ہے۔ سب سے پہلے ان کا ذکر حضرت ادریس علیہ السلام ہی کی زبانِ مبارک سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہیکلوں کی تعمیر، علم طب کی ایجاد، ارضی و سماوی اشیاء کے متعلق موزوں قصائد کے ذریعہ اظہارِ خیال بھی انہی کی اولیات میں سے ہیں۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے طوفان کی اطلاع دے کر بندگانِ خدا کو ڈرایا تھا۔

(۶) حضرت ادریس علیہ السلام کی پیشینگوئی

حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ بھی بتایا کہ میری طرح اس عالم میں دینی و دنیاوی اصلاح کیلئے بہت سے انبیاء کرام تشریف لائیں گے اور انکی نمایاں خصوصیات یہ ہوں گی۔

وہ ہر ایک بُری بات سے پاک ہوں گے، انسانی فضائل میں کامل و مکمل ہوں گے، زمین و آسمان کے احوال سے واقف ہوں گے، مستجاب الدعوات ہوں گے، اُن کی تعلیم کا خلاصہ کائنات کی اصلاح ہو گا۔

تذکرہ اول الرُّسُل سیدنا نوح علیہ السلام

اول الرُّسُل سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد سیدنا نوح علیہ السلام پہلے

نبی ہیں جن کو رسالت سے سرفراز کیا گیا۔ رسول ایسے نبی کو کہا جاتا ہے جنکو مستقل کتاب الہی یا جدید شریعت دی جاتی ہے ایسے نفوس قدسیہ کی جملہ تعداد (۳۱۳) بیان کی جاتی ہے۔

نبی ایسی شخصیت کو کہا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور کلام کے لئے منتخب کیا ہو۔ ایسے نفوس قدسیہ اپنے پیشرو رسول کی تعلیمات کے مبلغ ہوتے ہیں ان پر نہ کوئی مستقل شریعت نازل کی جاتی ہے اور نہ کتاب۔ ایسے نفوس کی تعداد ایک لاکھ نوے زائد بیان کی گئی ہے۔

صحیح مسلم باب شفاعت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک طویل روایت میں یہ صراحت آتی ہے۔ **يَا نُوحُ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الْاَرَضِ** (المحدث)

اے نوح تم زمین پر پہلے رسول ہو (جنہیں مستقل شریعت دی گئی)

سیدنا اور لیس علیہ السلام کی تیسری پشت میں سیدنا نوح علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ علم انساب کے ماہرین نے بحث و تلاش کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار چوبیس سال (۱۰۲۶) کا زمانہ لکھا ہے، لیکن بعض سوانح نگار مؤلفین کو اس تخمینہ سے سخت اختلاف ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ چھ یا آٹھ پشتیں سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان ہیں ان کے لئے اتنا طویل زمانہ ممکن نہیں، بلکہ پانچ سے سات سو سال کا عرصہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ ہرسل کی عمر اگر ایک سو سال بھی فرض کر لی جائے تو چھ یا آٹھ پشتوں

میں سات آٹھ سو سال کا عرصہ ہونا چاہیے۔
لیکن ان حضرات کا یہ قیاس کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتا کیونکہ انہی موزنین نے
سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی عمریں نہایت طویل لکھی ہیں۔ اسلئے ممکن
ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار چھپتیس
سال کا زمانہ آجائے۔ واللہ اعلم۔

سلسلہ نسب | سیدنا نوح علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے
نوح بن لاکت بن مٹوشاخ بن اخنوخ بن یارد بن مہلسیل بن قینان
بن انوش بن شیش بن آدم علیہ السلام۔

سیدنا نوح علیہ السلام اور قرآن حکیم | قرآن حکیم کا یہ اپنا خاص اسلوب ہے کہ وہ
تاریخی واقعات کو جب بھی بیان کرتا ہے
تو اپنے مقصد (جسے روح قرآن کہا جاتا ہے) "وعظ و تذکیر" کے پیش نظر واقعہ کے اُن ہی
اجزاء کو بیان کرتا ہے جو اس مقصد کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اسلئے کہیں اختصار اور کہیں
تفصیل میں یہی مقصد سامنے ہوتا ہے اور یہی حکمت ہے ایک واقعہ کو کتنی کتنی بار بیان
کرنے میں مقصود و وعظ و تذکیر ہے اس لئے ایک ہی واقعہ جا بجا ملتا ہے۔ بہت کم ایسا ہے
کہ ایک واقعہ پورا کا پورا ایک ہی جگہ آگیا ہو۔ قرآن کے اس اسلوب خاص کو ہر جگہ پیش نظر
رکھنے پر وعظ و تذکیر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آجاتا ہے۔ اسی اسلوب خاص کے مطابق
قرآن حکیم نے سیدنا نوح علیہ السلام کا واقعہ کہیں مختصراً اور کہیں تفصیلاً بیان کیا ہے۔
قرآن حکیم کی (۲۸) سورتوں میں اختصار و تفصیل کے ساتھ سیدنا نوح علیہ السلام
کا اسم مبارک اور تذکرہ (۴۱) جگہ ملتا ہے۔ لیکن اس واقعہ کی اہم تفصیلات سورۃ اعراف، ہود،
مومنون، شعراء، قمر، اور سورۃ نوح میں ملتی ہیں۔

ان (۲۸) سورتوں کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ سورۃ آل عمران — آیت ۳۳

۲۔ النساء — آیت ۱۶۳

۳	سورۃ انعام	آیت	۸۴
۴	اعراف	آیات	۵۹، ۶۹
۵	توبہ	آیت	۷۰
۶	یونس	آیت	۷۱
۷	ہود	آیات	۲۵، ۳۲، ۳۶، ۴۲، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۸۹
۸	ابراہیم	آیت	۹
۹	الاسراء	آیت	۱۷، ۳
۱۰	مریم	آیت	۵۸
۱۱	الانبیاء	آیت	۷۶
۱۲	الحج	آیت	۴۲
۱۳	المؤمنون	آیت	۲۳
۱۴	الفرقان	آیت	۴۷
۱۵	الشعراء	آیات	۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۶
۱۶	العنکبوت	آیت	۱۳
۱۷	الاحزاب	آیت	۷۰
۱۸	الصافات	آیت	۷۵، ۷۹
۱۹	ص	آیت	۱۲
۲۰	المؤمن	آیات	۵، ۳۱
۲۱	الشوریٰ	آیت	۱۳
۲۲	ق	آیت	۱۲
۲۳	الذاریات	آیت	۴۶
۲۴	النجم	آیت	۵۲
۲۵	القمر	آیت	۹
۲۶	الحديد	آیت	۲۶
۲۷	التحریم	آیت	۱۰
۲۸	نوح	آیات	۲۸ (مکمل)

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت اور قوم کی مخالفت

جیسا کہ بیان کیا گیا سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا آدم علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ گزر گیا، اس طویل عرصے میں انسانی آبادی زمین پر پھیل چکی تھی، بیشتر انبیاء و مصلحین نے سیدنا آدم علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کو جاری رکھا تھا۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی بنیادی تعلیمات میں ”توحید“ کی دعوت و تبلیغ سب سے اہم حیثیت رکھتی ہے۔ یہی کام سیدنا شیت علیہ السلام اور سیدنا ادریس علیہ السلام اور دیگر مصلحین نے بھی انجام دیا ہے۔ لیکن اس طویل زمانے میں شیاطین کے بہکانے سے شرک و بت پرستی پھیل گئی تھی۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے تک تقریباً تمام قوم بلکہ ایک قول کے مطابق روئے زمین پر شرک و بت پرستی نے مذہب کی شکل اختیار کر لی تھی، اور انسان ”توحید خالص“ سے یکسر نا آشنا ہو چکے تھے۔ اللہ واحد کی جگہ سینکڑوں بتوں نے معبودوں کا روپ اختیار کر لیا تھا، ان میں پانچ بت ”بڑے خدا“ قرار پا چکے تھے۔ اور ساری قوم اپنی زندگی کے لیل و نہار میں انہی بتوں پر تکیہ کرتی تھی۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت قدیمہ کے مطابق انسانوں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے اُسی قوم سے سیدنا نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ”توحید خالص“ اور اللہ واحد کی عبادت کرنے کی تلقین شروع فرمائی، قوم کا جاہل طبقہ حضرت نوح علیہ السلام کو ستانے اور زد و کوب کرنے کے درپے ہو گیا، اور امر اور روسا، قوم نے تکذیب و تحقیر کا شعار اختیار کر لیا، ان اہل دولت کا یہ ادعا تھا کہ نوح نہ تو دولت و ثروت میں ہم سے بڑا ہے اور نہ قوت و طاقت میں ہمارا ہمسر ہے۔ اور نہ وہ انسانیت سے بلند کوئی مرتبہ رکھتا ہے، پھر ہم کیوں اُسکی اطاعت کریں اور کس وجہ سے اُس کو بڑا سمجھیں؟

یہ لوگ جب کبھی کمزور و ضعیف افراد کو سیدنا نوح علیہ السلام کے ارد گرد دیکھتے تو نہایت حقارت سے کہتے کہ اے نوح تیرے ساتھ تو صرف ایسے ہی لوگ ہیں جو نہ دولت و عزت رکھتے ہیں نہ قوت و شوکت اور نہ عقل و رائے میں ہم سے بہتر ہیں۔ مھلا ہم ان معمول

آدمیوں کا ساتھ کیسے دیں؟

نوح علیہ السلام انہیں افہام و تفہیم کے ذریعہ جب قریب کرنا چاہتے تو یہ تکبرین کی جماعت یہ جواب دیتی کہ اچھا پہلے تم اپنے آدمیوں کو دور کرو ہم ان کے قریب آنا نہیں چاہتے اس میں ہماری توہین ہے۔ اسکے بعد ہم تمہاری بات سنیں گے۔

سیدنا نوح علیہ السلام انہیں کبھی تو یہ جواب دیتے کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، یہ اللہ کے مخلص بندے ہیں۔ اگر میں انہیں اپنے سے دور کر دوں تو خدا کے عذاب میں تمہارے ساتھ میں بھی ماخوذ ہو جاؤں گا۔ یہ لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس کی رضا جوئی کے لئے میرا ساتھ دیتے ہیں۔ اللہ کے ہاں اخلاص و اطاعت کی قدر ہے، دولت و طاقت کوئی معیار نہیں رکھتے۔ میں تمہارے پاس اللہ کا پیام لیکر آیا ہوں، نہ میں غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ فرشتہ ہونے کا، میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں نصیحت و ہدایت کرنا میرا کام ہے، یہ کمزور و نادار افراد جو سچے دل سے اللہ پر ایمان لائے ہیں تمہاری نگاہ میں حقیر و بے حیثیت ہیں اور یہ محض اس لئے کہ ان کے پاس تمہاری طرح دولت و طاقت نہیں، حالانکہ یہ اچھے یا بُرے ہونے کا معیار نہیں، اللہ کی نگاہ میں وہ شخص قابلِ عزت ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہو اور جس نے نیکی کی راہ اختیار کی ہو۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی اس تبلیغ تبلیغ پر قوم کے سرداروں نے شہر بدر کر دینے کی دھمکی دی۔ اسپر سیدنا نوح علیہ السلام نے بڑے پُر وقار انداز میں قوم کو مخاطب کیا۔ اے قوم میں اپنی اس خدمت پر نہ تمہارے مال و دولت کی خواہش رکھتا ہوں اور نہ تم میں جاہ و منصب کی ہوس رکھتا ہوں۔ میری نصیحت و خیر خواہی کا اجر اللہ ہی کے ہاں محفوظ ہے اور وہی بہترین قدر وال ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی مخلصانہ دعوت اور قوم کی کھلی عداوت کا تذکرہ جو تاریخِ رشد و ہدایت کا زریں باب ہے۔ سورۃ نوح سورۃ اعراف اور سورۃ ہود میں اس طرح منقول ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورہ نوح آیات ۱-۲)

قرآنی مضمون ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس ہدایت کے ساتھ) کہ

اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کر دے قبل اسکے کہ اُن پر دردناک عذاب آجائے۔ نوحؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو، میں تمہارے لئے واضح طور پر خبردار کرنے والا رسول ہوں۔ کہ تم اللہ کی بندگی کرو اور اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایک مقررہ مدت تک باقی رکھے گا، بیشک اللہ کا مقررہ کر وہ وقت جب آجاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جاتا۔ کاش تم جانتے ہوتے؟

لَقَدْ آسَأْ سَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۚ اِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللّٰهِ مَوَدَّةَ اٰلٍ اٰلِهَةٍ ۚ فَاَنصِرُوْهُم بِالَّذِیْ هُمْ اَوْلٰی بِهٖ ۚ فَاَنصِرُوْهُم بِالَّذِیْ هُمْ اَوْلٰی بِهٖ ۚ (اعراف آیات ۵۹ تا ۶۴)

ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا، اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو، اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قوم کے سرداروں نے جواب دیا ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

نوحؑ نے کہا اے میرے قوم کے لوگو میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تم کو معلوم نہیں۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس خود تمہارے ہی قوم کے ایک آدمی کے ذریعہ تمہارے رب کی تذکیہ و نصیحت آئی تاکہ تم خبردار ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرو اور شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔ پھر اُن لوگوں نے نوحؑ کو جھٹلایا۔ آخر کار ہم نے اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں نجات دی اور اُن لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا یقیناً وہ اندھے لوگ تھے

وَلَقَدْ آسَأْ سَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ (ہود آیات ۲۵ تا ۲۷)

ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا (نوحؑ نے کہا) میں تم لوگوں کو واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بیشک میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب

کا اندیشہ کرتا ہوں۔

سو اُن کی قوم میں جو کافر سردار تھے کہنے لگے ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی انہیں لوگوں نے کی ہے جو ہم میں بالکل ذلیل ہیں اور وہ بھی محض سرسری رائے سے (پیروی اختیار کر لی ہے) اور ہم تم لوگوں کو اپنے سے زیادہ فضیلت والا بھی نہیں پاتے، بلکہ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

نوحؑ نے کہا اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کے سیدھے راستے پر ہوں اور اُس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم کو نہ سوچھتی ہو تو کیا ہم اُس کو تم پر تھوپ دیں جب کہ تم اُس سے نفرت کئے چلے جاؤ۔

اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کچھ مال بھی تو نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور میں اُن لوگوں کو (اپنے سے) دور کرنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں وہ اپنے رب کے حضور جانے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو۔

اور اے میری قوم! اگر میں اُن لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کی کپڑے سے مجھے کون بچائے گا؟ تم لوگوں کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی؟

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں انہیں اللہ کوئی بھلائی نہ دے گا۔ اللہ ان کے دلوں کو خوب جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو ظالموں میں میرا شمار ہوگا۔

بے بسی اور فریاد | سیدنا نوح علیہ السلام کی مسلسل نصیحت و خیر خواہی صرف

اس وجہ سے تھی کہ قوم رحمت الہی کی آغوش میں آجائے

اور اُس عذاب سے محفوظ ہو جائے جو انبیاء کرام کو جھٹلانے پر عموماً آیا ہے۔ مگر قوم پر

اس خیر خواہی کا کچھ بھی اثر نہ ہوا بلکہ بغض و عناد نے ساری قوم کو اندھا بنا دیا تھا یہ لوگ

سیدنا نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی ایذا رسانی کے درپے ہو گئے۔ اور

ایک شیطانی تحریک اس طرح شروع کی کہ جہاں کہیں بھی سیدنا نوح علیہ السلام

اپنا کلام حق سناتے وہاں لوگوں کو پابند کیا جاتا کہ اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں یا پھر اپنے چہروں پر کپڑا ڈال کر گزر جائیں تاکہ نوح پہچان نہ سکے، اور اسکے ساتھ ساتھ قوم کے افراد کو سرداروں نے یہ بھی تاکید کرنی شروع کر دی کہ دیکھو اپنے پانچ بڑے خدوؤں کو ہرگز ہرگز نہ بھولنا یہ ہی ہمارے نجات دہندہ ہیں اور انہی سے ہماری زندگی قائم ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام اور قوم کی یہ کشمکش طویل عرصہ تک جاری رہی جس کا ذکر قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔ سورہ عنکبوت میں اس طویل کشمکش کا عرصہ ساڑھے نو سو سال بیان کیا گیا ہے۔ سورہ شعراء میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو سنگسار کر دینے کی بھی دھمکی دی گئی۔ یعنی سیدنا نوح علیہ السلام کو آخری قطعی طور پر جھٹلادیا گیا۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ میری قوم نے مجھے جھٹلادیا ہے۔ اب میرے اور ان کے درمیان قطعی فیصلہ فرمادے۔ ایسا فیصلہ کہ حق اور باطل واضح ہو جائے۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل انہی مضامین پر مشتمل ہیں۔

وَإِذْ قَالَ نُوحٌ رَبِّ اجْعَلْ لِّي ذُرِّيَّةً سَوِيَّةً ۚ إِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينِي أَوْ يُغَيِّرَ أَسْمَاءَ بَنِيَّ ۚ إِنَّكَ عَلِيمٌ خَفِيٍّ (یونس آیات ۷۴-۷۵)

قرآنی مضمون

اے نبی! اپنی قوم کو نوح کا قصہ سنائیے اُس وقت کا قصہ جب کہ نوح نے اپنی قوم سے کہا تھا اے میری قوم اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات پر ہلکے سنا تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو گیا ہے تو میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔ تم اپنے سب بھیرائے ہوئے شریکوں کو لیکر ایک متفقہ فیصلہ کر لو، اور جو منصوبہ تمہارے پیش نظر ہے اس کو خوب سوچ سمجھ لو تاکہ اُس کا کوئی پہلو تمہاری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہنے پائے۔ پھر میرے خلاف اُسکو عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ پس تم نے میری نصیحت سے منہ موڑا (تو میرا کیا نقصان کیا) میں تم سے کسی اجر کا طلب گار نہ تھا میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان بن کر رہوں۔ سو انہوں نے نوح کو جھٹلایا پس ہم نے نوح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچالیا اور انہی کو زمین کا جانشین بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا، پس دیکھ لو جنہیں خبردار کیا گیا تھا اُن کا کیا انجام ہوا؟

سورۃ مومنون میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ ۝۱ (مومنون آیات ۲۳ تا ۲۶)

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، سوا مَنہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (نوح تو) تمہاری طرح ایک بشر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم میں بڑائی حاصل کرے اور اگر اللہ چاہتا تو اس کام کے لئے فرشتوں کو بھیجتا۔ کیونکہ یہ بات ہم نے اپنے بڑوں میں کبھی نہیں سنی (کہ اللہ نے کسی بشر کو رسول بنایا ہو) بس یہ ایک ایسا آدمی ہے جسکو جنون ہو گیا ہے۔ لہذا ایک خاص وقت تک انتظار کرلو۔ نوح نے عرض کیا اے میرے رب میری مدد فرمائیے جس بات پر اُنہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔

سورۃ شعراء میں سیدنا نوح علیہ السلام کی خیر خواہی اور قوم کی دھمکی اس طرح بیان کی گئی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ ۝۱۲ (الشعراء آیات ۱۰۵ تا ۱۲۲)

نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُنکے (برادر سی کے) بھائی نوح نے کہا۔ کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے؟ میں تمہارا امانت دار رسول ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ وہ لوگ کہنے لگے کیا ہم تم کو مان لیں ایسی صورت میں جبکہ کم درجہ لوگ تمہارے سامنے ہیں۔

نوح نے کہا ان کے کام سے مجھے کیا بحث۔ ان سے حساب کتاب لینا بس اللہ کا کام ہے، اگر تم سمجھو۔ اور میں ایمان والوں کو (اپنے سے) دور کرنے والا نہیں ہوں۔

میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔
وہ لوگ کہنے لگے اے نوح، اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔
نوح نے دُعا کی اے میرے رب میری قوم نے مجھ کو جھٹلادیا ہے۔
سو آپ میرے اور اُن کے درمیان ایک فیصلہ کر دیجئے، اور مجھ کو اور جو ایمان
لائے ہیں اُن کو نجات دیدیجئے۔

تو ہم نے اُن کو اور جو اُن کے ساتھ بھری کشتی میں تھے نجات دی۔
پھر اُسے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔
اس میں بڑی عبرت ہے، اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔
اور بیشک آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔
سورۃ عنکبوت میں اُس مدت کو بیان کیا گیا جو سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت

و تبلیغ کا زمانہ ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ
عَامًا ۚ (العنکبوت آیات ۱۱-۱۲)

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا، سو وہ اُن میں پچاس کم ایک ہزار
سال رہے۔ پھر اُن کو طوفان نے آدبا یا، اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔
پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچا لیا، اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان
والوں کے لئے موجب عبرت بنایا۔

سورۃ صافات میں سیدنا نوح علیہ السلام کی بارگاہ الہی میں دُعا کا اس طرح
استقبال کیا گیا۔

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْيَعْمَلِ الْمُرْجِيُوْنَ ۚ (الصافات آیات ۷۷-۷۸)

(الصافات آیات ۷۷ تا ۷۸)

اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔
اور ہم نے ان کو اور اُن کی پیروی کرنے والوں کو بڑے بھاری غم سے نجات
دے دی۔ اور ہم نے ان کی اولاد کو باقی رہنے دیا۔
اور ہم نے اُن کے لئے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی۔

کہ نوحؑ پر سلام ہو تمام عالموں میں۔
ہم اہل اخلاص کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔
بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہے۔ پھر ہم نے دوسروں کو
غرق کر دیا۔

اور سورۃ نوحؑ میں سیدنا نوح علیہ السلام کی پوری دعوت و تبلیغ کا اس طرح
تذکرہ کیا گیا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۚ (نوح آیات ۲۷ تا ۳۷)
نوحؑ نے دعا کی اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی ہے۔
سو میری دعوت نے اُن کے فرار ہی میں اضافہ کیا۔
اور جب بھی میں نے اُن کو بلایا تاکہ تُو اُن کو معاف کر دے، اُنھوں نے اپنی کانٹوں
میں انگلیاں رکھ لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لیا اور (اپنی روش پر) اڑ گئے اور
بڑا تکبر کیا۔

پھر میں نے اُنھیں آواز بلند بلایا۔
پھر کھول کھول کر علی الاعلان کہا اور بالکل خفیہ بھی سمجھایا۔
پھر میں نے کہا کہ معافی چاہو اپنے رب سے بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔
وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا۔
اور تمہیں مال و اولاد سے نوازے گا اور تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے
لئے نہریں پیدا کرے گا۔

تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے لئے کسی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟
حالانکہ اُس نے تمہیں طرح طرح سے بنایا ہے۔
کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ بہ تہہ بنائے ہیں؟
اور اُن میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا۔
اور اللہ نے تمہیں زمین سے عجیب طرح پیدا کیا۔
پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس لے جائیگا اور اس میں سے تم کو پھر (اچانک)
نکال کھڑا کرے گا۔

اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا ہے تاکہ تم اُسکے کھلے راستوں پر

چلو پھرو۔

نوحؑ نے کہا اے میرے رب اُنھوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے لوگوں کی پیروی کر لی جن کے مال و اولاد نے اُن کو نقصان ہی زیادہ پہنچا۔ اور جنھوں نے بڑی بڑی (خفیہ) تدبیریں کیں۔

اور جنھوں نے کہا (اپنی قوم کے افراد سے) تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا، اور نہ وہ کو نہ سماع کو اور نہ یغوث اور نہ یعوق کو اور نہ نسر کو اور ان سرداروں نے بہت ساروں کو گمراہ کر دیا۔

اور اے اللہ ظالموں کی گمراہی اور بڑھاد کیجئے (تاکہ آپ کا عذاب اُنہیں جلد پکڑ لے)

اپنے ہاتھوں تباہی | سیدنا نوح علیہ السلام کی بے لوث نصیحت و خیر خواہی

انتہا کو پہنچ گئی اور ہر وہ عنوان جو ہدایت و نصیحت کیلئے درکار تھا باقی نہ رہا توحید کے دلائل اور حجت تکمیل پا گئے، قوم کے پاس اب ایسا کوئی عذر باقی نہ رہا جو بت پرستی کی تائید میں پیش کیا جاسکتا تھا۔ آخر کار اُن کی قوم نے متفق ہو کر سیدنا نوح علیہ السلام سے مطالبہ شروع کر دیا کہ بس اب آپ اپنی بات ختم کیجئے۔ ہم بہت سُن چکے، اپنی وہ دھمکی عملاً پوری کر دیتے جو عذاب کی شکل میں ہم پر آنے والی ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے قوم کی یہ جبرأت اور اللہ عزوجل سے بے خوفی دیکھ کر پھر نہایت تحمل سے سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تو یہ بھی ہو جائے گا، لیکن کیا تم کو میری نصیحت کافی نہیں؟ جبکہ میں تمہارا خیر خواہ اور مخلص ہوں؟ رہا عذاب کا لانا میرے قبضے کا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے صرف اپنا رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اُسی کے دست قدرت میں مجرموں کو معاف کرنا یا ہلاک کرنا ہے، لیکن یاد رکھو جب وہ وقت آجائے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ملے گا۔ آیات ذیل میں یہ ہی تذکرہ موجود ہے۔

(ہود آیات ۷۷ تا ۸۳)

قرآنی مضمون قوم نے کہا اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا، اور جو تو نے ہم سے (عذاب کا) وعدہ کیا ہے وہ لے آ؟ اگر تو

بچوں میں شامل ہے۔

نوحؑ نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو وہ اُس عذاب کو بھی ضرور لے آئیگا، اور تم اسکو عاجز کر دینے والے نہیں ہو۔

اب اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں کوئی منفع نہیں دی سکتی جبکہ (تمہارے اپنے فیصلے سے) اللہ ہی نے تمہیں بھٹکا دینے کا ارادہ کر لیا ہو۔ وہی تمہارا رب ہے اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹا یا جائیگا۔

آخری منزل سیدنا نوح علیہ السلام قوم کی ہدایت و اصلاح سے جب ناامید

ہو گئے اور اپنی ساری جدوجہد ختم کر چکے۔ قوم کی ہٹ دھرمی اور عناد جب اپنی آخری منزل پر آگئی اور ایک طویل زمانہ (جسکی مدت قرآنی صراحت کے مطابق ساڑھے نو سو سال ہے) گزر گیا، تاریخی روایات کے مطابق اس دراز مدت میں انہی سے کچھ زائد افراد نے ایمان قبول کیا۔ سیدنا نوح علیہ السلام سخت ملول و آزرده خاطر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور حضرت نوح علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ اب آپ کا کام پورا ہو چکا ہے۔ اس قوم میں اصلاح قبول کرنے والا کوئی نہیں رہا، ان پر اللہ کا وہ فیصلہ جاری ہونے والا ہے جو سرکش و باغی قوموں کے لئے کیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اس اطلاع کے بعد بارگاہِ الہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور ایسی دعا کی جو منشاءِ الہی کے مطابق تھی اور شاید طبقہٴ انبیاء میں کسی نبی نے نہ کی ہو۔

اے رب ان کافروں میں سے کوئی بھی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ، اگر تو نے انکو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے، اور ان کی نسل سے بھی جو پیدا ہوگا وہ بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا۔ (سورۃ نوح آیت ۲۶، ۲۷)

علاوہ ازیں حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا کسی بے صبری یا جذباتی بنا پر

نہ مہتی بلکہ اُس آخری لمحہ ایک مخلص مصلح کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑتی ہے جو رشد و ہدایت کی مسلسل اور انتھک کوشش کرتا رہا ہو اور قوم اُسکو قبول نہ کرنے پر تھم رہا ہو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور قوم فرعون کے حق میں یہ دعا کی مہتی (در اصل یہ اللہ تعالیٰ کا غیبی اشارہ ہوتا ہے) اے پروردگار ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دے، یہ ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔

اے موسیٰ تمہاری دعا قبول کر لی گئی (یونس آیات ۷۷، ۷۸)

بہر حال مصلحی نہ فطرت، اور خداوندی سنت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی نبی کا پیغام اسکی قوم کو پہنچ جاتا ہے اور آخری حجت پوری ہو جاتی ہے تو پھر ایسی قوم کو صرف اُس مدت تک مہلت ملتی ہے جب تک کہ ان میں کے کچھ نیک و صالح آدمیوں کے نکل آنے کا امکان رہتا ہے۔ جب اس قوم سے صالح افراد نکل آتے ہیں اور صرف فاسد عناصر ہی کا مجموعہ باقی رہ جاتا ہے تو پھر اُس قوم کو مزید مہلت نہیں دی جاتی، عدل و انصاف کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ ایسے بے صلاحیت اور بدکردار لوگوں کو ختم کر دیا جائے کہ کہیں وہ باصلاحیت اور اچھے لوگوں کو خراب نہ کر دیں۔ ایسے فاسد عناصر پر رحم کرنا اور اُنہیں یوں ہی چھوڑے رکھنا ساری انسانیت پر ظلم کرنے کے مرادف ہوگا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کو وحی الہی نے بھی بتلادیا تھا کہ اب جو لوگ باقی ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں اس طرح استغاثہ پیش کیا۔

قرآنی مضمون | وَقَالَ نُوحٌ سَرَّيْتُ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْكَافِرِينَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ (نوح آیات ۲۷ تا ۲۸)

اور نوح نے کہا اے میرے رب ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا

نہ چھوڑے، اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے، اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا۔

اے میرے رب مجھ کو اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں
مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اور سب مومن مردوں اور مومن عورتوں کو معاف فرمائے
اور ظالموں کے لئے بربادی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ فرما۔

سفینہ اور قوم کا استہزا | سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہو گئی وحی

الہی نے آگاہ کر دیا کہ اب اللہ کا وہ قانون جسرا
نافذ کر دیا گیا ہے جو سرکش و باغی قوموں کے لئے ہوا کرتا ہے۔

قبل اس کے کہ وہ فیصلہ آجائے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت کی گئی کہ اپنی اور
مومنین مخلصین کی بقا و حفاظت کے لئے ایک ایسی کشتی تیار کر لی جائے جو تہہ گیر طوفان میں
نجات و سلامتی کا ذریعہ بنے!

حضرت نوح علیہ السلام اپنے مختصر ساتھیوں کے ساتھ جنگل سے لکڑیاں کاٹ
کاٹ کر لاتے اور کشتی سازی کے لئے دن رات کام میں مشغول ہو گئے۔

یہ ایک عجیب و غریب قسم کا کام تھا وہ قوم جو انجام سے بے خبر تھی اور جس کو
نوح علیہ السلام کی باتوں پر یقین و اعتماد نہ تھا اس جہد مسلسل پر ان کا مزاق اڑانے لگی،
انہیں یہ کام نہایت مضحکہ خیز معلوم ہو رہا تھا۔ یہ لوگ اس یقین سے قاصر تھے کہ ساحل سمندر
سے بہت دور خشکی اور صرف خشکی پر ایک پہاڑ جیسی کشتی کیوں اور کیسے چلے گی؟ ان کے
خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آرہی تھی کہ چند روز بعد اس زمین پر یہ کشتی طوفانی
موجوں میں خیر و عافیت کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو نجات
دے گی اور قوم کا ایک ایک فرد اس ہمہ گیر طوفان میں غرق ہو کر رہے گا۔

وہ لوگ کشتی سازی کو حضرت نوح علیہ السلام کی دیوانگی کا ایک اور ثبوت قرار
دے رہے تھے اور قوم کے افراد سے کہہ رہے تھے کہ نوح کی عقل بھی جاتی رہی۔ یہ زمین پر
کشتی چلانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اے قوم اب تو یقین کر لو کہ نوح کی ساری باتیں ایسے
ہی بے عقلی کی ہیں۔ معوذہ باللہ منہ۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب نہایت متانت و سنجیدگی سے قوم
کے سرداروں کو جواب دیتے کہ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب خود تمہارا مذاق اڑے گا۔

آج ہم پر ہنس لو کل ہم تمہاری ہنسی کا جواب دیں گے۔ ایک ایسا عذاب آرہا ہے جو تم کو ہر طرف سے گھیر لے گا اور تم کو پہاڑوں کی بلندی بھی نجات نہ دے سکیگی۔

آیات ذیل اسی صورت حال کو بیان کر رہی ہیں۔

وَأَوْحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَا لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ

(ہود آیات ۲۷ تا ۲۹)

قرآنی مضمون

اور نوحؑ پر وحی کی گئی کہ جو لوگ ایمان لے آئے وہ لے آئے۔ اب ان میں سے کوئی دوسرا ایمان لانے والا نہیں، پس ان کی حرکات پر غم نہ کرو۔ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی تیار کر لو، اور اب مجھ سے اُنکے بارے میں گفتگو نہ کرو، بلاشبہ یہ لوگ غرق ہونے والے ہیں۔

نوحؑ کشتی بنا رہے تھے اور اُنکی قوم کے سرداروں میں سے کسی جماعت کا اُن کے پاس سے گزر ہوتا تو نوحؑ کا مذاق اڑاتے۔ حضرت نوحؑ اُس سے کہتے اگر تم ہم پر ہنستے ہو ہم بھی تم پر ہینگے، عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر وہ عذاب آئے گا جو اُسے رسوا کر دیگا اور کس پر وہ دائمی عذاب اتر پڑے گا؟

عذاب کی آمد اور ضروری ہدایات

اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگرانی میں سفینہ تیار ہو گیا، تاریخی روایات کے مطابق یہ سفینہ تین سو گز لمبا اور تین سو گز اونچا تھا۔ (ابن کثیر) حضرت نوح علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ قبل اسکے کہ زمین سے پانی اُبلنے لگے ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لیں اور اپنے گھروالوں میں سے بھی اُن افراد کو ساتھ لے لیں جو مؤمن ہیں، البتہ اُن افراد خاندان کو اس کشتی میں جگہ نہ دیں جن پر اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ طوفان میں ڈوب مریں گے، اسی طرح اُن لوگوں کو بھی لے لیا جائے جو ایمان لا چکے ہیں اور یہ نہایت قلیل افراد تھے جنکی مجموعی تعداد چالیس سے اسی بیان کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

سیدنا نوح علیہ السلام کے افراد خاندان میں اُن کی بیوی کے بارے میں وحی الہی نے پہلے ہی وضاحت کر دی تھی کہ وہ کافرہ اور ڈوبنے والوں میں شامل ہے

لہذا اسکو اپنے ساتھ نہ رکھا جائے۔ اور کافر بیٹا کنعان کے متعلق سے کوئی وضاحت نہ تھی، حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت کی گئی کہ جب کشتی میں بیٹھ جائیں تو اللہ کا شکر ان الفاظ سے ادا کیا جائے۔

(۱) الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ (مؤمن آیت ۲۷)

ساری حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو کافروں سے نجات دی۔

(۲) بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَهَا وَمَرْسَهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (ہود آیت ۱۰۷)

اللہ کی نام سے کشتی کا چلنا بھی اور اس کا ٹھیرنا بھی، بلاشبہ میرا رب بڑا غفور اور رحیم ہے۔

(۳) رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزِلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ۔ (سورہ مؤمنون آیت ۲۹)

اے رب مجھ کو مبارک جگہ اتاریجے اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔

تیسری بات یہ بیان کی گئی کہ جب عذاب کی آمد شروع ہو جائے تو پیچھے رہ جانے والوں کا خیال نہ کیا جائے، کافروں اور ظالموں کے بارے میں رحم کی درخواست نہ کی جائے اور نہ کسی قسم کی کوئی سفارش۔

اب تک جو ایمان لائے ہیں صرف انہیں نجات دی جائیگی اور جو بے ایمان ہیں انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔

چنانچہ مقررہ وقت پر عذاب کی آمد شروع ہوئی، حضرت نوح علیہ السلام نے اسکی پہلی علامت یہ دیکھی کہ مکانات کے چوڑھوں سے پانی اُبلنا شروع ہو رہا ہے جو اپنی نوعیت میں نہایت عجیب و غریب بات تھی، اسکے بعد زمین سے جا بجا پانی نکلنے لگا۔ حضرت نوح ؑ اپنے ساتھ ایمان والوں کو اور ہر جانور کے ایک ایک جوڑے کو کشتی میں بٹھالیا، کیونکہ یہ طوفان پوری زمین کو اپنی زد میں لینے والا تھا، جب پوری طرح ہدایات کی تکمیل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان کو حکم دیا کہ برس پڑے اور زمین کے چشموں کو آمر کیا گیا کہ پوری طرح اُبل پڑیں اللہ تم کے حکم سے یہ سب کچھ ہوتا رہا زمین پر پانی کی سطح بلند ہونا شروع ہوئی، مکانات، درخت، چھوٹے موٹے ٹیلے یکے بعد دیگرے ڈوبتے چلے گئے، کافروں نے بلند پہاڑیوں پر پناہ لینی شروع کی، لیکن یہ بلند و بالا پہاڑ بھی انہیں پناہ نہ دے سکے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا کافر بیٹا جس کا نام کنعان بیان کیا جاتا ہے باغی اور نافرمان تھا سب سے بلند پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے آواز دینے پر جواب

دیا کہ مجھے آپکی پناہ درکار نہیں، میں اس بلند و بالا چوٹی کی پناہ میں آگیا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دوبارہ متنبہ کیا کہ آج اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا رجوع کشتی کی شکل میں آئی ہے، کوئی اور پناہ گاہ نہیں۔

لیکن یہ آخری نصیحت بھی کام نہ آئی، پیچھے سے اچانک ایک ہولناک موج اُمٹھی اور اسکو تنکے کی طرح بہا لے گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا۔

پانی کا یہ طوفان خود مستقل عذاب تھا لیکن اس عذاب پر اللہ تعالیٰ کا مزید غضب ٹوٹ پڑا، زمین کے دھاروں کو حکم الہی ہوا کہ اندرون زمین کے بجائے سطح زمین پر نکل پڑیں اور آسمان کو حکم دیا گیا کہ اپنے پانی کے دھانے کھول دے۔ نیچے اور اوپر سے پانی دریاؤں کی طرح اُبلنا شروع ہوا، دیکھتے دیکھتے آنا فانا ساری زمین زیر آب ہو گئی۔

اس غضبناک طوفان میں کشتی نوح نہایت سبک رومی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں چلتی رہی، زمین کا ہر ایک متنفس غرق آب ہو گیا۔

آیات ذیل طوفان کی نوعیت انہی ہدایات اور حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے سے متعلق ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا آلَ نَوحٍ

(ہود آیات ۴۱ تا ۴۴)

قرآنی مضمون

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آگیا اور تنور اُبل پڑا تو ہم نے (نوح) کہا ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لو، اور اپنے گھروالوں کو بھی اور اُن لوگوں کو بھی جو ایمان لا چکے ہیں، سوائے اُن افراد کے جن کی نشان دہی کی جا چکی ہے، اور (سوار ہونے والے) مٹھوڑے ہی لوگ تھے جو نوح کیساتھ ایمان لائے تھے۔ اور نوح نے کہا (اے لوگو) سوار ہو جاؤ اس کشتی میں، اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھیرنا بھی، بیشک میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔ اور وہ کشتی اُن لوگوں کو لئے چلی جا رہی تھی ایسے موجوں میں جو پہاڑوں کی طرح تھیں اور نوح نے بیٹے کو پکارا اور وہ علیحدہ مقام پر تھا، بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا، کافروں کے ساتھ نہ رہو۔

اُس نے جواب دیا! میں ابھی کسی بلند پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھ کو طوفان سے بچالے گا، نوحؑ نے کہا آج کوئی چیز اللہ کے حکم کو روکنے والی نہیں، سوائے اسکے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے، اتنے میں ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ اور وہ (بیٹا) بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا۔ اور حکم ہوا اے زمین اپنا سارا پانی نکل جا اور اے آسمان تھم جا، (چنانچہ) پانی گھٹ گیا اور فیصلہ چکا دیا گیا، کشتی جو دسی پہاڑ پر ٹک گئی، اور کہہ دیا گیا دور ہوئی ظالموں کی قوم۔

سورہ القمر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا ۖ اِنَّ الْقُرْآنَ اَيَاتٌ مِّنْ اَعْلَامِ
ان لوگوں سے پہلے نوحؑ کی قوم جھٹلا چکی ہے۔ انہوں نے ہمارے بندے (نوحؑ) کو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور (انکو) دھمکا یا گیا۔
آخر اُس نے اپنے رب کو مپکارا کہ میں عاجز ہو چکا ہوں اب تو ان سے بدلہ لے تب ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔

پس یہ سارا پانی اُس کام کو پورے کرنے کے لئے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا، اور نوحؑ کو ہم نے ایک تختوں والی اور کیلوں والی کشتی پر سوار کرا دیا۔ جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی، یہ تھا بدلہ اُس شخص کی خاطر جسکی ناقدری کی گئی۔ اور اُس کشتی کو ہم نے ایک نشانی بنا دیا۔ پھر کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟ دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

سورہ مومنون میں حضرت نوح علیہ السلام کو خداوندی ہدایات! مطرح دی گئیں۔
قَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُوْنِ - فَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ اِنْ اَصْنَعِ الْفُلَّ ۖ اِنَّمَا
(المومنون آیات ۲۶ تا ۳۰)

نوحؑ نے کہا پروردگار! ان لوگوں نے جو میری تکذیب کی ہے اُس پر اب تو ہی میری مدد فرما۔ ہم نے نوحؑ پر وحی کی کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی تیار کرو پھر جب ہمارا حکم آجائے اور تنور اُبل پڑے تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک

جوڑا لے کر اُس میں سوار ہو جاؤ اور اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے لو، سوائے اُن کے جن کے خلاف فیصلہ ہو چکا ہے، اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا یہ اب غسرق ہونے والے ہیں۔ پھر جب آپ اپنے ساتھیوں سمیت کشتی میں سوار ہو جائے تو یوں کہیے شکر ہے اُس اللہ کا جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی۔ (اور یہ بھی کہیے) پروردگار مجھ کو برکت والی جگہ اتار دے اور آپ بہترین جگہ دینے والے ہیں۔ اس قصہ میں بڑی نشانیا ہیں اور آزمائش تو ہم کر کے ہی رہتے ہیں۔

سورہ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کی پدری شفقت اور اللہ عزوجل کی تنبیہ اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کی توبہ و انابت کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔
وَنَادَىٰ نُوحٌ مَّرَبًّا فَقَالَ رَبِّ إِنِّي ابْنِي مِنْ أَهْلِي ۖ

(سورہ ہود آیات ۷۵ تا ۷۷)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا کہا اے میرے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔
اللہ نے فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک تباہ کار ہے۔ لہذا تم اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کرنا جس کا تمہیں علم نہیں، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ۔

نوح نے عرض کیا اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیسز آپ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا۔

حکم ہوا اے نوح سلامتی سے اتر جاؤ اور ہماری برکتیں ہیں تجھ پر اور اُن جماعتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں، اور کچھ جماعتیں ایسی بھی ہیں جن کو ہم کچھ مدت کیلئے سامان زندگی دینگے، پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ آپ انکو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، پس صبر کیجئے، اچھا انجام اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے ہو۔

انجام سفینہ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اُن کے مسلمان اہل خانہ

اور مومنین کی ایک مختصر جماعت، اور جانوروں کا ایک ایک جوڑا موجود تھا۔ یہ کشتی اُس عظیم طوفان میں ایک مدت تک چلتی رہی۔ اس کی حفاظت کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا جس میں ظاہری اسباب کا فرمانہ تھے، یہ بات معلوم نہیں کہ کتنے دن یہ طوفان رہا؟ البتہ الفاظ قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالمگیر طوفان تھا جس میں کوئی جاندار کشتی والوں کے علاوہ نہ بچا، وہ کشتی پہاڑوں جیسے موجوں میں نہایت سبک دلی سے چل رہی تھی، کشتی والے اپنی آنکھوں سے باغیوں کو ڈوبتا دیکھ رہے تھے، ان ڈوبنے والوں میں خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام کی کافر بیوی اور کافر بیٹے کی صراحت خود قرآن حکیم نے کی ہے۔

باقی لوگوں کے بارے میں اجمالاً یہ کہہ دیا گیا کہ اہل ایمان کے علاوہ اوروں کو ہم نے ڈبو دیا۔ بعد کی نسلیں انہی نجات یافتہ کی اولاد ہیں جو کشتی میں موجود تھے۔ طوفان کا مقصد جب پورا ہو گیا یعنی نبی کی تعلیمات کو جھٹلانے والوں کو جب ہلاک کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم آسمان وزمین کو ملا، اے آسمان برسنا بند کر دے، اور اے زمین اپنا پانی نگل لے۔

پانی زمین میں جذب ہو گیا اور فیصلہ چکا دیا گیا، کشتی جو دمی پہاڑ پر ٹک گئی، وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے اصحاب زمین پر اُتر آئے۔ یہ ایک نئی دُنیا تھی جو ہمہ گیر ہلاکت خیزی کے بعد از سر نو آباد ہوئی، اسی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ اور غالباً اسی اعتبار سے انھیں حدیث بخاری میں "أَوَّلُ الرُّسُلِ" کہا گیا۔ واللہ اعلم۔

یہ جو دمی پہاڑ کُردستان (عراق) کے شمال مشرقی جانب واقع ہے جو آج بھی جو دمی پہاڑ (جبل جو دمی) کے نام سے معروف ہے، قدیم تاریخوں میں بھی کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ یہ ہی بیان کی گئی ہے، حکیم ارسطو کا ایک مشہور زمانہ شاگرد ابیڈنیوس بھی اپنی تاریخ میں اسکی تصدیق کرتا ہے۔ نیز وہ اپنے زمانے کا حال بیان کرتا ہے کہ عراق میں بہت سے لوگوں کے پاس اس کشتی کے ٹکڑے محفوظ ہیں جنہیں وہ گھول گھول کر مریضوں کو پلاتے ہیں اور مریض شفا پاتے ہیں۔

نتائج و عبرت

(۱) ایک قدیم بین الاقوامی گمراہی
اور اس کا ازالہ

انبیاء کرام کی پوری تاریخ یہ ثبوت
پیش کرتی ہے کہ ہر نبی کی قوم
نے تقریباً ایک ہی اعتراض دہرایا
ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم ایسے

شخص کو نبی کیے تسلیم کر لیں جو ہماری ہی قوم سے ہے۔ ہماری طرح کھاتا ہے، چلتا پھرتا
ہے، سوتا جاگتا ہے، بال بچے رکھتا ہے، بھوک پیاس کا محتاج ہے۔
وہ تو ہماری طرح ایک بشر ہے

نبیوں کے بارے میں قوموں کی یہ جہالت بہت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے،
غالباً حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جنکو انہی قوم نے سب سے پہلے یہی طعنہ
دیا تھا۔ اسی جاہل قوم کی اتباع میں ہر زمانے کے جاہلوں نے اپنے اپنے نبی کے بارے میں
یہ عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ!

جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا

اور جو رسول ہوتا ہے وہ بشر نہیں!

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح کو اس طرح خطاب کیا۔
فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا۔

(ہود آیت ۷۴)

قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے نوح) ہم تم کو اپنا ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ
يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَعَيْنَا فِيهِ أَبَاسًا
إِلَّا وَابِلِينَ۔ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بَشَرٌ مِثْلُكُمْ

(المؤمنون آیت ۲۴، ۲۵، ۲۶)

پس اُن کی (نوحؑ) کی قوم میں جو کافر رئیس تھے کہنے لگے کہ یہ شخص (نوحؑ) کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا، اسکی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے، اللہ کو اگر رسول بھیجنا ہوتا تو فرشتے کو بھیجتا، یہ بات تو ہم نے اپنے آباء و اجداد میں بھی نہیں سنی (کہ بشر رسول بن کر آئے ہوں) کچھ نہیں اس آدمی کو ذرا جنون لاحق ہو گیا ہے کچھ مدت اور دیکھ لو (شاید صحت یاب ہو جائے)

نوحؑ نے کہا پروردگار ان لوگوں نے جو مجھ کو جھٹلایا ہے اس پر اب تو ہی میری مدد فرما!

خود حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اس طرح خطاب فرماتے ہیں۔
 اَوْعَجِبْتُمْ اَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا
 وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (الاعراف آیت ۶۳)

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری ہی قوم کے ایک آدمی (نوحؑ) کے ذریعہ تمہارے رب کی نصیحت آئی کہ تمہیں خبردار کرے اور تاکہ تم اللہ سے ڈرو اور تم پر رحم کیا جائے۔

قوم عاد نے بھی سیدنا ہود علیہ السلام کے بارے میں یہی بات دھرائی ہے
 وَقَالَ الْمَلَاۤئِكَةُ مِنْ تِوَمِیْمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ وَ
 اٰتَرَفْنٰهُمْ فِی الدُّنْيَا مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یَاۤءُ كُلُّ مَتَّٰبِعٍ لَّكُلُوْتٍ وَ
 یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔ وَلَیِّنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلُكُمْ اِنَّكُمْ لَآ تَحْشَرُوْنَ۔

(المومنون آیت ۲۳۔ ۲۴)

اُن (ہود) کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ حال کر رکھا تھا کہنے لگے یہ شخص (ہود) کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا، جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے۔

اور اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت قبول کر لی تو گھاٹے ہی میں ہو گے۔
 قوم ثمود نے بھی سیدنا صالح علیہ السلام پر یہی اعتراض کیا کہ صالحؑ تو ایک بشر ہے۔ جہلا ہم اسکی کیسے اطاعت کر لیں؟ نبی انسانوں میں سے نہیں ہوتے، وہ تو

ماوراء بشر ہو کرتے ہیں۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ - وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأْتِ
بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ۔ (الشعراء آیت ۱۵۲-۱۵۴)
قوم نمود کہنے لگی (اے صالح) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو ایک سحر زدہ شخص ہے
اور تو صرف ہم جیسا ایک بشر ہے۔ اگر تو سچا ہے تو پھر کوئی نشانی لے آ؟
كَذَّبْتَ شَوْدًّ بِالْثُّدْرِ۔ فَقَالُوا بَشَرًا مِّثْنَا وَاحِدًا نَّتَّبِعُكَ إِنْ أَذَّاكَ لَفِي
ضَلٰلٍ وَسُعُرٍ۔ (القمر آیت ۲۳-۲۴)

قوم نمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔

پس کہنے لگے کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی کر لیں؟ تو اس صورت
میں ہم بڑی غلطی اور جنون میں پڑ جائیں گے۔

سورہ یس میں ایک قریہ (گھاؤں) کا حال لکھا ہے کہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ
نے چند ایک نبی بھیجے تھے۔ اُس بستی والوں نے بھی ان نبیوں کے ساتھ وہی معاملا
کیا جو گزشتہ قوموں نے اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ کیا تھا۔

یہ قریہ بعض مفسرین کی تحقیق کے مطابق ملک شام کا شہر انطاکیہ تھا۔ اس
شہر میں پہلی دفعہ دو نبی تبلیغ کے لئے بھیجے گئے تو گھاؤں والوں نے انکا انکار کر دیا۔
پھر اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کی مدد کے لئے تیسرے نبی کو بھیجا، اس پر ان بستی والوں نے
یہ کہہ کر ان تینوں کا انکار کر دیا کہ

تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو اور اللہ نے کسی بشر کو رسول نہیں بنایا۔ ہم تم کو
جھوٹا سمجھتے ہیں۔

آیات ذیل اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

وَاصْرَبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَاتِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ -
إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَٰهِيكُمْ
مُرْسَلُونَ۔ قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ
إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَذِبُونَ۔ (یسین آیت ۱۲-۱۴-۱۵)

(اے نبی!) ان سے ذرا اُن بستی والوں کا قصہ بیان کیجئے جبکہ ہم نے اُن کی

جانب پہلے دو نبی بھیجے سو اُمنہوں نے انکو جھٹلادیا، پھر ہم نے تیسرے نبی کو اُن کی مدد کے لئے بھیجا۔ ان سب نے کہا ہم تم لوگوں کی طرف اللہ کی جانب سے بھیجے گئے ہیں۔ بستی والوں نے کہا تم لوگ کچھ نہیں ہو مگر ہم جیسے بشر اور اللہ رحمن نے ہرگز تم پر کوئی چیز نازل نہیں کی ہے تم صرف جھوٹے لوگ ہو۔

یہ کہہ کر بستی والوں نے اللہ کے ان تینوں فرستادوں کو جھٹلادیا۔ اہل مدین نے بھی سیدنا شعیب علیہ السلام سے انہی الفاظ میں کلام کیا کہ اے شعیب تم ایک اچھے سنجیدہ آدمی تھے تم کو اچانک کیا ہو گیا کہ تم نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جاؤ وغیرہ کر دیا ہو؛ مہلّا تم بشر ہو کر نبی ہونے کا دعویٰ کیوں کرتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو تم یقیناً جھوٹے ہی ہو۔
قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ . وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ . (الشعراء آیت ۱۸۵-۱۸۶)

قوم شعیب نے کہا اے شعیب یقیناً تم سحر زدہ ہو گئے ہو۔ اور تم تو صرف ہم جیسے بشر ہو اور ہم متقین کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔

قوم ابراہیم نے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ ہی شبہ ظاہر کیا کہ وہ تو صرف ایک نوجوان لڑکا ہے جو ہمارے بتوں کے بارے میں اکثر بُری گفتگو کرتا رہتا ہے۔

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِإِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝

(الانبیاء آیت ۵۹-۶۰)

(قوم نے میلے سے واپس آکر جب اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑے ہیں) تو کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بیشک وہ کوئی بڑا ظالم ہی ہوگا۔

بعض لوگوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیم ہے۔

فرعون اور قوم فرعون نے بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام و سیدنا ہارون علیہ السلام

کو حقارت کے انداز میں بشر ہی کہتے رہے اور کسی طرح ان دونوں نبیوں کو تسلیم نہ کیا۔
 فرعون تو آخر وقت تک یہ ہی کہتا رہا کہ موسیٰ نے تو ہمارے گھر پر ورش پائی، جوانی
 کے کئی سال ہمارے گھر میں گزارے۔ اور اب وہ نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔
 قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَ لِیْدًا اَوْ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرٍ لَّكَ سِنِیْنٌ۔
 (الشعراء آیت ۱۸)

فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ اور تو نے
 اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں نہیں گزارے؟
 قوم فرعون نے بھی یہی اعتراض دھرایا کہ سیدنا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام)
 بشر ہیں اور صرف نبوت کے نام پر اقتدار چاہتے ہیں۔
 قَالُوْا اِنْ هٰذَا اِنْ لَّسِیْرٍ یُّرِیْدُ اِنْ اَنْ یُّغْرِجَکُمْ مِنْ اَرْضِکُمْ لِیَحْیِرَہُمَا
 وَ یَذْہَبَا بِطَرِیْقَیْکُمُ الْاُثُلٰی۔ (طہ آیت ۷۳)

آخر کار لوگوں نے کہا کہ یہ دونوں (موسیٰ و ہارون) تو محض جادوگر ہیں۔ ان کا
 مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں اور
 تمہارے رسم و رواج کا خاتمہ کر دیں۔

آخر کار قوم نے بشریت کا الزام لگا کر سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام
 کی نبوت کا انکار کر دیا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاہٗ هٰرُوْنَ بِآیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ اِلٰی فِرْعَوْنَ
 وَ مَلَآئِہٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ کَانُوْا قَوْمًا عَلٰییْنَ۔ فَقَالُوْا اَنْتُمْ اَنْتُمْ لِبَشَرِیْنِ مِثْلِہٖ
 وَ قَوْمَہُمَا لَنَا عِبَادُوْنَ۔ فَکَذَّبُوْہُمَا فَکَا نُوْمِنُ الْمُہْلٰکِیْنَ۔
 (المؤمنون آیت ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸)

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل (عصا)
 کے ساتھ فرعون اور ان کے ساتھیوں کی طرف بھیجا مگر انھوں نے تکبر کیا اور وہ
 مغرور قوم ہی تھی۔ پھر کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو بشر پر ایمان لے آئیں، خاص
 طور پر ایسی صورت میں کہ ان دونوں (موسیٰ و ہارون) کی قوم ہماری غلام ہے۔
 پس ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلادیا، پھر وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے۔

قوم عیسیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ایک بالکل دوسری حیثیت سے دیکھا۔ بیشتر اقوام نے تو اپنے اپنے نبیوں کو صرف بشر خیال کیا اور نبوت کا انکار کر دیا لیکن قوم عیسیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بشریت سے ایک قدم آگے بڑھا کر اُلُوہیت میں داخل کر دیا۔ گویا بشر تسلیم کرنے کے لئے قطعاً آمادہ نہ ہوئے۔ اس لحاظ سے اس قوم نے سابقہ اقوام سے بالکل مختلف نظریہ قائم کر لیا کہ نبی بشر نہیں ہوتے۔ حضرت عیسیٰ یقیناً نبی و رسول تھے لیکن بشر نہ تھے۔ دراصل یہ وہی افراط و تفریط کے مظاہرے ہیں جو جہالت اور اندھے پن کی وجہ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم عیسیٰ کی اس گمراہی کو ان الفاظ سے رد فرما دیا۔

اِنَّهُمْ اَخِذُوا لَكَ (النساء آیت ۷۱)

باز آ جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کو ایک مثال سے سمجھائی گئی اور یہ بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان و بشر ہی تھے جیسا کہ دیگر انبیاء کرام انسان و بشر تھے۔ رہا اُن کا بے باپ کے پیدا ہو جانا یہ کوئی دلیل نہیں کہ وہ خدا یا شریک خدا ہو جائیں۔ اگر بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ خاص سے وہ پیدا ہو کر خدا یا شریک خدا ہو سکتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام جو باپ اور ماں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں اُن کو کیا کہا جائیگا؟

اور حضرت خوار بھی تو بغیر ماں کے پیدا ہوئی ہیں، حالانکہ اُن کو کوئی بھی خدا یا شریک خدا ماننے کے لئے تیار نہیں۔

پھر اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہو گئے ہوں تو انہیں کس طرح خدا یا شریک خدا کہا جائیگا؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت اس طرح سمجھائی ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْنَا مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَمَّا كُنْ فَيَكُوْنُ۔ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُسْتَرِیْنِ۔

بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے ہاں آدم کی سی ہے کہ اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر حکم دیا کہ ہو جا پس وہ انسان ہو گئے۔ یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب

کی طرف سے بتائی جا رہی ہے۔ لہذا تم اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اس میں شک کرتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔
 اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي اِسْرَآئِيْلَ۔

(زُحُور آیت ۵۹)

ابن مریم تو کچھ نہیں سوائے ایک بندے کے جس پر ہم نے خاص انعام کیا اور اُسکو بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنا دیا۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ کے پیدا کرنا، اور پھر اُن کو وہ معجزے عطا کرنا جو نہ اُن سے پہلے کسی نبی کو دیئے گئے نہ اُن کے بعد، وہ مٹی کا پرندہ بناتے اور اُس میں پھونک مارتے تو وہ جیتا جاگتا پرندہ بن جاتا، وہ مادرِ زاد اندھے کو بینا کر دیتے، کوڑھ کے مریض کو شفا دے دیتے، حتیٰ کہ مردہ انسان کو زندہ کر دیتے، اس غیر معمولی پیدائش اور ان عظیم معجزات کی وجہ سے اُن کو مقامِ بندگی سے بالاتر سمجھنا اور بشریت سے نکال کر خدا یا الوہیت میں شریک کر دینا نہایت نادانی کی بات ہے۔ وہ حقیقتاً ایک بشر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات سے نواز کر اپنی قدرت کا نمونہ بنا دیا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کے عظیم نبی و رسول تھے۔ یہ ہے حقیقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی، جسکو قرآن حکیم نے نہایت وضاحت کے ساتھ غیر مبہم الفاظ میں ظاہر کیا ہے اگرچہ دیگر اقوام نے اپنے اپنے نبیوں کو بشر سمجھا اور نبوت کی تکذیب کی، لیکن قوم عیسیٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غیر بشر سمجھا، دراصل یہ ہی وہ قدیم گمراہی ہے جو انبیاء کرام کے تعارف میں قوموں کو پیش آئی ہے کہیں تحقیق کی گئی اور کہیں عظمت میں غلو کیا گیا۔

قرآن حکیم کے مزید مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدیم گمراہی و جہالت کا اثر قوم عرب پر بھی پڑا جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے تو مشرکین مکہ نے بھی آپ کی نبوت کو یہ کہہ کر جھٹلادیا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا پیتا اور بازاروں میں خرید و فروخت کرتا ہے؟ اگر یہ رسول ہوتا تو اس کے ساتھ ایک فرشتہ بھی ہونا چاہیے تاکہ وہ علامت بنے اس کے رسول

وہی ہونے کی؟ یہ تو تم جیسا ہی ایک بشر ہے۔
 مشرکین مکہ کی اس خام خیالی کو قرآن حکیم نے غفلت اور جہالت سے تعبیر
 کی ہے اور اس مفروضہ خام خیالی کو گمراہی اور اندھا پن قرار دیا ہے۔ سورہ انبیاء
 میں یہ مضمون موجود ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قُلُوبُهُمْ مُّصْرِفَةٌ وَأَسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا
 إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ۔

(الانبیاء آیت ۷۷)

اُن کے قلوب غفلت میں پڑے ہیں اور یہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشیاں
 کرتے ہیں کہ یہ شخص (محمدؐ) آخر تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے۔ پھر کیا تم آنکھوں
 دیکھتے جاؤ کے پھندے میں پھنس جاؤ گے؟

وَقَالُوا مَا لَ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْسِكُ فِي الْأَسْوَاقِ
 لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا مِلًّا نَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا۔ الخ

(الفرقان آیت ۷، ۸، ۹)

مکہ کے مشرکین نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں
 میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اسکے ساتھ رہتا
 اور (نہ ماننے والوں کو دھمکاتا)

اور یا اس کی طرف کوئی خزانہ اُتار دیا جاتا، یا اسکے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس
 سے یہ کھاتا پیتا، اور ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ اے لوگو! تم تو صرف ایک
 سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

دیکھو (اے محمدؐ) یہ لوگ تمہارے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں
 پس یہ گمراہ ہو گئے ہیں انہیں اب سیدھی راہ سوجھائی نہیں دیتی۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی اس جہالت اور عداوت کا جواب بھی انہی کے
 انداز پر دیا اور ان سے سوالیہ انداز میں کہا گیا۔

پہلے کونسا ایسا نبی آیا ہے جو کھانا نہ کھاتا ہو؟ بازاروں میں چلتا پھرتا ہو؟
 تم لوگ اور تمہارے آباء و اجداد حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسمعیل، حضرت

موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور بہت سے دوسرے انبیاء سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان حضرات کی رسالت و نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب بیوی بچے والے تھے۔ کھانا پینا، بازاروں میں چلنا پھرنا، تجارت و زراعت کرنا، غم و خوشی کے حالات پیش آنا، سب کچھ ان پر پیش آتا تھا اور تم خود اس کے قائل ہو۔ پھر اب اگر یہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی بشر ہیں۔ کھاتے پیتے اور بازاروں میں خرید و فروخت کرتے ہیں تو آخر تعجب کی کیا بات ہے؟

اس عظیم حقیقت کو سورۃ الفرقان میں اس طرح ظاہر کیا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهُمْ لَيَا كُلُّونَ الظَّالِمِينَ
(الفرقان آیت ۱۳)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے وہ سب کے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں (خرید و فروخت کیلئے) چلتے پھرتے تھے۔ ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اعلان کروایا کہ آپ اپنی حقیقت کا اس طرح واضح اظہار کر دیں کہ آپ کی حیثیت میں کسی قسم کی کوئی پوشیدگی باقی نہ رہے اور سابقہ امتوں کی طرح یہ آخری امت اس گمراہی میں مبتلا نہ ہونے پائے کہ رسول بشر نہیں ہوتے ان کو فرشتہ ہونا چاہیے یا پھر خدا سے انکی رشتہ داری ہو یا خدا فی میں حصہ داری ہو۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کا یہ پُر حقیقت اعلان جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کروایا گیا کتنا واضح اور کھلا ہوا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنْتَ إِلَهُكُمْ أَلَمْ أَخْبَرِكُمْ أَنَّ
كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ
أَحَدًا ۚ (الکہف آیت ۱۱۰)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو کہ میں بشر ہوں تم جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے، پس جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کا امیدوار ہو اس کو چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

اسکے علاوہ قرآن حکیم کی اور بھی وضاحتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں لوگوں کی جہالت کا یہی حال رہا ہے اور تقریباً ہر ایک نبی کو اس سے دوچار ہونا پڑا اور اسی جہل نے بہت سی قوموں کو نبیوں کی روشن ہدایات سے محروم کر دیا۔ یا تو رسولوں کو صرف بشر سمجھا گیا جس کی وجہ سے اطاعت نہیں کی گئی یا پھر فوق البشر جانا اور گمراہ ہو گئے۔ یہ دونوں نظریے جہل اور بے عقلی کی پیداوار ہیں یہود و نصاریٰ کو انہی جہل و بے عقلی نے راہ حق سے دور کر دیا ہے۔ سورہ ابراہیم میں مزید وضاحت ملتی ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اِنِّیْ لِلّٰهِ شَکٌّ فَاَطِیْرَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ یُؤَخِّرَ کُمْ
اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَرِیْدُوْنَ
اَنْ تَصُدُّوْۤا نَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ
قَالَتْ لَہُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلَکِنَّ اللّٰهَ
یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادٍ ۝۴ (ابراہیم آیت ۴، ۵)

(انبیاء کے پیغام کو نہ ماننے والوں سے) اُن کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تم کو دعوت دے رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور تم کو ایک مدت مقررہ تک مہلت دے۔ اُن لوگوں نے جواب دیا تم تو ہمارے جیسے ہی بشر ہو، تم ہم کو اُن معبودوں کی عبادت سے روکنا چاہتے ہو جنکی ہمارے باپ دادا نے عبادت کی ہے؟ اچھا تو کوئی واضح دلیل پیش کرو؟ اُن کے رسولوں نے اُن کو جواب دیا ہم تو تم ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے (نبوت و رسالت) سے سرفراز کرتا ہے۔

سورہ تغابن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اَلَمْ یَاۤتِکُمْ نَبَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوْۤا مِنْ قَبْلُ فَاَقْتُلُوْۤا
وَبَالَ اَمْرِہُمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۰ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ

تَأْتِيهِمْ مِنْ سُلَيْمٍ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا
وَاسْتَغْنَى اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (التغابن آیت ۵، ۶)

کیا تم کو اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے اس سے پہلے
کفر کیا پھر اپنے شامت اعمال کا مزہ چکھ لیا؛ اور اُن کیلئے (آگے)
در دناک عذاب ہے۔ اس انجام کے مستحق وہ لوگ اس لئے ہو گئے
کہ اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لیکر آتے رہے مگر انہوں نے
کہا کیا ہم کو بشر ہدایت دیں گے؛ پس انہوں نے انکار کیا اور منہ پھیر لیا، تب
اللہ بھی اُن سے بے پروا ہو گیا، اور اللہ تو بے نیاز ہے سزاوارِ حمد ہے۔

سورہ یوسف میں بھی پوری وضاحت کے ساتھ کہا گیا کہ جتنے بھی رسول دُنیا میں
آئے ہیں وہ سب کے سب انسان ہی تھے اور اُن ہی بستیوں کے رہنے والوں ہی
تھے۔ کیا یہ بات ان مشرکین مکہ کو معلوم نہیں؟

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوْحِيْٓ إِلَيْهِمْ مِنْ
أَهْلِ الْقُرَى (یوسف آیت ۱۰۹)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پہلے ہم نے جتنے بھی پیغمبر
بھیجے ہیں وہ سب کے سب انسان ہی تھے اور انہی بستیوں کے رہنے
والوں میں سے تھے۔

مشرکین مکہ کا یہ خیال تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ انسان
ہیں۔ قرآن حکیم نے کفار مکہ کے اس جاہلانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے بتلایا کہ یہ
کوئی نئی جہالت نہیں جو آج پہلی مرتبہ ان لوگوں سے ظاہر ہو رہی ہے زمانہ قدیم سے
تمام جہلاء اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا اور
جو رسول ہے وہ بشر نہیں۔

اسی جہالت نے ہر زمانے کے لوگوں کو ہدایات انبیاء سے محروم رکھا ہے
اور وہ نبیوں کی واضح و روشن ترین تعلیمات کو محض یہ کہہ کر رد کر دیا کرتے تھے
کہ تم تو بشر ہو رسول کیسے ہو سکتے ہو؛ رسول یا تو فرشتہ ہو گا یا پھر کوئی اور مخلوق،
لیکن انسان تو رسول ہو ہی نہیں سکتا۔

ایسے انسانوں کی ہدایت سے محرومی کا سبب قرآن حکیم نے یہی بیان کیا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ
إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا مِّنْ سِوَاكَ۔ (بنی اسرائیل آیت ۹۴)

لوگوں کے پاس جب نبیوں کی ہدایت آئی تو کوئی چیز انہیں
ایمان لانے سے روکنے والی نہ تھی سوائے اسکے کہ انہوں نے کہا ”کیا
اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا؟“

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں انسانوں ہی میں سے کسی ایک کو رسول بنایا ہے
انسان کی ہدایت کے لئے انسان ہی رسول ہو سکتا ہے نہ کہ کوئی فرشتہ یا بشریت
سے بالاتر کوئی اور ہستی، اس حقیقت کو سورۃ انبیاء میں اس طرح واضح کیا ہے:-

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رَجُلًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَتَعْلَمُوا
أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا وَلَا
يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَلِدِينَ۔ (الانبیاء آیت ۷۷، ۷۸)

ہم نے تم سے پہلے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن پر
ہم وحی کرتے تھے۔ لہذا جاننے والوں سے دریافت کر لو اگر تمہیں نہ معلوم
ہو اور نہ ہم نے اُن رسولوں کے جسم ایسے بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھا
ہوں اور نہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔

اور یہ کلام الہی کی انتہائی شفقت ہے کہ وہ مشرکین مکہ کی خام خیالی کا بھی جواب
دیا ہے:-

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ
لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا۔

(بنی اسرائیل آیت ۹۵)

اے نبی! ان لوگوں سے کہو کہ اگر زمین پر فرشتے اطمینان سے

چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان پر فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل کرتے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیت نے مسئلہ کو اور آسان بنا دیا کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے
انسان ہی ضروری ہے نہ کہ کوئی فرشتہ یا کوئی اور مخلوق؟

فَمَا ذَاكَ بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ-

حق ظاہر ہو جانے کے بعد قبول نہ کرنا سوائے گمراہی کے اور کیا

ہو سکتا ہے؟

اور یہ عجیب تر بات ہے کہ جن لوگوں نے پتھروں اور درختوں میں الٰہیت کو تسلیم کیا ہے آخر وہ بشریت میں نبوت کو محال کیوں سمجھ رہے ہیں؟
أَفَلَا تَعْقِلُونَ-

کیا عقل و فہم سے محروم ہو گئے ہیں؟

یہ اللہ کے کلام کا اعجاز و تفوق ہے کہ اُس نے نبیوں کی بلند ترین عظمت و تقدیس کو صرف دو لفظوں سے ادا کر دیا ہے :-

کہ وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہوا کرتے ہیں۔

(۲) قوم نوح کے معبود

سیدنا نوح علیہ السلام جس وقت اپنی قوم میں مبعوث ہوئے ہیں اُس وقت ساری قوم بت پرستی میں مبتلا تھی، شرک اُن کا مذہب تھا۔ چھوٹے بڑے سینکڑوں معبود بنائے گئے تھے جنکی پرستش کی جاتی تھی۔ اُن میں پانچ بڑے بت تھے جو ”بڑے خدا“ کے نام سے پوجے جاتے تھے۔ بعد کے زمانے میں یہ ہی بت عرب کے جاہلوں میں بھی پوجے جانے لگے۔

۱۔ وَدّ: یہ بت قبیلہ بنو کلب کا معبود تھا جس کا مندر مقام دومۃ الجندل میں بنایا گیا تھا۔ یہ بت نہایت بلند قامت مردانی جثہ (بدن) تھا۔ قریش مکہ بھی اسکو معبود تسلیم کرتے تھے اور اُنھوں نے اس کا نام وُد رکھا تھا اور اپنی اولاد کے نام بھی اسی نسبت پر رکھ دیا کرتے تھے۔

۲۔ سَوَاع: یہ بت قبیلہ ہذیل کی دیومی تھی جس کی شکل عورت کے مشابہ تھی۔ ینبوع کے قریب اس کا مندر تھا۔

۳۔ یغوث: یہ قبیلہ طے کا بت تھا۔ حجاز اور یمن کے درمیان مقام جُرش پر اس کا مجسمہ نصب کیا گیا تھا اس کی شکل شیر کی طرح تھی۔ گویا یہ طاقت و قوت

کا مالک تھا جس کے دستِ قدرت میں کائنات کی ساری طاقتیں سمجھی جاتی تھیں قریش کے لوگ بھی اسی بُت کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھ لیا کرتے تھے۔ ۴۔ یَعُوْق : یمن کے علاقے میں قبیلہ ہمدان کا یہ معبود گھوڑے کی شکل پر تھا۔ جس کی پوجا عرب میں بھی کی جاتی تھی۔

۵۔ نَسْر : حمیر کے علاقے میں قبیلہ حمیر کا یہ معبود گدھ کی شکل پر تھا۔ شہرِ سبا (یمن) کے قدیم مکتبوں میں اس کا نام نَسْر لکھا ہے۔ اسکے مندر کو بیت نَسْر اور اسکے سجادہ نشینوں کو اہل نَسْر کہا جاتا تھا۔ عرب کے بعض آثارِ قدیمہ میں جو مندر ظاہر ہوئے ہیں اُن میں مندر کے دروازوں پر گدھ کی تصویر ملتی ہے جو اسی معبود کی علامت ہے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

(۳) سُنَّتُ اللّٰهِ طوفان کے آغاز سے قبل سیدنا نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ ہدایت دی گئی کہ جب عذاب شروع ہو جائے تو ظالموں کے بارے میں ہم سے سفارش نہ کرنا۔ کیونکہ ان کو ڈبو دینے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

نبیؐ کا مکمل پیغام جب کسی قوم کو پہنچ جاتا ہے اور اسکی حد پوری ہو جاتی ہے مگر قوم اسکو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی تو پھر سنت اللہ (اللہ کی عادت) یہ رہی ہو کہ اُس قوم کو صرف اُس وقت تک مہلت دی جاتی ہے جب تک اُس میں کچھ بھلے آدمیوں کا وجود باقی ہو۔ مگر جب اُس قوم کے نیک افراد سب نکل چکے ہیں اور باقی صرف فاسد عناصر کا ہی مجموعہ رہ جاتا ہے تو پھر اُس قوم کو اللہ مہلت نہیں دیتا۔ اُنکی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے اور اُنھیں کسی بھی شکل میں تباہ کر دیا جاتا ہے۔ نیز اُسکی رحمت کا تقاضہ بھی یہ ہی ہوتا ہے کہ ایسے فاسد مادے کو ضائع کر دیا جائے، چنانچہ قوموں پر جو عذاب آیا ہے وہ اسی نقطہ انتہا کے بعد آیا ہے۔

قومِ نوح کا انجام بھی اسی سنت اللہ کے مطابق غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(۴) دانشمندی یا بے دانشی | سیدنا نوح علیہ السلام دریا سے

بہت دور خشکی پر اپنی کشتی تیار کر رہے تھے اُس وقت لوگوں کو یہ عمل نہایت مضحکہ خیز معلوم ہوا اور نہس نہس کر اس کا مزاق اڑایا گیا کہ کیا یہ کشتی زمین پر چلے گی؟ سمندر سے سینکڑوں میل دور کیا زمین کا یہ خطہ پانی میں تبدیل ہو جائے گا؟ اور کیا صرف نوح بچ جائے گا اور ہم سب ڈوب جائیں گے؟

لیکن جو شخص حقیقت کا علم رکھتا ہے اور جسے معلوم تھا کہ کل یہاں سفینے کی ضرورت پیش آئیگی وہ ان نادانوں کی اس ہنسی دل لگی پر کس قدر تعجب و حیرت کرتا ہو گا کہ یہ کس قدر نادان اور فریب خوردہ ہیں کہ شامت ان کے سر پر کھڑی ہو مگر یہ مطمئن بیٹھے ہیں اور اُلٹا مجھے دیوانہ سمجھ رہے ہیں۔

اہل دنیا نے عقلمندی اور بے وقوفی کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس واقعہ سے کس قدر مختلف ہے؟ نبیوں کی تعلیمات پر چلنا دانشمندی ہے یا بے دانشی؟ اللہ ہمیں چشم بصیرت عطا کرے اور توفیق عمل بھی!

(۵) طوفان کی عالمگیری | طوفانِ نوح کے بارے میں مفسرین کی دو

راے ہیں :- اول یہ کہ یہ طوفان عالمگیر تھا

جو پورے خطہ ارضی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ دوم :- یہ کہ یہ طوفان اُس خاص علاقہ تک محدود تھا جہاں قومِ نوح آباد تھی۔

تاریخی روایات ہر دو خیال کی تائید میں ہیں۔

لیکن قرآنی اشارات پہلی رائے کے قریب ہیں، اگرچہ قرآن حکیم میں کسی جگہ ایسی کوئی وضاحت نہیں ملتی جس سے قطعی طور پر کوئی فیصلہ معلوم ہو جائے بہر حال واقعہ کا انحصار اس پر نہیں کہ یہ طوفان عالمگیر تھا یا محدود؛ لیکن یہ حقیقت تھی کہ یہ طوفان ہایت ہولناک اور غضبناک قسم کا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جیسا کہ کہا گیا قرآنی اشارات مفسرین کی پہلی رائے کے زیادہ قریب ہیں

کہ یہ طوفان عالمگیر تھا اور زمین کے پورے خطہ کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا سوائے اہل کشتی کے ہر جاندار اس میں ہلاک ہوا۔

مندرجہ وجوہات قرآنی اسکی تائید کرتی ہیں :-

وجہ اول : سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۷۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد کی انسانی نسلیں حضرت نوح علیہ السلام اور ان لوگوں کی اولاد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کشتی میں نجات دی تھی۔

ذُرِّيَّتَهُ مَنۢ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا

(بنی اسرائیل آیت ۷۷)

(اے لوگو) تم اُن لوگوں کی اولاد ہو جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ

کشتی میں سوار کیا تھا، بیشک نوح ایک شکر گزار بندہ تھا۔

اس آیت میں اہل مکہ کو بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت دلانی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پانے والے (یہود و نصاریٰ) نے جب رسولوں کے مقابلہ میں سر اٹھایا تو دیکھو ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ لہذا نوح اور ان کے ساتھیوں کی اولاد ہونے کی حیثیت سے تمہارے لئے یہی لازم ہے کہ تم صرف اللہ واحد ہی کو اپنا معبود بناؤ، کیونکہ جن کی تم اولاد ہو وہ اللہ واحد ہی کو معبود بنانے کی بدولت طوفان کی تباہی سے بچے تھے۔

الغرض آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور قرآن کے دیگر مخاطب (جس میں ساری اقوام شامل ہیں) طوفان نوح سے نجات یافتہ افراد کی اولاد ہیں۔ واللہ اعلم۔

وجہ دوم : سورہ مریم کی آیت ۷۵ بھی عالمگیر طوفان کی تائید کرتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ سِوٰ

ذُرِّيَّتِ اٰدَمَ وَ مِمَّنۢ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ۔ الخ (مریم آیت ۷۵)

چند انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد قرآن حکیم نے اس طرح فرمایا :-

یہ وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا آدم کی ذریت میں سے

اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔

اس آیت میں اولاد ابراہیم اور اولاد یعقوب کا بھی تذکرہ ہے لیکن یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہی کے ہیں اس لئے
مِثْقَنٌ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ کا ذکر خاص طور پر اشارہ کرتا ہے
کہ بعد کی نسلیں انہی افراد کی اولاد سے چلیں۔ معلوم ہوا کہ اہل کشتی کے علاوہ سارے انسان ہلاک ہو گئے تھے۔

وجہ سوم: قرآنی صراحت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ کشتی میں ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا رکھ لیا جائے۔

(سورۃ المؤمن آیت ۲۳)

اس ارشاد کی واضح اور بلا تکلف توجیہ یہ ہی ممکن ہے کہ طوفان عالمگیر تھا ورنہ نسل حیوانی کے تحفظ کا کوئی اور معقول مطلب نہیں ہو سکتا۔ چونکہ طوفان عالمگیر تھا اس لئے نسل حیوانی کی بقا و سلامتی کے لئے ہر جوڑا کشتی میں رکھا گیا۔

وجہ چہارم: جب کبھی بھی قوموں پر نبیوں کی آگاہی کے بعد عذاب آیا ہے، آغاز عذاب سے قبل نبی اور ان کے اصحاب کو ہجرت کر جانے، شہر سے باہر ہو جانے یا کسی خاص خطہ میں آ جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جسکی وضاحت قرآن حکیم میں موجود ہے۔

لیکن سیدنا نوح علیہ السلام کو طوفان سے قبل جو حکم دیا گیا وہ ان تمام صورتوں سے بالکل مختلف ہے۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے ہی ملک میں اپنی ہی قوم کے اندر اسی خطہ ارضی پر کشتی میں پناہ لینے کی ہدایت کی گئی۔ اگر طوفان عالمگیر نہ ہوتا تو یہ مخصوص صورت اختیار کرنے کی کوئی قابل ذکر وجہ معلوم نہیں ہوتی؛ ورنہ زمین کے کسی بھی خطہ میں پناہ لینے کی ہدایت ملتی، یا دیگر انبیاء کی طرح ہجرت کر جانے کا حکم دیا جاتا۔ واللہ اعلم۔
معلوم ہوا کہ طوفان عام تھا پورے خطہ ارضی کو محیط تھا تب ہی تو کشتی میں پناہ

لینے کی ہدایت کی گئی۔

وجہ پنجم: طوفان کی نوعیت کو جن الفاظ اور جس عنوان سے قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے وہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہ طوفان عالمگیر ہی تھا۔

سورہ قمر آیت ۷، ۸ کے الفاظ یہ ہیں :-

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّثْمَرٍ وَفَجَّرْنَا
الْأَرْضَ عُيُونًا (القمر آیت ۷، ۸)

پس کھول دیئے ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار

بارش کے ساتھ اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔

پانی کے آسمانی دروازوں کا کھول دیا جانا اور زمین کو چشمہ آب میں تبدیل کر دیا جانا عالمی طوفان ہی کی نشان دہی کرتا ہے اور عقلی طور پر بھی یہ ہی مفہوم ہوتا ہے۔

اسی آیت میں فَتَحْنَا کی ایک قرأت فَتَحْنَا (بالتشديد) بھی مذکور ہے جس کے معنی پوری طرح کھول دینے کے ہیں۔ یعنی پانی کے آسمانی دروازے پوری طرح کھول دیئے گئے۔ ظاہر ہے یہ عنوان کسی معمولی طوفان کے لئے نہیں ہو سکتا۔

سورہ ہود آیت ۴۴ میں اس طوفان کے اختتام کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے :-

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَّمَاءُ اقْلَعِي الْآيَةَ

(ہود آیت ۴۴)

حکم دیا گیا، اے زمین اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان

بند ہو جا۔

ان الفاظ کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہی سمجھ میں آتا ہے کہ طوفان پورے خطہ ارضی کو محیط تھا۔ نیز سورہ الصفات (آیت ۷) کے الفاظ بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ طوفان سے بچنے والے ہی آئندہ نسل انسانی کا سبب بنے ہیں۔ آیت یہ ہے :-

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ. الْآيَةُ

اور ہم نے نوح اور اہل سفینہ کی ذریت ہی کو آئندہ باقی رہنے

والا بنا دیا۔

اس عبارت سے بھی عالمگیر طوفان کی تائید ہوتی ہے۔ نیز سورہ نوح آیت ۲۶ کے الفاظ بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ عذاب عمومی قسم کا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا اذن پا کر یہ دعا کرتے ہیں :-

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا ۙ وَلَا تَجْعَلْ لِّىْ عَذَابًا ۙ

(نوح آیت ۲۶)

اے میرے رب ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا

نہ چھوڑ (سب کو ہلاک کر دے)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی میں اہل ایمان کے ساتھ پناہ لینے کا حکم دیا۔ نیز سورہ ہود کی آیت ۴۴ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرما کر قوم کا یہ انجام ان الفاظ سے بتلایا۔

وَقِيلَ بَعْدًا ۙ لِلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۙ

اور کہہ دیا گیا کہ دور ہوئی ظالموں کی قوم۔

معلوم ہوا کہ زمین کے سارے کافر ہلاک ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۶) **شبہ کا ازالہ** | اس تحقیق پر جو اوپر بیان کی گئی کہ طوفان عالمگیر تھا، سوائے اہل سفینہ زمین کا ہر متنفس غرقاب ہو گیا،

بادی النظر میں یہ شبہ پیش آتا ہے کہ یہ عذاب قوم نوح کی بغاوت و سرکشی کی بنا پر آیا تھا لیکن زمین کی دیگر قومیں اسمیں کیوں غرقاب کر دی گئیں؟ یہ تو بے قصور تھے، علاوہ ازیں زمین کے دیگر جانداروں کو اسمیں کیوں ہلاک کیا گیا؟ جبکہ جانور غیر مکلف بھی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے خاص طور پر ان قوموں کے بارے میں جو زمین کے دور دراز علاقوں میں موجود تھیں اور ممکن ہے جہاں حضرت

نوح علیہ السلام تبلیغ کے لئے تشریف بھی نہ لے گئے ہوں ؛ لیکن جیسا کہ یہ شبہ ظاہری ہے ویسے ہی نہایت سطحی قسم کا بھی ہے ”سنت اللہ“ یعنی قانون الہی کو سمجھنے میں اکثر لوگوں کو غلطی ہوتی ہے اور یہ شبہ بھی اسی غلطی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ”سنت اللہ“ کو سمجھنے کے لئے مختصر سی تفصیل جان لینی ضروری ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب بھی زمین پر امراض، وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں یا طوفان اور زلزلے یا ایسے ہی کوئی دوسرے حوادث پیش آتے ہیں تو وہاں کی آبادی میں نیک و بد، کافر و مسلم، مجرم و غیر مجرم سب ہی ان کی پبیٹ میں آجاتے ہیں۔ جب کسی شہر میں زلزلہ آتا ہے تو نیک و بد دونوں پر یکساں اثر کرتا ہے۔ جب کوئی وبا پھیلتی ہے تو نیک کردار اور بدکردار دونوں ہی اسکی زد میں آتے ہیں اور وہ دونوں کے رشتہ حیات کیلئے یکساں مہلک ثابت ہوتی ہے۔

البتہ آخرت کے لحاظ سے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کے باغی و نافرمانوں کے لئے یہ حوادث عذاب الہی بن جاتے ہیں اور مطیع فرمانبرداروں کے لئے موجب سعادت اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ موت تو ہر جاندار کو بہر حال آنی ہی ہے اُن کے مقسوم میں اسی طرح موت مقدر کی گئی تھی۔ لیکن جو عذاب نبیوں کی آگاہی کے بعد آتا ہے اسمیں اللہ تعالیٰ کی سنت اس طرح رہی ہے کہ نبی کو بذریعہ وحی وقت سے پہلے اطلاع دیدی جاتی ہے اور اُنھیں شہر سے دور چلے جانے کا حکم کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد جھٹلانے والوں کو عذاب میں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

یعنی ”سنت اللہ“ نبی کی حیات میں بدل جاتی ہے، اچانک اور غیر متوقع طور پر عذاب ٹوٹ نہیں پڑتا اور نہ ہی نیک و بد دونوں پر یکساں اثر ہوتا ہے بلکہ نیکوں کو نبی کے ساتھ محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ انبیاء کرام کی پوری تاریخ میں ”سنت اللہ“ کا یہ ہی معاملہ رہا ہے جس کی صراحت قرآن حکیم میں جا بجا موجود ہے۔ لہذا طوفان نوح میں دنیائے کفر کا وہ سب حصہ برباد کر دیا گیا جو بغاوت و نافرمانی کے انجام میں آنے والے عذاب سے دوچار ہوتا ہے۔

اب یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کہ جن عاقل بالغ انسانوں نے

نبیوں کی بغاوت کی تھی اُن کے حق میں یہ طوفان دائمی عذاب بنا اور جو معصوم و غیر عاقل تھے وہ آخرت کے عذاب سے مامون و محفوظ قرار پائیں گے۔

ایک دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ابن عساکر کی روایت سے نقل کیا گیا، طوفان نوح سے چالیس سال قبل قوم میں ولادت کا سلسلہ قدرتنا بند ہو گیا تھا جو بچے تھے وہ عاقل و بالغ ہو گئے اور طوفان کے وقت کوئی بھی غیر بالغ نہ تھا اور سب کے سب ظالم و باغی تھے، لہذا سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ رہی جانوروں کی ہلاکت وہ ان کے حق میں بمنزلہ موت طبعی ثابت ہوئی۔ موت کے لئے آخر کوئی نہ کوئی سبب تو بنتا؟ ان جانوروں کے حق میں ایسا موقعہ انکی طبعی موت کا ذریعہ بنا جو غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(۷) ایک اور شبہ کا ازالہ

جب کشتی تیار ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے اس کشتی میں جہاں اہل ایمان کو سوار ہونے کا حکم فرمایا وہاں ہر جانور کے ایک ایک جوڑے کو بھی ساتھ رکھ لینے کا امر فرمایا تھا۔ اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ایک کشتی میں اتنی بڑی تعداد کیوں کر سما گئی جبکہ اسکے لئے ایک بڑا جنگل بھی ناکافی ہے؟

یہ شبہ بھی محض ”سنت اللہ“ کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ عذاب کی پیشگی اطلاع، طوفان کی نوعیت، تنور سے پانی اُبلنا، آسمان کا پھٹ جانا، زمین کا سراسر اچشمہ بن جانا، کشتی کا پہاڑوں جیسی موجوں میں سلامتی کے ساتھ چلنا، پھر محفوظ مقام پر اتر پڑنا، اہل ایمان کا باقی رہ جانا، سارے باغیوں کا ہلاک ہو جانا، ہر ایک خود اپنی ذات میں نہایت ہی تعجب خیز اور ناقابل فہم ہے۔ لیکن یہ سب واقعات ہیں جو پیش آئے۔

اسی طرح کشتی میں جانوروں کا سما جانا بھی ایک واقعہ ہے اس پر تعجب کیوں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امور خرق عادات کے طور پر پیش آئے اور ”خرق عادات“ ایسے ہی امور کو کہا جاتا ہے جسکے سمجھنے میں انسانی عقل عاجز و درماندہ ہے۔ معجزات کی حقیقت بھی یہی ہوتی ہے وہ حقیقتاً پیش آتے ہیں لیکن

انسانی طاقت اسکو پیش کرنے یا سمجھنے میں بے بس ہے۔ چونکہ اسمیں خارجی اسباب کارفرما نہیں ہوتے۔ اس لئے ظاہر میں کوشش ہو تا ہے کہ یہ کیوں کر ممکن ہے؟ اور عادتاً ایسے امور پیش بھی نہیں آتے اس لئے تعجب و حیرت کا پیدا ہونا ضروری ہے خرقِ عادات اور معجزات میں اسباب کی ضرورت نہیں پڑتی۔

علاوہ ازیں عقلی طور پر بھی ایک بڑی کشتی میں حیوانات کا سما جانا کوئی امر محال نہیں، موجودہ زمانے میں بڑے بڑے جہازوں نے اس حیرت و تعجب کو سرے ہی سے غلط و باطل کر دیا ہے۔ لاکھوں ٹن سامان جہازوں کے ذریعہ ادھر سے ادھر منتقل ہو جاتا ہے۔

کشتی نوح کو اگر اس نظر سے دیکھیں تو تعجب و حیرت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ علاوہ ازیں شبہ اس لئے بھی پیدا ہوا کہ ہر جانور کے ایک ایک جوڑے سے "ہر قسم کے جانور سمجھے گئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جانوروں کی ایک خاص نوع اور مخصوص تعداد مراد ہے جس کا کشتی میں سما جانا ممکن ہے اور جسکی انسان کو ضرورت تھی تفصیل اسکی یہ ہے کہ

جملہ حیوانات کو تین طبقات میں تقسیم کر دیا جائے۔

خشکی کے جانور پانی کے جانور فضا کے جانور
انہی کے مجموعہ کو عالم حیوانات کہا جاتا ہے۔ یقیناً انکی تعداد انسانوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے جسکا تصور بھی مشکل ہے۔

ظاہر ہے کشتی میں یہ سب جانور سوار نہیں تھے اور نہ اسکی ضرورت تھی۔ پانی کے جانور اس سے خود بخود خارج ہیں۔ انکو کشتی میں رکھنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی، پانی خود ان کا مسکن تھا۔

فضا کے جانور بھی اسمیں شامل نہیں ہیں کیونکہ اس عالمگیر طوفان سے انہیں کوئی خطرہ نہ تھا جس سے انکی حفاظت کی جاسکے۔

اس طرح جملہ عالم حیوانات کا ۱/۳ حصہ خارج ہو گیا جنکو کشتی میں رکھنے کی ضرورت نہ تھی اور ان کی ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

اب رہے صرف خشکی کے جانور اگرچہ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے لیکن

ان میں وہ جانور جو محتاج تناسل نہیں ہیں اُن کو محفوظ کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ ویسے بھی پیدا ہو سکتے ہیں، لہذا ایسے جانور بھی اُس میں شامل نہ تھے۔ ان کے علاوہ جو اقسام باقی رہ گئے ہیں اُن میں سے صرف وہی جانور سوار کر لئے گئے ہوں جن سے انسانی حاجت وابستہ تھی تاکہ طوفان کے خاتمہ کے بعد بقیہ افراد انسانی کو دشواری پیش نہ آئے سو ایسے جانور بہت قلیل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لینا کچھ مشکل نہیں، اور جن جانوروں سے انسانی حاجت وابستہ نہیں جیسے درندے اور غیر غذائی جانور اُن کو کشتی میں رکھنا نہ گیا ہو۔ اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دوبارہ پیدا کر دیا ہو۔ جیسا کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اس طرح کشتی کے جانوروں کی تعداد غیر معمولی نہ ہونی جس سے شبہ پیدا ہو۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ عالمگیر طوفان سے نجات یافتہ افراد کی تعداد اسٹی مرد اور عورتوں سے کچھ زیادہ نہ تھی جیسا کہ تاریخی روایات کی صراحت ہے۔ اتنی مختصر انسانی دنیا کیلئے کتنے جانور درکار تھے؟ اس کا جواب خود اس شبہ کو ختم کر دیتا ہے کہ ایک کشتی میں ہر جانور کا ایک ایک جوڑا کیسے سما گیا؟

(۸) **آزمائش** | تذکرہ سیدنا نوح علیہ السلام میں قرآن حکیم نے

ایک موقع پر اس طرح تنبیہ کی ہے :-

إِنِّي ذُلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ .

(المؤمنون آیت ۴۷)

بیشک اس قصے میں بڑی نشانیاں ہیں، اور آزمائش تو ہم

کر کے ہی رہتے ہیں۔

یعنی اس واقعہ میں عبرت آموز سبق ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ توحید کی دعوت دینے والے حق پر تھے اور شرک پر اصرار کرنے والے کفار باطل پر، اور آج وہی صورت حال درپیش ہے جو کسی وقت حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان تھی اور یہ کہ مجرمین کو چاہے کتنی ہی ڈھیل ملے لیکن فیصلہ آخر کار ہو کر رہتا ہے اور وہ لازماً اہل حق کے حق میں اور اہل باطل کے خلاف ہوتا ہے۔

آیت مذکورہ میں اس کے بعد یہ جملہ کہ

”آزمائش تو ہم کر کے ہی رہتے ہیں“

اس حقیقت پر خبردار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بھی اپنی زمین اور اسکی بیشمار نعمتوں پر اقتدار عطا کر کے بس یوں ہی اسکے حال پر نہیں چھوڑ دیتا بلکہ اس کی آزمائش کرتا ہے اور یہ دیکھتا رہتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار اور عطا کردہ نعمتوں کو کس طرح استعمال کر رہی ہے۔

قوم نوح کے ساتھ جو کچھ ہوا اسی قانون کے مطابق ہوا اسکو قوت و طاقت زمین کا اقتدار، مال و دولت کی کثرت، خوشحالی اور چین و سکون جیسی نعمتیں دی گئی تھیں اور ایک طویل عرصہ تک یہ سامان عیش و عشرت باقی رہا، لیکن اللہ کی اس لمبی ٹہلت نے امضیں اور غافل کر دیا جس کا انجام ہلاکت خیزی کی شکل میں آیا۔ اسی طرح کوئی بھی قوم ایسی نہیں کہ اسکو بس یوں ہی چھوڑ دیا جائے نعمتوں پر آزمایا جاتا ہے اور اس معاملہ میں ہر ایک کو لازماً سابقہ پیش آتا ہے۔

(۹) پُری صحبت کا انجام | بُری صحبت زہر سے زیادہ مہلک ہوتی ہے

جسکا انجام ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح نیک صحبت تریاق ہوتی ہے جو سینکڑوں بُرائیوں سے حفاظت کا ذریعہ بنتی ہے۔

عقل مند انسان کو جیسے نیکی کی تلاش رہتی ہے ویسے ہی بدی سے اجتناب رہتا ہے۔ انسان کے لئے جس طرح نیکی کی ضرورت ہے اُس سے کہیں زیادہ نیک صحبت کی ضرورت ہے اور جس طرح بدی سے بچنا ضروری ہے اُس سے کہیں زیادہ خطرناک بُروں کی صحبت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جس نے آغوش نبوت میں پرورش پائی ہے اور بیوی جو زندگی بھر رفیقہ حیات بن کر کافروں کی صحبت اختیار کرتی رہی دونوں نے کافروں کا انجام پایا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قرآنی مضمون کو اپنی رباعی میں بُری خوبصورتی کے ساتھ اس طرح ادا کیا ہے :-

- (۱) پسر نوح بابتدا بنشت خاندان نبوتش گم شد
(۲) سگ اصحاب کہف روزے چند بے نیکاں گرفت مردم شد
(۳) صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

(ترجمہ)

- (۱) حضرت نوح کا بیٹا بروں کا ساتھ دیا تو خاندان نبوت سے جدا کر دیا گیا
(۲) اصحاب کہف کا کتا کہف والوں کا ساتھ دیا تو وہ انسانوں میں شمار کیا گیا
(۳) نیکوں کی صحبت تجھ کو نیک بنادیتی ہے بروں کی صحبت برا بنادیتی ہے

(۱۰) **شکر گزاری** حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم نے یہ شہادت دی ہے کہ وہ شکر گزار بندے تھے۔ طبرانی نے

ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”نوح علیہ السلام عید الفطر و عید الاضحیٰ کے علاوہ سال بھر روزہ رکھا کرتے تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام نصف سال روزہ رکھا کرتے تھے، اور نصف سال افطار، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر ماہ تین روزے

رکھا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے سال بھر روزہ رکھا اور سال بھر افطار بھی کیا (الحديث)

اس حدیث کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ہر روزہ دس روزوں کے برابر ہے اس طرح ہر ماہ تین روزے تیس روزوں کے مساوی ہوتے ہیں گویا ہر ماہ تین روزے رکھنا پورے ماہ روزے رکھنے کے مماثل ہوئے۔ اس لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام سال بھر روزہ رہے اور افطار بھی کیا۔

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع میں جب وادی عسفان پر گزر ہوا

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وادی سے حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کے لئے گزرے ہیں، ابن جریر نے بعض تابعین سے نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر شریف مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کے اندر ہے۔

واللہ اعلم۔

(قصص الانبیاء ابن کثیر رحمہ)

(۱۱) ایک اور قدیم جاہلی مرض | حضرت نوح علیہ السلام کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ پر قوم کے سردار اس طرح

سوال کرتے ہیں: ”اے نوح کیا ہم تمہیں تسلیم کر لیں جبکہ تمہاری پیروی کرنیوالے کم درجہ لوگ ہیں۔“
(شعرار آیت ۱۱۱)

نبیوں اور حق کی دعوت دینے والوں اور مصلحین پر ابتداءً ایمان لانے والے اور انکی دعوت قبول کرنے والے زیادہ تر غریب غوام الناس ہی ہوتے ہیں جو ان داعیان حق کی دعوت و تبلیغ کا دروازہ ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ابتداءً یہی غریب مجھیرے (ماہی گیر) تھے۔ اور خود ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والے اہل ثروت سے کہیں زیادہ غریب غوام ہی تھے۔ متفقیہاً ہر نبی و رسول کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا ہے۔ قوم نوح کے سرداروں کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان آبادی کے ایک حصہ کو بیچ اور اچھوت قرار دینے کا مرض مشرک جاہلی قوموں میں شروع سے چلا آرہا ہے۔

(۱۲) چند عبرتیں | ہر انسان اپنے قول و عمل کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ باپ کی نیکی و بزرگی نافرمان بیٹے کے جرم و بغاوت کا علاج نہیں،

اسی طرح بیٹے کی سعادت و نیک بختی باپ کی سرکشی کا بدل نہیں ہوتی۔
جلیل القدر رسول حضرت نوح علیہ السلام آنکھوں سے اپنے لخت جگر کو ڈوبتا دیکھ کر بارگاہِ الہی میں فریاد کرتے ہیں:-

”اے میرے رب میرا بیٹا ڈوب رہا ہے، یہ میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے کہ تو میرے اہل کو نجات دے گا، تو ہر فیصلے پر قادر ہے۔“
لیکن بارگاہِ خداوندی سے بجائے استجابت یہ تنبیہ دی جاتی ہے:-
اے نوح یہ تیرا اہل نہیں کیونکہ یہ ”بد عمل“ ہے۔ آئندہ ایسا سوال

نہ کرنا ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں کہ نادانوں جیسے نہ ہوں۔“
جلیل القدر باپ کی نسبت بھی بد عمل بیٹے کو عذاب سے بچانہ سکی۔

مشرکین مکہ بھی اسی خام خیالی میں تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور بیت اللہ کے متولی و مجاور ہیں، ہم پر اللہ کا غضب آنہیں سکتا۔ یہود و نصاریٰ بھی اسی زعم و پندار میں تھے کہ ہم نبیوں کی اولاد اور اللہ کے بیٹے و رشتہ دار ہیں۔ ہمیں اگر عذاب ملا بھی تو چند ایک دن کا ہو گا۔ اور آج بھی اس طرح بہت سے غلط کاروبار عمل مسلمان اس جھوٹے و کھوکھلے بھروسوں پر تکیہ کئے ہوئے ہیں کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں، فلاں بزرگ کی نسبت رکھتے ہیں، فلاں سلسلے سے وابستہ ہیں، فلاں درگاہ کے سجادہ نشین ہیں، فلاں قبر شریف کے مجاور ہیں، ان سلسلوں کی نسبت ضائع نہ جائیگی اور اللہ ان نسبتوں کی لاج رکھ ہی لے گا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ تذکرہ ایسے تمام گمراہ کن نظریات پر کس زور سے ضرب لگاتا ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

تذکرہ

سیدنا ہود علیہ السلام

قوم عاد

تعارُف | حضرت ہود علیہ السلام مشہور زمانہ قوم عاد کی معزز ترین شاخ خلود کے رکنِ رکنین ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ایک صاحبزادے سام کی اولاد میں شاتوین پشت پر حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔
نسب نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص
بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔

حضرت ہود علیہ السلام نہایت سُرخ و سفید رنگ والے وجہیہ، وراز قد، نہایت متلین و سنجیدہ اور پُر وقار شخصیت رکھتے تھے۔ ریش مبارک ورازا اور خوبصورت تھی۔

سیدنا ہود علیہ السلام اور قرآن حکیم | قرآن حکیم میں حضرت ہود علیہ السلام کا ۱۱ گرامی سات جگہ آیا ہے۔ سورہ

ہود میں پانچ جگہ اور سورہ اعراف میں ایک جگہ اور سورہ شعراء میں ایک جگہ۔

سورہ اعراف آیت ۶۵

سورہ ہود آیات ۵۰، ۵۳، ۵۸، ۶۰، ۸۹

سورہ شعراء آیت ۱۲۳

حضرت ہود علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے اُس کا نام "عاد" تھا۔ قوم عاد کا تذکرہ قرآن حکیم کی دس سورتوں میں ملتا ہے۔

اعتراف - ہود - مومنون - شعراء - فصلت - احقاف - الذاریات - القمر
الحاقة، الفجر۔

ان سورتوں میں حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کے تذکرے تفصیلاً اور کہیں اختصاراً موجود ہیں۔ قرآن حکیم روئے زمین کی پہلی آسمانی کتاب ہے جس نے قوم عاد کا تذکرہ کیا ہے۔ اور سابقہ آسمانی کتب اس واقعہ سے خالی ہیں۔ اس لحاظ سے اس قوم کے حالات کا پہلا اور آخری ماخذ یہی کتاب مبین ہے۔ نیز اس کے بیان کردہ تفصیلات کی تائید طبقات الارض کے ماہرین کی تحقیقات سے بھی ملتی ہیں۔ تاہم چونکہ پہلا ذریعہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کو قطعیت حاصل ہوگی۔ لہذا قرآن حکیم کے بیان کردہ تفصیلات ہی قوم عاد کی تاریخ کا اساسی سرمایہ ہیں۔ البتہ اس کا دوسرا ذریعہ یعنی ماہرین طبقات الارض کی تحقیقات چونکہ تخمینی اور قیاسی ہیں جیسا کہ خود ان کا اعتراف بھی ہے اس لئے ان کے بیان کردہ واقعات کی حیثیت ظن و تخمین سے آگے نہیں جاتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرح حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغی زندگی بھی نہایت صبر آزما اور طویل کشمکش سے دوچار رہی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغی جدوجہد کے بیان کرنے سے پہلے قوم عاد کا تعارف ضروری ہے۔ جس سے اس قوم کے مزاج و مذہب پر روشنی پڑتی ہے۔

قوم عاد "عاد" عرب کے قدیم قبیلہ کے صاحب قوت و اقتدار افراد کی جماعت کا نام ہے۔ عرب کے قدیم باشندے اپنے وطن سے نکل کر شام، مصر، بابل کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور وہاں اپنا قیام کر لیا تھا اسکے بعد غلبہ و تسلط کر کے وہاں اپنی حکومتیں بھی قائم کر لی تھیں۔ انہی کی مختلف جماعتوں کو "عاد" "ثمود" "طسم" "جدیس" کہا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے انہی اقوام کو عادِ اولیٰ کہا ہے۔

عاد عربی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی بلند و بالا کے ہیں چونکہ یہ قوم اپنی قدوقامت میں نہایت دراز اور قویٰ تھی اس لئے اس کا نام عاد پڑ گیا۔

قرآن حکیم نے لفظ عاد کے ساتھ ارم کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جس کے

معنی بھی بلند مشہور کے ہیں۔ اس لحاظ سے قوم عاد اُمم سابقہ میں نہایت معروف و مشہور قوم گزری ہے۔ قوم عاد کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال قبل کا ہے۔ قرآن حکیم نے قوم عاد کو ”مَنْ بَعْدَ قَوْمِ نُوحٍ“ کہہ کر قوم نوح کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔ عاد کا مرکزی مقام ”ارض احقاف“ ہے۔ یہ یمن کے علاقے حضرموت کے شمال میں واقع تھا جس کے شرق میں عمان اور شمال میں ”ربع الخالی“ واقع ہے (طویل و عریض صحرا) مگر آج یہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا اور کچھ نہیں۔

قوم عاد کا مذہب بت پرستی تھا۔ یہ قوم انہی معبودوں کو پوجتی تھی جو قوم نوح میں رائج تھے۔ ان کے علاوہ صمود، ہتار، صداب بھی ان کے معبودانِ باطل میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

چونکہ عاد شروع ہی سے قوت و اقتدار کے مالک رہے ہیں اس لئے وہ اپنی اس منفرد جسمانی طاقت کے گھمنڈ میں اللہ واحد کی حقیقی قوت و اقتدار کو بھول بیٹھے اور ان کی زبانوں سے

مَنْ أَشَدُّ مِتًّا قُوَّةً

کون ہے ہم سے زیادہ طاقت والا؟ کے نعرے بلند ہونے لگے۔

انہیں اللہ تعالیٰ نے جہاں دنیاوی اقتدار دیا تھا وہاں خوشحالی اور بارغ البالی بھی عطا کی تھی، قوت اور اقتدار کے اسی احساس نے انہیں مست اور مغرور کر دیا تھا۔

کمزوروں پر ظلم کرنا، حق کی مخالفت کرنا، اللہ کے رسولوں کو جھٹلانا، نصیحت و خیر خواہی کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھنا، اپنی قوت و طاقت پر اترانا، متکبر و سرکش امرار کی پیروی کرنا، پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر شان و شوکت کے لئے اونچی اونچی عمارتیں بنانا۔ ان کی زندگی کے یہ ہی سبب و نہایت تھے۔

اس بگڑے ہوئے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے اسی قوم کے ایک معزز فرد حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی رشد و ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔

سیدنا ہود علیہ السلام کی تبلیغ | حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم

کو سب سے پہلے اللہ واحد کی عبادت کرنے اور کمزوروں پر ظلم نہ کرنے کی نصیحت شروع کی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ اے قوم میں اپنی اس نصیحت پر تم سے کوئی اجر و عوض کا خواہاں نہیں ہوں، میرا اجر تو اللہ ہی کے پاس محفوظ ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ کا خلاصہ یہ تھا:-

”اے قوم کے لوگو! تم اپنی جسمانی قوت اور اقتدار پر گھمنڈ نہ کرو، اللہ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تم کو یہ نعمت بخشی ہے، قوم نوح ؑ کی تباہی کے بعد تم کو اس زمین کا مالک بنایا ہے، خوش حالی اور فارغ البالی دولت و ثروت عطا کی ہے۔ لہذا اُسکی ان نعمتوں کو نہ بھولو، اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش سے باز آ جاؤ، جو نہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان! موت و حیات، نفع و ضرر، سب اللہ کے ہاتھ ہے۔“

”اے میری قوم کے لوگو! تم نے عرصے تک اللہ کی نافرمانی کی ہے آج توبہ کر لو اور بُت پرستی سے باز آ جاؤ، اللہ کی رحمت وسیع ہے وہ تم کو اپنی رحمت سے معاف کر دیگا، اُس کی مغفرت چاہو وہ بخش دیگا۔ اللہ سے ڈرو وہ تم کو مزید قوت و طاقت دے گا، مال و اولاد میں برکت دے گا، آسمان سے تم پر بارشیں نازل کرے گا۔ یاد رکھو! میں اپنی اس نصیحت و خیر خواہی پر تم سے کچھ اجر و صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔“

قوم عاد میں باصلاحیت افراد تو صرف چند ایک ہی تھے وہ تو ایمان لے آئے باقی تمام سرکش اور متمرد انسانوں کا مجموعہ تھا جن پر حضرت ہود علیہ السلام کی یہ خیر خواہی نہایت شاق گزرنے لگی۔ پہلے تو انھوں نے حضرت ہود علیہ السلام کا مذاق اڑایا، پھر دھمکیاں دیں۔ کہنے لگے:- اے ہوڈ!

”تمہارا نصیحت کرنا نہ کرنا ہم پر کوئی اثر نہیں کرے گا، گزشتہ زمانے میں بھی لوگ ایسی باتیں کرتے آئے ہیں۔ اس قسم کی بے وقوفی نہ کرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تم پر مار پڑ گئی ہے جس سے تمہاری عقل خراب ہو گئی ہے۔ کیا ہم ایک ہی خدا کے یجاری

ہو جائیں اور ان معبودوں کو چھوڑیں جنہیں ہمارے آبا و اجداد پوجتے آئے ہیں؟ بھلا ایک خدا ہماری ضرورتیں کس طرح پوری کرے گا؟ اے ہود! اب بس کرو ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں، اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ اے ہود! اگر تم سچے ہو تو اپنے خدا کا وہ عذاب جسکی تم دھمکی دیتے آئے ہو لے آؤ؟ ہم تم سے پھر ایک بار کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں کا ذکر کرنا چھوڑ دو ہم کو یہ بات سخت ناگوار ہے۔“

حضرت ہود علیہ السلام ان کے جواب میں فرمایا کرتے:-

”اے قوم کے لوگو! نہ میں بے وقوف ہوں نہ مجھ پر کسی آسیب کا اثر ہے۔ میں بلاشبہ اللہ واحد کا فرستادہ اور اسکا بندہ ہوں، میں اللہ کے سامنے ویسے ہی مجبور ہوں جیسے تم ہو، مجھ کو بھی وہی بشری تقاضے پیش آتے ہیں جو تم کو پیش آتے ہیں، میں تم ہی جیسا بشر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنے کلام اور وحی کے لئے منتخب کیا ہے، میں تم کو اس کی مرضیات اور احکام سے آگاہ کرتا ہوں، میرا بشر ہونا تمہارے لئے تعجب کی بات بن گیا ہے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں وہ سب بشر ہی تھے اور اپنی ہی قوم سے تھے جیسا کہ میں تمہاری قوم سے ہوں، میں اپنے خدا اور تم سب کو گواہ بنا کر سب سے پہلے اعلان کرتا ہوں کہ میں اس اعتقاد سے بری ہوں کہ خدا کے سوا کوئی مجھے منفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر تمہارے بتوں میں ایسی کوئی قدرت ہے تو وہ مجھے نقصان پہنچانے میں جلدی کریں، میں اپنے خدا ہی پر بھروسہ کرتا ہوں جسکے قبضہ قدرت میں کائنات کے تمام جانداروں کی موت و حیات ہے۔“

اے میری قوم کے لوگو! تم پچھلی قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرو، ان کی تباہی و بربادی سے سبق لو۔ اور یہ یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو جائے گا پھر تمہارا کوئی عذر کام

نہ دے گا۔

قوم عاد نے جب یہ باتیں سنی تو حیرت میں پڑ گئے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ایک خدا کی پرستش کے کیا معنی؟ آبار و اجداد کے قدیم طریقوں کو ایک نوجوان کے کہنے پر کیوں کر چھوڑا جاسکتا ہے؟ یہ تو ہمارے بزرگوں کی سخت توہین ہوگی۔ ہم اپنے معبودوں کو کسی حال میں بھی چھوڑنے والے نہیں۔ یقیناً ہود کو ہمارے معبودوں کی مار پڑ کر ہی رہے گی۔

اس طرح قوم کی مخالفت و سرکشی بڑھتی رہی پھر ان کا غیض و غضب بھڑک اٹھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب و تذلیل کے درپے ہو گئے۔ اُن کو مجنون اور خبطی کہنے لگے۔ آخر کار حضرت ہود علیہ السلام نے اُن کی مسلسل بغاوت و سرکشی کے خلاف یہ اعلان کر دیا کہ:-

”اگر قوم کا یہ ہی حال رہا اور اُنھوں نے اپنے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تو اُن کے لئے ہلاکت یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر کے دوسری قوم کو زمین کا مالک بنادے گا۔ اے قوم عقل و ہوش سے کام لے خدا کے فیصلے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اُس وقت نادم ہونے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔“

قوم نے حضرت ہود علیہ السلام کی مسلسل اور بار بار نصیحت کا غلط فائدہ اٹھایا اور وہ سرکش و بیباک ہو گئے۔ بگڑ کر حضرت ہود علیہ السلام سے کہنے لگے:-
اے ہود تو نے ہم کو اپنے خدا کے عذاب کی دھمکی دی ہے،
اب ہم سے تیری روزِ روز کی نصیحتیں نہیں سنی جاتیں، اگر تو اور تیرا
خدا سچا ہے تو وہ عذاب جلد لے آتا کہ یہ جھگڑا ختم ہو۔“

حضرت ہود علیہ السلام نے پھر بھی خیر خواہی کے انداز میں جواب دیا کہ اگر اسکا تم کو اشتیاق ہے تو وہ دن کچھ زیادہ دور نہیں، اب تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

عذاب کی آمد | چنانچہ عاد کی انتہائی بغاوت و سرکشی اور اپنے مخلص و خیر خواہ

ہادی و رہبر کی مسلسل مخالفت و عناد نے ”قانون جزاء“ کو قریب تر کر دیا۔
منقطہ آغاز کے طور پر پہلے خشک سالی کی شکل میں عذاب آیا جو ان سے
نعمتوں کے چھین لئے جانے کا باعث ہوا۔

یہ عذاب چونکہ کوئی نیا نہ تھا قوم نے اسکو ”حوادثِ زمانہ“ خیال کیا۔ حضرت
ہود علیہ السلام نے پھر بھی خیر خواہی جاری رکھی۔ سمجھایا کہ یہ تمہاری مکمل ہلاکت
وہر ہادی کا منقطہ آغاز ہے۔ اب بھی باز آ جاؤ مجھ پر ایمان لے آؤ۔ یہی راہ نجات ہے
لیکن بے نصیب قوم پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ تب وہ عذاب آیا جو عالم کی تاریخ میں شاید
ہی آیا ہو۔

سات رات آٹھ دن مسلسل تیز و تند بادِ صرصر کا طوفان آیا، ہوا کا ہر ایک جھٹکا
پچھلے جھٹکے سے شدید تر تھا جس نے سالے شہر کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ قومی ہیکل
قد و قامت والی قوم جو اپنی جسمانی طاقت کے گھنٹہ میں بدست ہو چکی تھی اس طرح
بے حس و حرکت چو طرف بکھری پڑی تھی جس طرح آندھی و طوفان کے بعد تناور درخت
اکھڑ کر گر پڑتے ہیں۔ خوبصورت ہر ابھر شہر ویران و گھنڈ بن کر رہ گیا۔ ان کے قلعہ نما
مکانات جو پہاڑوں کو تراش تراش کر بنائے گئے تھے ریت کے ٹوڈے بن گئے۔
انکی زندگی آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بنا دی گئی۔

ہزار ہا برس گزر جانے کے بعد بھی آج ان کے تباہ شدہ آثارِ نبیوں کی تعلیمات
سے روگردانی کے عواقب و نتائج سے خبردار کر رہی ہیں۔

ہلاک شدہ افراد کی تعداد روح المعانی کے مفسر نے چار ہزار لکھی ہے۔ لیکن
بنو سام کی قدیم تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ واللہ اعلم۔
یہ عہدِ اولیٰ کی وہ داستانِ عبرت جو اپنے اندر چشمِ بصیرت کے لئے بیشمار
پند و نصائح رکھتی ہے۔ اور اللہ اعلىٰ و برتر کے احکام کی تعمیل اور نبیوں کی اطاعت سے
مگریز کے عواقب و نتائج سے خبردار کرتی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا یہ تذکرہ قرآن حکیم کی مختلف سورتوں میں

اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون | وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يُقَوْمِ

اعْبُدُوا اللَّهَ اِنَّمَا (اعراف آیات ۴۵ تا ۴۷)

اور عاد کی طرف اُنکے بھائی ہود کو بھیجا گیا، اُنھوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، پھر کیا تم (انکار و بد عملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے؟ اُن کی قوم کے سرداروں نے جو ہود کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے جواباً کہا اے ہود ہم تو تمہیں بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں۔ اور ہم کو یقین ہے کہ تم جھوٹے ہو! ہود نے کہا اے میری قوم میں بے عقلی میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں۔ کیا تم کو اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم سے ایک آدمی کے ذریعہ تمہارے رب کی نصیحت آتی ہے تاکہ وہ تم کو خبردار کرے؟ خدا کا یہ احسان یاد کرو کہ قوم نوح کے بعد تم کو زمین کا جانشین بنایا اور تمہیں قد و قامت میں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا پس خدا کی ان نعمتوں کو یاد کرو امید کہ تم فلاح پاؤ۔

قوم نے جواب دیا اے ہود کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور اُن معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ اچھا تو پھر لے آؤ وہ عذاب جسکی تو ہمیں دھمکی دیتا آیا ہے، اگر تو سچا ہے۔ ہود نے کہا تمہاری رب کی پھٹکار تم پر پڑ گئی ہے اور اُس کا غضب ٹوٹ پڑا ہے۔ کیا تم مجھ سے اُن فرضی ناموں پر جھگڑا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کے لئے اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ہے، اچھا تو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ آخر کار ہم نے اپنے کرم سے ہود اور اُن کے ساتھیوں کو بچالیا اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

وَإِلَىٰ عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا

اللَّهُ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ۔ ۱۶

(ہود آیات ۵ تا ۱۶)

اور عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا گیا اُنھوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اُسکے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں تم نے محض فرضی معبود گھڑ رکھے ہیں۔

اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے اس کام پر کوئی اجرت نہیں چاہتا، میرا صلہ تو اُسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے! اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے رب سے مغفرت چاہو پھر اُسکی طرف رجوع ہو جاؤ وہ تم پر آسمان کے دروازے کھول دے گا برسے والے بادلوں سے، اور تمہاری موجود قوت پر مزید قوت کا اضافہ کر دے گا اور تم مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو۔ قوم نے جواب دیا: اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لیکر نہیں آیا اور ہم تیرے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی ایک کی مار پڑ گئی ہے۔ ہود نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو تم نے اللہ کے سوا دوسروں کو خدائی میں شریک ٹھیرا یا ہے اُس سے میں بیزار ہوں۔ تم سب ملکر میرے خلاف اپنی تدبیریں کوئی کسر نہ چھوڑو پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی اللہ کے قبضے میں نہ ہو۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ پھر اگر تم منہ پھیرتے ہو (تو پھیرو) جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا ہے اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو زمین کا خلیفہ بنائے گا اور تم اسکو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے بیشک میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔

اور جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہوڈ اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دیدی اور ایک سخت ترین عذاب سے انہیں بچا لیا۔ اور یہ ہیں عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اُس کے رسولوں کی بات نہ مانی اور ہر مشکبہ و سرکش کے حکم کی پیروی کی۔

آخر کار اس دُنیا میں بھی اُن پر پھٹکار پڑی اور قیامت کے روز بھی (اے لوگو) اُن لوگو نے اپنے رب کا انکار کیا۔ آگاہ ہو جاؤ ہلاکت ہوئی عاد کے لئے جو ہوڈ کی قوم ہے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ۔ فَارْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ۔ ۱۰ الخ (المؤمنون آیات ۲۳ تا ۲۷)

پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا سلسلہ شروع کیا۔ پھر اُن میں اُنہی کی قوم کا رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو تمہارے لئے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ اُسکی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلاتے تھے جن کو ہم نے دُنیا کی زندگی میں آسودہ حال کر رکھا تھا، کہنے لگے یہ شخص ہوڈ کچھ نہیں مگر ایک بشر ہے تم ہی جیسا، جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت قبول کر لی تو گھائے ہی میں رہو گے۔ یہ تم کو اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کا چوراہو جائے گا اس وقت تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔ بعید بالکل بعید ہے۔ یہ وعدہ جو تم سے کیا جا رہا ہے۔ زندگی اور کوئی نہیں مگر بس یہی دُنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہم کو مرنا ہے اور جینا ہے اور ہم دوبارہ ہرگز زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ کچھ نہیں یہ ایک ایسا آدمی ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے ہم اس پر بھی یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

اس پر ہوڈنے دُعا مانگی خدا یا میری مدد فرما کیونکہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے۔
 حکم ہوا کہ عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کئے پر شرمسار ہونگے۔
 چنانچہ فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے انہیں آپکڑا اور ہم نے انہیں
 خس و خاشاک کی طرح پامال کر دیا۔ سو بربادی ہوئی ظالم قوم کے لئے۔
 كَذَّبَتْ عَادُ بِالْمُرْسَلِينَ اِذْ قَالَ لَهُمُ اخُوهُمُ

رَّهُوْدُ اَلَّا تَتَّقُوْنَ ۝۱۰ (الشعراء آیات ۱۲ تا ۱۴)

قوم عاد نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن کے بھائی ہوڈنے اُن
 سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ میں تمہارے لئے ایک امانتدار
 رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے
 اس کام پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا ہوں میرا اجر تو رب العالمین کے
 ذمے ہے۔ یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لا حاصل عمارت
 بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا کہ تم کو یہاں ہمیشہ
 رہنا ہے۔ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو ظلم کا پنچہ ہی مارتے ہو۔ سو
 اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور ڈرو اُس اللہ سے جس نے تمہیں وہ کچھ
 دیا جو تم جانتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے، اولاد دی، باغات دیئے، چشمے
 دیئے۔ بیشک میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے عذاب والے دن سے،
 قوم نے جواب دیا تو نصیحت کر یا نہ کر ہمارے لئے سب یکساں ہے۔
 یہ باتیں تو اگلے وقتوں سے یونہی ہوتے چلی آرہی ہیں۔ اور ہم عذاب میں
 مبتلا ہونے والے نہیں ہیں۔

آخر کار انھوں نے ہوڈ کو جھٹلایا اور ہم نے بھی انہیں ہلاک
 کر دیا۔ بیشک اس میں ایک عبرت ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے
 نہیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب وہی زبردست ہے
 رحم والا ہے۔

فَاَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ
 قَالُوْا اَمِنْ اَشَدُّ مِمَّا قُوَّةٌ ۝۱۱ (الحج ۱۱۶ تا ۱۱۷)

عاد کا یہ حال تھا کہ وہ زمین پر بغیر کسی استحقاق بڑے بن بیٹھے اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور آور؟ اُنھوں نے یہ غور نہ کیا کہ جس خدا نے اُنہیں پیدا کیا وہ ان سے زیادہ زور آور ہے، اور وہ ہماری آیات کا انکار ہی کرتے رہے۔

آخر کار ہم نے اُن پر بادِ صرصر کا طوفان ایسے دنوں میں بھیجا جو (عذاب کی وجہ سے اُن کے حق میں) منحوس تھے تاکہ ہم اُن کو اس دُنیوی حیات میں رُسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں۔ اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ رُسوا کُن ہے۔ وہاں اُن کی کوئی بھی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔“

وَإِذْ كَرُّوا خَعَادًا إِذْ أَنْذَرْتَهُمْ بَأْسَ الْآخِقَاتِ - النح

(الاحقاف آیات ۲۱ تا ۲۶)

”اے نبی ذرا اُنھیں عاد کے قومی بھائی ہوؤ کا قصہ سناؤ جبکہ اُس نے مقامِ احقاف میں اپنی قوم کو خبردار کیا تھا اور ایسے خبردار کرنے والے اُس سے پہلے بھی گزر چکے تھے اور اُس کے بعد بھی آتے رہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔“

قوم کے لوگوں نے کہا کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں بہکا کر ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دے؟ تو پھر لے آ اپنا وہ عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر واقعی تو سچا ہے؟ ہوؤ نے کہا اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے میں تمہیں صرف وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جسے دیکر مجھے بھیجا گیا ہے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو۔ پھر جب اُن لوگوں نے اُس بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو سمجھنے لگے یہ بادل ہے جو ہم کو سیراب کر دے گا، نہیں، بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر ڈالے گا۔ آخر کار ان کا حال یہ ہوا کہ اُن کے رہنے کی جگہوں کے سوا وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ہم نے اُن لوگوں کو جو اقتدار دیا تھا وہ تم لوگوں کو نہیں دیا اُن کو ہم نے کان دیئے آنکھیں اور دل، مگر نہ وہ کان اُنکے کسی کام آئے نہ آنکھیں نہ دل، کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اُسی چیز کے پھیر میں آگئے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔“

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الْدَّيْمِجَ الْعَقِيمَ۔ النّٰح

(الذریات آیات ۴۱ تا ۴۲)

اور قوم عاد کے ہلاک ہونے میں خالق کائنات کی بہت سی نشانیاں ہیں جبکہ ہم نے اُن پر ایک منحوس آندھی چلا دی جس سے چٹخ ہو کر وہ گزرتی تھی اُسکو بوسیدہ ہڈی کی طرح چوراکے بغیر نہ چھوڑتی۔“

كَذَٰبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنَدَائِيْ۔ النّٰح

(القمر آیات ۵۱ تا ۵۲)

”جھٹلایا عاد نے رسولوں کو پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات؟ ہم نے ایک مسلسل نحوست والے دن سخت طوفانی ہوا اُن پر بھیج دی۔ جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر اس طرح پھینک رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔ پس دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات؟ ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنایا ہے۔ پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟“

وَ اَمَّا عَادٌ فَاهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَّوْرٍ عَارِيَةٍ۔ النّٰح

(الحاقة آیات ۷۱ تا ۷۲)

اور عاد ایک بڑی شدید طوفانی ہوا سے ہلاک کر دیئے گئے۔ اللہ نے اُس آندھی کو مسلسل شات رات اٹھ دن اُن پر مسلط

رکھتا رہا وہاں ہوتے تو ادیکھتے کہ وہ وہاں اس طرح پھپھاڑے گئے ہیں جیسے کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔ اب کیا اُن میں سے کوئی تمہیں باقی بچا نظر آتا ہے؟ اور اسی جرم کا ارتکاب فرعون اور اُس سے پہلے لوگوں نے اور اُن پر ہوا جانے والی بستیوں نے کیا تھا۔ اُن سب نے اپنے رسولوں کی بات نہ مانی تو اللہ نے اُن کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔“

الْحَمْدُ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرْهَ ذَاتِ
الْحِمَادِ ۱۰۶ (الفجر آیات ۶ تا ۱۲)

”تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیا برتاؤ کیا اُونچے ستونوں والے عدارم کے ساتھ۔ اس جیسی قوم دُنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی۔ ثمود کے ساتھ جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں۔ مینخوں والے فرعون کے ساتھ۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی پھیلارکھی تھی۔ اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا۔

آخر کار تیرے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسادیا۔
حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب گھات لگائے ہوئے ہے۔“

نتائج و عبرت

(۱) احقاف والے حضرت ہود علیہ السلام جس شہر کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اُس کا نام قرآن حکیم نے احقاف بیان کیا ہے۔ احقاف حقف کی جمع ہے جسکے معنی ریت کے اونچے ٹیلے کے ہیں۔ یہ صحرائے عرب (الربع الخالی) کے جنوب مغربی حصے کا نام ہے۔ ہزاروں سال قبل یہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا جہاں ایک طاقتور متمدن قوم آباد تھی لیکن آج یہاں کوئی آبادی نہیں ایک لوق و دوق

رگستان ہے جس کے اندرونی حصے میں جانے کی کوئی ہمت نہیں کرتا۔ ۸۴۳ء میں ایک سیاح اس رگستان کے جنوبی کنارے تک پہنچ گیا تھا وہ کہتا ہے کہ حضرموت شہر کے شمالی سطح مرتفع پر کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا کم و بیش ایک ہزار فیٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قطعات ہیں جن میں اگر کوئی شے گر جائے تو وہ ریت میں غرق ہوتی معلوم ہوتی ہے اور بالکل بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ عرب کے صحرائین بھی ان علاقوں میں جانے سے گھبراتے ہیں۔ وہ سیاح کہتا ہے کہ میں ہمت کر کے وہاں تک پہنچا دیکھا کہ ریت نہایت باریک اور نرم ہے۔ میں نے دور سے اس قطعے میں ایک ہتھیار پھینکا پچیس منٹ کے اندر اندر وہ ریت میں غرق ہو گیا اور اُس رسی کا سرا گل گیا جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔

قوم عاد اسی علاقے میں آباد تھی، موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ۱۲۵ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب حضرموت میں ایک مقام پر حضرت ہود علیہ السلام کا مزار معروف و مشہور ہے۔ جسکی لوگ زیارت کیا کرتے ہیں۔ اہل حضرموت کا دعویٰ ہے کہ عاد کی ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ السلام حضرموت کے شہروں کی طرف ہجرت کر آئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت علیؑ سے بھی ایک اثر منقول ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر شریف حضرموت میں کثیب احمد (سرخ ٹیلہ) پر ہے اور اُن کے سر ہانے جھاؤ کا درخت ہے۔ لیکن اہل فلسطین کا ادعا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر فلسطین میں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) بے حقیقت نام | حضرت ہود علیہ السلام نے جب تبلیغ کا آغاز کیا تو قوم کے افراد نے اُن کو بیوقوف اور جھوٹا کہا، قوم کی سمجھ میں

نہیں آتا تھا کہ اللہ واحد کی عبادت کے کیا معنی؟ صرف ایک ہستی اتنے بڑے نظام کائنات کا انتظام کیونکر کر سکتی ہے؟

ان لوگوں کا خیال تھا کہ کائنات کے لاکھوں شعبوں کے لئے ایک خدا کی کارسازی ممکن نہیں، اس لئے انھوں نے دنیا کے مختلف امور کیلئے الگ الگ معبود قرار دے لئے اور انکو مختلف نام بھی گھڑ لئے تھے حضرت ہودؑ نے انکی اس تجویز پر بار بار اعتراض کیا کہ اے قوم کیا تم مجھ سے اُن ناموں پر جھگڑتے

ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کے لئے اللہ نے کوئی سند و دلیل نازل نہیں کی ہے۔

یعنی یہ صرف نام ہی نام ہیں جنکی تم عبادت کرتے ہو ان ناموں کے پیچھے کوئی طاقت و اقتدار نہیں، تم نے کسی نام کو بارشش کارب اور کسی کو ہوا کا، کسی کو پانی کا، کسی کو دولت کا، کسی کو صحت و بیماری کا خدا کہتے ہو۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی فی الحقیقت کسی چیز کا بھی رب نہیں ہے۔ لیکن قوم اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر قطعاً آمادہ نہ ہوئی انھیں کسی طرح بھی یقین نہیں آتا کہ صرف ایک ہستی اتنے بڑے نظام کائنات کو کیونکر قائم رکھ سکتی ہے؟ کائنات کے لئے تقسیم کار ضروری ہے، یہ قوم اللہ تعالیٰ کے لئے اہل کار تجویز کرتی تھی مگر اللہ کے وجود کا انکار نہیں کرتی تھی۔ کائنات کے لئے اللہ کا وجود جانتے و مانتے ہوئے بھی چند فرضی ہستیوں کو حاجت روائی کے لئے پکارا کرتی تھی، اُن کے نام پر نذر و نیاز بھی کی جاتی تھی۔ اُن سے دُکھ درد میں استغاثہ و فریاد بھی کرتے تھے، اور خوشی و مسرت میں اُن کے نام کا وظیفہ بھی پڑھتے تھے۔ اور یہ اتنا قدیم طریقہ تھا کہ اسکو چھوڑنا اُن کے لئے تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ اس طریقے پر ان کی پشتیں گزر گئیں تھیں۔

موجودہ زمانے میں بھی بعض لوگ کسی انسان کو ”مشکل کشا“ کہتے ہیں۔ حالانکہ مشکل کشائی کی کوئی طاقت اس کے پاس نہیں ہوتی ہے۔ کسی کو گنج بخش“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس کے پاس کوئی گنج نہیں کہ کسی کو بخشے۔ کسی کو ”داتا“ کا لفظ بولتے ہیں حالانکہ وہ کسی شے کا مالک ہی نہیں کہ داتا بن سکے۔ کسی کو ”غریب نواز“ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ غریب اُس اقتدار میں کوئی حصہ نہیں رکھتا کہ کسی غریب کو نواز سکے۔ کسی کو ”غوث“ (فریاد رس) کہا جاتا ہے حالانکہ وہ کوئی زور نہیں رکھتا کہ کسی کی فریاد کو پہنچ سکے۔ کسی کو ”بندہ نواز“ سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ خود بندہ ہے، بندگی کے بندھنوں میں کسا ہوا، کسی کو ”دستگیر“ کہا جاتا ہے باوجودیکہ وہ خود دست نگر تھا کسی کی کیا دستگیری کرتا؟ درحقیقت یہ اور ایسے سب نام محض نام ہی نام ہیں جنکے پیچھے کوئی اقتدار، قدرت، اور طاقت نہیں جو ان کے لئے جھگڑا کرتا ہے وہ دراصل صرف ناموں کے لئے جھگڑتا ہے نہ کہ کسی حقیقت کے لئے!

سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہی حقیقت سمجھانی چاہی لیکن اتنی کھلی حقیقت سمجھی نہ گئی۔

یہ دنیا کا عجوبہ نہیں تو اور کیا ہے کہ مجبور اور بے بس انسانوں نے اپنے ہی وہم و گمان سے خدائی کا جتنا حصہ جس کو چاہا دے ڈالا اور اس کو اپنا مذہب و ایمان بھی بنالیا۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

۱۳ آخری مہلت قوم کی بغاوت و گریز سے حضرت ہود علیہ السلام قطعاً

مایوس نہیں ہوئے بلکہ مسلسل افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رکھا اور مختلف طریقوں سے یہ حقیقت سمجھاتے رہے کہ اے قوم اپنی اس گئی گزری حالت پر بھی اپنے رب سے معافی چاہو، اسکی طرف پلٹ آؤ وہ تم پر رحمت کی بارش کے لئے آسمان کے دروازے کھول دے گا، تمہاری موجودہ قوت میں مزید اضافہ کر دیگا اور تم کو اچھا سامان زندگی عطا کرے گا۔

یہ حقیقت قرآن حکیم نے کئی مقامات پر ظاہر کی ہے کہ جب ایک قوم کے پاس نبی کے ذریعہ اللہ عظیم کا مکمل پیغام آجاتا ہے تو اس قوم کی قسمت اس پیغام کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے، اگر وہ قوم اسکو قبول کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں و برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، اور اگر اس پیغام کو قوم رد کر دیتی ہے تو کچھ مہلت کے بعد اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

انبیاء کرام کی پوری تاریخ یہی نتائج پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہر قوم کے ساتھ یوں ہی رہی ہے۔ البتہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت اس سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتوں کے پیش نظر اس کا اس طرح اظہار فرمایا ہے :-

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۔ (انفال آیت ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریگے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت

میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔

ذہنی و فکری ارتداد اور ایک شبہ کا ازالہ (۴)

جب ایک شخص قرآن حکیم کے مطالعہ میں بار بار یہ پڑھتا ہے کہ فلاں قوم نے اپنے نبیؐ کو جھٹلایا تو اسکو تباہ کر دیا گیا، فلاں قوم

نے نبیؐ کی مخالفت کی جسکے سبب ہلاکت سے دوچار ہوئی۔ کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا کسی قوم پر آسمان سے آگ برس پڑی، کسی قوم کو زلزلہ نے تباہ کر دیا، کسی کو (اصناف) بجلی کی کڑک نے آدبا یا، کسی قوم کو غرق کر دیا گیا۔ تو دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے واقعات اب کیوں نہیں ہوتے؟ جبکہ بغاوت و سرکشی، خدا بیزاری، آخرت فراموشی، کفر و شرک، فسق و فجور انتہائی عروج پر ہیں؟

اسکا جواب نہایت آسان ہے۔ دراصل بغاوت و سرکشی کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ ایک بغاوت وہ ہے جو نبیؐ و رسولؐ کی موجودگی میں رونما ہو، جس قوم میں نبیؐ موجود ہوتا ہے وہ قوم نبیؐ کی راست مخاطب ہوتی ہے اور اللہ عظیم کا پیغام اُس قوم کو براہ راست ملتا ہے۔ نبیؐ کی زندہ شخصیت جو اپنی ذات میں صداقت و دیانت اور امانت و ہدایت کا سرچشمہ ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حجت کا زندہ نمونہ ہوتا ہے۔ حق پر واضح دلیل و حجت پیش کرتا ہے اور کبھی معجزات سے اپنی حقانیت واضح کرتا ہے۔ اس طرح اُس قوم پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ اُس کے بعد اُس قوم کیلئے معذرت و مہلت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایسے وقت اللہ کے فرستادہ کو دُوبد و جھٹلانے کے بعد وہ قوم اسکی مستحق ہو جاتی ہے کہ اس کا حساب برسرِ موقع چکا دیا جائے، سابقہ اقوام انہی بنیادوں پر ہلاکت سے دوچار ہوئی ہیں۔

بغاوت کی دوسری شکل جس پر اس طرح کے واقعات پیش نہیں آتے پہلی صورت سے مختلف ہے۔ جن قوموں کے پاس اللہ واحد کا پیغام براہِ راست نہ آیا ہو بلکہ مختلف واسطوں سے پہنچا ہو ان کا معاملہ ویسا نہیں جیسا کہ نبیؐ کی موجودگی میں بغاوت و مخالفت کا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو گیا، وحی الہی قیامت تک کے لئے روک لی گئی، معجزات کا سلسلہ بھی

باقی نہ رہا، نبی کا وجود جو نور و ہدایت کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتا ہے ممکن نہ رہا، ان حالات میں بغاوت و سرکشی وہ نتائج پیدا نہیں کرتی جو نبی کی موجودگی میں بغاوت پر مرتب ہوا کرتے ہیں اسلئے ختم نبوت کے بعد قوم کی سرکشی و بغاوت پر اب اگر ایسے حوادث پیش نہیں آتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ البتہ تعجب کے قابل کوئی بات ہو سکتی ہے تو یہ کہ اب بھی کسی قوم پر اُسی شان کا عذاب آتا جیسا کہ انبیاء کرام کو دبدو جھٹلانے والی قوم پر آتا تھا۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اب مجرم قوموں پر عذاب آنے بند ہو گئے ہوں۔ آج بھی ایسی گمراہ قوموں پر چھوٹے بڑے تنبیہی عذاب آتے رہتے ہیں۔ لیکن غور و فکر کے زاویے بدل گئے ہیں۔ خدا بیزار اور آخرت فراموش اذہان نے ایسے حوادث کو ”حادثۃ اتفاقی“ کا نام دے لیا ہے یا ”گردش زمانہ“ کا نام رکھ دیا ہے یا پھر کسی اسباب ظاہری کی طرف نسبت کر دی ہے ورنہ جرائم پر جو حوادث آتے ہیں وہ دراصل ”عذاب“ ہی ہوتے ہیں۔

یہ ذہنی و فکری ارتداد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کے قوانین فطرت کو تسلیم نہ کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔

(۵) بادِ صرصر قوم عاد پر جو عذاب آیا اُسکی نوعیت نہایت دل دوز ہے۔

ایک طوفانی ہوا بھٹی جسکے لئے قرآن حکیم نے ”ریج صرصر“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسکے معنی ایسی ہوا کے ہیں جسکے چلنے سے سخت شور برپا ہو۔ یہ شور خود ہوا کی آواز سے پیدا ہوتا تھا یا پھر اطراف و اکناف کی چیزوں سے ٹکرانے پر پیدا ہوتا ہو۔ بہر حال یہ لفظ نہایت تند و تیز ہوا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ طوفانی ہوا مسلسل سات رات آٹھ دن چلتی رہی۔ اسکے زور اور اثر سے لوگ مرم کر گمر پڑے۔ چونکہ یہ لوگ بڑے قد آور اور بڑی ڈیل ڈول کے تھے۔ اسلئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کھجور کے تنے گر پڑے ہیں جس چیز پر سے یہ ہوا گزرتی تھی اسکو چوراچور کر کے رکھ دیا۔ جس وقت یہ ہوا آنے لگی اُس وقت قوم عاد خوشیاں منانے کیلئے باہر نکل پڑے کہ ایک طویل عرصے کے بعد گھٹا گھر کر آئی ہے۔ بارش ہوگی اور سونکھے کھیتوں پر پانی برے گا۔ مگر جب وہ آئی تو اس طرح آئی کہ اُن کے پورے

علاقے کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ سورۃ الذاریات میں اس بادِ صرصہ کیلئے الرَّیْحُ الْعَقِیْمُ دو کالفظ آیا ہے جسکے معنی خشک اور بے خبر ہوا کے ہیں۔ دراصل عقیم کالفظ بالجھ عورت کے لئے بولا جاتا ہے جو اولاد سے ناامید ہو چکی ہو۔ یعنی وہ ایسی ہوا تھی جو اپنے اندر کوئی بھی مہلانی نہیں رکھتی تھی، نہ خوشگوار تھی نہ ہی بارش لانے والی، اور نہ درختوں کو بار آور کرنے والی، پھر اس بے خبری کے ساتھ نہایت شدید آندھی کی شکل میں آئی تھی جس نے لوگوں کو اٹھا اٹھا کر ٹپک دیا۔

(۶) ایامِ نحسات | قوم عاد پر ”رجِ صرصہ“ یا ”رجِ عقیم“ کا عذاب سورۃ قمر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمٍ نَحْسٍ

مُسْتَبِيرٍ۔ (آیت ۱۹)

”تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی روانہ کر دی جو دائمی

نحوست کے دن واقع ہوئی۔“

اور سورۃ حم السجدہ میں اس طرح آیا ہے۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ

نَحْسَاتٍ لَّحَمٍ۔ (آیت ۱۷)

”پھر ہم نے روانہ کر دی اُن پر بادِ صرصہ نحوس دنوں میں۔“

مشہور یہ ہے کہ یہ عذاب بدھ کے دن آیا تھا اس لئے قدیم زمانے سے لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ بدھ کا دن نحوس دن ہے۔ اور اس پر ہر زمانے میں مختلف عقیدے قائم ہوتے چلے گئے کہ اس دن کوئی اچھا کام نہیں کرنا چاہیئے۔ بدھ کے دن سفر کرنا عموماً نامبارک ہے۔ کوئی بڑا لین دین اس دن نہ ہونا چاہیئے، بدھ کے دن ناخن نہ کاٹنا چاہیئے، مریض کی عیادت نہ کرنا چاہیئے، اور یہ کہ مرضِ جذام و برص اسی روز شروع ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ان توہمات کے پیچھے چند ضعیف احادیث بھی نقل ہوتی چلی آرہی ہیں جس سے بدھ کے دن کی نحوست کا عقیدہ عوام الناس میں رائج ہو گیا۔

علم حدیث کے محققین نے ایسی تمام روایات کو نہایت ضعیف، مہمل، موضوع (جھوٹی) قرار دیا ہے۔ کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو صحیح کہی جاسکے۔

امام المحدثین حافظ سخاویؒ کہتے ہیں کہ جتنے طریقوں سے بھی یہ روایات منقول ہیں سب کی سب غیر مستند ہیں۔ یہ ہی بات علامہ ابن رجب حنبلیؒ، علامہ ابن جوزیؒ، علامہ آلوسیؒ سے منقول ہیں۔ محقق مناویؒ نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ بدھ کے دن کو منحوس سمجھ کر چھوڑ دینا اور نجومیوں جیسے اعتقادات اس باب میں رکھنا حرام اور سخت حرام ہے۔ لہذا بدھ کی نحوست کا عقیدہ بے بنیاد بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہفتے کے سارے دن یکساں ہیں کوئی دن اپنی ذات میں نہ نفع پہنچانے والا ہے نہ نقصان۔ رات دن میں بھی کوئی گھڑی ایسی نہیں جو ایک کے لئے اچھی ہو اور دوسروں کے لئے بُری! جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو کسی کیلئے موافق اور کسی کے لئے ناموافق حالات پیدا کر دیتے ہیں۔ نادان آدمی اسکو نحوست پر محمول کر لیتا ہے۔ حالانکہ نحوست کوئی چیز نہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنی کسی کتاب میں لکھتے ہیں:-

”اُمم سابقہ میں کوئی دن منحوس اور کوئی نامنحوس رہا ہوگا لیکن

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جس دن اس جہاں میں رونق افروز ہوئے

سارے جہاں سے نحوست قیامت تک کے لئے اٹھالی گئی۔“

حدیث بخاری و مسلم سے بھی یہ تائید ملتی ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لَا عَدُوٍّ وَلَا طَيْرَةٌ وَلَا هَامَّةٌ۔ الحديث۔

نہ کوئی مرض متعدی ہے نہ کوئی بدشگونی درست ہے اور

نہ کوئی آواز منحوس ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں صراحت کے ساتھ کہا گیا:-

الطَّيْرَةُ شِرْكٌ۔ الحديث۔

بدشگونی شرک ہے۔

اس ساری تفصیل سے قطع نظر بالفرض بدھ کے دن کو منحوس ہی قرار دیا جائے تو سارے ہفتے کے دن بھی منحوس قرار پائیں گے۔ کیونکہ دوسری آیت میں آیَاتًا نَجِسَاتٍ

آیا ہے۔ یعنی یہ عذاب والے دن سات رات اور آٹھ دن تھے تو گویا سارا ہفت منہوس قرار پایا، بلکہ ایک دن اسپر مزید اضافہ کے ساتھ پھر آخر کو نسا دن غیر منہوس ہو گا۔؟

اس لئے مراد قرآنی ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ دن اصلاً منہوس تھے حقیقت یہ ہے کہ یہ آٹھ دن منہوس جو قوم عاد پر مسلط رہے اس قوم کے لئے بوجہ عذاب منہوس تھے نہ کہ اپنی ذات میں منہوس تھے۔

(۷) **تلخی کا جواب شیریں کلامی** | حضرت ہود علیہ السلام کو انکی قوم اس طرح خطاب کرتی ہے :-

”بیشک ہم تجھ کو بیوقوف انسان سمجھتے ہیں اور یقیناً تو جھوٹا

بھی ہے۔“

حضرت ہود علیہ السلام اسکا اس طرح جواب دیتے ہیں :-

اے میری قوم میں بے وقوف نہیں ہوں، البتہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں، اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچاتا

ہوں اور میں تمہارے لئے نہایت خیر خواہ اور امانت دار ہوں۔“

یہ گفتگو ہمیں یہ درس عظیم دیتی ہے کہ اللہ عظیم کے برگزیدہ بندے جب کسی کی نیکی اور خیر خواہی کرتے ہیں تو منی لفظوں کی بے ہودہ گوئی اور استہزاء و تحقیر کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ شکستہ دل ہوتے ہیں اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض منصبی سے منہ موڑتے ہیں، اپنی خیر خواہی و نصیحت جاری رکھتے ہیں اور اسی میں اپنی کامیابی و کامرانی سمجھتے ہیں کہ اللہ کا پیغام پہنچتا رہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

انبیاء کرام کا یہ طریقہ امت کے لئے بہترین اسوہ ہے کہ تبلیغ و پیغام حق کی راہ میں بدی کا بدلہ نیکی سے اور تلخی کا جواب شیریں کلامی سے دیا جائے۔

(۸) **قدیم جرثومہ** | حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ کی لازوال نعمتیں یاد دلاتے ہیں اور آئندہ کے لئے وعدہ

فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ اپنے پروردگار کی جناب میں مغفرت طلب کرتے رہو اور اُسی کی طرف رجوع کرتے رہو تو وہ تم پر برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوتوں میں اضافہ کریگا۔ الخ۔

مگر بے نصیب قوم نے کسی طرح بھی مان کر نہ دیا اور اسکا بڑا سبب وہ جاہلانہ عقیدہ تھا کہ ہم اپنے باپ دادا کے طور طریقے کو کیوں چھوڑ دیں جو پشت ہائے پشت سے چلا آرہا ہے؟ کیا ہمارے آباء واجداد سب کے سب گمراہ تھے؟ اور کیا اُن کے پاس کوئی دلیل و برہان نہ تھی؟ اور کیا وہ سب کے سب جاہل تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ مہلک عقیدہ کوئی نیا نہ تھا تقریباً ہر نبی و مصلح کو اُسکی قوم نے یہی جواب دیا۔ یہ جڑ تو مہ اقوام کی روحانی زندگی کے لئے ہمیشہ نباہ کن اور سعادتِ ابدی کے لئے ہلاکت آفرین رہا ہے۔ دُنیا کے عظیم المرتبت رسولوں کی قومیں اسی جہالت و اندھے پن کی وجہ سے محرومِ ہدایت رہی ہیں، انبیاء کرام کے معجزات اور آیات سے بھی انہیں کوئی نفع نہ ہوا۔ اور آج بھی جن جن قوموں اور جماعتوں میں یہ جراثیم موجود ہیں وہ اپنے نصیحت کرنے والوں اور خیر خواہوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا کہ قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ نوح کے تذکروں میں ملتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهَا۔

تذکرہ
سیدنا صالح علیہ السلام
اور
قومِ ثمود - اصحابِ الحجر

حضرت صالح علیہ السلام | قرآن حکیم میں حضرت صالح علیہ السلام کا اسم گرامی نو مقامات پر آیا ہے۔
سورۃ اعراف میں تین جگہ آیت ۷۷، ۷۸، ۷۹
سورۃ ہود میں چار جگہ آیت ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴
سورۃ شعراء میں ایک جگہ آیت ۱۲۷، اور سورۃ النمل میں ایک جگہ آیت ۴۵۔
حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اسکا نام ثمود ہے اور قوم ثمود کا ذکر قرآن حکیم کی دس سورتوں میں آیا ہے:-
اعراف، ہود، حجر، النمل، فصلت، النجم، القمر، الحاقہ، الفجر، الشمس۔

سلسلۂ نسب | ابن کثیرؒ نے حضرت صالح علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:-
صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حادر بن ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔
ان کے علاوہ مشہور تابعی حضرت وہب بن منبہؒ حضرت صالح علیہ السلام اور ثمود کے درمیان صرف دو واسطے نقل کرتے ہیں۔ صالح بن عبید بن جابر بن ثمود۔ چونکہ یہ سب ماقبل تاریخ کی شخصیات ہیں اس لئے ایسے قدیم نسب ناموں میں اختلاف کا پایا جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔
حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد اولیٰ کی ہلاکت کے بعد جو افراد بچ

گئے تھے اُنکی نسل عادیثانیہ کے نام سے مشہور ہوئی جسکو بعد میں قوم ثمود کا نام دیا گیا۔

ثمود کی بستیاں | قرآن حکیم نے قوم ثمود کا مقام وادی حجر بیان کیا ہے جو حجاز اور ملک شام کے درمیان وسیع و عریض میدان کی شکل میں موجود ہے۔ اور یہ علاقہ آجکل ”فج الثاقہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اسمیں ثمود کی بستیوں کے آثار و کھنڈرات آج تک موجود ہیں۔ عرب کا مشہور زمانہ مورخ مسعودی لکھتا ہے:-

”جو شخص ملک شام سے حجاز کو آتا ہے اُسکی راہ میں اس قوم کے مٹے نشان اور کھنڈرات ملتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے ان بستیوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ ایک مصری ستاح کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوا جو شاہی محل کہا جاتا ہے اسمیں متعدد کمرے ہیں اور اس محل کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے۔ یہ پورا محل پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ ثمود فن تعمیر میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور یہ سینکڑوں آثار و کھنڈرات اُن کے فن تعمیر کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ قوم عاد کی طرح اس قوم نے بھی پہاڑوں کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ بڑے بڑے پہاڑوں کو تراش تراش کر شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے محلات بناتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو ”عادِ ثانیہ“ کہا جاتا ہے۔“

ثمود کا زمانہ | چونکہ یہ قوم بھی اُن اقوام میں سے ہے جو ماقبل تاریخ اپنا وجود رکھتی تھیں اس لئے کوئی واضح زمانہ ظاہر کرنے سے تاریخ عاجز ہے۔ البتہ یہ بات قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ ثمود کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے اور اُن کی بعثت سے بہت پہلے یہ قوم ہلاک بھی ہو چکی تھی۔ قرآن حکیم نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب قوم فرعون نے جھٹلایا تھا تو آل فرعون ہی میں سے ایک مرد موسیٰ نے یہ کہہ کر اپنی قوم کو تنبیہ کی کہ اے

قوم تمہاری اس تکذیب کا نتیجہ کہیں وہ نہ ہو جائے جو تم سے پہلے قوم نوح اور عاد و ثمود اور اُن کے بعد کی قوموں کا ہوا تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ثمود کی آبادیوں کے قریب بعض ایسی قبریں بھی پائی جاتی ہیں جن پر آرامی زبان کے کتبے لگے ہوئے ہیں ان کتبوں پر جو تاریخ کندہ ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کی ہے۔ ان آثار سے بعض مؤرخین کو یہ شبہ ہوا کہ یہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد وجود میں آئی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دراصل یہ اُن لوگوں کی قبریں ہیں جو اُس قوم کی ہلاکت کے ہزاروں برس بعد اتفاقاً یہاں آکر بس گئے تھے اور اُنھوں نے اپنے بزرگوں کے آثار کی قدامت ظاہر کرنے کے لئے آرامی خط میں کتبے لکھ کر لگا دیئے تاکہ یادگار رہیں، ورنہ وہ قبریں نہ ثمود کی ہیں اور نہ اُن کا یہ زمانہ ہے۔

مصر کا مشہور مؤرخ جرجی زیدان اپنی کتاب ”العرب قبل الاسلام“ میں انہی آثار کے بارے میں لکھتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم وہ کھنڈر ہیں جو قصر بنت، قبر باشا، قلعہ، اور برج کے نام سے موسوم ہیں، ان پر جو کچھ تحریر ہے وہ نبطی زبان میں کندہ ہے۔ ان میں سب سے مشہور و معروف وہ کتبہ ہے جو نبطی حروف میں لکھا ہوا ہے اور وہ ولادت مسیح علیہ السلام سے قریب زمانہ کا مکتوب ہے۔

کندہ عبارت کا مضمون یہ ہے :-
 ”مقبرہ مکم بنت وائلہ بنت حرم نے اور مکم کی بیٹی کلیب نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بنوایا ہے۔ اس کی بنا بہت اچھے مہینوں میں شروع کی گئی ہے۔ یہ نبطیوں کے بادشاہ حارث کی تخت نشینی کا نواں سال ہے۔ وہ حارث جو اپنے قبیلے کا عاشق صائق ہے پس عمی ذو الشری وعرشہ، لات، عمد، منوت اور قیس کی اُس پر لعنت ہو جو ان قبروں کو فروخت کرے یا رہن رکھے، یا اُن کے کسی جسم کو یا عضو کو نکالے، یا مکم اس کی بیٹی اور اُس کی اولاد کے علاوہ کسی کو دفن کرے۔“
 اور جو شخص بھی اس پر لکھے ہوئے کی مخالفت کرے

اُس پر ذوالشری، سہل، منوت کی پانچ لعنتیں ہوں، اور جو ساعر
اس کے خلاف کرے اُس پر ایک ہزار درہم حارثی کا تاوان واجب ہے۔
مگر یہ کہ اس کے ہاتھ میں کم کم کلیبہ یا اسکی اولاد میں سے کسی کے ہاتھ کی
تحریر ہو جس میں اُس اجنبی قبر کے لئے صاف و صریح الفاظ میں اجازت
موجود ہو اور وہ اسلی ہو جعلی نہ ہو۔

اس مقبرے کو وہب اللہ بن عبادہ نے بنایا۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھنڈرات اور قبریں قوم ثمود کے بقایا افراد کی ہیں
جو ثمود کی ہلاکت کے ہزاروں سال بعد یہاں آکر بس گئے تھے، قوم ثمود کا زمانہ ان
سے بہت پہلے کا ہے۔

ثمود کا مذہب

ثمود بھی قوم عاد کی طرح بت پرست تھے جنہوں نے خدائے
واحد کے علاوہ بہت سے معبود گھڑ لئے تھے اور انہی کو اپنا
حاجت روا کہا کرتے تھے۔ اور جو بت قوم عاد میں پوجے جاتے تھے وہ بھی ان کے
معبودانِ باطل کی فہرست میں شامل تھے۔ ان میں بھی شان و شوکت، غرور و پندار
فخر و بڑائی کی بیماری عام تھی، بڑی بڑی عمارتیں بنانا اور ایک دوسرے پر سبقت
لے جانا ان کی زندگی کے لیل و نہار تھے۔ ان کی اصلاح کے لئے ان ہی کے قبیلے
میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو ناصح اور امین پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ ان
کو سیدھی راہ دکھائیں اور ان کو اللہ عظیم کی نعمتیں یاد دلائیں جن سے وہ صبح و شام
مستفید ہوتے تھے۔ اور یہ بات واضح کریں کہ کائنات میں کوئی بھی حاجت روا نہیں
سوائے ایک اللہ کے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام میں کسی کو بھی شریک قرار نہیں
دیا۔ وہ یکتا ہے اور اُس کے تصرفات میں کوئی شریک نہیں، عبادت و پرستش کا وہی
مستحق ہے۔

قوم کا انکار ثمود کو یہ حیرانی تھی کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ہم میں کا ایک انسان
اللہ کا پیغمبر بن جائے اور اللہ کے احکام سنائے لگے۔ وہ تعجب ہے

یہ کہا کرتے تھے کیا ہماری موجودگی میں اس پر اللہ کی نصیحت اُترتی ہے؟ معنی اگر ایسا ہی ہونا تھا تو اس کے ہم مستحق تھے نہ کہ صالح؟

اور کبھی قوم کے کمزور افراد کو جو مسلمان ہو گئے تھے خطاب کر کے کہتے۔

”کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے پروردگار کا رسول ہے؟“

مسلمان جواب دیتے بیشک ہم تو اُس کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان رکھتے ہیں۔
اس پر قوم کے یہ متکبر غصے میں کہتے :-

”بلاشبہ ہم تو اُس بات کا جس پر تمہارا ایمان ہے انکار

کرتے ہیں۔“

غرض حضرت صالح علیہ السلام قوم کو بار بار نصیحت کرتے کہ اے قوم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر مغرور نہ ہو، یہ تمہاری ظاہری شان و شوکت، مال و دولت، سرسبز و شاداب باغات، سیم و زر کی فراوانی، بلند و بالا عمارات کی رہائش، میوہ و پھلوں کی کثرت، چشموں و نہروں کی آبیاری، صحت و طاقت کی بہتات سب اللہ کریم کی عطا و بخشش ہے۔ اس کا شکر ادا کرو اور اس کو اپنے رب کی طرف سے سمجھو۔ اور اس کے آگے اپنا سر خم کر دو۔ یہ سامانِ زندگی تمہاری ہلاکت کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ کسی بھی وقت تم سے چھین لیا جاسکتا ہے۔ اس کے حاصل ہونے پر شہمی و غرور نہ کرو۔ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ سامانِ زندگی کی فراوانی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو انہی سامانِ عیش سے آزمایا بھی ہے۔ تم پر خدا کی یہ نعمتیں حجت و دلیل قائم کر رہی ہیں اللہ سے ڈرو اور اُس کا حق ادا کرو، تمہارے سامنے قومِ عاد کی تباہی موجود ہے۔ اُن کے آثار و کھنڈرات سے درس لو۔ تمہاری طرح اُنھوں نے بھی غرور و تکبر کیا تھا اُن کے انجام کا تذکرہ تم سنتے آئے ہو۔

لیکن حضرت صالح علیہ السلام کی اس نصیحت و خیر خواہی کا قوم پر کچھ اثر نہیں ہوا، بلکہ اُن کا بغض و عناد ترقی کرتا گیا اور مخالفت بڑھتی ہی رہی وہ کسی طرح بت پرستی سے باز نہیں آئے صرف ایک مختصر کمزور جماعت ایمان لے آئی۔ قوم کے سردار اور سرمایہ دار اس طرح باطل پرستی پر قائم رہے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر قسم کی خوش عیشی کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا شعار بنالیا حضرت

صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے کہ اگر صالح حق پر ہوتا اور ہم باطل پر تو پھر ہم کو یہ شان و شوکت، عزت و قوت کیوں کر حاصل ہوتی؟ جبکہ صالح ؑ اور اُن کے ماننے والے کمزور اور بے قدر ہیں؟

حضرت صالح علیہ السلام ان کو سمجھاتے کہ دنیا کی یہ نعمتیں عارضی اور فانی ہیں۔ یہ حق و باطل کا کوئی معیار نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کی کوئی قیمت نہیں۔ کیا معلوم پل بھر میں یہ سب کچھ فنا ہو جائے۔ تمہارے سامنے اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ آخر کار مغرور و سرکش قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت و نصیحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کی نشانی پیش کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا کہ اے صالح اگر تم سچے ہو تو اپنے رب سے کہہ کر اس پہاڑ سے کوئی اونٹنی پیدا کر دکھاؤ جو گاہن ہو اور ظاہر ہوتے ہی بچہ جنم دے؟

نَاقَةُ اللَّهِ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے اس بے جا مطالبے پر بارگاہِ الہی میں دُعا فرمائی اور فریاد رسی چاہی۔ وحی الہی نے اطلاع دی کہ قوم کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فہمائش کر دی گئی کہ اگر اس اونٹنی کو ایذا پہنچائی گئی یا اس کا حق ادا نہ کیا گیا تو معاف نہ کیا جائے گا اور یہ ہی تمہارا مطالبہ تمہاری ہلاکت کا نشان ثابت ہوگا۔ چنانچہ قوم کو خبردار کر دیا گیا کہ ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور اس کے درمیان پانی کی باری مقرر کر دی ہے کہ ایک دن قومی کنویں سے تم پانی لو گے اور ایک دن اس ”ناقۃ اللہ“ کا ہوگا۔“

قرآن حکیم نے اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی وضاحت کر دی کہ ”اس نشان کو کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے ورنہ عذاب الیم گھیر لے گا۔ چنانچہ قوم نے اس نشان (اونٹنی) کو ہلاک کر دیا اور پھر اللہ کے عذاب سے خود بھی ہلاک ہو گئے۔“

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ناقۃ اللہ کے سلسلے میں یہ تفصیل بیان کی ہے جو تاریخ اور بعض روایات صحیحہ پر مشتمل ہے۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ قوم ثمود جب حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ سے اکتا گئی تو اس کے سرخیل اور سربراہ آوردہ افراد نے قوم کی موجودگی میں یہ مطالبہ کیا۔ اے صالح اگر تو واقعی خدا کا رسول ہے تو کوئی نشانی پیش کرتا کہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں؟

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشان آنے کے بعد بھی انکار و سرکشی پر قائم رہو؟

قوم کے سرداروں نے وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے! تب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے دریافت کیا کہ تم لوگ کس قسم کا نشان چاہتے ہو؟ قوم نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کرو جو گائے کا بھن ہو اور ظاہر ہوتے ہی بچہ بھی دیدے۔

اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں دعا کی معاً پہاڑ سے ایک بلند قامت قومی الہیکل اونٹنی ظاہر ہو گئی اور اُس نے بچہ بھی جنم دیا۔ یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر اُن سرداروں میں سے ایک جندع بن عمرو اسی وقت ایمان لے آیا اور دوسرے سرداروں نے بھی اسکی پیروی کرنے کا ارادہ کیا لیکن مندرجہ کے پیاریوں نے اُن کو باز رکھا۔ اسی طرح دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکا۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے تمام افراد کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہارے طلب پر بھیجی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو۔ ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا دوسرا دن قوم کا اور ان کے جانوروں کا۔ اور خبردار اس اونٹنی کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ اگر اس کو کوئی آزار پہنچا تو پھر سمجھ لو کہ تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔

قوم نے اس حیرت ناک معجزے کو دیکھ کر اگرچہ ایمان قبول نہ کیا لیکن دلوں کے اقرار کی وجہ سے اُسکو ایذا دینے یا کسی قسم کی خلاف ورزی کرنے کی ہمت بھی نہیں کی اور یہ دستور قائم ہو گیا کہ کنویں کا پانی ایک دن ناقۃ اللہ کا رہتا اور ساری قوم اُس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی۔ اور دوسرا دن قوم اور اُن کے جانوروں کا رہتا جس سے وہ اپنی ضرورت کا پانی لیتے۔ اسی طرح دن گزرتے گئے، اونٹنی اور اسکا بچہ بغیر کسی روک ٹوک چراگا ہوں میں چرتے اور آسودہ رہتے۔ مگر قوم کے دلوں میں آہستہ

آہستہ یہ بات کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح و مشورہ ہونے لگا کہ اس اونٹنی کا خاتمہ کر دیا جائے تو اس باری والے قصے کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ کیونکہ ایک پورا دن ہمارے لئے اور ہمارے جانوروں کے لئے پانی کا فراہم کرنا دشوار ہوتا جا رہا ہے۔

یہ باتیں اگرچہ ہوتی رہتی تھیں لیکن کسی کو اس کے قتل کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کا ”معجزہ“ ہونا ثابت ہو چکا تھا اور قلوب اس کا اقرار کر چکے تھے۔

آخر کار صدوق نامی ایک حسین و جمیل عورت نے اپنے آپ کو قوم کے ایک بدکار مرد مصدع کے سامنے پیش کیا اور ایک مالدار عورت عنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی کو قد ار نامی بد بخت کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا کہ اگر تم دونوں اس ناقۃ اللہ کو ہلاک کر دو تو یہ دونوں تمہاری ملک ہیں انکو اپنی بیوی بنا لینا۔

اس حسین پیشکش پر قد ار اور مصدع دونوں آمادہ ہو گئے۔ اور طے پایا کہ رات کی تاریکی میں اونٹنی کو ہلاک کر دیں۔ اس پر چند دوسرے آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرض ایسا ہی کیا گیا اور ناقۃ اللہ کو اس سازش سے ہلاک کر دیا گیا۔ اونٹنی کا بچہ یہ منظر دیکھ کر بھاگا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیتا چلاتا پہاڑوں میں غائب ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب معلوم ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے:-

”اے بے نصیب قوم آخر تجھ سے صبر نہ ہو سکا اور وہی سانحہ

پیش آیا جس کا مجھے خوف تھا۔ اب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو، تین

روز کے بعد نہ ٹپنے والا عذاب آئے گا جو تم سب کو تہ و بالا کر کے

رکھ دے گا۔“ (تفسیر ابن کثیر سورۃ اعراف)

تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسیؒ نے اس عذاب کی تفصیل لکھی ہے کہ

”ثمود پر عذاب آنی کی علامات اگلے صبح ہی سے شروع ہو گئیں

پہلے روز ان سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسا کہ خوف کی

ابتدائی حالت میں ہوا کرتا ہے۔ دوسرے دن سب کے چہرے

سرخ تھے۔ گویا خوف و دہشت کا یہ دوسرا درجہ تھا۔ تیسرے روز

ان سب کے چہرے سیاہ تھے اور تاریکی چھائی ہوئی گویا خوف دہرا

کا تیسرا درجہ ہے جس کے بعد موت ہی باقی رہ جاتی ہے۔ تین دن کی ان علاماتِ عذاب نے اگرچہ اُن کے چہروں کو واقعی زرد، سُرخ اور سیاہ بنا دیا تھا لیکن اُن کی ظاہری شکل یہ صاف بتا رہی تھی کہ اُن کے دلوں کو حضرت صالح علیہ السلام کے سچے ہونے کا یقین تھا لیکن عناد و تکبر نے حق کی پیروی کرنے سے اُنہیں باز رکھا۔ اب جبکہ اللہ عظیم کے حکم کے خلاف ”جرم“ کر چکے تھے اُسکی پاداش میں حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کی ہولناک خبر سنی تو اُن پر خوف و دہشت کے آثار پیدا ہو گئے جو فطری تقاضہ تھا، ندامت و توبہ کی علامات نہ تھیں۔ بہر حال ان تین دن کے بعد وہ وقت آگیا جس نے صبح ہوتے ہوتے سب کو تباہ و برباد کر دیا اور آنے والے انسانوں کو ”تاریخی عبرت“ کا سبق دیا۔ عذاب والی رات سخت تاریک تھی اچانک ایک بیتناک آواز نے ہر شخص کو اُسی حالت میں موت کی نیند سُلا دیا۔

قرآن حکیم نے اس مُہلک ترین آواز کو ایک آیت میں ”صاعقہ“ (کڑک دار بجلی) اور ایک دوسری آیت میں رَجْفٌ (زلزلہ ڈال دینے والی) اور ایک تیسری آیت میں ”صیْحٌ“ (بجیج) کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ دراصل یہ تمام تعبیرات ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف ہیں جو خدائی عذاب کی ہولناکیاں ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی ایسی مُہیب آواز جو گرجتی، چمکتی، کوندتی، لرزتی، لرزاتی رات کی تاریکی میں اچانک ٹوٹ پڑی تو جو شخص جس حالت میں تھا اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ آواز کے بھیانک شور سے جگر پارہ پارہ ہو گئے۔ انسان ہی کیا پورا کاپورا شہر تہ و بالا ہو گیا۔

ایک طرف نمود پر یہ قیامت ٹوٹ پڑی دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی جماعت کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اور اُس رُسوا کن عذاب سے بچا لیا۔ دوسرے

دن حضرت صالح علیہ السلام نے اس تل پٹ شدہ شہر کے
ناپاک مُردوں کو اس طرح خطاب کیا :-
اے قوم بلاشبہ میں نے اپنے پروردگار کا پیغام
تم تک پہنچایا اور نصیحت بھی کی لیکن تم نے نصیحت کرنے والوں کو
پسند ہی نہ کیا ۔“

ہجرت

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کی ہلاکت و تباہی کے بعد
حضرت صالح علیہ السلام اور اُن پر ایمان لانے والی جماعت کا
قیام فلسطین میں ہوا، مقام اور شہر کے ناموں میں مؤرخین نے مختلف نام بیان
کئے ہیں۔

قرآن حکیم نے قوم ثمود کو ”انصحاب الحجر“ کہا ہے۔ مقام حجر فلسطین سے قریب
تھا اور چونکہ فلسطین اُس زمانے میں سرسبز و شاداب مقام تھا اس لئے عین ممکن ہے
کہ وہ حضرات اسی علاقہ میں آکر بس گئے ہوں۔

تفسیر خازن کے مصنف نے فلسطین کے علاقے میں رملہ کے قریب جائز قیام
بتایا ہے۔ عام مؤرخین کی رائے ہے کہ ثمود کی ہلاکت کے بعد یہ لوگ اُن ہی بستیوں
میں آباد رہے۔ زمانہ قدیم سے اہل یمن کا ادعائے ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام اور
اور اُن کی قوم حضرت مہوت آکر آباد ہوئے۔ اس پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ حضرت
صالح علیہ السلام کا اصلی وطن یہی تھا۔ اور یہاں ایک قبر کے بارے میں زمانہ قدیم سے
بھی شہرت ہے کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قبر ہے۔ رُوح المعانی کے مفسر
علامہ آلوسیؒ نے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام قوم کی ہلاکت
کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے آئے اور وہیں مقیم ہو گئے اور وفات بھی وہیں پائی اور
اُنکی قبر مبارک خانہ کعبہ کے غربی جانب حرم شریف ہی کے اندر ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ

”حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے افراد کی
تعداد ایک سو بیس (۱۲۰) تھی جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے

ساتھ نجات پائی۔ اور ہلاک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار خاندانوں
پر مشتمل تھیں۔ الغرض ان مختلف تفصیل کے بعد اُس کلامِ بلاغتِ نظام
قرآنِ حکیم کی آیات کا مطالعہ کیجئے جو ان واقعات کا حقیقی سرچشمہ ہیں اور
جو عبرت و موعظت کا بے مثال درس ہیں۔
وَالِیْ شَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًاۙ

(اعراف آیات ۷۳ تا ۷۹)

قرآنی مضمون

اور شمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔
اُنھوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اُسکے
سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی
دلیل آگئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک کھلی نشانی ہے۔
لہذا اسکو آزاد چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے پھرے چرے۔
اسکو کسی بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگاؤ۔ ورنہ ایک دردناک عذاب
تمہیں پکڑ لے گا۔ اور یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد
تمہیں اس کا جائشین بنایا۔ اور زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم
اُسکے ہموار میدانوں میں عالی شان محلات بناتے ہو، اور اُسکے پہاڑوں
کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین
میں فساد برپا نہ کرو۔

اُن کی قوم کے سرداروں نے جو تکبر تھے کمزور طبقہ کے لوگوں
سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالح اپنے
رب کا پیغمبر ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا بیشک جس پیغام کے ساتھ وہ
بھیجے گئے ہیں اُسے ہم مانتے ہیں۔ اُن سرداری کے دعویداروں نے
کہا جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اُسکا انکار کرتے ہیں۔
پھر اُنھوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور پوری سرکشی کے ساتھ
اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور صالح سے کہہ دیا اے آوہ عذاب

جسکی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں شامل ہے، آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آگھیرا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ اور صالحؑ یہ کہتے ہوئے ان بستنیوں سے نکل گئے کہ اے میری قوم میں نے اپنے رب کا پیغام تجھے پہنچا دیا اور میں نے تمہاری بڑی خیر خواہی کی مگر میں کیا کروں کہ تجھے اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں ہیں۔“

وَلَا يَشْكُرُ الْإِنْسَانُ إِلَّا لِقَاءِ رَبِّهِ

(ہود آیات ۶ تا ۷)

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا ہے۔ لہذا تم اس سے معافی چاہو اور اسی کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب ہر ایک کے قریب ہے اور دعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔

انہوں نے کہا اے صالحؑ اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ اور تو جس طریقے کی طرف ہمیں دعوت دیتا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلیجان میں ڈال رکھا ہے۔ صالحؑ نے کہا اے میری قوم تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور اُس نے اپنی رحمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کرے گا۔ اگر میں اس کے حکم سے سر تابی کروں تم مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے بلکہ تباہی کی طرف لیجا ناچاہتے ہو۔ اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے

اسے اللہ کی زمین میں چرنے کے لئے چھوڑ دو۔ اور اسکو بُرائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ فوراً عذاب آپکڑے گا۔

مگر انھوں نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔ اس پر صالحؑ نے اُن کو خبردار کر دیا کہ بس اب تین دن اپنے گھروں میں اور رہ بس لو۔ یہ ایسی میعاد ہے جو جھوٹی ثابت نہو گی۔

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالحؑ اور اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا اور اُس دن کی رسوائی سے اُن کو محفوظ رکھا۔ بیشک تیرا رب ہی دراصل طاقتور اور بالادست ہے۔

رہے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت دھماکے نے اُن کو پکڑ لیا اور وہ اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس و حرکت پڑے رہ گئے کہ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سُنو ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سُنو دور پھینک دیئے گئے ثمود۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ ۝۱۶

(الحجر آیات ۱۵ تا ۱۷)

اور حجر کے لوگ (قوم ثمود) بھی رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ ہم نے اپنی آیات اُن کے پاس بھیجیں پس وہ سب آیات کو نظر انداز ہی کرتے رہے۔ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات بناتے تھے کہ محفوظ رہیں یہ حفاظت کچھ بھی کام نہ آئی، ایک دن صبح کو اُٹھے تو ایک ہولناک آواز نے آپکڑا تھا اور جو کچھ انھوں نے اپنی سعی و مس سے کمایا تھا وہ کچھ بھی اُن کے کام نہ آیا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۝۱۷

(الشعراء آیات ۱۴ تا ۱۵۹)

جھٹلایا ثمود نے اللہ کے رسولوں کو، جب کہا اُن سے اُنکے بھائی صالحؑ نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارے لئے ایک امانت دار

رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام کے لئے تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم اُن سب چیزوں کے درمیان جو یہاں ہیں بس یوں ہی اطمینان سے رہنے دیئے جاؤ گے۔ ان باغوں اور چشموں میں۔ ان کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے رس بھرے ہیں۔ اور تم پہاڑوں کو تراش کر فخریہ اُن میں عمارتیں بناتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اُن زیاں کار لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

اُنھوں نے جواب دیا تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے۔ تو تو ایک ہم جیسا ہی انسان ہے پس لا کوئی نشانی اگر تو سچا ہے۔ صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے۔ ایک دن اُسکے پینے کا ہے اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا۔ اُسکو بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بُرے دن کا عذاب تم کو آ لے گا۔

مگر اُنھوں نے اُسکی کوئی چیز کاٹ دیں اور آخر کار پھٹتے رہ گئے۔ عذاب نے اُنھیں پکڑ لیا یقیناً اسمیں ایک نشانی ہے۔ مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ شُعُوبٍ مِّمَّنْ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ الْحَقَّ (النمل آیات ۲۵ تا ۲۷)

اور شعوہ کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو (یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو تو میکا یک وہ دُوجھگڑنے والے فریق بن گئے۔ صالح نے کہا اے میری قوم کے لوگو بھلائی سے پہلے بُرائی کے لئے کیوں جلدی مچاتے ہو۔ کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے شاید کہ تم پر رحم فرمایا جاوے۔ اُنھوں نے کہا ہم نے تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بدشگونیاں کا نشان پایا ہے۔

صالح نے جواب دیا تمہاری بدشگونی کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔
 اُس شہر (حجر) میں نوٹ جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلانے تھے اور کوئی اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے آپس میں کہا (اے لوگو) خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو ہم صالح اور اُس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے اور پھر اسکے سر پرست سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔

اور اُنھوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی جس کی اُنھیں خبر نہ تھی رات سے پہلے پہاڑ پر ایک پتھر اُپر لڑھک آیا اور وہ سب دب کر مر گئے۔ (الدّر المنثور)
 اب دیکھ لو کہ اُن کی چال کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا اُن کو اور اُن کی پوری قوم کو۔ دیکھو وہ اُن کے گھر خالی پڑے ہیں اُس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے۔ اس میں ایک نشانِ عبرت ہے اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ اور بچا لیا ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے بچتے تھے۔

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ ۚ
 اور رہے ثمود تو اُن کے سامنے ہم نے سیدھی راہ پیش کی مگر اُنھوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا۔ آخر انکی کرتوتوں کی بدولت ذلت کا عذاب اُن پر ٹوٹ پڑا، اور ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے تھے اور بد عملی سے بچتے تھے۔

وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمُ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۚ

(الذّٰرِیّٰت آیات ۷۳ تا ۷۷)

اور تمہارے لئے نشانی ہے ثمود کے واقعہ میں جبکہ اُن سے کہا گیا تھا کہ ایک خاص وقت تک مزے کر لو۔ مگر اس تنبیہ پر بھی

اُنھوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ آخر کار اُن کے دیکھتے دیکھتے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب نے اُن کو پکڑ لیا۔ پھر نہ اُن میں اُٹھنے کی سکت تھی اور نہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتے تھے۔ اور ان سے پہلے ہم نے نوح کی قوم کو ہلاک کیا کیونکہ وہ لوگ فاسق تھے۔“

كَذَّبَتْ شُعُوبٌ بِالنُّذُرِ اٰلِھِ

(القمر آیات ۲۳ تا ۲۴)

”شُعُوب نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ اور کہنے لگے ایک اکیلا آدمی جو ہم میں سے ہے کیا ہم اب اُسکے پیچھے چلیں، اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہم بہک گئے ہیں اور جنوں میں پڑ گئے۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا؟ نہیں! بلکہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور بڑائی جتانے والا آدمی ہے۔

(ہم نے اپنے پیغمبر صالحؑ سے کہا) کل ہی انہیں معلوم ہو جائیگا کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور بڑائی جتانے والا ہے۔ ہم اونٹنی کو ان کے لئے آزمائش بنا کر بھیج رہے ہیں۔ پس انکو دیکھتے رہو اور ذرا صبر سمجھے کہ (کہ ان کا کیا انجام ہوئے) ان کو آگاہ کر دو کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔ آخر کار اُن لوگوں نے اپنے آدمی کو پکارا اور اُس نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔ پھر دیکھ لو کیسا تمہارا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم نے اُن پر بس ایک ہی چنگھاڑ مسلط کر دیا۔ پھر وہ اس طرح ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے کا چوراہ۔ اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے اب ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟“

كَذَّبَتْ شُعُوبٌ وَعَادٌ بِالنُّذُرِ اٰلِھِ

(الحاقة آیات ۲۳ تا ۲۴)

”شُعُوب اور عَاد نے اُس کھڑکھڑانے والی (قیامت) کو

جھٹلایا تو ثمود ایک سخت آواز سے ہلاک کئے گئے۔ اور عاد ایک شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیئے گئے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ۚ

(الشمس آیات ۱۵ تا ۱۷)

ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر (صالح کو) جھٹلایا۔ جب اُس قوم کا سب سے زیادہ شقی آدمی (اکثر کمزور) اُٹھا تو اللہ کے رسول (صالح) نے اُن لوگوں سے کہا خبردار اللہ کی اونٹنی کو ہاتھ نہ لگانا اور اسکے پانی پینے میں حائل نہ ہونا۔ مگر انھوں نے اُنکی بات کو جھوٹا قرار دیا اور اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔ آخر کار اُن کے جرم کی پاداش میں اُن کے رب نے اُن پر ایسی آفت نازل کی کہ ایک ساتھ سب کو پیوندِ خاک کر دیا۔ اور اللہ کو اپنے اس فعل کے کسی بھی نتیجے کا کوئی خوف نہیں ہے۔“

نتائج و عبرت

قوم کی آزمائش
(۱) اور
نفاق اللہ

چونکہ قوم کے مطالبہ پر یہ اونٹنی بلا کسی ظاہری سبب کے پہاڑ سے پیدا ہوئی اس لئے اس کا نام ناقة اللہ ہو گیا۔ یہ ایسے ہی جیسے حضرت حواریہ بغیر ماں کے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے، اور

آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے۔

یہ اونٹنی جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت پر دلیل و ثبوت اور ایک علامت تھی وہاں قرآن حکیم کی تصریح ہے کہ وہ قومِ ثمود کے لئے آزمائش اور امتحان بھی تھی جو اُن کی تباہی کا نشان ثابت ہوئی۔

ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت و عادت رہی ہے جسکو قرآنی الفاظ

”سنتہ اللہ“ کہا جاتا ہے۔ جب کبھی وہ کسی قوم کی طرف اپنا رسول بھیجتا ہے اور قوم اسکی ہدایت و نصیحت پر کان نہیں دھرتی تو ضروری نہیں کہ وہ قوم اس نافرمانی کی پاداش میں فوراً ہی ہلاک کر دی جائے۔ ایسی بہت سی قومیں ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں کا انکار کیا لیکن انہیں زمین پر اللہ کی دی ہوئی مدت پوری کرنے کا موقع ملا۔ انہیں کسی اچانک عذاب سے ہلاک نہیں کیا گیا۔

البتہ جس قوم نے اپنے نبی سے اسکی صداقت کے لئے کوئی نشانی طلب کی اور اس پر یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ مطلوبہ نشان ظاہر ہو گیا تو اُن پر ضرور ایمان لائیں گے پھر وہ ایمان نہیں لائے تو اُس قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون وغیرہ کی ہلاکتیں اسی وجہ سے ہوئیں کہ انہوں نے اپنے نبیوں سے معجزات طلب کئے تھے پھر ایمان نہیں لائے۔

البتہ پوری تاریخ انبیاء میں صرف ایک قوم (قوم یونس) اللہ تعالیٰ کے اس قانون پاداش سے مستثنیٰ رہی جسکی تفصیل یہ ہے:-

سورۃ یونس آیت ۹۵ کا ترجمہ یہ ہے:-

”پھر کیا کوئی ایسی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اُس کا ایمان اسکے لئے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ یونسؑ کی قوم کے سوا (اسکی کوئی نظیر نہیں) وہ قوم (یونس) جب ایمان لے آئی تو ہم نے اُس پر سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب مٹا دیا اور ایک مدت تک اُس قوم کو زندگی سے بہر مند ہونے کا موقعہ دیا۔“

اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت ظاہر کی گئی کہ اللہ کے قانون ”پاداشِ عمل“ سے کوئی قوم بچ نہ سکی۔ عذاب آنے کے بعد اگر کوئی قوم ایمان لے آتی ہے تو اُس کا یہ ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قیمت نہیں رکھتا اور نہ وہ عذاب سے بچ سکتی ہے۔ فرعون بھی تو نزولِ عذاب کے ساتھ ہی ایمان لے آیا تھا۔ لیکن اُس کا یہ ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اب تو ایمان لاتا ہے؟

الغرض عذاب کے وقت کسی کا ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ ایک اور صرف ایک قوم یونس اس ”سنتہ اللہ“ سے مستثنیٰ رہی ہے۔ اسکی وجوہات سے قرآن حکیم

ساکت ہے اس لئے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ قوم اس قانون سے مستثنیٰ کیوں کی گئی۔ تاہم مفسرین کرام نے احادیث اور قرآنی اشارات سے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے :-

”قوم نے آثارِ عذاب دیکھ کر اور یہ معلوم کر کے کہ حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے ہیں ڈر گئی اور استغفار کرنے لگی۔ چونکہ عذاب واقع نہیں ہوا تھا اس لئے بچائے گئے۔“
(تفصیل تذکرہ سیدنا یونس علیہ السلام میں مطالعہ فرمائیں)

(۲) ایک شبہ کا ازالہ | ”یاد ایش عمل“ کا قانون اگرچہ ہر نبی کی قوم کے ساتھ

نچساں رہا ہے لیکن اس ”سنت اللہ“ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مستثنیٰ رہی ہے اور اس کی تصریح خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے :-

”آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ وہ میری امت پر عذاب عام مسلط نہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ دُعا قبول فرمائی۔“ (حدیث حجتہ الوداع شبِ مزدلفہ والی دُعا) (بخاری)

اور قرآن حکیم میں اس دُعا کی مقبولیت کی تصدیق بھی موجود ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ الْآيَةُ

(الانفال آیت ۳۳)

”اے رسول اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ

(ان کافروں) پر عام عذاب مسلط نہ کریگا“

(۳) انسانی خود فریبی | بعض دفعہ انسان کو خوش عیشی اور دُنیاوی

جاہ و جلال دیکھ کر یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی کہ جس

کسی قوم یا فرد کے پاس دُنیاوی آسائش کی فراوانی، صحت و قوت کی بہتات موجود ہے

تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت میں ہے اور اسکو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہے۔

اس مُسلک نظریہ اور غلط فہمی نے بہت سی قوموں کو انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایت سے محروم رکھا ہے۔ حالانکہ بعض مرتبہ زیادہ سے زیادہ رفاہیت اور خوش عیشی زیادہ سے زیادہ عذاب و ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے۔
قوم ثمود کے خوش عیشیوں کو یہ ہی دھوکہ پیش آیا۔ وہ حضرت صالح ؑ اور اُن کے ساتھیوں کو یہ کہہ کر طعنہ دیا کرتے تھے کہ کیا صالح ؑ جیسے غریب و بے طاقت آدمی کو رسول بنایا گیا ہے۔ انہیں اپنی قوت و طاقت پر گھمنڈ تھا۔ وہ لوگ کسی طرح بھی حضرت صالح علیہ السلام اور ایمان والوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس خود فیری نے قوم کے اکثر افراد کو حضرت صالح علیہ السلام کی اطاعت سے دُور رکھا جسکے نتیجے میں وہ عذاب آیا جو تاریخ عالم کا عبرتناک حادثہ ہے۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بر قسم کی نعمت اور فراوانی کا شکر ادا کرنے کے بجائے حضرت صالح ؑ اور اُن کے ساتھیوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:-

اے صالح ؑ اگر ہم باطل پرست ہوتے اور اللہ کی خوشنودی اور رضا ہمیں حاصل نہ ہوتی تو آج یہ عزت و دولت، قوت و طاقت، سرسبز و شاداب باغات، سیم و زر کی بھٹات، بلند و بالا محلات، پانی و نہروں کی کثرت ہمیں حاصل نہ ہوتی؟ یہ سب نعمتیں اللہ کی رضا و خوشنودی کی علامات ہیں جو ہمیں میسر ہیں اور جس سے تم محروم ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام اُن لوگوں سے فرماتے:-

”بیشک یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں بشرطیکہ اُن کو پانے والے اُس کا شکر بھی ادا کریں اور اُسکے آگے سر جھکائیں اور بلاشبہ یہ ہی سامانِ عیش و عشرت عذاب و لعنت کا ذریعہ بھی ہے جبکہ ان کو شیخی و غرور کے ساتھ برتا جائے۔ اس لئے یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ ہر سامانِ عیش اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا ثمرہ

ہوتا ہے ؛ بلکہ آزمائش کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے صراحت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کفر و شرک کرنے والوں کو بھی اس دُنیا میں سامانِ عیش دیا جاتا ہے لیکن آخرت کی زندگی تمام نعمتوں سے خالی رہتی ہے۔
(بقرہ آیت ۱۲۶)

(۴) **چند عبرتیں** | غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مقام حجر پر ہوا۔ اس سفر میں صحابہ کرام کی ایک جماعت نے ثمود کے ایک کنویں سے پانی بھرا اور آٹا گوندھ کر روٹی تیار کرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو پانی بہا دینے اور ہانڈیاں الٹ دینے اور آٹا جانوروں کو کھلا دینے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ بستی ہے جس پر اللہ کا عذاب آیا۔ یہاں نہ قیام کرو اور نہ یہاں کی اشیاء سے فائدہ اٹھاؤ۔ آگے چل کر پڑاؤ ڈالو ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ!

ایک اور روایت میں یہ بھی ارشاد منقول کیا گیا ہے کہ :-
اے لوگو! اگر تم اصحاب حجر کی بستیوں سے گزرو تو اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے عجز و زاری اور روتے ہوئے داخل ہو۔ ورنہ ان بستیوں میں داخل ہی نہ ہونا۔ اور جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں داخل ہوئے فرمایا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ سے نشانیاں طلب نہ کرو، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے نشان طلب کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی کھو سے پہاڑ جیسی اونٹنی پیدا کیا۔ وہ اپنی باری میں کھانی کر وہیں واپس چلی جاتی اور جو اُسکی باری کا دن نہ تھا اُس میں قوم ثمود کو اپنے دودھ سے سیراب کرتی تھی۔ مگر ثمود نے آخر سرکشی کی اور ناقۃ اللہ کی کوچیں کاٹ کر اسکو ہلاک کر دیا۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر چیخ کا عذاب مسلط کر دیا اور وہ اس عذاب سے گھروں کے اندر ہی مُردہ ہو گئے۔ صرف ایک شخص ابورغال نامی باقی بچا جو

حرم شریف (مکہ) گیا ہوا تھا لیکن جب وہ حد و حرم سے باہر آیا
 فوراً اُسی عذاب کا شکار ہو گیا۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۷ ص ۱۲۵)

(۵) ناپاک مُردوں سے خطاب

عذاب کے اختتام پر حضرت صالح
 علیہ السلام اپنے شہر واپس لوٹے
 تباہ حال بستی کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر اُن نعشوں کو جو بھری ہوئی حالت میں
 پڑی تھیں اس طرح خطاب کیا :-

اے قوم! بلاشبہ میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا
 اور تم کو نصیحت بھی کی لیکن تم تو نصیحت کرنے والوں کو پسند ہی نہیں
 کرتے تھے۔“ (اعراف آیت ۷۹)

حضرت صالح علیہ السلام کا یہ خطاب اُسی طرز کا تھا جس طرح بدر میں مشرکین مکہ کے
 سرداروں کی ہلاکت کے بعد مُردہ نعشوں کے گڑھے پر کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے خطاب فرمایا تھا :-

اے فلاں ابن فلاں کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول
 کی اطاعت پسند آئی؟ بلاشبہ ہم نے وہ سب کچھ پایا جو ہمارے
 رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ کیا تم نے بھی وہ پایا جو تمہارے رب
 نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ (بخاری)

اس قسم کا خطاب انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ کوئی عام
 حالت نہیں ہوتی کہ ہر شخص مُردوں سے اس طرح خطاب کر سکے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام
 کا خطاب مُردوں کو سنوا دیتا ہے اگرچہ وہ جواب دینے سے قاصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
 جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بدر میں مشرکین کی لاشوں کو اس طرح خطاب
 فرما چکے تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے تعجب سے پوچھا۔ یا رسول اللہ کیا یہ سُن رہے ہیں؟
 آپؐ نے فرمایا ہاں! تم سے زیادہ مگر جواب دینے سے عاجز ہیں۔

قرآن حکیم میں اسکی مزید صراحت موجود ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ

وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ
وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ
بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ

(الفاطر آیت ۱۷ تا ۲۳)

”اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے، نہ تاریکیاں اور روشنی
یکساں ہیں۔ نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی پیش ایک جیسی ہے۔
اور نہ زندے اور مردے مساوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے
سنواتا ہے۔ اور اے نبی تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں
مدفون ہیں۔ آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہو۔ (یعنی اللہ کی مشیت
کی بات ہی دوسری ہے وہ چاہے تو پتھروں کو سماعت بخش دے
اور اہل سماعت کو بہرہ کر دے، جمادات کو متحرک کر دے اور
حیوان کو بے حس و حرکت بنا دے)

(۶) معجزات کی حقیقت | ناقتہ اللہ حضرت صالح علیہ السلام کی

یہ اونٹنی بغیر کسی ظاہری اسباب کے وجود
میں آئی تھی اس لئے اس کو حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ قرار دیا گیا۔
معجزے کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر اہل علم حضرات نے بہت تفصیل کیساتھ
چھوٹے بڑے مضامین لکھے ہیں۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش ہے تاکہ معجزے کی حقیقت
معلوم ہو جائے۔ معجزہ عربی زبان میں عاجز کر دینے اور تھکا دینے والی چیز کو کہا
جاتا ہے۔ اسلامی بول چال میں ایسے عمل کا نام ہے جو بغیر کسی اسباب کے وجود
میں آجائے۔ چونکہ ایسی چیز اچانک اور بغیر کسی اسباب کے ظاہر ہوتی ہے تو
انسانی عقل اسے سمجھنے سے عاجز ہوتی ہے کہ یہ کیوں کر ظاہر ہو گئی اس لئے اس عمل
کو معجزہ (یعنی انسانی عقل و فہم کو تھکا دینے اور عاجز کر دینے والی بات) کہا گیا۔ یا یہ معنی
کہ اس جیسے عمل کو انسانی طاقت پیدا کر دینے سے عاجز و بے بس ہے۔ اس لئے انبیاء کرام
کے معجزات انسانوں کو یہ باور کرانے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ ”یہ عمل“ انسانی طاقت سے

باہر کسی ایسی ہستی کا ہے جسکی طاقت و قدرت سب پر غالب اور بالا تر ہے اور وہ اللہ علیم و قدیر کا دست قدرت ہے۔ اس لئے تمام اہل تحقیق اس پر متفق ہیں کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا عمل ہوتا ہے جو انبیاء و رسل کی صداقت اور دلیل کے طور پر ان کے مقدس ہاتھوں جاری کیا جاتا ہے۔ چونکہ ایسا عمل عام قانون فطرت کے بظاہر خلاف معلوم ہوتا ہے اسلئے یہ سوال قدرتاً پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا قانون قدرت میں تبدیلی ممکن ہے؟ جبکہ قرآن حکیم نے نہایت تاکید کے ساتھ کئی مقامات پر یہ صراحت کی ہے کہ اللہ کی سنت (قانون) کو بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور اُسمیں تبدیلی ممکن ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ معجزے کی یہ تعریف کرنا کہ وہ قانون فطرت یا قانون عادت کے خلاف ہوتا ہے غلط قسم کی تعبیر ہے۔

در اصل اللہ تعالیٰ کے قوانین دو قسم کے ہیں :- عادت عام، عادت خاص۔ عادت عام سے اللہ تعالیٰ کے وہ قوانین مراد ہوتے ہیں جو سلسلہ اسباب میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مثلاً: آگ جلاتی ہے، پانی خشکی و ٹھنڈک پہنچاتا ہے، زہر ہلاک کرتا ہے اور شہد شفا بخشتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان چیزوں کے درمیان جو رشتہ ہے وہ اپنا اثر کر دکھاتا ہے۔ آگ مجبور ہے کہ جو اُسمیں آگرے گا اُسکو جلائے۔ ایسی چیزوں کو قانون قدرت کی عادت عامہ کہا جائے گا۔

دوسری قسم قانون قدرت کی ”عادت خاص“ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ سبب اور مسبب میں تعلق و رشتہ پیدا کرنے والے خالق نے کسی خاص مقصد کے لئے اس درمیانی رشتے کو الگ و جدا کر دیا ہو یا دوسرے الفاظ میں بغیر سبب کے مسبب کو پیدا کر دیا ہو جیسا کہ جلنے کے اسباب موجود ہوں اور کوئی جسم نہ جلے، یا دو چار انسانوں کے قابل خوراک سے سٹو و سٹو انسان شکم سیر ہو جائیں اور پھر اپنی اصل مقدار باقی رہ جائے۔ یہ دونوں باتیں چونکہ عام نگاہوں میں قانون قدرت کے خلاف ہیں اس لئے جب یہ یا اس طرح کی کوئی اور شئی رونما ہو جاتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ”یہ قانون قدرت“ یا ”سنت اللہ“ کے خلاف ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی چیزیں پہلی قسم یعنی ”عادت عام“

کے خلاف تو ہیں لیکن دوسری قسم عادت خاص کے خلاف نہیں۔ اور ایسی خلاف عادت چیزیں قانون قدرت ہی کی ایک کڑی ہوتی ہیں جو عام حالات سے الگ کسی خاص مقصد کو پورا کرنے کے لئے ظاہر کی جاتی ہیں۔ اب اگر آگ ہو اور کسی جسم کو نہ جلانے یا زہر کھالیا جائے اور ہلاکت نہ ہو تو یہ کہا جائے گا کہ یہ چیزیں عادت عام کے خلاف تو ہیں لیکن اللہ کی عادت خاص کے خلاف نہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے نبی و رسول کی صداقت کی تصدیق فرماتا ہے اور شک کرنے یا جھٹلانے والوں کو یہ باور کروایا جاتا ہے کہ اگر یہ مدعی رسالت اپنے دعوے میں سچا نہ ہوتا تو خدا کی یہ زبردست تائید کبھی بھی اُسکے ساتھ نہ ہوتی۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا فیصل جو اسکی عادت خاص کی شکل میں نبی کے ہاتھ ظاہر ہوا ہے معجزہ کہلاتا ہے اور نبی کی صداقت پر دلیل قرار پاتا ہے۔

معجزہ نبوت و رسالت کا ثبوت فراہم کرتا ہے علامت یا معیار نہیں ہوتا، یعنی اگر کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ جاری نہ ہوا تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ یہ نبی و رسول نہیں ہیں۔ حقیقت میں نبی کی خود اپنی ذات اپنے بے شمار کمالات و فضائل کی بنا پر ایک چلتا پھرتا معجزہ ہوتا ہے۔

پچھلی امتوں میں ایسے اندیاز بھی گزرے ہیں جنکے ہاتھوں کوئی بھی معجزہ ظاہر نہیں ہوا لیکن وہ اللہ کے فرستادہ نبی و رسول تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر نبی اور رسول معجزہ نہ دکھلائے تو نبی کی صداقت میں کوئی کمی نہیں ہوگی لیکن اگر منکرین کے مطالبہ پر یا از خود رسول معجزہ کا اظہار کرے تو یقیناً معجزہ نبوت کی دلیل اور ثبوت قرار پائے گا اور اُسکا انکار صداقت کا انکار ہوگا جو خالص کفر کی قسم ہے۔

البتہ یہ حقیقت سمجھی فراموش نہ ہونی چاہیے کہ کسی شخص سے صرف اس قسم کے خارق عادت کوئی عمل صادر ہونے کا نام معجزہ نہیں ہے اور محض اس عمل کے بروئے کار لانے سے وہ نبی یا رسول نہیں ہو سکتا اس لئے کہ نبی اور رسول کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اُسکی تمام زندگی اس طرح آزمائش و امتحان کی کسوٹی پر اتر چکی ہو کہ اُسکا کوئی شعبہ زندگی ناقص اور قابل اعتراض نہ ہو بلکہ اُسکی تمام زندگی

میں اخلاق کی بلندی، گناہوں سے معصومیت، صداقت گفتار و کردار اور پاکیزہ تعلیمات اپنے درجہ کمال کو پہنچے ہوئے ہوں اسکے بعد علمی و عقلی دلائل و براہین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی آیات (معجزے) بھی پیش کرتا ہوں تو بلاشبہ وہ نبی ہے۔ لیکن یہ ساری تفصیلات صرف اور صرف معجزے کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تحریر کی گئیں ہیں ورنہ ختم نبوت کے بعد نہ اسکی ضرورت ہے اور نہ کسی کو اس کوئی پر جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے۔ اب قیامت تک یہ سلسلہ بند ہو گیا ہو۔ البتہ اگر اس قسم کے یا اس جیسے امور کسی نیک و صالح اور متقی انسان سے سرزد ہو جائیں تو وہ کرامت کہلائیں گے۔ اور اگر یہ امور کسی بے دین، بے عمل و اہی تباہی انسان سے جاری ہوں تو انکو ”استدراج“ سحر، شعبدہ، وغیرہ کہا جائیگا جس میں مخفی ذرائع کار فرما ہوتے ہیں۔

الغرض معجزہ دراصل نبی کا اپنا عمل نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو نبی کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ نبی و رسول بھی ایک انسان اور بشر ہوتا ہے اور کسی انسان کی قدرت میں یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین عام و خاص میں دخل اندازی یا تغیر کر سکے۔ لہذا معجزہ صرف اللہ عزوجل کا فعل ہوتا ہے جو نبیوں کے ہاتھوں جاری کیا جاتا ہے۔ غزوہ بدر میں جبکہ تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابلے میں ساز و ساما سے مسلح ایک ہزار دشمنوں کا لشکر یلغار کرنے آیا تھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اُن کی طرف ایک مُشتِ خاک پھینک دی جسکی وجہ سے دشمن کے ہر فرد کی آنکھ میں خاک کے ریزے پہنچے اور وہ بیچین ہو کر آنکھیں ملنے لگا۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کا معجزانہ انداز میں تذکرہ کیا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ.

(انفال آیت ۱۷)

”اے نبی جب تم نے مٹی بھر خاک پھینکی مٹی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی مٹی“

معجزے کی اصل حقیقت کے لئے قرآن حکیم کی یہ آیت بہت کافی ہے۔

ایک مُشتِ خاک کو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے پھینکا تھا

جو انسانی حد طاقت کے لحاظ سے سو دو سو گز کے احاطے میں پھیل سکتے ہیں لیکن اسکا یہ حیرت انگیز اثر کہ دشمن کے محاذ کی دُور سی اور اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود ان سب کی آنکھوں میں پہنچ جانا ایک انسانی ہاتھ کے لئے ناممکن ہے۔ یہ درحقیقت اللہ کا فعل تھا کہ اُس کے دست قدرت نے ان تمام دشواریوں کو یکلخت ختم کر کے منکریوں کو دشمنوں کی صفوں کے اندر پہنچا دیا۔ اور دشمنوں نے اس ”خدائی خاکی طوفان“ سے بچنے کے لئے منہ پھیر دیا اور شکست کھا بیٹھے۔

کرامت کی بحث تذکرہ ”سیدہ مریم“ میں آئیگی۔ واللہ اعلم وعلیہ التہم۔

(۷) آثارِ عبرت | قومِ ثمود کا مکس شمالی مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو آج بھی

”الحجر“ کے نام سے موسوم ہے۔ موجودہ زمانے میں مدینہ و تبوک کے درمیان ایک بستی ہے جسے آج مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانے میں اسکو حجر کہا جاتا تھا۔ اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ کے رقبے میں وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جنکو ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں میں تراش تراش کر بنایا تھا اور اب اس شہرِ خموشاں کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی زمانے میں اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں حجاز کے تجارتی قافلے ان آثار کے درمیان سے گزرا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے موقع پر جب ادھر سے گزر رہے تھے تو آپ نے اپنے اصحاب کو یہ آثارِ عبرت دکھائی اور وہ سبق دیا جو آثارِ قدیمہ سے ہر صاحب بصیرت انسان کو حاصل کرنا چاہیے۔ ایک جگہ آپ نے ایک کنویں کی نشان دہی فرمائی کہ یہ وہی کنواں ہے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ صحابہ کو ہدایت کی کہ صرف اسی کنویں کا پانی لینا باقی کنوؤں کا پانی نہ پینا۔

ایک پہاڑی کے درے کو دکھا کر فرمایا کہ اسی درے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی۔ چنانچہ وہ مقام آج بھی ”فج الثاقہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کھنڈروں میں جو لوگ سیر کرتے پھر رہے تھے ان کو آپ نے جمع کیا اور ان کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں ثمود کے انجام پر عبرت دلانی اور فرمایا کہ یہ اُس قوم کا علاقہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ

کا عذاب نازل ہوا تھا، لہذا یہاں سے جلدی گزر جاؤ۔ یہ سیرگاہ نہیں بلکہ رونے کا مقام ہے۔ الحجر کے گرد و پیش بڑی نحوست پائی جاتی ہے۔ آبادی برائے نام اور روئیدگی بہت ہی کم ہے۔ یہاں چند کنویں ہیں انہی میں سے ایک کنویں کے بارے میں مقامی آبادی میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اس کنویں سے پانی پیا کرتی تھی۔

اس علاقے کے اطراف میں ہر طرف ایسے پہاڑ نظر آتے ہیں جو بالکل شاخ شاخ ہو گئے ہیں صاف محسوس ہوتا ہے کہ کسی سخت ہولناک زلزلے نے انھیں سطح زمین سے چوٹی تک جھنجھوڑ کر قاش قاش کر رکھا ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ مشرق میں خیبر جاتے ہوئے تقریباً (۵۰) میل تک اور شمال کی طرف ریاست اردن کے حدود میں (۲۰-۳۰) میل اندر تک چلا جاتا ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ کوئی تین چار سو میل لمبا اور (۱۰۰) میل چوڑا ایک علاقہ تھا جسے ایک عظیم زلزلے نے ہلا کر رکھ دیا۔

اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

(۸) ایک مُشرک کا نہ نظریہ | حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ

کی یکتائی اور فرمانروائی کی تبلیغ میں اس طرح خطاب

فرمایا: ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اسکے سوا تمہارا کوئی بھی الٰہ

نہیں ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور یہاں تم کو

بسایا، لہذا تم اس سے مغفرت چاہو اور اُسی کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً

میرا رب قریب ہے اور دُعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔“

(ہود آیت ۷۱)

قوم کے مشرکوں کو حضرت صالح علیہ السلام یہ تلقین کرتے ہیں کہ جب تم خود اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ تمہارا خالق صرف اللہ ہی ہے اس میں اُس کا کوئی شریک و دخل نہیں تو پھر اللہ کے سوا اور کس کی خدائی ہو سکتی ہے؟ اور کسی دوسرے کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ تم اُس کی بندگی کرو؟ یہ قوم اپنی مشکلات و حاجات میں اُن مشہور بتوں کو پکارا کرتی تھی جو قوم نوح میں رائج تھے اور ان کو وہ وسیلہ و ذریعہ سمجھا کرتے تھے۔

یہ ایک عام غلط فہمی ہے جس نے ہر زمانے میں انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنے راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں جو رعیت سے دور اپنے محلات میں بیٹھ کر حکومت کرتے ہیں جن کے دربار تک عام رعایا میں سے کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جن کے حضور میں کوئی درخواست پہنچانی ہو تو مقربینِ بارگاہ میں سے کسی کا دامن تھامنا پڑتا ہے اور پھر اگر خوش نصیبی سے کسی کی درخواست اُن کے آستانے پر پہنچ جاتی ہے تو ان کا پندار خدائی یہ گوارا نہیں کرتا کہ خود اس درخواست گزار کو جواب دیں بلکہ جواب دینے کا کام مقربین میں سے کسی کے سپرد ہوتا ہے۔

قریب قریب یہ ہی طرز عمل مشرکوں نے اللہ واحد کے لئے اختیار کر لیا ہے اور لوگوں کو ایسا سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے کہ خداوند عالم کا آستانہ قدس عام انسانوں کی دسترس سے دور بہت دور ہے۔ اس کے دربارِ عظیم تک بھلا کسی عام آدمی کی پہنچ کیسے ہو سکتی ہے؟ وہاں تک دُعاؤں کا پہنچنا اور پھر اُس کا جواب ملنا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پاک رُوحوں کا وسیلہ نہ ڈھونڈا جائے اور اُن مذہبی منصب داروں کی خدمات حاصل نہ کی جائیں جو اوپر تک نذریں نیازیں پہنچانے کے طور و طریقے جانتے ہیں۔ یہی وہ سخت غلطی ہے جس نے بندے اور اللہ واحد کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشیوں کا ایک جم غفیر کھڑا کر دیا اور جسکی عملی صورت میں مہنت گری، آستانگی، مجاور گری، سجادہ نشینی کے مناصب قائم ہوتے چلے گئے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جاہلیت کے اس قدیم فلسفے کو صرف دو لفظوں سے رد کر دیا ہے :-

ایک یہ کہ اللہ قریب ہے دوسرے یہ کہ وہ مجیب ہے۔ یعنی تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ وہ تم سے دور ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ تم براہِ راست اسکو پکار کر اپنی دُعاؤں کا جواب حاصل نہیں کر سکتے، وہ اگرچہ بہت بلند و برتر ہے مگر اس کے باوجود وہ تم سے بہت قریب ہے۔ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے پاس ہی اسکو پاسکتا ہے۔ اس سے سرگوشی کر سکتا ہے۔ خلوت و جلوت میں اپنی اعضاں خود

اسکے حضور پیش کر سکتا ہے اور پھر وہ براہ راست اپنے ہر بندے کی دعاؤں کا جواب بھی خود دیتا ہے۔

پس جب سلطان کائنات کا دربار عام ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلا ہے اور وہ ہر شخص کے قریب ہی موجود ہے تو تم کس حماقت میں پڑے ہو کہ اسکے لئے وسیلے واسطے ڈھونڈتے پھرتے ہو؟

سورہ بقرہ آیت ۱۸۶ میں اس حقیقت کو مزید وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:-

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۚ

اور اے نبی میرے بندے تم سے اگر میرے متعلق پوچھیں تو

انہیں بتادو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے

پکارتا ہے میں اُسکی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ لہذا انہیں

چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں، یہ بات

انہیں سُناد و شاید کہ وہ راہِ راست پالیں؟

یعنی اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو، لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دُور ہوں۔ نہیں! میں اپنے بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض معروض کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اُسے بھی سُن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے جان اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے قاضی الحاجات اور دستگیر، فریادرس قرار دے رکھا ہے اُن کے پاس تو تم کو دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ وہ تمہاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ اُن میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائنات بے کراں کا فرماں روا اُسے مطلق ہوں، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک ہوں، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے وسیلے اور سفارش کے براہ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ بے طاقت و بے اختیار ہستیوں کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میری دعوت پر لبیک کہو اور میرا دامن

پکڑ لو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی کرو، اطاعت میں آ جاؤ۔

(۹) جاہلیت اور اسلام
کا
طرز استدلال

حضرت صالح علیہ السلام کی پے درپے مسلسل دعوت و نصیحت پر قوم نے حیرت و استعجاب سے یوں خطاب کیا :-

”اے صالح اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں، کیا تو ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟“ (ہود آیت ۶۲)

یہ گویا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ معبود کیوں عبادت کے مستحق ہیں؟ اور ان کی پوجا کس لئے ہوتی رہنی چاہیے؟ یہاں جاہلیت اور اسلام کے طرز استدلال کا فرق بالکل واضح طور پر نظر آتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس پر یہ دلیل دی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا اور زمین میں آباد کیا ہے۔

اسکے جواب میں انکی مشرک قوم کہتی ہے کہ ہمارے یہ معبود بھی مستحق عبادت ہیں اور ان کی عبادت ترک نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ہمارے باپ دادا کے زمانے سے ان کی عبادت ہوتی چلی آئی ہے۔ یعنی مکھی پر مکھی صرف اس لئے ماری جاتی رہنی چاہیے کہ ابتداء میں کسی بیوقوف نے اس جگہ مکھی ماری تھی اور اب اس مقام پر مکھی مارتے رہنے کے لئے اسکے سوا کسی معقول وجہ کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہاں بدلتوں سے مکھی ماری جا رہی ہے۔

سبحان اللہ! اس آیت میں اسلام اور جاہلیت کا طرز استدلال اور زاویہ نظر واضح اور عیاں ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرْزُقْنَا اِيْتَابًا۔

(۱۰) نبی کی قوت اعتماد
قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے انکی صداقت پر دلیل طلب کی تھی اس پر معاً پہاڑ کے اندر سے

ایک زبردست اونٹنی برآمد ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو خبردار کیا:-

”یہ اونٹنی ہے قومی کنویں سے ایک دن اسکے پینے کا رہے گا اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا۔ اسکو بُرائی سے ہرگز نہ چھیڑنا اور ایک بہت بڑا عذاب تم کو گھیر لے گا۔ (شعرا آیت ۱۵۶)

”یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی کے طور پر ہے چھوڑ دو اسے اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، ہرگز اسکو بُرے ارادے سے نہ چھوٹا۔ (ہود آیت ۶۴)

یہ چیلنج بجائے خود نہایت سخت تھا لیکن عرب کے مخصوص حالات میں تو کسی قوم کیلئے اس سے بڑھکر کوئی دوسرا چیلنج ہونہیں سکتا تھا۔ وہاں تو پانی کے ہی مسئلہ پر خون خرابے ہو جاتے تھے۔ قبیلہ قبیلے سے لڑ جاتا تھا اور جان جو کھوں کی بازی لگا کر کسی کنویں یا چشمے سے پانی لینے کا حق حاصل کیا جاتا تھا۔ اس سر زمین پر کسی کا اٹھ کر یہ کہہ دینا کہ ایک دن میری اونٹنی تنہا پانی پئے گی اور باقی ساری قوم کے آدمی اور جانور دوسرے ہی دن پانی لے سکیں گے یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ شخص اکیلا پوری قوم کو ایک زبردست چیلنج دے رہا ہے۔ ایک زبردست لشکر کے بغیر آدمی عرب میں یہ بات زبان سے نہ نکال سکتا تھا۔ اور کوئی قوم یہ بات اُس وقت تک نہ سن سکتی تھی جب تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے یہ نہ دیکھ لے کہ چیلنج دینے والے کی پشت پر اتنے شمشیر زن اور تیر انداز موجود ہیں جو مقابلے پر اٹھنے والوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔

لیکن حضرت صالح علیہ السلام نے بغیر کسی لاؤشکر اور بغیر کسی نفیسی طاقت تنہا اٹھ کر یہ چیلنج اپنی قوم کو دے دیا اور قوم نے نہ صرف یہ کہ اُسکو کان لگا کر سنا بلکہ بہت دنوں تک ڈر کے مارے وہ اسکی تعمیل بھی کرتی رہی۔

انبیاء کرام کا یہ عزم و حوصلہ دراصل اُسی قوتِ اعتماد کا نتیجہ ہے جو اُن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر پیدا ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر وہ اللہ تعالیٰ کا امر پا کر اسباب ظاہری سے بے نیاز ہو کر وہ سب کچھ کر جاتے ہیں جسکا اُنہیں حکم ہوتا ہے۔

(۱۱) بگڑے تمدن کی علامت | جس طرح قوم عاد کے تمدن کی نمایاں ترین

خصوصیت یہ تھی کہ وہ اونچے اونچے ستونوں والی عمارتیں بناتے تھے۔ اسی طرح قوم ثمود کے تمدن کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت جسکی بنا پر وہ عادتاً ثانیہ کے نام سے موسوم ہوئے یہ تھی کہ وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر عمارتیں بناتے تھے۔ چنانچہ سورہ فجر میں جس طرح عاد کو ذات العمداء (ستونوں والے) کا لقب دیا گیا ہے اسی طرح ثمود کا ذکر اس حوالے سے کیا گیا ہے۔

الَّذِينَ جَاءُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ الْاَيْتِ

وہ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اپنے ہاں میدانی علاقوں میں بھی بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے تھے۔

تَتَّخِذُونَ مِنْ سُوءِ لَهَا قَصُورًا۔ (اعراف آیت ۷۴)

اور ان تعمیرات کی غرض و غایت کیا تھی؟ قرآن حکیم اس پر لفظ فِرْهِيْن سے روشنی ڈالتا ہے۔ معنی یہ سب کچھ اپنی بڑائی اپنی دولت و قوت اور اپنے کمالات فن کی نمائش کے لئے تھا۔ کوئی حقیقی ضرورت ان کے لئے داعی نہ تھی۔

ایک بگڑے ہوئے تمدن کی شان یہی ہوتی ہے۔ ایک طرف معاشرے میں غریب لوگ سر چھپانے کے لئے بھی کوئی ڈھنگ کی جگہ نہیں پاتے دوسری طرف امراء اور اہل ثروت رہنے کے لئے جب ضرورت سے زیادہ محل بنا چکے ہیں تو بلا ضرورت نمائشی یا دگاریں تعمیر کرنے لگتے ہیں۔

اِنَّا يَلَدْنَا وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ۔

(۱۲) **قانونِ مکافات** | قوم ثمود کی ہلاکت کے بعد ان کے شہروں کی قسمت

کا نقشہ قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے:-

”اب دیکھ لو ان کی چال کا انجام کیا ہو؟ ہم نے تباہ کر کے

رکھ دیا ان کو اور ان کی پوری قوم کو۔ پس ان کے گھر خالی ویران

پڑے ہیں اس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے۔ اس میں ایک

نشان عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ اور بچا لیا ہم نے

اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے۔

(النمل آیت ۵ تا ۵۳)

موجودہ زمانے میں بعض ناواقف لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ یہ اعطاف باتیں ہیں کہ فلاں شہر یا فلاں علاقہ فسق و فجور سے مہر گیا تھا اس لئے اُس پر سیلاب آگیا یا زلزلے نے اسکی بستیاں اُلٹ دیں یا کسی بلائے ناگہانی نے اسے تِل پٹ کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جو لوگ علم و بصیرت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مشرکین کے معبودوں کی طرح کوئی اندھا بہرا خدا اس کائنات پر حکومت نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک حکیم و دانا صاحب اقتدار ہستی یہاں قسمتوں کے فیصلے کر رہی ہے۔ اس کے ہاں قوموں کو نگرانے اور اُٹھانے کے فیصلے اندھا دُھند نہیں کئے جاتے بلکہ حکمت اور عدل کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ اور ایک قانون مکافات بھی اس کی کتاب آئین میں شامل ہے جس کی رو سے اخلاقی بنیادوں پر اس دُنیا میں بھی ظالم کیفر کردار کو پہنچائے جاتے ہیں۔

ان حقیقتوں سے جو لوگ باخبر ہیں وہ قومِ ثمود کے زلزلے کو اسبابِ طبعی کا نتیجہ کہہ کر نہیں ٹال سکتے وہ اسے اپنے حق میں تنبیہ کا کوڑا سمجھیں گے اور عبرت حاصل کریں گے۔ وہ اُن اسباب کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جن کی بناء پر خالق نے اپنی پیدا کی ہوئی ایک پھلتی پھولتی قوم کو غارت کر کے رکھ دیا۔ وہ اپنے طرزِ عمل کو اُس راہ سے ہٹا لیں گے جو اُس کا غضب لانے والا ہے اور اُس راہ پر ڈالیں گے جو اُس کی رحمت سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا وَسِدِّدْنَا۔

(۱۳) اطاعت گُزیری کے اسباب | قومِ ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام

کی پیروی سے انکار کرنا تین وجوہ

سے تھا: ۱۔ یہ کہ وہ بشر ہیں انسانیت سے بالاتر نہیں کہ ہم اُنکی بڑائی مان لیں۔
۲۔ یہ کہ وہ ہماری اپنی ہی قوم کے ایک فرد ہیں ہم پر ان کی فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔

۳۔ یہ کہ وہ اکیلے ہیں کوئی بڑے سروار نہیں جس کے ساتھ کوئی بڑا جتھا ہو والاؤ شکر ہو۔

یہ تینوں اسباب خود قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں جسکی تفصیل گزشتہ اوراق میں آچکی ہے۔ یہ ہی وہ جہالت تھی جس میں کفار مکہ مبتلا تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ماننے سے ان کا انکار بھی اسی بنیاد پر تھا کہ:-

”آپ بشر ہیں۔ عام آدمیوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ کل ہمارے ہی درمیان پیدا ہوئے اور آج یہ دعویٰ کر رہے ہیں

کہ مجھ کو اللہ نے نبی و رسول بنایا ہے۔ (الفرقان آیت ۷)

یہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ نبی یا تو کوئی فوق البشر ہستی ہو، یا اگر وہ انسان ہی ہو تو ہمارے ملک یا قوم میں پیدا نہ ہوا ہو بلکہ اوپر سے اتر کر آئے یا باہر سے بھیجا جائے، اور اگر یہ بھی نہیں تو کم از کم اُسے کوئی رئیس ہونا چاہیے جسکی غیر معمولی شان و شوکت کی وجہ سے یہ مان لیا جائے کہ رہنمائی کے لئے اللہ کی نظر انتخاب اس پر پڑی ہے۔ اسی جاہلانہ نظرو فکر سے تقریباً ہر نبی کو سابقہ پڑا ہے۔ تذکرہ سیدنا نوح علیہ السلام

میں اس پر تفصیل کے ساتھ بحث آچکی ہے۔

(۱۴) ہر اقتدار سے بالاتر | ثمود کے لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام

کی نبوت کو جھٹلادیا جو ان کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور اس جھٹلانے کی وجہ ان کی سرکشی تھی کہ وہ اُس فجور کے چھوڑنے کو تیار نہ تھے جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے اور اُس تقویٰ کو قبول کرنا گوارا نہ تھا جسکی طرف حضرت صالح علیہ السلام انھیں دعوت دے رہے تھے۔ آخر کار قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو چیلنج دے دیا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ) پیش کرو؛ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے ایک اونٹنی کو معجزے کے طور پر پیش کر دیا اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی کہ خبردار اس کو بُرائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ سخت ترین عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ اس وارننگ پر وہ لوگ کچھ مدت تک ڈرتے رہے پھر اپنے سب سے زیادہ شریر و سرکش سردار کو پکارا کہ اس اونٹنی کا قصہ تمام کر دے۔ وہ اس کام کا ذمہ لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو خبردار کر دیا کہ بس اب صرف تین دن اپنے گھروں میں اور مزرے گرلو اسکے بعد وہ عذاب آجائیگا

جو ساری بستیوں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دے گا۔ آخر کار اس گناہ کی پاداش میں اُن کے رب نے اُن پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوندِ خاک کر دیا۔ اور اللہ کو اپنے اس فعل کے کسی بھی نتیجے کا کوئی خوف نہیں ہے۔“

(الشس آیت ۱۵۱۔ ۱۵۲)

یعنی اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں اور یہاں کی حکومتوں کے فرمانرواؤں کی طرح نہیں کہ وہ کسی قوم کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے کے وقت یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس اقدام کے کیا نتائج ہوتے ہیں یا کیا کیا ہو سکیں گے؟

لیکن اللہ تعالیٰ کا اقتدار ہر اقتدار سے بالاتر ہے اُسکو اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ تھوڑی تباہی و بربادی پر کسی مافوق قوت و طاقت کا اندیشہ ہو کہ وہ اُسکی مدد اور مدافعت کے لئے ظاہر ہوگی۔ قصہ کا اختتام اس آیت پر کس قدر بلیغ تر ہے۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا۔ (سورہ الشس آیت ۱۵۱)

”اور اللہ کو (اپنے اس فعل کے) کسی بھی نتیجے کا کوئی

خوف نہیں۔“

تذکرہ خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور—نمرود

سلسلہ نسب | تورات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ
اس طرح مذکور ہے: ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن سروج
بن رعو بن فالج بن عامر بن شالح بن ارفکشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

یہ تصریح تورات کے علاوہ کتب تاریخ کے بھی مطابق ہے۔
قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر بتایا ہے اور تاریخی کتب
میں تارخ لکھا گیا ہے۔ اہل علم نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ دونوں نام ایک ہی شخص
کے ہیں۔ تارخ اسمی نام ہے اور آزر وصفی نام۔

آزر عبرانی زبان میں محبوب صنم کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ تارخ میں بت تراشی اور
بت پرستی دونوں وصف موجود تھے اس لئے اُسکو آزر کہا گیا۔ قرآن حکیم نے اُس کے
وصفی نام ہی کو بیان کیا ہے۔

مشہور امام تفسیر مجاہد المتوفی ۳۰۸ھ نے لکھا ہے کہ آزر دراصل اُس بت
کا نام تھا جس کا وہ پجاری رہا ہے۔ اس نسبت سے اُس کا نام بھی آزر پڑ گیا۔ قدیم زمانے
میں بت پرست لوگ اپنے بچوں کے نام بتوں کے نام پر رکھ دیا کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

تعارف | سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ابوالانبیاء
(نبیوں کے باپ) کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی سیدنا
ابراہیم علیہ السلام کو ملت اسلام کے باپ اور اسلام کو ”ملت ابراہیم“ قرار
دیا ہے۔ روایت بخاری میں بھی اس قسم کی تصریح ملتی ہے۔ صحابہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم سے قربانی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔
مَا هَذِهِ الْأَضَاحِيُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔

یہ قربانی کیا چیز ہے ؟

آپ نے ارشاد فرمایا :-

سُنْتُ أَبِيكَمُ اِبْرَاهِيْمَ (علیہ السلام)

تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے !

قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعارف اس طرح کروایا ہے :-

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِہِمْ اِجْتَبَا وَّهَدٰیہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ وَاَتٰیہُ فِی الدُّنْيَا حَسَنًا وَّ اِنَّا فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ ثُمَّ اَوْحٰیۤ اِلَیْكَ اِنْ اَتٰیْعَ مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

(النحل آیات ۱۲۳ تا ۱۲۵)

”واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات میں ایک پوری اُمت

(کی حیثیت) رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک رُخ
تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر
ادا کرنے والے تھے۔ اللہ نے انہیں منتخب کر لیا تھا۔ اور انہیں

سیدھا راستہ دکھایا تھا۔ اور دُنیا میں اُن کو بھلائی دی اور آخرت میں
وہ یقیناً صالحین میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تمہاری طرف (اے نبی) وحی
بھیجی کہ کیسو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا :-

مَا كَانَ اِبْرٰہِیْمُ يَہُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ

كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ۔

(آل عمران آیت ۶۷)

”ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ البتہ وہ ایک خدا
کی طرف جھکنے والے مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔“

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے :-

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّا كَانَ صِدِّيقًا
نَبِيًّا۔ (الایہ در مریم آیت ۵۴)

”اور اے نبی اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو بیشک وہ
مجسم سچائی اللہ کے نبی تھے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدًا مِن قَبْلُ وَكُنَّا
بِهِ عَلِيمِينَ۔ (الایہ در انبیاء آیت ۵۸)

”اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو رشد و ہدایت شروع ہی
سے بخشی تھی اور ہم ہی اُسکو جاننے والے ہیں۔“

تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف اس طرح آیا ہے :-
”حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے قصبہ ادر کے باشندے
اور اہل فدان میں سے تھے۔ اُن کی قوم بُت پرست تھی اور انجیل
میں تصریح ہے کہ اُن کے والد نجاری کا پیشہ کرتے تھے اور اپنی قوم
کے مختلف قبائل کے لئے لکڑی کے بُت بناتے اور فروخت کرتے
تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شروع ہی سے
حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی اور وہ یقین رکھتے
تھے کہ بُت نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب
دے سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کا اُن سے کوئی واسطہ۔“

سیدنا ابراہیم علیہ السلام
قرآن حکیم

چونکہ ملت ابراہیمی کا پیغام قرآن حکیم
کی رشد و ہدایت کا پیغام ہے۔ اس لئے
قرآن حکیم میں جگہ جگہ سیدنا ابراہیم
علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ قرآن حکیم

کی پچیس سورتوں میں تریسٹھ آیات کے ضمن میں یہ تذکرہ موجود ہے۔

۲۔ آل عمران — آیات — ۳۳، ۴۵، ۴۷، ۴۸، ۸۴، ۹۵، ۹۷،

۳. الانعام — آیات — ۴۴، ۴۵، ۸۳، ۱۶۱۔

۶. قسری - آیات - ۶۹، ۷۴، ۷۵، ۷۶.

ج. ابراہیم — آیت — ۲۵۔

١٢٠، ١٢٣ — النحل — آیات —

۹. آلانبياء—آيات—۵۱، ۴۰، ۴۲، ۴۹۔

١٠. الشعراء — آيت — ٤٩.

۱۱. الأحزاب — آیت — ۷۰

۱۱۱- فصل ۱۱- آیت - ۲۵-

۱۳۔ الزخرف — آیت — ۲۶۔

١٣. النجم — أت — ٣٤.

١٥- المتحنه - آيت - ٣-

١٤. يوسف — أنات — ٣٨، ٤.

٥٦. الْحَجَّجَاتُ — أَيْ — ٥٥.

۱۸. مَرِيَمُ — أَنْبَات — ۴۱، ۴۴، ۵۸.

١٩- آلحج - أمات - ٢٤، ٢٣، ٤٨-

ب. العنكبوت — آیات — ۱۶، ۳۱۔

٢١- الصافات - آیات — ٨٣، ٨٤، ٨٥.

٢٢- المشورى - آيت - ١٣-

۲۴ الذاریات — آیت — ۲۴

۲۴- الحمد لله - آیت - ۲۴-

۲۵۔ الاعلیٰ — آیت — ۱۹۔

مجموعہ (۲۵) سورتیں (۶۳) آیات۔

قوم ابراہیم | تاریخ عالم میں شاید یہ پہلی قوم ہوگی جس کا سرکاری مذہب
بُت پرستی تھا۔ بُت سازی اور بُت پرستی جس درجے اس قوم میں
پائی جاتی تھی اسکی مثال بھی دشوار ہوگی۔ ایسے گھناؤنے ماحول میں سیدنا ابراہیم
علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آنکھ کھولی تو صنم پرست ماحول کا دیکھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے
سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت
عطا فرمائی تھی اور وہ یقین رکھتے تھے کہ بُت نہ تو سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے
ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں۔ وہ صبح و شام اپنی آنکھوں سے
دیکھتے تھے کہ ان بے جان مورتیوں کو میرا باپ اپنے ہاتھوں سے بناتا اور گھڑتا
رہتا تھا اور شام کو اُسی بُت کے آگے سر جھکا تا ہے۔ یہ عجیب و غریب کیفیت
سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بے چین کر دیتی تھی، اُن کا دل و دماغ اس
حالت کو قبول کرنے کے لئے قطعاً آمادہ نہ ہوتا تھا۔ جو بُت اپنی ذات ہی میں دُسر و
کے محتاج ہوتے ہیں۔ بھلا وہ دوسروں کو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ عبادت
کے وہی لائق ہو سکتا ہے جو زمین و آسمانوں کا مالک و خالق ہو اور جو ساری مخلوقات
کی پرورش کرتا ہو۔

سورہ انبیاء کی آیات اسی عنوان سے متعلق ہیں :-

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُسُودًا مِن قَبْلُ الْاٰیَہ

(الانبیاء آیت ۵۶)

قرآنی مضمون | اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو اول ہی سے رشد و ہدایت

عطا کی تھی اور ہم اسکے جاننے والے تھے، جب اُسھوں
نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ مجھے کیا ہیں جن کو تم نے بیٹھے
ہو؟ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی پوجا کرتے پایا ہے!
ابراہیم نے کہا، بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں

ہیں۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے لئے کوئی (انکے علاوہ) حق بات لایا ہے یا یوں ہی مذاق کرنے والوں کی طرح کہتا ہے؟ ابراہیم نے کہا (یہ بُت تمہارے رب نہیں ہیں) بلکہ تمہارا پروردگار زمین و آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔“

باپ کو دعوتِ توحید

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ارد گرد جب یہ ماحول دیکھا کہ قوم پوری کی پوری بُت پرستی ستارہ پرستی اور مظاہر پرستی میں اس قدر منہمک ہے کہ اللہ واحد و برتر کی قدرت مطلقہ اور اُس کی برتری کا کوئی تصور بھی قوم کے قلوب میں باقی نہ رہا تو کمرِ ہمت چست کی اور ذاتِ واحد کے بھروسہ پر اُن کے سامنے توحید کا پیغام رکھ دینے اور اعلان کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

سب سے پہلے اپنے گھر پر نظر ڈالی۔ خود اُن کا اپنا گھر شرک کا سب سے بڑا مرکزِ منظر آیا۔ باپ آزر کی بُت سازی پوری قوم کے لئے مرجع و محور بنی ہوئی ہے۔ فطرت نے آواز دی کہ دعوتِ حق کی ابتدا اپنے گھر ہی سے ہونی چاہیئے۔ اس لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد آزر ہی کو مخاطب کیا اور فرمایا: ”اے باپ خدا پرستی کے لئے جو طریقہ آپ نے اختیار

کیا ہے اور جسکو آباؤ اجداد کا قدیم طریقہ کہا جاتا ہے۔ یہ صریح گمراہی اور باطل پرستی ہے۔ صراطِ مستقیم وہی ہے جسکی میں دعوت دے رہا ہوں۔ ان بے جان مورتیوں میں جنکی حیثیت کھلونوں سے کم نہیں عبادت و پرستش کے لائق کوئی بات نہیں نہ یہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ کسی کے کام آتے ہیں۔ بھلا ایسے بے جان و بے حرکت خدا یا شریکِ خدا کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ اے باپ مجھکو علم کی روشنی مل چکی ہے اس روشنی میں آپ چلکر دیکھئے آپکو حق باطل صاف نظر آئے گا۔ شیطان نے آپکی راہ ماری ہے اور آپکو غلط راہ پر گامزن

کر دیا ہے۔ مجھے سخت اندیشہ ہے کہ کہیں شیطان کی طرح آپ بھی خدا کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔“

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس مخلصانہ پسند و نصیحت کا باپ پر کوئی اثر نہ ہوا قبولِ حق کے بجائے آزر نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دھمکانا شروع کر دیا کہنے لگا ابراہیم اگر تو بتوں کی بُرائی سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا ہے اور ایک جانب اگر باپ کے احترام کا مسئلہ ہے تو دوسری جانب اداۓ فرض، اور امرِ الہی کا سوال تو انھوں نے سوچا اور آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کے شایانِ شان تھا۔ باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا بلکہ نرمی، حکمت اور اخلاقِ کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا۔

اُے باپ اگر میری بات کا یہ ہی جواب ہے تو آج میرا آخری سلام عرض ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے سچے دین اور اُسکے پیغام کو نہیں چھوڑ سکتا اور کسی حال بھی بتوں کی پرستش نہیں کر سکتا۔ میں آج تجھ سے جدا ہوتا ہوں، مگر غائبانہ آپ کے لئے درگاہِ الہی میں بخشش کی دُعا کرتا رہوں گا تاکہ آپ کو ہدایت نصیب ہو۔“

سورہ مریم میں اس گفتگو کو اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ كَانَ صِدِّيقًا

نَبِيًّا ۖ آتَيْنَاكَ عَلَمًا تَامِمًا ۖ

قرآنی مضمون اور اے نبی اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو یقیناً

وہ مجسمِ سچائی اللہ کے نبی تھے۔ اُس وقت کا ذکر کرو جب

انھوں نے اپنے باپ (آزر) سے کہا: ابا جان آپ کیوں ایسی چیز کی

پوجا کرتے ہو جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتی ہو

ابا جان علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو آپ کو نہیں مل سکتی ہے۔

لہذا آپ میرے پیچھے چلئے آپ کو سیدھی راہ دکھا دوں گا۔

ابا جان شیطان کی بندگی نہ کیجئے شیطان تو خداے رحمن کا نافرمان ہو چکا ہے۔

ابا جان میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ خداے رحمن کی طرف سے کوئی عذاب آپ کو گھیر لے اور شیطان آپ کا ساتھی ہو جائے۔
 باپ نے (یہ باتیں سن کر) کہا ابراہیم! کیا تو میرے معبود سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دوں گا اور اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو اپنی جان سلامت لے کر مجھ سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جا! ابراہیم نے کہا اچھا میرا سلام اب میں اپنے رب سے آپ کی بخشش کی دعا کرتا رہوں گا وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں نے تم سب کو چھوڑا اور انھیں بھی جنھیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو۔ میں اپنے رب کو پکارتا ہوں، امید کہ اپنے پروردگار کو پکار کر میں محروم ثابت نہ ہوں گا۔

قوم کو دعوتِ توحید | باپ اور بیٹے میں جب اتفاق کی صورت نہ بنی اور آزر نے کسی طرح بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے باپ آزر سے جدائی اختیار کر لی اور اپنی دعوتِ توحید اور پیغامِ رسالت کو مزید وسیع تر کر دیا۔ اب صرف باپ اور اہل خاندان ہی مخاطب نہ رہے بلکہ پوری قوم کو مخاطب بنا لیا مگر قوم اپنے باپ دادا کے طریقے کو کب چھوڑنے والی تھی اُس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک نہ سنی اور توحید کی اس دعوت کے سامنے اپنے باطل معبودوں کی طرح گونجے، اندھے، بہرے بن گئے۔ اُن کے کان موجود تھے مگر توحید کی آواز کے لئے بہرے تھے۔ آنکھوں میں بینائی ضرور تھی لیکن حق کی بصارت سے محروم، زبان میں گویائی کی طاقت تھی لیکن اقرارِ توحید کے لئے گنگ تھی۔ ایک موقع پر سورہ اعراف میں اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے:-

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ

لَا يَبْصُرُونَ بِهَا النَّجْمَ

”اُن کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں، اُن کی آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پر اُن سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں، یہی ہیں جو غفلت میں سرشار ہیں۔“ (الاعراف آیت ۷۹)

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے زور دے کر پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تم کو کسی بھی قسم کا منفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ ان باتوں کے جھگڑے میں ہم پڑنا نہیں چاہتے۔ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہی کرتے چلے آئے ہیں۔ لہذا ہم بھی وہی کریں گے۔ تب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز خطاب اختیار فرما کر سوال کیا اچھا تو میں تمہارے اُن سب بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں اور اُن سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکالیں؟ میں اپنے خالق و مالک پر اعتماد کر لیتا ہوں۔

یہ ایک ایسا چیلنج تھا جو قوم کو غور کرنے کے لئے کافی تھا۔ مگر آزر اور قوم نے طے کر لیا تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی کوئی بات سنی نہ جائیگی۔ اس طرح اُن کا انکار بڑھتا ہی رہا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت و موعظت کے اس مؤثر انداز کو سورہ شعراء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:-
وَاقُلْ عَلَيْهِمُ نَبَأُ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ۔ الخ (الشعراء آیات ۶۹ تا ۷۲)

قرآنی مضمون اور (اے نبی) سنا دیجئے اُن کو ابراہیم کی خبر جب کہا انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو؟ وہ بولے

ہم پوجتے ہیں مورتیوں کو پھر (سارے دن) انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کیا وہ سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو؟ یا کچھ

بھلا کرتے ہیں تمہارا یا کچھ بُرا؟ بولے نہیں، پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے تھے۔ ابراہیمؑ نے کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادا اگلے زمانے کے سو وہ سارے بُت میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین جس نے مجھ کو پیدا کیا سو وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے، اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو موت دے گا اور پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے مجھ کو اُمید ہے کہ میرے قصور کو معاف کر دے گا انصاف والے دن۔ اے میرے رب مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیکوں میں شامل کر دے۔ اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر، اور مجھ کو جنت منعم کے وارثوں میں شامل فرما اور میرے باپ کو معاف کر دے کہ بیشک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے اور مجھ کو اُس دن رُسوانہ فرما جبکہ لوگ سب زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے جبکہ نہ کوئی مال فائدہ دے گا نہ اولاد، بجز اسکے کہ کوئی شخص قلبِ تسلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو جائے۔ اُس روز جنت پر ہیز گاروں کے قریب لے آئی جائیگی۔ اور دوزخ پہلے ہوئے لوگوں کے سامنے کھول دی جائے گی۔ اور اُن سے پوچھا جائے گا اب کہاں ہیں وہ جنکی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کریں گے یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟

پھر وہ معبود اور یہ پہلے ہوئے لوگ اور ابلیس کے لشکر سب کے سب اُس جہنم میں اُدپر تلے دھکیل دیئے جائیں گے، وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ پہلے ہوئے لوگ اپنے معبودوں سے کہیں گے۔ اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہ ہی ہیں تھے جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔ اور وہ مجرم لوگ ہی تھے جنہوں نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگر می دوست۔

اے کاش! ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن ہوں۔“

ستارہ پرستی خدا پرستی

بت پرست قوموں کے عقیدوں میں کچھ ٹھہراؤ نہیں ہوتا وہ ہر اُس چیز سے خائف ہو جاتے ہیں جس کے ذریعہ نفع یا نقصان ہو جاتا ہو۔ یہ ہی وجہ ہے کہ بہت سی قوموں کے معبود جنگل کے درندے اور پانی کے جانور تک پائے جاتے ہیں۔ قوم ابراہیم میں جہاں بت پرستی تھی وہاں ستارہ پرستی بھی موجود تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسانوں کی موت و حیات، ان کا رزق، نفع و نقصان، خشک سالی، فتح و شکست، غرض کارخانہ عالم کا منظم و نسق ستاروں اور انکی حرکات کی تاثیر پر چل رہا ہے۔ اس لئے ان ستاروں کی خوشنودی ضروری ہے۔ اور یہ انکی پرستش کے بغیر ممکن نہیں۔

یہ خام خیالی اور باطل عقیدہ ایسا نہیں تھا کہ قوم اسکو اپنے دلوں سے نکال دے۔ وہ اپنے خود ساختہ بتوں سے خود اتنے خائف تھے کہ اُن کو بُرا کہنے والے کے لئے ہر اُن یہ تصور کرتے تھے کہ وہ اُن کے غضب میں آکر تباہ و برباد ہو جائے گا تو ایسے اوہام پرستوں کے دلوں میں بلند ستاروں کی پرستش کے خلاف جذبہ پیدا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس ستارہ پرستی کے خلاف بھی اپنی جدوجہد جاری رکھی اور قوم کے دماغوں کے مطابق ایک عجیب و دلچسپ پیرایہ بیان اختیار فرمایا۔ تاروں بھری رات میں ایک ستارہ خوب روشن تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :-

”یہ میرا رب ہے۔“

لیکن جب وہ اپنے مقررہ وقت پر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :-

”میں چھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

کچھ دیر کے بعد چاند آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوا دیکھ کر فرمایا :-

”یہ میرا رب ہے۔“

جب سحر کا وقت ہونے لگا تو چاند بھی ماند پڑنے لگا اور جس قدر طلوع آفتاب کا وقت قریب ہوتا گیا چاند کا جسم دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل ہونے لگا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک ایسا جملہ فرمایا جس سے چاند کے رب ہونے کی نفی کے ساتھ ساتھ اللہ واحد کی ہستی کی جانب قوم کی توجہ ہو جائے۔ فرمایا:-

”اگر میرا حقیقی پروردگار میری رہنمائی نہ کرتا تو میں بھی ضرور

گمراہ قوم ہی میں سے ایک ہوتا۔“

صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ تاروں بھری رات کا یہ قصہ ختم ہوا دن نکلا تو آفتاب عالم تاب ظاہر ہوا اور پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اُس پر ایک منظر ڈال کر فرمایا:-

”یہ ہے میرا رب اور یہ سب سے بڑا ہے۔“

پھر دن بھر چمکنے دکنے کے بعد سورج بھی روپوش ہونے لگا اور آہستہ آہستہ نظروں سے غائب ہو گیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برأت کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی اظہار کر دیا کہ طلوع و غروب ہونے والے بھلا اللہ کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

اے قوم میں ان مشرکانہ عقائد سے بری ہوں اور شرک کی زندگی سے بیزار، بلاشبہ میں نے اپنا رخ صرف اُسی ایک ذات کی جانب کر لیا ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ میں حنیف ہوں مشرک نہیں۔“

اس کا اعلان کرنا ہی تھا کہ قوم کا غیض و غضب سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اُبل پڑا، اب باضابطہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑنے لگے اور طرح طرح کی دھمکیاں دینے لگے اور اپنے معبودوں کے قہر و غضب سے ڈرانے لگے کہ عنقریب وہ تیری توہین کا تجھ سے ضرور انتقام لیں گے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بے خوفی کے ساتھ کہا کہ تم مجھے اپنے بتوں سے کیا ڈراتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے مجھے صحیح راہ دکھائی ہے۔ مجھے تمہارے بتوں کی کچھ پرواہ نہیں۔ تمہارے بت کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ میں خدائے واحد کا ماننے والا ہوں جس کے دست قدرت میں زمین

و آسمان کی طاقت ہے۔ وہی میرا رب ہے اُسی پر میرا اعتماد ہے۔
 اللہ تعالیٰ کی یہ وہ عظیم الشان حجت تھی جو اُس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام
 کی زبان سے بُت پرستی کے خلاف ہدایت و تبلیغ کے بعد ستارہ پرستی کے رد میں
 ظاہر فرمائی۔

سورۃ النعام کی آیات اس سلسلہ میں قابل غور ہیں :-
 وَلَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ لَا يُبَدِّلْ بَدْعًا مِنْ دِينِي أَلَمْ تَكُنْ مِنْ الْآخِلِينَ
 (النعام آیات ۷۴ تا ۷۵)

قرآنی مضمون اور ابراہیم کا واقعہ یاد کر جبکہ اُنھوں نے اپنے باپ
 آزر سے کہا، کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو؟ بیشک میں تو
 تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ ابراہیم کو ہم نے
 اسی طرح نظام سلطنت دکھائے تھے اور اس لئے دکھائے تھے
 تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ چنانچہ جب ایک
 رات اُن پر طاری ہوئی تو اُنھوں نے ایک تارہ دیکھا۔ کہا یہ میرا
 رب ہے! مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولے ڈوبنے والوں کا میں
 گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا
 رب! مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا کہ اگر میرے رب نے میری
 رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر
 جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے۔
 مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیم پکار اُٹھے، اے برادرانِ قوم! میں
 اُن سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھیراتے ہو
 میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین
 اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے
 نہیں ہوں۔
 اُن کی قوم اُن سے جھگڑنے لگی تو کہا کیا تم لوگ اللہ کے

معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، حالانکہ اُس نے مجھ کو سیدھی راہ دکھا دی ہے اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا۔ البتہ میرا رب جو کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔

اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جبکہ تم اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لئے اُس نے تم پر کوئی سزا نازل نہیں کی ہے، ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی و اطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو؟

حقیقت میں امن تو اُنہی کے لئے ہے اور راستی پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کیساتھ آلودہ نہیں کیا اور دیکھو یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم پر دی تھی، جسکے ہم مرتبے بلند کرنا چاہتے ہیں اسکو علم و دلیل کا بُرا ہان دیکر بلند کر دیتے ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار حکمت والا علم رکھنے والا ہے۔

بُتوں کی بے بسی | سیدنا ابراہیم علیہ السلام جنکو اللہ تعالیٰ نے اہتدار

ہی سے رشد و ہدایت کی راہ بتلا دی تھی۔ اپنے منصب کا بنیادی مقصد ”توحید خالص“ کو پیش کرنا تھا جسکی زد میں بُت پرستی اور گواکب پرستی آتی تھی بڑا نازک کام تھا اس وجہ سے بھی کہ یہ قوم کا ”سرکاری مذہب“ بھی تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے افہام و تفہیم کا جو طریقہ اختیار فرمایا تھا اُسکی بنیاد صرف عقلی دلائل یا براہین پر نہ تھی بلکہ حقیقت کو فطری دلائل کی سادگی کے ساتھ واضح کرنا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام فطری اور مشاہداتی طریقوں سے قوم کو توحید کی طرف متوجہ کرنے کا طرز اختیار فرمایا کرتے تھے۔ گزشتہ تذکرے میں اسی مشاہداتی طریقے سے قوم کو گواکب پرستی سے بیزار کر دیا کہ ستارے خواہ شمس و قمر

ہی کیوں نہ ہوں رب کہلانے کے قابل نہیں جو ڈوبتا ہو زوال پذیر ہو وہ کس طرح اللہ کہلانے کا مستحق ہے؟ اب یہاں بتوں کی بے بسی اور بے چارگی کا آنکھوں دیکھا منظر قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

قوم نے جب دلائل و براہین کے بعد بھی دعوتِ اسلام قبول نہ کی اور اصنام پرستی اور کواکب پرستی میں اُسی طرح مبتلا رہی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن اپنی قوم کے بعض افراد سے یہ کہہ دیا کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔ چونکہ بات کچھ صاف و واضح نہ تھی اس لئے قوم نے اس جانب کچھ توجہ نہ کی۔ حُسن اتفاق کہ قریب ہی زمانہ میں قوم کا ایک مذہبی میلہ پیش آگیا۔ جب سب اُس کے لئے چلنے لگے تو کچھ لوگوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بھی اصرار کیا کہ وہ بھی ساتھ چلیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اول تو انکار فرمایا پھر جب اُس جانب سے اصرار بڑھنے لگا تو ستاروں کی جانب نگاہ کی۔ یہ ایسے ہی تھا جیسا کہ کسی شدید تردد کے وقت آدمی کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے فطری طور پر ایک نگاہ آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے۔ اس طرح اُس کا یہ دیکھنا کسی خاص مقصد کے تحت نہیں ہوتا۔ اسکے بعد معاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں کچھ بیمار سا ہوں۔ چونکہ قوم کو اکب پرستی میں مبتلا تھی اس لئے وہ یہ سمجھے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کسی ستارے کے اثرِ بد میں مبتلا ہیں۔ یہ سوچ کر بغیر کسی اصرار کے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر میلے میں چلے گئے۔

اب جبکہ ساری قوم، بادشاہ، کاہن اور مذہبی پیشوا میلے میں مصروف اور شراب و کباب میں مشغول تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ اپنے نظامِ عمل کی تکمیل کروں اور عملی طور پر قوم پر یہ واضح کر دوں کہ ان دیوتاؤں کی حقیقت کیا ہے؟ موقع پا کر جب کہ پجاری اور مجاور موجود نہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے مرکزی بُت خانے میں گھس گئے دیکھا تو وہاں دیوتاؤں کے سامنے قسم قسم کے حلوان، پھلوں، میوؤں اور مٹھائیوں کے چڑھاوے رکھے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طنز یہ لہجہ میں چپکے چپکے ان مورتیوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ موجود ہے

ان کو کھاتے کیوں نہیں؟ پھر کہنے لگے میں بات کر رہا ہوں تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ اسکے بعد اُن سب کو توڑ پھوڑ ڈالا اور سب سے بڑے بُت کے کاندھے پر تبر رکھ کر واپس لوٹ گئے۔

جب لوگ میلے سے واپس آئے تو مندر میں بتوں کا یہ حال پایا، سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا؟ کس نے کیا؟ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنکے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی بتوں کے ساتھ اپنی خفیہ تدبیر کا تذکرہ کر دیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے فوراً کہا کہ یہ اُس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن بھی ہے۔ کاہنوں اور سرداروں نے جب یہ سنا تو غم و غصہ سے سُرخ ہو گئے اور کہنے لگے اُسکو مجمع کے سامنے پکڑ لاؤ تاکہ سب دیکھیں مجرم کون ہے؟

یہ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منہ مانگی مراد تھی۔ کیونکہ وہ بھی یہ ہی چاہتے تھے کہ بات صرف پجاریوں، مجاوروں ہی کے سامنے نہ ہو بلکہ عام لوگ بھی موجود ہوں اور سب دیکھ لیں کہ یہ بُت جو اُن کے قاضی الحاجات بنا کر رکھے گئے ہیں کتنے بڑبڑ ہیں اور خود یہ پجاری حضرات ان کو کیا سمجھتے ہوں گے۔ اس طرح ان پجاریوں سے بھی وہی حماقت سرزد ہوئی جو فرعون سے سرزد ہوئی تھی اُس نے بھی جادو گروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرانے کے لئے ملک بھر کی خلقت جمع کی تھی۔

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب کے سامنے یہ ثابت کرنے کا موقع مل گیا کہ وہ جو کچھ لائے ہیں جادو نہیں ہے بلکہ معجزہ ہے۔ اور یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے دشمنوں نے آپ ہی آپ یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ عوام کے سامنے اُن کے مکر و فریب کا طلسم توڑ دیں۔ الغرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سامنے لائے گئے تو بڑے رُعب و اب سے اُن لوگوں نے پوچھا:۔

”کیوں ابراہیم تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ سب کچھ

کیا ہے؟“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ اب وہ موقع آگیا ہے جس کے لئے میں نے یہ تدبیر اختیار کی تھی مجمع موجود ہے عوام دیکھ رہے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کا کیا حشر

ہوا ہے۔ اس لئے اب کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کو عوام کی موجودگی میں اُن کے باطل عقیدے پر نادم کر دینے کا وقت ہے تاکہ عوام کو آنکھوں دیکھتے معلوم ہو جائے کہ آج تک ان دیوتاؤں سے متعلق جو کچھ ہم سے یہ پجاری اور مجاوروں کی جماعت کہا کرتی تھی سب مکرو فریب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت متانت سے جواب دیا:-
”بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس بڑے سردار نے کیا ہے انہی کو

پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں؟“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جملہ کا مطلب (ان کے اس سردار نے کیا ہے) کا اشارہ بڑے بت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی۔

اگر پہلی بات ہو تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اُن کے عقائد پر ایک طنز کا ہم معنی ہے۔ معنی اگر ان کے نزدیک واقعی یہ خدا ہیں تو انہیں اپنے بڑے خدا کے متعلق یہ شبہ ہونا چاہیے کہ شاید بڑے حضرت ان چھوٹے حضراتوں سے کسی بات پر بگڑ گئے ہوں اور سب کا کچھ مر بنا ڈالا ہو۔ اور اگر دوسرا مفہوم مراد لیا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ منشا اس کارروائی سے یہ تھا کہ اپنے بتوں کا یہ حال دیکھ کر شاید ان لوگوں کا ذہن میری ہی طرف منتقل ہو جائے گا اور یہ مجھ سے پوچھیں گے تو مجھ کو پھر ان سے صاف صاف بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔ گویا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منہ مانگی مراد تھی۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس یقینی حجت اور دلیل کا ان کاہنوں اور مجاوروں کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا وہ ندامت میں ڈوب گئے اور اُن پر ایک سکتہ چھا گیا۔ سوچنے لگے کہ اس کا کیا جواب دیں؟

آخر کار اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے واقعی تم خود ہی ظالم ہو۔ بعد ازاں اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے اے ابراہیم تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔
اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اُس مقصد کو پورا کر لیا جس کے

اُنھوں نے قوم کے مرکزی بُت خانے میں اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔
علاوہ ازیں بُت شکنی کے اس فعل کو بڑے بُت کی طرف منسوب کرنا اس کا مقصد جھوٹ بولنا تھا بلکہ اپنے مخالفین پر حجت قائم کرنا تھا تا کہ یہ لوگ خود اپنی زبان سے اقرار کر لیں کہ ان کے معبود بالکل بے بس ہیں جو اپنے ذاتی نقصان تک کو دور نہیں کر سکتے تو پھر دوسروں کے منفع و نقصان کے مالک کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت و دلیل کامیاب ثابت ہوئی اور قوم نے اعتراف کر لیا کہ ظالم ہم ہی ہیں اور ان کو زبان سے اقرار کرنا پڑا کہ ہمارے یہ دیوتا جواب دینے یا بولنے کی قطعاً طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ منفع و نقصان کے مالک ہوں؟ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی بے بسی اور بے بسی کو قوم کے سامنے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ شاہدہ کروایا اور قوم نے سر جھکا کر اسکو تسلیم بھی کر لیا۔ قرآن حکیم نے اس تفصیل کو اس طرح بیان کیا ہے:-

وَلَقَدْ أَنشَأْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدًا ۖ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ

عَلِيمِينَ۔ (انبیاء آیات ۵۱ تا ۵۳)

قرآنی مضمون اور ہم نے (زمانہ موسوی) سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی (شان کے مناسب) خوشنہی عطا کی تھی اور ہم اُن کے کمالات کو خوب جانتے تھے۔

جب کہا اُنھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جنکی عبادت پر تم لوگ جھے بیٹھے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے کہا کیا تو ہمارے لئے کوئی سچی بات لایا ہے یا مذاق کرنے والوں میں سے ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا نہیں بلکہ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس پر میں تمہارے سامنے گواہی

دیتا ہوں۔ اور اللہ کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے بتوں کی ضرور خبر لوں گا؛ چنانچہ اُنھوں نے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور صرف اُن کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اسکی طرف رجوع کریں۔ (جب آکر اُنھوں نے اپنے خداؤں کا یہ حال دیکھا تو) کہنے لگے، ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بڑا ہی ظالم ہے وہ شخص، (بعض لوگ) بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیم ہے (علیہ السلام) اُنھوں نے کہا تو پکڑ لاؤ اُسے سب کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں (اُسکی کیسی خبر لی جائیگی) (ابراہیم علیہ السلام کے آنے پر) اُن لوگوں نے پوچھا کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا بلکہ یہ سب کچھ اُن کے اس سردار نے کیا ہے؛ ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں؛ یہ سُن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے واقعی تم خود ظالم ہو۔ پھر اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے (اے ابراہیم علیہ السلام) تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تلف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جنکی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟

لوگوں نے کہا کہ جلاؤ الو ابراہیم (علیہ السلام) کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔

وَإِن مِّنْ شَيْعَةٍ إِلَّا بُرَّاهِمُ۔ إِذْ جَاءَ رَبُّهُ بِقَلْبٍ

سَلِيمٍ۔ الخ (الصافات آیات ۲۵ تا ۲۷)

اور نوح کے طریقے پر چلنے والوں میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔ جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے جبکہ اُنھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا، تم کس چیز کی عبادت

کرتے ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو؟ آخر اللہ رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

پھر ابراہیم (علیہ السلام) نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر یہ اُن بتوں کے گھر (جائگہ) سے (اور بتوں سے) کہنے لگے آپ حضرات کھاتے کیوں نہیں؟ کیا ہو گیا بولتے بھی نہیں ہو؟ اسکے بعد وہ ان پر پل پڑے اور سیدھے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔ سو وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم اُن چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ اُنھوں نے (آپس میں) کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کیلئے ایک آتش خانہ تیار کرو اور اسکو دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو۔

اُنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کے خلاف ایک کارروائی کرنا چاہی مگر ہم نے اُنہی کو نیچا دکھا دیا۔

بادشاہ وقت کو دعوتِ توحید

ابھی یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ شدہ شدہ بادشاہ وقت نمرود تک یہ باتیں پہنچ گئیں۔ اُس زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوا کرتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ خود کو اُن کا رب اور مالک بھی سمجھتے تھے اور رعایا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح اسکو اپنا خدا اور معبود مانتی تھی اور اس کی بھی اس طرح پرستش کرتی تھی جس طرح دیوتاؤں کی بلکہ اس سے بھی زیادہ پاس و ادب کے ساتھ پیش آتی تھی، اس لئے کہ وہ صاحب عقل و ہوش ہوتا تھا اور مالکِ تخت و تاج بھی۔

نمرود کو جب معلوم ہوا تو آپے سے باہر ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اگر اس شخص کی دعوت و تبلیغ کی سرگرمیاں اس طرح جاری رہیں تو یہ میری ملکیت اور الوہیت سے بھی رعایا کو برگشتہ کر دیگا اور اس طرح باپ دادا کے مذہب کے ساتھ ساتھ یہ سلطنت

بھی زوال میں آجائیگی۔ اس لئے اس کا قصہ ہی تمام کر دینا چاہیئے۔ یہ سوچ کر اُس نے حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے دربار میں پیش کیا جائے۔ حضرت ابراہیمؑ نمرود ظالم کے دربار میں حاضر کئے گئے تو نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ تو باپ دادا کے دین کی مخالفت کس لئے کرتا ہے اور مجھ کو رب ماننے سے کیوں انکار کرتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدائے واحد کا بندہ ہوں اس کے علاوہ کسی کو اُس کا شریک نہیں مانتا، ساری کائنات اور تمام عالم اُسی کی مخلوق ہے اور وہی اُن سب کا خالق و مالک ہے، تو بھی اُسی طرح ایک انسان ہے جس طرح ہم سب انسان ہیں۔ پھر تو کس طرح رب یا خدا ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح یہ گونگے بہرے لکڑی کے بت خدا ہو سکتے ہیں؟

نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر میرے علاوہ تیرا کوئی خدا ہو سکتا ہے تو اُس کا ایسا وصف بیان کر جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا رب وہ ہے جس کے قبضے میں موت و حیات ہے۔ وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی بخشتا ہے۔

مج فہم نمرود موت و حیات کی حقیقت سے نا آشنا کہنے لگا اس طرح تو موت و حیات میرے قبضہ و قدرت میں بھی موجود ہے۔ یہ کہہ کر اُسی وقت ایک بے قصور آدمی کے بارے میں جلاؤ کو حکم دیا کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ جلاؤ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور ایک قتل کے سزا یافتہ مجرم کو جیل سے بٹلا کر حکم دیا کہ جاؤ ہم نے تمہاری جان بخش دی۔ اسکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا دیکھا میں کس طرح موت و حیات کا مالک ہوں؟۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محسوس ہوا یا تو یہ بد فہم ہے یا رعایا کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ موت و حیات کے معنی ہی نہ سمجھ سکا۔ اس کے ہاں علم تو کجا عقل تک نہیں ہے۔ لہذا عقلی دلیل اسکے لئے مفید نہیں ہے کوئی مشاہداتی بات ہی اس کو فائدہ دے سکتی ہے اس لئے دوسرا عنوان اختیار فرمایا اور ایسی دلیل پیش کی جس کا صبح و شام ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے اور شب و روز کی زندگی میں اس سے سابقہ پڑتا رہتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں اُس مہتی کو اللہ کہتا ہوں جو روزانہ صبح سورج کو مشرق

لاتا ہے اور مغرب کی جانب لے جاتا ہے۔ پس اگر تو بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں چھپا؛ یہ سن کر نمرود مبہوت اور لا جواب ہو گیا۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت پوری ہو گئی۔ کیونکہ نمرود کو اس کا جواب دینے کے لئے تین ہی صورتیں تھیں:-

اول یہ کہ وہ کہہ سکتا تھا کہ ہاں مغرب سے سورج نکلنے کی مجھے قدرت ہے۔

دوم یہ کہ آفتاب پر میری قدرت نہیں ہے۔

سوم یہ کہ اُسی وقت مغرب سے سورج نکال کر دکھا دیتا۔ لیکن یہ ساری صورتیں ایسی تھیں جس کا وہ خود قائل نہ تھا۔ اس لئے اپنے آپ کو خاموش رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ بعض غیر مسلموں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر نمرود یہ کہہ بیٹھتا کہ ابراہیم تو ہی اپنے خدا سے یہ کام کر دکھا؛ تو ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس کا کیا جواب ہوتا؟

لیکن یہ اعتراض ہی نہایت کمزور اور سطحی ہے۔ دراصل یہ اعتراض مدعی مسست اور گواہ چست والوں کا ہے۔ نمرود جانتا تھا کہ جس قوت و اعتماد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ حجت پیش کی ہے اُس کا متقاضی یہ ہی تھا کہ اگر وہ ایسا کہہ دیتا تو ابراہیم علیہ السلام اس کو پورا بھی کر دکھاتے۔ کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیشمار تائیدات دیکھ چکا تھا۔ اس لئے ایسی ہمت نہ کر سکا۔ علاوہ ازیں اُس کو خود اپنی عاجزی اور بیچارگی کا شدید احساس بھی تھا۔ لہذا اس اعتراض کا موقع ہی نہ تھا۔ خاموشی میں ہی اپنی نجات سمجھا۔ قرآن حکیم کے سورہ بقرہ میں اس گفتگو کو مختصر پیرایہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهٖ أَنْ

(بقرہ آیت ۲۵۷)

قرآنی مضمون کیا تو نے نہیں دیکھا اُس شخص کا واقعہ جس کو اللہ نے

بادشاہت بخشی تھی اُس نے کس طرح ابراہیم سے اُس کے

پروردگار کے بارے میں مناظرہ کیا؟

جب کہا ابراہیم نے میرا پروردگار تو زندگی بخشا ہے اور

موت دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا میں بھی زندگی بخشا ہوں اور موت بھی دیتا ہوں۔

ابراہیمؑ نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے لہذا تو اسکو مغرب سے نکال؟ پس وہ کافر (بادشاہ) مبہوت اور لاجواب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے باپ آذر کو توحید کی دعوت دی اس کے بعد قوم کو اس دعوت عام میں شریک کیا اور انھیں پیغام حق سنایا اور فطرت کے سیدھے سادھے اصول و دلائل پیش کئے۔ حکمت و شیریں کلامی سے اُن پر حق بات کو واضح کیا اور پھر آخر میں بادشاہ وقت نمرود کو یہ دعوت پہنچائی۔ اس منزل پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتی جدوجہد کا مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے۔

انہام و تفہیم کے سارے سلسلے یکے بعد دیگرے ختم ہو گئے۔ بادشاہ وقت سے رعایا تک سب نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی آگ میں جلا دینا چاہیے۔ کیونکہ ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہو سکتی ہے اور دیوتاؤں کی تحقیر کا انتقام اسی طرح لیا جاسکتا ہے۔ اس طرح مادی قوت و طاقت نے مظاہرہ شروع کر دیا۔ ہر طرف مخالفت، دشمنی، نفرت و حقارت کا سامان مہیا ہونا شروع ہوا۔

مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ اسکی پرواہ تھی نہ کسی قسم کا خوف و اندیشہ آپ اسی طرح دعوت توحید کا کام انجام دیتے رہے۔

ادھر بادشاہ کے حکم سے قوم نے ایک وسیع و عریض جگہ آگ جلانے کا انتظام شروع کر دیا اور مسلسل کئی روز تک آگ جلانی لگی۔ اس زعم میں کہ یہ بہت بڑا کار خیر ہے۔ قوم کا ہر فرد اپنا حصہ لگانا اسمیں اپنی سعادت و نیک بختی سمجھتا تھا۔ کئی دن کے بعد جب اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گومچن میں بٹھا کر تیزی سے گھمایا گیا اور دُور ہی سے اُس دہکتی آگ میں پھینک دیا گیا۔

اس وقت اللہ کا وہ واحد سہارا کام آیا جو اپنے نیک بندوں کی آخری دستگیری کے لئے ہوا کرتا ہے آگ کو حکم دیا گیا کہ اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامتی بن جا۔ سورہ صافات میں فرمایا گیا کہ ہم نے اُن کی کارروائی کو نیا کر دکھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ دیر کے بعد اس خوفناک آگ سے صحیح و سلامت باہر نکل آئے۔ جنکے قلوب میں نیکی اور تلاش حق کی فکر تھی وہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور قوم کی اکثریت جس میں نمرود اور اسکے حمایتی تھے بدستور اُسی شرک و کفر پر باقی رہے جو اُن کے آباء واجداد کا مذہب تھا۔

اس واقعہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ تمام اشیاء کی خاصیتیں اللہ کے حکم سے قائم ہیں وہ جب چاہے کسی بھی خاصیت کو بدل سکتا ہے۔ معمول کے مطابق آگ کا عمل یہی ہے کہ وہ جلائے اور ہر آتش پذیر چیز اُس میں گر کر جل جائے۔ لیکن آگ کا یہ معمول اپنا ذاتی معمول نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے۔ معمول اللہ کا پابن ہے، اللہ معمول کا پابند نہیں کسی وقت بھی وہ حکم دے سکتا ہے کہ آگ اپنا عمل چھوڑ دے چنانچہ اس واقعہ میں ایسا ہی ہوا۔

قرآن حکیم نے اس پُر اعجاز واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:-

وَابْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۚ
(الفکبوت آیات ۱۶ تا ۲۵)

قرآنی مضمون ”اور ابراہیمؑ کو ہم نے بھیجا جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا،

اللہ کی بندگی کرو اور اُس سے ڈرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ تم اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پوج رہے ہو وہ تو محض بت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو۔ درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کر رہے ہو وہ تمہیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اُسی کی بندگی کرو اور اُس کا شکر ادا کرو، اُسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قوموں نے جھٹلایا ہے۔ اور رسول پر تو صرف صاف صاف پیغام

پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔ کیا ان لوگوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں کہ اللہ کس طرح خلق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر اُس کا اعادہ کرتا ہے۔ یقیناً یہ (اعادہ تو) اللہ کے لئے آسان تر ہے۔ ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اُس نے کس طرح خلق کی ابتداء کی ہے پھر اللہ دوسری بار بھی زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہے سزا دے اور جس پر چاہے رحم فرمادے۔ اُسی کی طرف تم پھیرے جانے والے ہو۔ تم نہ زمین میں (ہم کو) عاجز کرنے والے ہو نہ آسمان میں، اور اللہ سے بچانے والا کوئی سرپرست اور مددگار تمہارے لئے نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا اور اُس سے ملاقات کا انکار کیا ہے وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ پھر اُسکی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اُنھوں نے کہا قتل کر دو یا جلاؤ الواس کو۔ آخر کار اللہ نے اُسے آگ سے بچا لیا۔ یقیناً اسیں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لے آتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ نے کہا تم نے دنیا کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنا لیا ہے مگر قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے۔ اور آگ تمہارا ٹھکانہ ہوگی اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ اَنَّهُ (الانبیاء آیات ۲۲ تا ۲۴)

ابراہیمؑ نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تفت ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر جنکی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟

اُنھوں نے کہا جلاؤ الواس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم (اللہ) نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور یہ ساتی

بن جا ابراہیم پر۔

وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم کے ساتھ بُرائی کریں مگر ہم نے اُنکو بُری طرح ناکام کر دیا۔ اور ہم اُن کو اور لوٹ کو بچا کر اُس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحق عطا کیا اور یعقوب اس پر مزید عطا کئے گئے۔ اور ہر ایک کو صالح بنایا۔ اور ہم نے اُنکو امام بنادیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے اُنہیں وحی کے ذریعہ نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔“

قَالُوا ابْنُوا آلَٰهُمۡ بُنْيَانًا ۖ فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيۡمِ ۚ اٰلِہٖ

(الصافات آیت ۲۵، ۲۶)

اُن لوگوں نے آپس میں کہا ابراہیم کے لئے ایک آتش خانہ تیار کرو اور اُسے دہکتی آگ میں پھینک دو۔ اُنہوں نے ابراہیم کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی مگر ہم نے اُنہی کو نیا دکھا دیا۔“

ہجرتِ ابراہیمی | گزشتہ سطور میں یہ بات آچکی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت کے لئے کس درجہ مضطرب اور بے چین تھے۔ افہام و تفہیم کی وہ کون سی صورت نہ تھی جو اُنہوں نے قوم کو سمجھانے کے لئے اختیار نہ کی ہو؟ سب سے پہلے اپنے باپ آذر کو سمجھایا پھر عوام کے سامنے توحید کی روشنی پیش کی۔ اور آخر میں بادشاہِ نمرود سے بحث و مباحثہ کر کے اسکے سامنے بھی اظہارِ حق کو بہتر سے بہتر اسلوب کے ساتھ ادا کیا۔ اور ہر لمحہ یہی سب کو تلقین کی کہ اللہ واحد کے علاوہ کسی کی پرستش درست نہیں ہے اور اصنام پرستی اور کواکب پرستی کا نتیجہ خسّان اور ذلت کے سوا دوسرا نہیں ہے۔ اس لئے شرک سے باز آنا چاہیے۔ ملتِ حنفی ہی کو صراطِ مستقیم سمجھنا چاہیے جسکی اساس صرف توحیدِ الہی پر قائم ہے۔ مگر بد بخت قوم نے کچھ نہ سنا اور کسی طرح رُشد و ہدایت کو قبول نہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

بیوی سیدہ سارہؓ اور برادر زادے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا غالباً کوئی اور ایمان نہیں لایا۔ اور قوم کے اکثر افراد نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جلا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اسکے بعد وکعتی آگ میں ڈال بھی دیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ارادوں کو ذلیل و رسوا کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں آگ کو ”بَرْدًا وَسَلَامًا“ بنا دیا تو اب حضرت ابراہیمؑ نے ارادہ کر لیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغام الہی سنائیں اور دعوتِ حق پہنچائیں۔ یہ سوچ کر ”فدان آرام“ سے (بابل عراق) کا مشہور شہر حبش میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے) ہجرت کا ارادہ کر لیا۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ سَرِيقٍ يَهْدِيَنِي۔

(الصافات آیت ۹۹)

اور ابراہیمؑ نے کہا میں جانے والا ہوں اپنے پروردگار کی

طرف عنقریب وہ میری رہنمائی کرے گا۔

یعنی اب مجھے کسی ایسی آبادی میں ہجرت کرنا چاہیے جہاں اللہ واحد کی صدا سنی جاتی ہو۔ خدا کی زمین تنگ نہیں۔ میرا کام پہنچانا ہے۔ اللہ اپنے دین کی اشاعت کا سامان خود پیدا کر دے گا۔

بہر حال سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آذر اور قوم سے جدا ہو کر دریائے فرات کے غربی کنارہ کے قریب ایک بستی میں چلے گئے جو ”اورکلدا نیین“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کیا ہمراہ سیدہ سارہؓ اور برادر زادہ حضرت لوط علیہ السلام تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد یہاں سے حران یا حاران کی جانب روانہ ہو گئے اور وہاں توحید کی دعوت پہنچاتے رہے۔ مگر اس عرصہ میں اپنے باپ آذر کے لئے بارگاہِ الہی میں دعا اور استغفار کا سلسلہ جاری رکھا اور ہدایت کیلئے دعا کرتے رہے۔

یہ سب کچھ اس لئے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہایت رقیق القلب، رحیم و کریم صفت اور بہت ہی نرم و بڑبڑاتے تھے۔

باپ آذر کی جانب سے ہر قسم کی عداوت اور شدت کے باوجود انہوں نے

چلتے وقت یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اگرچہ میں آپ سے جدا ہو رہا ہوں تاہم میں آپ کے لئے برابر دُعا کرتا رہوں گا۔ اسی وعدہ کی پابندی میں باپ کے لئے دُعا اور استغفار کر رہے تھے۔ آخر کار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی الہی نے مطلع کیا کہ آذر ایمان لانے والا نہیں ہے۔ اور یہ اُن افراد میں شامل ہے جنہوں نے اپنی نیک فطرت کو فنا کر کے خود کو اس کا مصداق بنا لیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے اپنے باپ آذر سے اپنی برأت کا صاف صاف اعلان کر دیا اور استغفار کا سلسلہ بھی بند کر دیا۔

سورہ توبہ میں اس برأت کا اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَأْتِيَ الْبُرْءُ

”نبیؐ اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں یہ بات زبیا نہیں کہ مشرکوں کے لئے دُعا سے مغفرت کریں چاہے وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں (ایسی صورت میں) جبکہ اُن پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔“

(اے مسلمانو! ابراہیم علیہ السلام) نے اپنے باپ (آذر) کے لئے جو دُعا سے مغفرت کی تھی وہ صرف اُس وعدہ کی وجہ سے تھی جو اُنہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔ مگر جب ابراہیم علیہ السلام پر یہ بات کھل گئی کہ اُن کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے۔ حق بات یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بڑے رقیق القلب خدا ترس بُر و بار تھے۔

ہجرت بجانب فلسطین | حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر بابل کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کرتے کرتے فلسطین پہنچے، اس سفر

میں آپ کے ہمراہ زوجہ محترمہ سیدہ سارہؑ اور برادر زادہ حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کی بیوی بھی تھیں۔

سورہ عنکبوت میں اس ہجرت کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے :-
 فَأَمَّنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ
 هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (عنکبوت آیت ۲۶)

”پس لوط (علیہ السلام) ابراہیم (علیہ السلام) پر ایمان
 لائے اور کہنے لگے میں اپنے پروردگار کی جانب ہجرت کرنے والا ہوں
 بیشک وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔“

روایات حدیث میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے اپنی بیوی سیدہ رقیہؓ
 بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی ہجرت میں شہر مکہ مکرمہ سے
 ملک حبشہ کی طرف روانہ ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا :-
 إِنَّ عُثْمَانَ أَوَّلُ مُهَاجِرٍ بِأَهْلِهِ بَعْدَ لُوطٍ (علیہ السلام)
 (المحدث)

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد عثمانؓ پہلے مہاجر ہیں
 جنہوں نے اپنی بیوی سمیت اللہ کے لئے ہجرت کی ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین کے غریب اطراف میں سکونت اختیار کی۔ اس
 زمانے میں یہ علاقہ کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا۔ پھر جب قریبی شہر نابلس چلے گئے اور
 وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ اس کے بعد یہاں بھی زیادہ مدت قیام نہیں کیا۔ تبلیغ کے
 سلسلے میں آگے بڑھتے ہی چلے گئے حتیٰ کہ مصر تک جا پہنچے۔

ہجرت بجانب مصر حضرت ابراہیم علیہ السلام جب شہر نابلس سے چلکر ملک
 مصر پہنچے تو بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق اُن کو وہاں

ایک ظالم بادشاہ سے سابقہ پڑا جس کی تفصیل یہ ہے :-

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہاں کا بادشاہ
 نہایت بدطینت آدمی ہے۔ شہر میں جو کوئی بھی نیا مسافر آجاتا ہے
 اگر اُسکے ساتھ اُسکی بیوی بھی ہو تو بیوی کو اپنے حرم میں داخل کر لیتا
 ہے اور شوہر کو قتل کر دیتا ہے۔ اور اگر مسافر کے ساتھ اُسکی بہن

یا اور کوئی عزیز ہو تو مسافر کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو متفکر ہو گئے۔ پھر اپنی بیوی سیدہ سارہؓ سے فرمایا کہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے تدبیر کرنی چاہیئے۔ چونکہ تم میری دینی بہن بھی ہو اور اس سرزمین پر میرے اور تمہارے علاوہ دوسرا کوئی مسلمان نہیں ہے۔ اس لئے اگر وہ ظالم تم کو پکڑ لے جائے تو میرے بارے میں اُس سے کہہ دینا کہ یہ میرا بھائی ہے۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اُس ظالم کے کارندے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدہ سارہؓ کو پکڑ لے گئے۔ سیدہ سارہؓ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرما دیا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ کلام خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہ خاتون میری بہن ہے۔“ (بخاری)

کارندوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو چھوڑ دیا اور سیدہ سارہؓ کو اُس ظالم کے ہاں پہنچا دیا گیا۔ اور جب شب میں اُس ظالم نے ارادہ ہی کیا تھا کہ اچانک اُس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ اور وہ کسی طرح بھی سیدہ سارہؓ کو ہاتھ نہ لگا سکا۔ یہ دیکھ کر اُس نے سیدہ سارہؓ کو کہا اے بندی تو اپنے خدا سے دُعا کر کہ وہ میرا ہاتھ درست کر دے میں تجھ کو رہا کر دوں گا۔ سیدہ سارہؓ نے اُسی وقت دُعا کی ہاتھ درست ہو گیا۔ معاً ظالم نے پھر ارادہ کیا دوبارہ اس کا ہاتھ اور زیادہ شل ہو گیا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی قصہ پیش آیا۔ تب اُس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جتنی عورت ہے انسان نہیں اسکو جبرِ خست کر دینا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑی آفت پہنچ جائے۔ چنانچہ سیدہ سارہؓ کو اُسی وقت اپنے محل سے رہا کر دیا اور ساتھ ہی (سیدہ) ہاجرہؓ کو بھی حوالہ کر دیا۔ (جو اسکی بیٹی تھیں اور باپ کے دین سے مختلف، شاید اسی وجہ سے سیدہ ہاجرہؓ کو سیدہ سارہؓ کے حوالہ کر دیا ہو)

سیدہ سارہؓ، سیدہ ہاجرہؓ کو اپنے ساتھ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں اور سارا قصہ بیان کیا اور مبارکباد بھی دی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اس طرح اُس ظالم سے بچایا اور ساتھ ہی ایک بندی ہاجرہؓ کو بھی ہمراہ کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی جو اس حدیث کے راوی ہیں یہاں تک بیان کرنے کے بعد فرمایا اے شریف النسب اہل عرب یہ ہیں وہ ہاجرہ رضی جو تم سب کی ماں ہیں۔

بخاری ج ۴ ص ۳۱۲ (بخاری جز ۴ ص ۱۸۷ مصر)

تورات کی روایت یہ کہتی ہے کہ فرعون مصر نے سیدہ سارہؓ کے اس واقعہ کو کراہت سمجھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ عتاب کیا کہ اُنہوں نے شروع ہی سے یہ کیوں نہ بتا دیا کہ سیدہ سارہؓ ان کی بہن نہیں بیوی ہیں۔ اور پھر بڑے اکرام و العام کے ساتھ اُن کو مصر سے رخصت کر دیا۔

بہر حال بخاری و مسلم کی روایت ہو یا تورات کی، معنی و مفہوم کے اعتبار سے دونوں روایتوں کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔ البتہ ان تمام روایات سے اس قدر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سیدہ سارہؓ اور اپنے برادر زادہ حضرت لوطؓ کے ساتھ مصر تشریف لے گئے تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مصر کی حکومت ایسے خاندان کے ہاتھ میں ہے جو سامی قوم سے متعلق رکھتا تھا اور اس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبی سلسلہ میں وابستہ تھا۔ یہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرعون مصر کے درمیان ضرور کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس کو یقین ہو گیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُنکا خاندان خدا کا مقبول و برگزیدہ خاندان ہے۔ یہ دیکھ کر اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپکی بیوی سیدہ سارہؓ کا آخر میں بہت اعزاز و اکرام کیا اور ان حضرات کی ہر قسم کے مال و منال سے خدمت کی اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے قدیم خاندانی رشتہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے اپنی بیٹی ہاجرہؓ کو بھی حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دے دیا جو اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق پہلی اور بڑی بیوی

کی خدمت گزار قرار پائیں۔ چنانچہ اس تاریخی قیاس کی سب سے بڑی شہادت خود یہود کے ہاں بھی موجود ہے۔ اس طرح یہود کی معتبر روایات سے بھی یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ سیدہ ہاجرہؓ شاہ مصر فرعون کی بیٹی تھیں۔ تورات کا ایک معتبر مفسر ربی شلویلو اسحاق کتاب پیدائش باب ۱۲ آیت ۷ کی تفسیر میں لکھتا ہے:-

”جب اُس (شاہ مصر) نے سارہؓ کی وجہ سے کرامات کو دیکھا تو کہا، میری بیٹی کا اس گھر میں لونڈی (خادمہ) ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔“ (ارض القرآن جلد ۲ ص ۷۷)

اس تفسیر اور تورات کی آیت کو جمع کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ تورات میں سیدہ ہاجرہؓ کو صرف اس لئے لونڈی کہا گیا کہ شاہ مصر نے ان کو سیدہ سارہؓ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد کرتے وقت یہ کہا تھا کہ وہ سارہؓ کی خدمت گزار رہے گی۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ملک جبار کی جو روایت ہے اُس میں بھی یہ جملہ موجود ہے وَأَخَذَ مَعَهَا هَاجِرًا اور سیدہ ہاجرہؓ کو سیدہ سارہؓ کے حوالہ کر دیا کہ ان کی خدمت گزار رہے۔

مشاہدہ حیات بعد الموت | سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جیسا کہ گزشتہ

سطور میں بیان کیا گیا، یحییٰ ہی سے اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت، علم و فکر، عقل و شعور، طلب و جستجوئے حق کا طبعی ذوق عطا فرمایا تھا وہ ہر شے کی حقیقت تک پہنچنے کی سعی کو اپنی زندگی کا خاص مقصد سمجھتے تھے تاکہ اُس کے ذریعہ اللہ واحد کی ہستی، اُسکی وحدانیت اور اسکی قدرت کاملہ کے متعلق علم الیقین کے بعد حق الیقین حاصل کر سکیں۔ باپ آذر اور قوم اور بادشاہ وقت نمرود کیساتھ مناظروں اور گفتگو میں اُن کے اس طبعی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کے انہی ایام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حیات بعد الموت یعنی مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ کس طرح دوبارہ زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا:-

”اے ابراہیم کیا تم کو اس مسئلہ پر یقین و ایمان نہیں؟“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً جواب دیا کیوں نہیں میں بلا تردد اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ البتہ میں چاہتا ہوں کہ قلب کو وہ کیفیت محسوس ہو جائے جو آنکھوں سے دیکھنے پر حاصل ہوتی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال دراصل آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے متعلق تھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی کیا شکل ہوگی۔ چونکہ یہ مسئلہ عقیدے سے بھی وابستہ تھا اور ہر ملت میں ہر نبی نے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی تلقین کی ہے۔ اور اس ملت میں بھی عقیدہ آخرت کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے اللہ اور اسکی صفات پر ایمان لانے کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اولو العزم رسول جو اس عقیدے کے مبلغ بھی ہیں کسی شک و شبہ کی وجہ سے یہ مشاہدہ کرنا نہیں چاہتے تھے کہ موت کے بعد حیات کیوں کر ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرنا اپنے طبعی ذوق و رجحان "جستجوئی" کے ضمن میں تھا۔

یہ ہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے ابراہیم کہ تم کو یقین نہیں؟ جواب میں فوراً فرمایا! کیوں نہیں ضرور ہے۔

مقصود صرف یہ تھا کہ علم و یقین کے باوجود حقیقت اور مشاہدہ بھی ظاہر ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست قبول فرمائی اور موت کے بعد حیات کا مشاہدہ کروایا۔ معلوم ہوا کہ سوال دراصل عینی مشاہدہ کا تھا جو علم و یقین کے خلاف نہیں ہوا کرتا۔

اس بارے میں مختصر سی وضاحت مزید مفید ہوگی۔

علمی اصطلاح میں کسی بھی شے کو جاننے پہچاننے کے تین ذریعے ہوا کرتے ہیں۔ اول علم الیقین۔ یعنی ایسا علم جو قوی اعتقاد کی حد تک آجائے جو کسی بھی حالت میں شک و شبہ کی راہ سے متزلزل نہ ہو سکے۔ ایسی حالت کو علم الیقین کہا جاتا ہے۔ دوم عین الیقین۔ اگر یہی علم محسوس و ادراک کی حد تک ہو جائے اسکو عین الیقین کہا جائیگا۔ (یعنی اتنا قوی اور پختہ ہو کہ محسوسات کی طرح ہو جائے) سوم حق الیقین۔ عین الیقین سے آگے کی کیفیت جسکی وجہ سے علم اور مشاہدہ

ایک ہو جائیں ایسی کیفیت حق یقین کہلائیگی۔ اس علمی اصطلاح کو ایک محسوس تمثیل سے سمجھا جائے۔ مثلاً: زمزم ایک مقدس اور بابرکت پانی ہے اس کے جاننے اور معلوم کرنے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ عوام و خواص، ثقہ و غیر ثقہ آدمی سے شہرت عام کی حد تک اس کے وجود اور اسکی تعریف کو سنا ہے۔ جسکی وجہ سے انکار یا شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی ایسی کیفیت کو علم یقین کہا جائے گا۔

پھر حسن اتفاق سے نکتہ المکرر جا کر چاہ زمزم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اب علم کا یہ درجہ پہلے درجے سے زیادہ قوی اور مضبوط ہو گیا۔ ایسی کیفیت کو عین یقین کہا جائیگا۔ اس علم یقین اور عین یقین کے بعد اس زمزم کو شکم سیر ہو کر پی لیا اور اس کے ذائقہ کی لطافت و ملاحت کو قلب کی گہرائی نے بھی محسوس کر لیا۔ اس کیفیت کو حق یقین کہا جائے گا۔

علم کا یہ وہ آخری درجہ ہے جو قطرت انسانی کے تقاضائے تشنگی کی سیرابی کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ یہ ہی مرحلہ انسان کی طلب جستجو یا طمانیت کی آخری معراج سمجھا جاتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے رب سے اسی مرحلے کیلئے سوال کرتے ہیں کہ اے رب مجھے یہ بات دکھلا دے کہ تو مرنے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے۔ یعنی میری تمنا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کروں کہ جتنا بعد المات کی کیا شکل ہو گی؟ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا اگر تم کو اس مشاہدہ کی طلب ہے تو چار عدد پر بندے لو اور ان کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سامنے والے پہاڑ پر ڈال دو اور پھر کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر ان کو آواز دو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور جب ان کو آواز دی تو وہ سب اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر فوراً اپنی اپنی شکل پر آئے اور زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اڑتے ہوئے آ گئے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ آَرِنِي ۖ (بقرہ آیت ۲۶)

قرآنی مضمون اور وہ واقعہ بھی پیش نظر ہے جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے رب میرے مجھے دکھا دے آپ مردوں کو کیسا زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کو اُس کیفیت کے مشاہدہ کے بعد سکون ہو جاتا۔

فرمایا اچھا تو چار پرندے لو اور اُن کو اپنے سے مانوس کر لو۔ پھر اُن کا ایک ایک جُز ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر اُن کو آواز دو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ اور خوب جان لے کہ اللہ نہایت با اقتدار اور حکیم ہے۔

تفسیر روح المعانی میں محدث ابن المنذر نے حضرت حسنؓ سے ایک روایت منقل کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو ذبح کر کے اُن کے ٹکڑوں کو قریب کے پہاڑوں پر رکھ دیا اور پھر آواز دی انا فنا ہڈی سے ہڈی اور پر سے پر سب مل ملا کر اپنی اصلی شکل پر اُڑتے ہوئے آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیمؑ قیامت کے دن انسانوں کو اس طرح زندہ کیا جائیگا۔

سلف صالحین سے اس آیت کی یہ ہی تفسیر ثابت ہے اور روایات حدیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔

نتائج و عبرتیں

انبیاء کرام کی ایمانی کیفیت | بعض حضرات نے اس واقعہ کی عجیب و غریب تاویلیں کیں ہیں۔ لیکن انبیاء کرام کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہے اُسے اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے تو نہ کسی تاویل کی ضرورت پڑتی ہے نہ ہی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

ایک مسلمان کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے واقعات کو جس طرح وہ بیان کئے گئے ہیں تسلیم کر لے۔ یہ ہی ایمان کا تقاضہ بھی ہے اور اسی کا مطالبہ بھی لیکن انبیاء کرام کو جو خلافت اللہ تعالیٰ نے سپرد کی تھی اور وہ جسکی دعوت کے لئے اس دنیا میں بھیجے گئے تھے اُن کیلئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے

وہ تمام حقیقتیں دیکھ لیں جن پر ایمان لانے کی دعوت اُنہیں دنیا کو دینی تھی۔ اُنہیں ساری انسانیت کو کامل اعتماد کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ قیاس و تخمین کے سہارے چلتے ہو، مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں، تمہارے پاس صرف گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے صرف دیوار تک دیکھ سکتے ہو لیکن ہم دیوار کے پیچھے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے سامنے فرشتے عیاناً آئے ہیں۔ اُن کو آسمان و زمین کے نظام حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کروایا گیا۔ اُن کو جنت و دوزخ آنکھوں سے دکھائی گئی۔ قبر کی زندگی اُن پر کھول دی گئی۔ اسی طرح حیات بعد الموت کا اُن کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ نبیوں کے ایمان بالغیب کی حالت، نبوت سے پہلے کی ہوتی ہے۔ نبی ہونے کے بعد ان کو ایمان بالشہادۃ کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ کیونکہ ان حضرات کو ایک ایسے عالم کی تبلیغ کرنی ہے جو انسانوں سے بالکل چھپا ہوا ہے۔ اب اگر ان حضرات پر یہ عالم منکشف نہ ہو تو ان کی دعوت و تبلیغ میں وہ زور کہاں جو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ہوتا ہے۔

یہ اُسی قوتِ یقین کا زور ہے کہ اس اُمت میں ایسے حضرات بھی پیدا ہوئے جنہوں نے فرمایا۔

لَوْ كُشِفَتِ الْحِجَابُ مَا ازْدَادَتْ اِيْمَانِي

(غیب کے پردے اُٹھ بھی جائیں تو میرے ایمان و یقین

میں کچھ بھی زیادتی نہ ہوگی)

یہ پُر اعتماد کیفیت دراصل انبیاء کرام کی اُسی دعوت و تبلیغ کا نتیجہ ہے جسکو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سُن کر انسانوں تک پہنچایا ہے۔

حیات بعد الموت کا
ایک اور واقعہ

تفسیر روح المعانی میں بروایت حاکم حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ و حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ وضاحت بیان کی گئی کہ ایک دفعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا گزر ایک ایسی بستی پر ہوا جو

اپنی چھتوں پر اُوندھی گرمی پڑی تھی اور سب انسان مرے پڑے تھے۔
حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ یہ آبادی جو ہلاک
ہو چکی ہے اسے اللہ تعالیٰ کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا؟
اس سوال کے یہ معنی نہ تھے کہ حضرت عزیر علیہ السلام
حیات بعد الموت کے مُنکر تھے یا اُنھیں اسمیں شک و شبہ تھا بلکہ
وہ حقیقت کا عینی مشاہدہ چاہتے تھے جیسا کہ انبیاء کرام کو کروایا جاتا ہے۔
حضرت عزیر علیہ السلام کے اس خیال پر اللہ تعالیٰ نے
اُنکی روح قبض کر لی اور وہ پورے سو برس تک مُردہ پڑے رہے۔
پھر اللہ تعالیٰ نے اُنھیں دوبارہ زندگی بخشی اور اُن سے پوچھا
بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے ہو؟

حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا ایک دن یا اُس سے بھی
کچھ کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم پر سو برس اسی حالت میں گزر گئے ہیں
اب تم ذرا اپنے کھانے پانی کو دیکھو (جو اس سفر میں اُن کے ساتھ تھا)
اسمیں ذرہ برابر بھی تغیر نہیں آیا جوں کا توں تازہ رکھا ہوا ہے۔ دوسری
جانب ذرا اپنے سواری کے خچر کو دیکھو کہ اسکی ہڈیاں تک بوسیدہ
ہو گئی ہیں)

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام سے فرمایا یہ
ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دینا
چاہتے ہیں (یعنی ایک ایسے شخص کا زندہ پلٹ آنا جسے دنیا سو برس
پہلے مُردہ سمجھ چکی تھی خود اسکو اپنے ہمعصروں میں ایک جیتی جاگتی
نشانی بنا دینے کے لئے کافی تھا) پھر فرمایا اے عزیر تم دیکھو اپنے
خچر کے اس بوسیدہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست
اسپر چڑھا دیتے ہیں۔ چنانچہ انا فانا خیر زندہ ہو کر سامنے آگیا
یہ دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام نے کہا میں کامل یقین
رکھتا ہوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (بقرہ آیت ۲۵۹)

بنی قطورہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدہ سارہؓ اور سیدہ ہاجرہؓ کے علاوہ ایک اور بھی نکاح کیا تھا۔ ان خاتون کا نام قطورہؓ تھا۔ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ تورات میں ان کے نام بھی لکھے گئے ہیں۔

انہی اولاد میں سے مدین یا مدیان کی نسل نے اپنی آبادی شہر مدین کے نام سے بسائی اور یہ بعد میں اصحاب مدین کہلائے جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے و دان کی نسل اصحاب لایکہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ انہی دونوں قوم کی جانب حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے۔ مشہور مفسر قرآن حضرت قتادہؓ کی یہی رائے ہے۔

پہلی دُعا ابراہیمی کی وضاحت

سورہ شعراء میں بیشتر انبیاء کرام کی دعوت و ہدایت کا ذکر آیا ہے

اسی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تذکرہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو توحید کی تلقین اور شرک و کفر سے بیزاری و نفرت کی ترغیب دیتے ہوئے ایک بیک اللہ واحد کی جانب دست بدعا ہو جاتے ہیں عرض کرتے ہیں :-
وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ۔

پروردگار جس روز لوگ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے تو

اُس دن مجھ کو رسوا نہ کرنا۔ (شعراء آیت ۸۷)

اس آیت کے تحت امام بخاری نے اپنی کتاب ”صحیح البخاری“ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جو کتاب التفسیر میں مختصراً اور کتاب الانبیاء میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

کتاب التفسیر میں منقول حدیث کا یہ ترجمہ ہے :-

”حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے دُعا کو باپ کو نہایت پر آگندہ حالت میں رُوسیاہ دیکھیں گے تو عرض کریں گے پروردگار دنیا میں تو نے میری اس دُعا کو قبول فرمایا تھا

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (پھر یہ رسوائی کیسے کہ میدانِ حشر میں اپنے باپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیگے ابراہیم! میں نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔“

(بخاری جلد ۷ ص ۱۳۹)

اور کتاب الانبیاء میں یہ روایت ان اضافات کے ساتھ مذکور ہے:-
”قیامت میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو پر اگندہ حال اور رؤسیاہ دیکھیں گے تو اپنے باپ سے مخاطب ہو کر فرمائیں گے کیا میں نے بارہا آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میری راہ ہدایت کی مخالفت نہ کرنا؟ آذر جواب دے گا جو ہوا سو ہوا آج کے دن سے میں تیری مخالفت نہیں کروں گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام درگاہِ الہی میں عرض رسا ہوں گے پروردگار تو نے میری اس دعا کو قبول کر لیا تھا۔ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ۔ الہی اس سے زیادہ رسوائی اور کیا ہوگی کہ میرا باپ (آذر) آپ کی رحمت سے انتہائی دُور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا میں نے بلاشبہ کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔“

پھر ایک فرشتہ آواز دے گا اور بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرمائیں گے ابراہیم قدموں کے نیچے دیکھو کیا ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے کہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بچہ پیروں میں پڑا لوٹ رہا ہے۔ تب فرشتے اُسکی ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے۔ (بخاری جلد ۷ ص ۱۶۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے اجزاء پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آذر کو اس لئے مسخ کر دے گا تا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حزن و ملال جاتا رہے جو آذر کا بشکل انسان رہنے کی صورت میں پیدا ہوا تھا اور وہ اس کی نہایت قابلِ نفرت شکل دیکھ کر متنفر ہو جائیں اور فطرتِ ابراہیمی اس سے بیزار ہو جائے۔ چنانچہ اس حالت میں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ حزن و ملال جو فطرت

انسانی کا تقاضا تھا دور ہو گیا۔

بعض محدثین جن میں مشہور محدث اسماعیلی شامل ہیں۔ اس حدیث کو باوجود صحت سند کے ”سقم و راہیت“ کی بنا پر قبول نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس روایت میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی حالت شرک پر موت کو جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اسکی مغفرت کی دعا کر رہے ہیں جبکہ خود قرآن حکیم میں یہ صراحت موجود ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی الہی سے معلوم ہو گیا کہ ان کا باپ ”عدو اللہ“ ہے وہ ایمان نہیں لائے گا تو انھوں نے اُسکے لئے دعائے مغفرت تو کجا تعلق رکھنا بھی ترک کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث قرآن حکیم کی وضاحت کے خلاف بھی ہے لہذا بخاری کی تفصیلی روایت مجروح اور لائق طعن ہے۔ اور یہی بات مشہور محدث ابن کثیر نے بھی فرمائی ہے اور اس حدیث پر تفرّد کا الزام لگایا ہے۔

”محدث کرمانی“ نے بھی اس سقم کو دور کرنے کے لئے تفصیلی بحث کی ہے جو اپنی جگہ قابلِ مراجعت ہے۔

(فتح الباری جلد ۸ کتاب الانبیاء)

لیکن ان ساری تفصیلات سے قطع نظر خود دعائے ابراہیمی پر غور کیا جائے تو نہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے اور نہ روایت بخاری پر سقم اور تفرّد کا الزام عائد ہوتا ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا تذکرہ سورہ شعراء میں اس طرح مذکور ہے :-

”اے میرے رب مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے نیکوں میں شامل کر دے، اور میرا اچھا تذکرہ آنے والے انسانوں میں مقرر کر دے اور مجھے جنت النعیم کا وارث بنا، اور میرے باپ کی مغفرت فرما، کیونکہ وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے مجھ کو رسوا نہ کر،“ (شعراء آیات ۸۳ تا ۸۷)

ان آیات میں وضاحت موجود ہے کہ یہ دعا دنیاوی زندگی میں کی جا رہی ہے اور یہ بھی صراحت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ کی مغفرت کے لئے دعا کر رہے ہیں اور سورہ توبہ آیت ۱۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

بارے میں فرمایا :-

اور ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دُعا مانگی تھی وہ ایک وعدہ کی وجہ سے مانگی تھی جو اُنھوں نے اپنے باپ سے کر لیا تھا پھر جب اُن کو معلوم ہو گیا کہ یہ دشمن خدا ہے تو باپ سے دست بردار ہو گئے بیشک ابراہیم بڑے نرم دل و بردبار تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ باپ کے لئے مغفرت کی دُعا کرنا ابتدائی دور کی بات ہے جبکہ باپ کا دشمن خدا ہونا معلوم نہ تھا اور جب معلوم ہو گیا تو دُعا کرنا بند کر دیا اور بیزار ہو گئے۔ اور حدیث بخاری میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں باپ کی مغفرت طلبی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا حدیث میں صرف یہ بیان کیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن اپنے باپ کی بری شکل میں کچھا پھر جناب باری میں فریاد کی: اے رب اپنے مجھ سے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن رُسوا نہیں کروں گا، مگر اس سے زیادہ رُسوائی اور کیا ہوگی کہ میرا باپ آزر جو رحمت سے دور ہے (میرے سامنے موجود ہے)۔

حدیث شریف کے یہ الفاظ قابل غور ہیں :-
يَا رَبِّ اِنَّكَ وَعَدْتَنِي اَنْ لَا تُخْذِلَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ

فَاَتَى خِزْبِي اَخْذَلِي مِنْ اَبِي اَلْاَبْعَدِ الْخ (بخاری ج ۴ ص ۱۶۹)

اس حدیث میں باپ کے لئے طلب مغفرت کا کوئی لفظ نہیں ہے اور نہ مضمون حدیث کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مُشرک باپ کے لئے دُعا کی جا رہی ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ دنیا کی زندگی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لئے مغفرت کی دُعا سے دست برداری کر لی تھی اور عملاً اس کا ثبوت بھی دیا تھا۔ اس حقیقت کے پیش نظر حدیث بخاری سے یہ مفہوم پیدا کرنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن مُشرک باپ کے لئے پھر مغفرت کی دُعا کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ایفائے عہد یاد دلا رہے ہیں، حقیقت سے دور نہیں خلاف حقیقت بات ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کی اس بُری حالت پر اپنی رُسوائی سے پناہ مانگ رہے ہیں کہ اے میرے رب میری اس رُسوائی سے بڑھکر اور کیا رُسوائی ہوگی اپنے باپ کو قیامت کے دن بُرے حال کے ساتھ دیکھنا عام

نگاہوں میں رسوائی کا باعث ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس رسوائی کو اس طرح دور کر دیا کہ باپ آزر کو حیوانی مکر وہ شکل بخجوں میں تبدیل کر دیا جو انسانی شکل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اب جبکہ آزر انسان ہی نہیں رہا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہونے کا امکان پیدا ہو جائے تو عالم حشر میں رسوائی کا قطعاً امکان نہ رہا اور اللہ کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رسوائی سے محفوظ ہو گئے۔ لہذا دعائے ابراہیمی کا خلاصہ یہ ہو گا:-

اے اللہ قیامت کے دن یہ رسوائی مجھے نہ دکھا کہ میدان حشر میں تمام اولین و آخرین کی موجودگی میں ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ

آزر سزا پارہا ہو اور ابراہیم (علیہ السلام) گھڑا دیچھڑا ہو۔
اس تشریح کے بعد روایت بخاری کا مطالعہ کیا جائے تو حدیث پر سقم درایت جیسا کہ محدث اسمعیلیؒ کا الزام ہے یا تفرّد کا اطلاق جیسا کہ محدث ابن کثیرؒ نے کیا ہے کچھ معقول نظر نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

دوسری دُعا ابراہیمی کی وضاحت | سیدنا ابراہیم علیہ السلام

کی دُعاؤں میں ایک مختصر دُعا یہ

بھی موجود ہے:- **وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ۔**

(الشعراء، آیت ۸۴)

”اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا فرما۔“

یعنی بعد کی نسلیں مجھ کو ذکرِ خیر کے ساتھ یاد کریں جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ دنیا میں مجھ سے وہ کارنامے انجام پائیں جن کی بدولت رہتی دنیا تک میری زندگی خلقِ خدا کے لئے روشنی کا مینار بنی رہے اور مجھ کو انسانیت کے محسنوں میں شمار کیا جائے۔ نہ یہ کہ میں دنیا میں وہ کام کر جاؤں کہ نسلِ انسانی میرے بعد میرا شمار ان ظالموں میں کرے جو خود بچڑے ہوئے تھے اور دنیا کو بھی بگاڑ کر چلے گئے۔

یہ محض شہرت یا ناموری کی دُعا نہیں ہے بلکہ سچی شہرت اور حقیقی ناموری کی دُعا ہے جو لازماً مٹھوس اور بیش بہا خدمت کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ مقصود دینی

خدمات کی بجائے اور سی ہے جو انسانیت کے لئے نور اور ہدایت ثابت ہو۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں میں ایک دُعا اس قسم کی ملتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عِيْنِيْ صَغِيْرًا وَّ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا۔ اے اللہ مجھ کو میری نگاہوں میں حقیر و کمتر بنا رکھ اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا و بزرگ تر۔

کسی شخص کو سچی ناموری و عزت کا حاصل ہونا اپنے اندر دو فوائد رکھنا ہے۔ اول یہ کہ اُس کے نیک کارناموں سے آنے والی نسلوں کو نیک مثال ملتی ہے جس سے وہ بھلائی کا سبق حاصل کرتی ہیں۔

دوم یہ کہ آدمی کی چھوڑی ہوئی نیک مثال سے قیامت تک جتنے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوگی اُن سب کا ثواب اُس شخص کو بھی ملے گا جس نے نیک مثال چھوڑی ہے۔ علاوہ ازیں قیامت کے روز کروڑوں بندگان الہی کی یہ گواہی بھی اُس کے حق میں موجود ہوگی کہ وہ دنیا میں بھلائی اور خیر کے چشمے رواں کر کے آیا ہے جس سے نسل پر نسل سیراب ہوتی رہی ہے۔ یہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا مقصد ہے کہ وہ رہتی دنیا تک اپنے لئے خیر کے چشمے رواں طلب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ اسلام کو جو آخری دین ہے ”ملت ابراہیم“ قرار دیا اور خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ابوالانبیاء (نبیوں کے جدِ اعلیٰ) کا لقب عطا کیا گیا۔

تیسری دُعا ابراہیمی کی وضاحت | سورۃ ممتحنہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خاص دُعا

کا تذکرہ موجود ہے۔ وہ بارگاہِ الہی میں دستِ طلب دراز کئے عجز و نیاز کے ساتھ یہ عرض کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْاۤ اَمْۤ

(الممتحنہ آیت ۵)

اے ہمارے پروردگار ہمیں کافر لوگوں کا فتنہ (تختہ مشق)

نہ بنانا، الخ

فِتْنہ فِتْن سے ماخوذ ہے۔ جب سونے کو آگ پر تپا کر کھوٹ اور میل کو دور کیا جاتا ہے تو ایسے موقع پر کہا جاتا ہے فِتْنَ الذَّهَبُ سونا خالص ہو گیا معنی نقصان سے محفوظ ہو گیا۔ لیکن اصطلاح میں امتحان و آزمائش اور پرکھنے کو کہتے ہیں۔ اس لئے انسان پر جو مصائب و شدائد آتے ہیں وہ اسی مناسبت سے فِتْنہ کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان کو صبر یا بے صبری سے دوچار کر دیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے مال، اولاد، اور جاہ و منصب کو اسی معنی کے پیش نظر فِتْنہ کہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کافروں کے لئے اہل ایمان کے فِتْنہ بننے سے پناہ طلب کر رہے ہیں۔ فِتْنہ بننے کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں جن سے ہر مومن کو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

مثال کے طور پر اسکی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافر اُن پر غالب آجائیں اور اپنے غلبے کو اس بات کی دلیل قرار دیں کہ ہم حق پر ہیں اور اہل ایمان برسرِ باطل، ورنہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان لوگوں کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوئی اور پھر بھی ہمیں ان پر غلبہ حاصل ہوتا؟ یہ ایک بڑا فِتْنہ ہے جو اہل ایمان کے ایمان کو متاثر کر سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اہل ایمان پر کافروں کا ظلم و ستم اُن کی حد برداشت سے بڑھ جائے اور آخر کار وہ اُن سے دب کر اپنے دین اور اخلاق کا سودا کرنے پر اُتر جائیں۔ یہ صورت دُنیا بھر میں مومنین کی جگہ ہنسائی کی موجب ہوئی اور کافروں کو اس سے دین اور اہل دین کی تذلیل کا موقع ملے گا۔ یہ فِتْنہ پہلے فِتْنہ سے زیادہ سخت تر ہے۔

تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ گمراہی کے عام غلبہ اور تسلط کی حالت میں جب کچھ لوگ حق کی دعوت لیکر اُٹھتے ہوں تو انہیں مختلف قسم کے ظالموں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی جاتی ہے کہ اے اللہ ہم پر ایسا فضل فرما کہ ہم ظالموں کے لئے صرف آزمائش بن کر نہ رہ جائیں اور ہماری دعوت پیچھے نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ جن مراحل سے گزری اس میں

یہ تینوں مفہوم آجاتے ہیں۔ یہ دُعا بڑے وسیع مفہوم کو ادا کرتی ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا یہ پہلو ہمارے لئے صد ہزار سامانِ عبرت و بصیرت رکھتا ہے۔ غیر اسلامی حکومت و معاشرت نے ہم کو اس درجہ حقیر و ذلیل بنا دیا ہے کہ ہم اپنے عمل کے علاوہ سوچنے سمجھنے کے زاویے تک بدل دیے ہیں۔
اللہ کے مقدس رسول سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جناب میں عجز و زاری کے ساتھ اس ناپاک زندگی سے محفوظ رہنے کے لئے دستِ طلب دراز کیا ہے کہ ہم پر وہ وقت کبھی نہ آئے کہ کفر و شرک کی طاقت و حکومت توحید کے ماننے والوں کو اس آزمائش میں مبتلا نہ کر دے کہ حق و باطل کا امتیاز بھی ہم کھو بیٹھیں۔

ثَلَاثُ كَذِبَاتٍ | سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں اُس موقع پر جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قوم کے بعض افراد کے درمیان میلے کی شرکت کے لئے گفتگو ہو رہی تھی۔ قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول منقول کیا ہے :-

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ۔ (صافات آیت ۸۹)

”کہا میں بیمار ہوں۔“

اور جب بتوں کے توڑ پھوڑ کے سلسلے میں اُن سے دریافت کیا گیا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جواب اس طرح دیا تھا :-

قَالَ بَلْ فَعَلْنَا كَبِيرٌهُمْ هَذَا فَسَلُّوهُمْ اِنْ

كَانُوا يَنْطِقُونَ۔ (انبیاء آیت ۶۳)

”ابراہیم نے کہا بلکہ ان میں سے سب کے بڑے نے یہ

کیا ہے۔ پس ان سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہوں؟“

تیسری بات بخاری و مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے اور یہ حدیث

ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے :-

لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ

اِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ اِنْ (بخاری جلد ۶ ص ۳۱)

”جھوٹ نہیں کہا ابراہیم نبی اللہ علیہ السلام نے مگر تین جھوٹ“
 دو تو وہی ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں آچکا ہے۔ تیسری بات اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ سارہؓ
 کے متعلق ہے جبکہ مصر کے ظالم بادشاہ کے کارندوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
 پوچھا تھا کہ یہ عورت کون ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہ میری
 بہن ہے۔ (بخاری ج ۴ ص ۱۱۱) کتاب بدر الخلق۔

نیز بخاری میں کتاب التفسیر کے ضمن میں سورہ بقرہ کی تفسیر اور اسی طرح
 کتاب التوحید میں مذکور ہے۔

”میرا ان حشر میں جب تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام،
 حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام سے شفاعت کیلئے
 کہہ چکینگے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور اُن کے
 عرض کریں گے کہ آپ خلیل الرحمن ہیں آپ ہماری سفارش بارگاہ الہی
 میں کیجئے کہ جلد فیصلہ ہو اور ہم اس مصیبت سے نجات پائیں۔ حضرت
 ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے
 حضور پہنچوں اس لئے کہ میں نے دنیا میں تین خطائیں کی ہیں۔ الخ
 اِنِّیْ سَاقِیْمٌ۔ بَلْ فَعَلْتُ کِبِیْرًا هُمْ۔ اِنِّیْ اَخْوَلٌ۔ (ابن کثیر)

(بخاری جلد ۳ ص ۱۲۹) مصری

کتاب التوحید۔

مَا مِنْهَا کَذِبٌ اِلَّا مَا حَلَّ بِهَا عَنْ دِیْنِ اللّٰهِ

(ابن کثیر)

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام
 کے ان تینوں جھوٹ میں سے ہر ایک صرون اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت
 و مدافعت ہی کیلئے بولا گیا ہے (جو صورت جھوٹ ہے حقیقتاً نہیں)

اس وضاحت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کذب سے مراد عام معنی
 نہیں لئے ہیں اور نہ کذب کے وہ عام معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں جو بول چال میں عیب
 اور گناہ شمار کیا جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس یہ واضح کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے یہ تینوں باتیں نہ اپنی ذاتی اغراض کے لئے کہی ہیں اور نہ دُنیاوی مصلحت کے پیشِ نظر بلکہ مخالفینِ حق کے مقابلہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت میں کہی ہیں۔ لہذا ایک لمحہ کے لئے بھی اسمیں تردّد کی گنجائش نہیں کہ کذب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہے اسی طرح دُور ہے جس طرح دن سے رات اور روشنی سے تاریکی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان امتیازی صفات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ صدیق، مجتبیٰ، مہدی، نبی، رسول، حنیف، جو سرِ ایا صدق و صفا والے اوصاف ہیں۔

علاوہ ازیں مفسرینِ کرام کی ایک جماعت ان واقعات کو ”تورہ“ کی شکل قرار دیتی ہے۔ تورہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ذُو معنی لفظ بولا جائے جسکے ذُو معنی ہوں اور سُننے والا اُسکے قریب اور متبادر معنی مراد لے لیکن متکلم کی نیت اُسکے دوسرے معنی کی ہو۔ مثال کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ایک بوڑھی عورت سے فرمایا تھا۔ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائیگی۔ یہ سن کر خاتون رونے لگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اِنَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ لِاِنْشَاءِ الْاٰیَةِ مطلب یہ کہ جنت بھی جس کا بھی داخلہ ہوگا جوانی کی حالت میں ہوگا۔ (بوڑھا کوئی نہ ہوگا)

ظاہر ہے آپ کے ارشاد بوڑھی عورت جنت میں نہ جائیگی کے ذُو معنی تھے اُس بڑھیا نے قریبی معنی سمجھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے دوسرے معنی مراد لئے تھے اس طرح اور بھی بہت سی مثالیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ ”تورہ“ علمِ بدیع کی ایک قسم ہے جو کلام میں نُدرت اور کشش پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اب اس وضاحت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کذبات پر غور کیا جائے تو ان میں سے ایک بھی حقیقی جھوٹ نہیں صورتِ جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔ پہلے واقعہ میں جیسا کہ تفصیل آچکی ہے قوم کے لوگ اپنے کسی مذہبی میلے میں جا رہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان والوں نے اُن سے بھی چلنے کو کہا اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فَنْظَرْنَا فَاِذَا فِي السَّمٰوٰتِ اِنۡیۡ سَاقِیْمٌ ایک نگاہ تاروں پر ڈالی اور کہا میں بیمار ہوں۔ آسمان کی طرف نگاہ اُٹھانا ایک محاورہ ہے۔ جب آدمی کسی بات پر غور کر کے

جواب دینا چاہتا ہے اُس وقت فطری طور پر آسمان کی طرف ایک نگاہ اٹھالیتا ہے پھر جواب دیتا ہے بس ایسے عمل کی یہ ہی حقیقت ہے۔ لیکن مخاطب خاص طور پر جبکہ وہ ستارہ پرست آدمی ہوا کو کسی اور معنی میں سمجھتا ہے۔ یہ اُسکی اپنی سمجھ ہے۔ دیکھنے والے کی غرض اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پھر سقیم کا لفظ جہاں شدید بیمار پر بولا جاتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اُس وقت گویا وہ بیمار نہ ہوں لیکن طبیعت کی کسبندی یا خفیف علالت سے متاثر ہوں گے۔ اسی وجہ سے سقیم کے دوسرے بعید معنی مراد لئے لیکن قوم نے پہلا اور قریبی معنی مراد لیا ہے۔ اس طرح جھوٹ بات نہ رہی۔

دوسرا واقعہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کے مرکزی بُت خانے میں داخل ہو گئے اور سارے بتوں کو توڑ دیا اور قوم نے جب پوچھا کہ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا:-
 قَالَ بَلْ فَعَلْنَا كَبِيرٌ هُمْ هَذَا فَسَلُّوهُمْ
 ”کہا یہ سب کچھ ان کے اس بڑے سردار نے کیا ہے۔ انہی

سے پوچھ لو۔“
 (کَبِيرٌ هُمْ) (اُن کے بڑے) کا اشارہ بُت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی جو اُن سب کے بڑے ہیں۔ اگر پہلی بات ہے تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اُن کے عقائد پر ایک طنز و اعتراض کا ہم معنی ہے یعنی اگر ان کے نزدیک واقعی یہ خدا ہیں تو انہیں اپنے بڑے خدا کے متعلق یہ شبہ ہونا چاہیے کہ شاید بڑے حضرت ان چھوٹے حضراتوں سے کسی بات پر بگڑ گئے ہوں اور سب کا یہ حشر بنا دیا ہو۔ یا پھر بڑے حضرت سے یہ پوچھیں کہ حضور آپ کی موجودگی میں یہ کیا ہوا؟ قوم نے یہ ہی معنی مراد لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں۔ اس طرح حقیقی جھوٹ ثابت نہیں ہوتا۔

تیسرا واقعہ ظالم بادشاہ کے کارندوں سے اپنی بیوی حضرت سارہ رض کے

بارے میں یہ کہنا کہ یہ میری بہن ہے۔ کوئی جھوٹی بات نہیں ہو سکتی۔
ایک عورت بہن بھی ہو اور بیوی بھی ہو ایسا ممکن ہے؟ سیدہ سارہؓ
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دینی بہن بھی تھیں، بیوی کے رشتہ سے اسلامی اخوت
کا رشتہ ختم نہیں ہو جاتا۔ علاوہ ازیں ابن کثیرؒ اور دیگر مؤرخین کی تحقیق ہے کہ حضرت
سارہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا حاران کی بیٹی تھیں اسلئے چچا زاد بہن بھی تھیں
اس لحاظ سے بیوی کو بہن کہنا جھوٹ بھی نہیں۔ دینی بہن ہونے کی صراحت خود بخاریؒ
کی مذکورہ روایت میں موجود ہے:-

قَالَ يَا سَارَةَ لَيْسَ عَلَيَّ وَجِبَ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ
غَيْرِي وَغَيْرِي وَإِنَّ هَذَا سَأَلَنِي فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّكَ أُخْتِي.
(بخاری جزرہ رابع ص ۱۸۷)

اے سارہؓ اس وقت رومے زمین پر میرے اور تمہارے
موا کوئی مومن نہیں اور اس ظالم نے تمہارے بارے میں پوچھا ہے
میں نے اُسے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔

بہر حال یہ بخاری و مسلم کی دونوں روایات ہیں جو ہر قسم کے سُقیم روایت سے پاک صاف
ہیں۔ اگرچہ یہ روایات سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسے حلیل القدر رسول کی جانب
کذب کی نسبت کر رہی ہیں لیکن انہی روایات میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کذب سے وہ عام معنی مراد نہیں لئے جو اخلاقی و دینی
ماحول میں گناہ سمجھے جاتے ہیں۔ مَا مِنْهَا كَذِبٌ بَتًّا کے الفاظ موجود ہیں۔
ان میں سے کوئی ایک بھی جھوٹ نہ تھا۔

(رواہ ابن ابی حاتم و ابن کثیر)

الغرض ”ثلاث کذبات“ سے مراد ایسا کلام جو صحیح اور پاک مقصد کیلئے بولا گیا ہو
لیکن سُننے والا اُس کا وہ مطلب نہ سمجھے جو متکلم کی مراد ہے بلکہ اِن الفاظ کو اپنی ذہنی
مراد کے مطابق سمجھے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي

إِلَّا بِاللَّهِ۔

مشرک کیلئے دعائے مغفرت | قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے ظلم سے تنگ آکر جب گھر سے نکلنے لگے تو رخصت ہوتے ہوئے فرمایا تھا:-

سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّكَ كَانَ بِنِي حَفِيًّا.

”آپ کو سلام ہے میں آپ کے لئے اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔“

اسی وعدے کی بنا پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعائے مغفرت نہ صرف اپنے باپ کے لئے کی بلکہ ایک دوسرے مقام پر بیان ہوا ہے کہ ماں اور باپ دونوں کیلئے کی ہو۔
رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ (ابراہیم آیت ۷۷)

اے رب میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔

لیکن بعد میں انھیں خود احساس ہو گیا یا اللہ کی وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ باپ حق کا دشمن ہے چاہے وہ نبی کا باپ ہی کیوں نہ ہو دعائے مغفرت کا مستحق نہیں ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَ هَا اِيَّاكَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَكَ اَنَّكَ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُمْ.

(توبہ آیت ۱۱۴)

ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنا

محض اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اُس سے کیا تھا۔ مگر جب یہ بات اُن پر کھل گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو ابراہیم (علیہ السلام) نے اُس سے اظہار بیزاری کر دیا۔

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ (مشرک) اللہ کے باغیوں کے ساتھ جو ہمدردی ممنوع ہے وہ صرف ایسی ہمدردی ہے جو دین کے معاملہ میں دخل انداز ہوتی ہو۔ البتہ انسانی ہمدردی اور دنیوی تعلقات جیسے صلہ رحمی، لین دین، رحمت و شفقت کا برتاؤ تو یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ پسندیدہ عمل ہے۔ رشتہ دار خواہ کافر ہو یا مومن اُس کے دنیوی حقوق ضرور ادا کئے جائیں گے۔ مصیبت زدہ انسان کی بہر حال ہمدردی

کی جائے گی۔ حاجت مند آدمی کو بہر حال سہارا دیا جائے گا۔ بیمار اور زخمی کے ساتھ ہمدردی علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے گی۔ یتیم کے سر پر یقیناً شفقت کا ہاتھ رکھا جائے گا۔ اس قسم کے معاملات میں ہرگز یہ امتیاز نہ برتنا جائے گا کہ کون مسلم ہے اور کون غیر مسلم۔

مشرکوں اور کافروں کے لئے جس دعا کی ممانعت ہے وہ آخرت کی معافی و نجات سے متعلق ہے کہ ان کے لئے مغفرت یا نجات کی دعا کرنا سخت ترین جرم ہے اللہ تعالیٰ کو یہ بات قطعاً گوارہ نہیں کہ مشرک کے لئے زندگی میں یا بعد موت مغفرت کی دعا کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ جو لوگ شرک کی حالت پر فوت ہو جاتے ہیں وہ کسی بھی قیمت میں معاف نہیں کئے جائیں گے۔

قرآن حکیم کی یہ وضاحت اس آیت میں ملتی ہے :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ الْآيَةُ

”بیشک اللہ معاف نہ کرے گا شرک کرنے والوں کو اور اسکے علاوہ چاہے تو معاف کر دے جسکو چاہے۔“

إِنَّمَا مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

”یہ حقیقت ہے کہ جس نے شرک کیا اس پر اللہ نے جنت

حرام کر دی ہے۔“

ایک شبہ کی وضاحت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں یہ جو بیان کیا گیا کہ جب رات طاری ہوئی تو آنکھوں نے

ایک تارا دیکھا اور جب وہ ڈوب گیا تو کہا کہ میں ڈوبنے والوں کو اللہ نہیں سمجھتا۔ پھر چاند دیکھا اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو یہ ہی فیصلہ کیا، پھر سورج دیکھا اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمایا کہ اے قوم میں ہر اس معبود سے برمی ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ پھر اللہ واحد کی حقیقت کو پہچان لیا۔

اس واقعہ پر ایک عام شخص کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا بچپن سے آنکھ

کھولتے ہی روز آنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رات طاری نہ ہوتی رہی تھی؟ اور کیا وہ ہر روز چاند، تاروں، سورج کو طلوع و غروب ہوتے نہ دیکھتے تھے؟ پھر یہ قصہ اس طرح کیوں بیان کیا گیا؟ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس واقعے پہلے انہیں ان چیزوں کے دیکھنے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا؟ جواب بالکل صاف ہے اس کے لئے پہلے بطور مثال یہ مشہور بات ذہن

میں لے آئیے:-

نیوٹن (مشہور فلسفی) کے بارے میں یہ بات عام ہے کہ اُس نے باغ میں ایک سیب کو درخت سے گرتے دیکھا اور اُس سے اُس کا ذہن اجانک اس سوال کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اشیاء آخر زمین پر ہی کیوں گر ا کرتی ہیں؟ تھر کر وہ اُوپر کیوں نہیں تہیں؟ یہاں تک وہ غور کرتے کرتے ”قانون جذب و کشش“ کی حقیقت تک پہنچ گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعے سے پہلے نیوٹن نے کبھی کوئی چیز

زمین پر گرتے نہیں دیکھی تھی؟

جواب ظاہر ہے بار بار دیکھی ہوگی! پھر کیا وجہ ہے کہ اُسی خاص تاریخ کو سیب گرنے کے مشاہدے سے نیوٹن کے ذہن میں وہ حرکت پیدا ہوئی جو اس سے پہلے روزمرہ کے ایسے سینکڑوں مشاہدات سے نہ ہوئی تھی؟

اس کا جواب یہ ہی ہے کہ غور و فکر کرنے والا ذہن ہمیشہ ایک طرح کے مشاہدات سے ایک ہی طرح متاثر نہیں ہوا کرتا۔

بار بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے اور اُس کے ذہن میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ مگر ایک وقت اُسی چیز کو دیکھ کر یکایک ذہن میں ایک کھٹک پیدا ہو جاتی ہے جس سے فکر کی قوتیں ایک خاص مضمون کی طرف کام کرنے لگتی ہیں۔ یا پہلے سے کسی سوال کی تحقیق میں ذہن الجھ رہا ہوتا ہے اور یکایک روزمرہ ہی کے مشاہدات میں سے کسی ایک چیز پر نظر پڑتے ہی گتھی کا وہ سیرا ہاتھ لگ جاتا ہے جس سے ساری الجھنیں سلجھتی چلی جاتی ہیں۔

مقریباً ایسا ہی کچھ معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا ہوگا جبکہ وہ کفر اور شرک کے غام ماحول میں اپنی شرک بیزار فطرت کو اُس ماحول سے علیحدہ

کر لینے کے لئے ایک رات چاند، ستاروں کا سہارا لیا اور غور کرتے کرتے بالآخر ”توحید الہ“ کی مرکزی حقیقت تک پہنچ گئے۔ حالانکہ راتیں روز آتی تھیں، چاند، سورج، ستارے سب ہی ہر رات دن ڈوبتے اُبھرتے رہتے تھے۔ لیکن وہ ایک خاص دن تھا جب ایک تارے کے مشاہدے نے اُن کے ذہن کو اُس راہ پر ڈال دیا اور اللہ کی توفیق نے اُنہیں منزل تک پہنچا دیا۔

آثارِ کائنات سے
رَبِّ کائنات تک

سورۃ النعام کی آیت ۷۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اسی طرح کہا گیا ہے:-
”اور ایسے ہی ہم ابراہیم کو زمین و آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے۔ اور اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔“

(النعام آیت ۷۵)

یعنی جس طرح عام انسانوں کے سامنے آثارِ کائنات نمایاں ہیں، اور اللہ کی نشانیاں دکھلائی جاتی رہتی ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بھی یہی آثار تھیں اور یہی نشانیاں تھیں۔ مگر عام لوگ اُنہیں دیکھنے کے باوجود بھی اندھوں کی طرح کچھ نہیں دیکھتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُنہیں آنکھیں کھول کر دیکھا۔ یہی چاند، سورج، ستارے جو ہر روز طلوع و غروب ہوتے ہیں عام انسان کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن جب اُنہیں اُس آنکھوں والے انسان (ابراہیم) نے دیکھا تو انہی نشانات سے وہ حقیقت تک پہنچ گئے۔

دو ٹوک بات | سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بُت ساز باپ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں:-

”ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جبکہ اُس نے اپنے باپ آزر سے کہا
”تھا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی
میں پاتا ہوں۔“ (النعام آیت ۷۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتنا کھل کر صاف صاف کہہ دینا کیا نتائج پیدا کیا ہوگا؟ اور اُسکے نتائج و عواقب سے کس طرح دوچار ہونا پڑا ہوگا؟

اس جرأت و بیباکی پر باپ اور قوم کا جوش و خروش کس طرح پیچ و خم کھایا ہوگا؟ اس کا کچھ اندازہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے معتقدوں اور قادری النسب پیرزادوں کے سامنے حضرت شیخؒ کی اصل تعلیمات اور اُن کی زندگی کے واقعات پیش کر کے یہ کہہ دے کہ جن بزرگ کے تم نام لیوا ہو، تمہارا اپنا طریقہ انکے بالکل خلاف ہے۔ اور تم نے آج ان ہی گمراہ لوگوں کی روش اختیار کر لی ہے جن کے خلاف تمہارے مقتدا نے تمام عمر جہاد کیا ہے۔ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کتنا عظیم جہاد ہے؟

اندھی تقلید | سورۃ شعراء آیت ۹ تا ۱۲ کا مضمون پیش نظر رہے:-
 ”وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّتُ لِلْمُتَّقِينَ“

اُس روز جنت پر بہر گاروں کے قریب لے آئی جائے گی اور دوزخ بہکے ہوئے لوگوں کے سامنے کھول دی جائے گی اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ اب کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر رہے ہیں یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ پھر وہ معبود اور یہ بہکے ہوئے لوگ اور ابلیس کے شکر سب کے سب اُس دوزخ میں اوپر تلے دھکیل دیے جائیں گے۔ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ بہکے ہوئے لوگ اپنے اپنے پیشوا مقتدا سے کہیں گے کہ اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔ اور وہ مجرم لوگ ہی تھے جنہوں نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگہری دوست۔ کاش ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن ہوں۔“

یہ پیرونی کرنے والے معتقدین کی طرف سے اُن لوگوں کی تواضع ہو رہی ہوگی جنہیں

یہی لوگ دنیا میں اپنا بزرگ، پیشوا اور رہنما مانتے رہے تھے، جن کے ہاتھ پاؤں چومے جاتے تھے، جن کے قول و عمل کو سنا جاتا تھا، جن کے حضور نذریں گزرائی جاتی تھیں، جو خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر گئے۔ آخرت میں جا کر جب حقیقت کھلے گی اور پیچھے چلنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ آگے چلنے والے خود کہاں آئے ہیں اور ہمیں کہاں لے آئے ہیں تو یہی معتقدین ان کو گمراہ و مجرم ٹھیرائیں گے اور ان پر لعنتیں بھیجیں گے۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ عالم آخرت کا یہ عبرت ناک نقشہ ”کھینچا گیا ہے تاکہ اندھی تقلید کرنے والے دنیا میں آنکھیں کھولیں اور کسی کے پیچھے چلنے سے پہلے دیکھ لیں کہ وہ ٹھیک بھی جا رہے ہیں یا نہیں۔

سورہ اعراف میں فرمایا گیا:-

كَلَّمَآدَخَلَّتْ أُمَّتٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَاۤ اِنْ

(اعراف آیت ۳۸)

”ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا تو اپنے ساتھ کے گروہ پر لعنت کرتا جائے گا یہاں تک کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے متعلق کہے گا کہ اے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، اب اُنہیں آگ کا دوہرا عذاب دے۔ اللہ فرمائیگا سب ہی کے لئے دوہرا عذاب ہے مگر تم جانتے نہیں ہو۔

سورہ حم السجدہ میں اس طرح ارشاد ہے:-

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا اِرِنَا الَّذِيْنَ اَضَلَّنَاۤ اِنْ

(آیت ۲۹)

”اور کافر اس وقت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار اُن جنوں اور انسانوں کو ہمارے سامنے لائیے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تاکہ ہم اُنہیں پاؤں تلے روند ڈالیں تاکہ وہ پست و ذلیل ہو کر رہیں“ اور یہی مضمون سورہ احزاب میں اس طرح مذکور ہے:-

وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا مَا دَتَنَاۤ اِنْ (آیت ۶۷-۶۸)

”اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور
بڑوں کی اطاعت کی اور اُنھوں نے ہم کو سیدھے راستے سے
بھٹکا دیا۔ اے ہمارے رب اُن کو دو گنا عذاب دے اور اُن پر
سخت لعنت کر۔“

سورۃ ابراہیم میں اس طرح مذکور ہے :-

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعُفَاءُ الْحُ

(ابراہیم آیت ۲۱)

”اور یہ لوگ جب سب کے سب اللہ کے حضور پیش ہونگے
تو اُس وقت اُن میں سے جو دنیا میں کمزور تھے وہ اُن لوگوں سے جو
بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے اب
کیا تم اللہ کے عذاب سے ہم کو بچانے کے لئے بھی کچھ کر سکتے ہو؟
وہ جواب دیں گے اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ
دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھا دیتے۔ اب تو یکساں ہے خواہ
ہم جزع جزع کریں یا صبر، بہر حال ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔“

سورۃ سبأ میں اس طرح بیان کیا گیا :-

وَكُلُّ تَرَاثٍ اِذْ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِذْ

(آیت ۲۱، ۲۲، ۲۳)

”کاش تم دیکھو ان کا حال اُس وقت جب یہ ظالم اپنے
رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اُس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام
دھریں گے۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے
والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔ وہ بڑے
بننے والے ان دے ہوئے لوگوں کو جواب دیں گے، کیا ہم نے تمہیں
اُس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ نہیں! بلکہ تم
خود مجرم تھے۔ وہ دے ہوئے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے
نہیں بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا۔ جب تم ہم کو

فرانش کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اُس کے لئے
شریک قرار دیں۔ اور وہ لوگ پشیمانی کو مخفی رکھینگے جبکہ عذاب
دیکھیں گے۔ اور ہم اُن منکروں کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے۔ کیا
لوگوں کو اُس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جاسکتا ہے کہ جیسے اعمال اُن کے
مختے ویسی ہی جزا وہ پائیں؟

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا آلَ فِرْعَوْنَ
(آیت ۱۴۶، ۱۴۷)

”اُس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہی پیشوا اور رہنما جنکی دنیا
میں پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروی کرنے والوں سے بے تعلقی ظاہر
کریں گے اور عذاب کو (آنکھوں سے) دیکھ لینگے۔ اور اُن کے
سارے اسباب اور وسائل ٹوٹ جائیں گے۔ اور وہ لوگ جو دنیا
میں اُن کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کاش ہم کو ایک موقعہ دیا جاتا
تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں ہم اُن سے بیزار
ہو کر دکھائیں گے۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں
کر رہے ہیں ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں
کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔“
مذکورہ بالا آیات میں خاص طور پر گمراہ کرنے والے رہنماؤں اور لیڈروں اور اُن کے
نادان پیروی کرنے والوں کا انجام اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ جس غلطی میں مبتلا ہو کر
پچھلی اُمّتیں بھٹک گئیں اس سے مسلمان ہوشیار رہیں اور رہبروں اور رہزنوں میں
امتیاز سیکھیں اور غلط پیروی کرنے والوں سے احتیاط رکھیں۔

علم و یقین کی ایک علامت | جب انسان کسی عقیدے کو علم و یقین کی
روشنی میں قائم کر لیتا ہے اور وہ عقیدہ

اُس کے قلب میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور اُسکی روح میں پیوست تو ایسے شخص کا فکر
و خیال، طور و طریقہ اس درجہ زبردست اور ثابت و راسخ ہو جاتا ہے کہ کائنات کا

کوئی حادثہ، دنیا کی کوئی سخت سے سخت مصیبت بھی اُسکو اس عقیدے سے نہیں ہٹا سکتی وہ اس کے لئے آگ میں بے خطر کود پڑتا ہے، تختہ دار پر بے خوف چڑھ جاتا ہے، دشمنوں کے ہجوم میں اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی عدالت نے آگ میں ڈال دینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عزیز و ثبات میں کوئی فرق پیدا نہ ہوا۔

بے دھڑک کود پڑا آتش نمرود میں عشق
علم و یقین کے اُس گہرے عقیدے نے آگ کو باغ و بہار کر دیا۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اسلام کا حسن سلوک | اگر ایک مسلم کے ماں باپ مشرک و کافر ہوں اور وہ کسی طرح شرک سے باز نہ آتے ہوں تو اُن کی مشرکانہ زندگی سے بیزار و علیحدہ رہتے ہوئے بھی اُن کے ساتھ معاملات اور حسن سلوک میں کسی قسم کی سختی یا زیادتی روا نہیں سمجھی گئی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ آزر کے ساتھ ادب و اخلاق کا معاملہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ باپ کی دھمکی اور سختی کا جواب سَلَامٌ عَلَیْکَ کہہ کر دیا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل اپنے محسن چچا خواجہ ابو طالب کے ساتھ اس مسئلہ کی قطعی شہادت ہے۔

مَثَلُ الْأَعْلَى | دسترخوان کی وسعت و کشادگی اگر ریاض و نام و نمود سے پاک ہو اور فطری تقاضے کے پیش نظر مہماں نوازی میں وسعتِ قلب اور بلند حوصلگی پائی جاتی ہو تو یہ بات اخلاقِ کریمانہ میں قابلِ تحسین شمار کی جاتی ہے اسکو ”سُخَارِ نَفْس“ اور ”جو دو کرم“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ وصف گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حقیقتِ نفس بن چکا تھا، مہماں نوازی، دسترخوان کی وسعت، آنے والوں کا اکرام ایسے اوصاف تھے جو

سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں مشکلُ الاعلیٰ کی حد تک پہنچ گئے تھے۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک عجیب واقعہ منقول ہے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حسب دستور حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی مہمان کے انتظار میں کھڑے تھے، کیونکہ بغیر مہمان نہ اُن کا دسترخوان بچھتا تھا اور نہ وہ تنہا کھاتے تھے۔ سامنے ایک بہت بوڑھا آدمی نظر پڑا جسکی کمر بھی کمان ہو گئی تھی اور لکڑی کے سہارے بشکل چل رہا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام آگے بڑھے اور مسرت کے ساتھ اُسکو سہارا دیکر گھڑ لائے۔ دسترخوان بچھایا اور محبت و پیار سے اُسے خوب کھلایا۔ جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَس اللہ واحد کا شکر ادا کر جس نے ہم سب کو یہ نعمتیں دیں ہیں۔ بوڑھے مہمان نے غصے میں کہا میں نہیں جانتا کہ تیرا اللہ واحد کون ہے؟ میں تو اپنے معبود کا شکر ادا کرتا ہوں جو میرے گھر میں موجود ہے۔

یہ جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بہت شاق گزرا اور اُسکو اپنے گھر سے فوراً رخصت کر دیا۔ لیکن کچھ دیر نہ ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر اپنے اس طرز عمل کا شدت سے احساس ہوا۔ خیال آیا کہ جس اللہ واحد کا شکر میں اس بوڑھے سے کروانا چاہتا تھا اُسکی شان تو یہ ہے کہ اُس نے اس بوڑھے کی اس طویل عمر تک اپنی نعمتیں برقرار رکھیں اور اُسکی بُت پرستی و کفر و شرک سے ناراض ہو کر ایک وقت بھی اُس پر اپنے رزق کا دروازہ بند نہیں کیا۔ پھر مجھکو کیا حق تھا کہ اگر اُس نے میری بات نہ مانی اور کلمہ حق کو قبول نہ کیا تو میں اُسکو گھر سے رخصت کر دوں؟ اس حقیقت پسند احساس نے بے چین کر دیا اور اُسکی تلاش میں خود گھر سے نکل پڑے اور اُسکو پا کر ندامت و معذرت پیش کی اور اکرام کے ساتھ پھر اپنے گھر لے آئے دیکھا جاتا ہے کہ وہ مہمان فرشتہ تھا جو آزمائش کے طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر آیا تھا۔

بہر حال یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے قابل قبول ہو یا نہ ہو لیکن اس حقیقت کا ضرور اعلان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ کی وہ بلندی جو مشکل الاعلیٰ تک پہنچی ہوئی تھی ضرب المثل اور زبان زد خلایق بن گئی۔

بڑوں کا بچپن | اللہ تعالیٰ جن ہستیوں کو اپنے پیغام و رسالت کے لئے چُن لیتا ہے

اُن کے قلب و دماغ کو اپنے نور سے اس درجہ روشن کر دیتا ہے کہ ان کے سامنے حق و صداقت کے ماسوا کوئی اور چیز باقی نہیں رہتی۔ اُن میں ابتدائی عمر ہی سے یہ استعداد و صلاحیت پرورش پاتی ہے۔ وہ اپنے بچپن ہی میں اپنے ہم عمروں میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ راہِ حق میں ابتلا اور آزمائش کو خوشی سے سہنا، تسلیم و رضا کا اسوہ حسنہ پیش کرنا انکی فطرت بن جاتا ہے۔

سیدنا اسمعیل علیہ السلام کا کم عمری میں ذبح کے لئے آمادہ ہو جانا اس حقیقت کا شاہد عدل اور باعث صد ہزار عبرت و عظمت ہے۔

تذکرہ ذبیح اللہ سیدنا اسمعیل علیہ السلام اور تعویذ کعبہ

ذکر ولادت | قرآن حکیم میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ولادت کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں جس قدر بھی تفصیلات ملتی ہیں وہ یا تو

تورات کے بیان کردہ واقعات ہیں یا پھر تاریخی روایات۔ اکثر مؤرخین نے ولادت کی تفصیلات انہی ذرائع سے حاصل کی ہیں، البتہ سورہ صافات میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ جب نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوادیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُسکی اس تدبیر کو ناکام کر کے ان کو صحیح و سالم آگ سے باہر کیا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک سے ہجرت کر جانے کا ارادہ کر لیا اور چلتے وقت اپنے رب سے دُعا مانگی۔

”اللہی مجھے نیک و صالح لڑکا عطا فرما“ (صافات آیت ۸۱)

اس دُعا پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ایک ”بردار لڑکے کی

بشارت دی“ (صافات آیت ۸۲)

اس لڑکے سے مراد حضرت اسمعیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔ تورات اور دیگر تاریخی کتب میں اُنکی ولادت کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے:-

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف اسٹی سال سے اوپر

ہو چکی تھی لیکن گود اولاد سے خالی تھی۔ ایک غلام کو خانہ زاد بنا لیا تھا

جسکے ساتھ اولاد جیسا معاملہ کیا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ بڑی بیوی کا نام سیدہ سارہ (عراقیہ)

اور چھوٹی کا نام سیدہ باجرہ (مصریہ) سیدہ سارہ اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکیں تھیں اس لئے اولاد کے نہ ہونے سے بے چین رہا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کیا ہمارے گھر کوئی اولاد نہ ہوگی؟ اور کیا یہ ہی خانہ زاد ہمارا وارث ہوگا؟ آپ اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں دُعا فرماتے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی، اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ یہ خوشخبری پہنچائی کہ عنقریب تم کو ایک لڑکا ہوگا جس کا نام اسمعیل رکھنا، کچھ عرصہ بعد حضرت باجرہ پر اُمید ہو گئیں، حضرت سارہ کو جب اس کا غم ہوا تو انہیں بہ تقاضائے بشریت حضرت باجرہ سے رشک پیدا ہو گیا۔ بات بڑھتی گئی۔ آخر حضرت باجرہ سے بخش پیدا ہو گئی۔ حضرت باجرہ مجبور ہو کر ایک دفعہ گھر سے دُور چلی گئیں دریا راہ فرشتے سے ہمکلامی ہوئی، فرشتے نے خوشخبری دی اور تسلی کے کلمات کہے، حضرت باجرہ اپنے گھر واپس آ گئیں، پھر وقت مقررہ پر بشارت کے مطابق لڑکا پیدا ہوا اور اُس کا نام اسمعیل رکھا گیا۔

اسمعیل "اسمع" اور "ایل" دو لفظوں سے مرکب ہے، عبرانی زبان میں "ایل" کے معنی اللہ کے ہیں اور عربی میں اسمع کے معنی ہیں سن، چونکہ اسمعیل علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا سن لی اور حضرت باجرہ کو فرشتہ سے بشارت ملی اس لئے ان کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ عبرانی میں اسکا تلفظ "شماع ایل" ہے۔ شماع کے عبرانی معنی بھی سن کے ہیں۔

سیدنا اسمعیل علیہ السلام
اور قرآن حکیم

قرآن حکیم نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کا تعارف اس طرح کروایا ہے:-
وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ
كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا

نَبِيًّا. الخ (مریم آیت ۵۴-۵۵)

”اور آپ اس کتاب (قرآن) میں اسمعیل کا ذکر کیجئے، بیشک وہ وعدہ کے بڑے سچے اور اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ اور وہ حکم کرتے تھے اپنے گھروالوں کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ شخصیت تھے۔“

حضرت اسمعیل علیہ السلام کا ذکر خیر تذکرہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ضمن میں بھی بکثرت آیا ہے لیکن مستقل طور پر حضرت اسمعیل علیہ السلام کا ذکر مبارک قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل سورتوں میں موجود ہے۔

سورۃ بقرہ	آیات ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰
” الانعام	آیت ۸۶
” النساء	آیت ۱۶۳
” ابراہیم	آیت ۳۹
” الصافات	آیت ۱۰۱
” مریم	آیت ۵۳
” انبیاء	آیت ۸۵

وَادِي غَيْرِ ذِي زُرْعٍ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا سیدہ ہاجرہ کے بطن سے

حضرت اسمعیلؑ کا پیدا ہونا سیدہ سارہ کے لئے

باعث رشک تھا اور شدہ شدہ یہ حالت رنجش کے حدود میں آگئی۔ سیدہ سارہ کا اصرار تھا کہ ہاجرہ کو مجھ سے دور کر دیا جائے۔ ان کے ساتھ قیام کرنا میرے لئے تکلیف دہ ہو گیا ہے۔ (قصص الانبیاء ابن کثیر رحمہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی افہام و تفہیم اس بارے میں کچھ کارگر ثابت نہ ہوئی اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سیدہ سارہ کا یہ اصرار بھی ناگوار تھا مگر اللہ تعالیٰ نے جو علیم و حکیم بھی ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ سارہ کا مطالبہ پورا کر دیا جائے اس میں ہر ایک کیلئے بھلائی و خیر ہی ہوگا۔

اس وقت سیدنا اسمعیل علیہ السلام شیرخوار بچہ ہی تھے اور سیدنا اسحاقؑ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ اگرچہ تورات اور بعض تاریخی کتب کی صراحت کے مطابق سیدنا اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن کتاب بخاری اور بعض دیگر کتب تاریخ میں اس کے خلاف موجود ہے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ تفصیلی روایت ملتی ہے:-

”حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شیرخوار بچے اسمعیلؑ اور بیوی سیدہ ہاجرہؑ کو لیکر اپنے وطن سے چلے اور جہاں آج خانہ کعبہ ہے اُس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سر بالائی حصے پر اُن کو چھوڑ گئے۔ یہ جگہ اُس وقت غیر آباد اور ویران تھی۔ پانی کا بھی دور دور تک کوئی نشان نہ تھا، اس لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی اور تھیلی کھجور بھی اُن کے پاس رکھ دیا اور پیٹھ پھیر کر روانہ ہو گئے۔ سیدہ ہاجرہؑ اُن کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں اے ابراہیمؑ تم کو ایسی وادی میں تنہا کہاں چھوڑے جا رہے ہو؟ جہاں نہ آدم ہے نہ آدم زاد، نہ کوئی فوٹس وغنخوار، سیدہ ہاجرہؑ مسلسل یہ کہتی جاتی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر تھک کر حضرت ہاجرہؑ نے پوچھا ابراہیمؑ کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ہاں یہ اللہ کا حکم ہے۔ سیدہ ہاجرہؑ نے جب یہ سنا تو کہنے لگی پھر تو وہ ہمیں ضائع و برباد نہ کرے گا۔ یہ کہہ کر واپس لوٹ آئیں اور اپنے بچے سے آلیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ایک ٹیلے پر ایسی جگہ پہنچے جہاں اُن کا شیرخوار بچہ اسمعیلؑ اور بیوی ہاجرہؑ نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اُس جانب جہاں کعبہ ہے رُخ کیا ہے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی:-

رَبَّنَا آتِنِيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بُوَادٍ غَيْرِ ذِي

ذُرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ الْح (ابراہیم آیت ۳۷، ۳۸)

”پروردگار! میں نے ایک بے آب و دانہ وادی میں اپنی اولاد میں سے ایک کو تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے (یہ میں نے اسلئے کیا ہے) کہ پروردگار! یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہذا تو لوگوں کے قلوب کو ان کی جانب متوجہ فرما اور انہیں کھانے کو بھل عطا فرما۔ شاید کہ یہ شکر کریں والے بنیں۔ پروردگار! تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور واقعی اللہ سے کچھ چھپا ہوا نہیں

(ابراہیم آیت ۳۷، ۳۸)

ہے نہ زمین میں نہ آسمانوں میں۔“

سیدہ ہاجرہ چند روز تک تو مشکیزہ کا پانی پیتی اور تھیلی کے کھجور کھاتی اور اسمعیل کو دودھ پلاتی رہی لیکن جب پانی ختم ہو گیا اور کھجور بھی باقی نہ رہے تو سخت پریشان ہوئیں چونکہ وہ بھوک و پیاسی تھیں اس لئے بچے کے لئے دودھ بھی سوکھ گیا اور بچہ بھوک، پیاس سے بلبلا نے لگا۔ جب بچے کی حالت دیگر گوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہو کر اٹریاں گھسنے لگا تو یہ حال دیکھانہ گیا۔ اسمعیل کو چھوڑ کر کچھ دور جا بیٹھیں تاکہ یہ حالت زار کم از کم ارادۂ آنکھوں سے نظر نہ آئے۔ کچھ دیر کے بعد قرار نہ آیا تو قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھ گئیں شاید کوئی انسان یا پانی کا نشان مل جائے مگر کچھ نظر نہ آیا۔ پھر بچے کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آگئیں۔ اسکے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں۔ جب وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچے کے پاس آگئیں۔ اس طرح سات مرتبہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک بیان فرما کر ارشاد فرمایا، یہی وہ سعی بن الصفا والمروہ ہے جو حج میں لوگ کیا کرتے ہیں۔ آخر جب سیدہ ہاجرہ مروہ پہاڑ پر تھیں کان میں آواز آئی، چونک پڑیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی آواز دیتا ہے۔ کان لگایا تو پھر آواز آئی، سیدہ ہاجرہ نے بلند آواز سے کہا اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ! تمہاری آواز سنی گئی۔ دیکھا تو اللہ کا فرشتہ جبریلؑ ہے، اس فرشتے نے اپنا پیراں جگہ مارا جہاں آج زمزم کا کنواں ہے۔ پانی اُبلنے لگا۔ سیدہ ہاجرہ نے جب یہ منظر دیکھا تو خوشی اور مسرت میں پانی کے چادوں طرف باڑ بنائے لگیں مگر پانی برابر اُبلتا رہا۔ یہاں تک بیان فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”اللہ اُمِّ اسمعیل (سیدہ ہاجرہ) پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں تو وہ آج جادہ حشیم ہوتا۔“

سیدہ ہاجرہ نے پانی پیا پھر اسمعیل کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے سیدہ ہاجرہ سے کہا غم و خوف نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تجھ کو اور بچے کو ضائع نہ کریگا۔ یہ مقام بیت اللہ ہے جسکی تعمیر اس بچے اور اسکے باپ کی قسمت میں مقدر ہو چکی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس خاندان کو ہلاک نہیں کریگا۔“

”بیت اللہ“ کی یہ جگہ قریب کی زمین سے نمایاں تھی گمر پانی کا بہاؤ داسے
بائیں اس حصہ کو برابر کرتا جا رہا تھا۔

انہی دنوں میں قبیلہ بنی جُہرہم کا ایک قافلہ اس وادی کے قریب گزر رہا تھا
دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پر پرندے اڑ رہے ہیں۔ اہل جُہرہم نے کہا کہ یہ پانی کی علامت
ہے وہاں پانی ضرور ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں پہنچے اور سیدہ ہاجرہؓ سے اجازت
طلب کی کہ ہم بھی یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

سیدہ ہاجرہؓ نے کہا کہ قیام کر سکتے ہو لیکن پانی کی ملکیت کے حصہ دار نہ
ہو گے۔ جُہرہم نے یہ بات بخوشی منظور کر لی اور مقیم ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاجرہؓ خود بھی باہمی انس و الفت
کے لئے یہ چاہتی تھیں کہ کوئی یہاں آکر مقیم ہو۔

اسکے بعد جُہرہم نے کچھ آدمی بھیج کر اپنے باقی ماندہ اہل خاندان کو بھی بلایا اور
یہاں مکانات بنا کر رہنے لگے۔ اُن ہی میں اسمعیل بھی رہتے اور کھیلتے اور اُن کی زبان
سُنیٹھتے، جب اسمعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو اُن کے عادات و اطوار اور
اُن کی خوبصورتی جُہرہم کو بہت پسند آئی اور انھوں نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی کو
اُنکی شادی کر دی۔ اسکے کچھ عرصہ بعد سیدہ ہاجرہؓ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وقفہ وقفہ سے اپنے اہل و عیال کو دیکھنے آیا کرتے
تھے۔ معمول کے مطابق ایک مرتبہ تشریف لائے تو اسمعیل علیہ السلام گھر پر موجود
نہ تھے۔ اُن کی بیوی سے دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ روزی کی تلاش
میں باہر گئے ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انجانے میں یہو سے دریافت
کیا تمہارے گھر کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگیں سخت مصیبت و پریشانی ہے اور ہمارا
بُرا حال ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا جب اسمعیل آجائے تو میرا
سلام کہ دینا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر دو۔ یہ کہہ کر واپس
ہو گئے۔ کچھ دیر بعد جب حضرت اسمعیل علیہ السلام گھر آئے گھر میں نور نبوت کے اثرات
سوس گئے پوچھا کہ کیا کوئی شخص یہاں آیا تھا؟

بی بی نے سارا قصہ بیان کیا اور پیغام بھی دیا۔
حضرت اسمعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ بی بی وہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام
تھے اور اُن کا یہ مشورہ ہے کہ میں تم کو طلاق دے دوں۔ لہذا میں تجھ کو جدا کرتا ہوں۔
اسکے بعد حضرت اسمعیل علیہ السلام نے دوسری شادی کر لی جس معمول
حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مرتبہ پھر تشریف لائے، اُس وقت بھی حضرت
اسمعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے۔

خیریت کے بعد اُسی طرح کے سوالات کئے نیک بی بی نے کہا خدا کا شکر
واحسان ہے اچھی گزر رہی ہے۔ دریافت کیا کھانے کو کیا ملتا ہے؟ نیک خاتون نے
جواب دیا گوشت، پوچھا اور پیسے کو؟ جواب دیا میٹھا پانی! حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے اس موقع پر دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَکُمْ فِی اللَّحْمِ وَالْمَاءِ۔

اے اللہ ان کے گوشت و پانی میں برکت عطا فرما۔

پھر جب چلنے لگے تو فرمایا کہ اپنے شوہر کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام بھی دینا کہ اپنی
روازے کی چوکھٹ کو محفوظ رکھنا۔

حضرت اسمعیل علیہ السلام جب گھر تشریف لائے تو بی بی نے سارا

واقعہ سنایا۔

اس پر حضرت اسمعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے باپ ابراہیم
علیہ السلام تھے اور اُن کے پیغام کا یہ مطلب ہے کہ تم زندگی بھر میری رفیقہ حیات
رہو۔ الخ

یہ طویل روایت بخاری کتاب الروایا اور کتاب الانبیاء دونوں جگہ موجود
ہے۔ دونوں روایت سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام وادی
غیر ذمی زرع (بن تھیتی کی وادی) میں (یعنی مکہ مکرمہ) بحالت شیرخوارگی پہنچے تھے۔
اگرچہ قرآن حکیم نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ولادت کے متعلق ان کا
نام لے کر صاف صاف کوئی ذکر نہیں کیا، البتہ بغیر نام لئے اُن کی ولادت کی بشارت
کا تذکرہ کیا ہے۔

کی گودا ابھی تک اولاد سے خالی تھی اس لئے بارگاہ الہی میں ایک نیک و صالح فرزند کے لئے دُعا مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا کو شرف قبولیت بخشا اور لڑکے کی ولادت کی بشارت دی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ۔ فَبَشِّرْنَاهُ بِقَلَامٍ
حَلِيْمٍ۔ (الصافات آیت ۱۱)

اے رب مجھ کو ایک نیک لڑکا عطا فرما، پس ہم نے اُس کو ایک بُر و بار لڑکے کی بشارت دی۔

یہ غلام حلیم کون ہے؟ وہی اسمعیل علیہ السلام جو سیدہ ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے کیونکہ قرآن حکیم نے اس بشارت کے بعد ہی آیت ۱۱ میں حضرت اسحقؑ کی بشارت کا ذکر کیا ہے۔

وَبَشِّرْنَاهُ بِاسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِيْنَ۔ وَبَارَكْنَا
عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اِسْحٰقَ۔ (الصافات آیت ۱۲)

اور بشارت دی ہم نے ابراہیمؑ کو اسحقؑ کی جو بلند نیکو کار نبیوں میں سے ایک نبی ہوگا۔ غلام حلیم کی بشارت کے بعد اسحقؑ علیہ السلام کا نام لے کر بشارت دینا کھلی دلیل ہے کہ پہلی بشارت سے مراد حضرت اسحقؑ علیہ السلام ہو نہیں سکتے۔ سوائے اسکے کہ اسمعیل علیہ السلام مراد ہوں۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے دو ہی لڑکے تھے۔

ذبحِ عظیم | حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں کم از کم تین واقعات سخت ترین امتحان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ کے نیک بندوں خصوصاً بارگاہ الہی کے مقربین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وہ معاملہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہے۔ اُن کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گزرنا بھی پڑتا ہے جسکے نتیجے میں اُن کی زندگی میں قدم قدم پر تسلیم و رضا کے مظاہرے ظاہر ہوتے ہیں جسکے نتیجے میں رہتی دنیا تک انسان اول

السانیت کے لئے بہترین نمونہ اور مثال قائم ہو جاتی ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔
”ہم انبیاء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے امتحان کی صعوبتوں
میں ڈالے جاتے ہیں۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی چونکہ اولو العزم انبیاء میں شمار ہوتے ہیں اسی
قانون الہی کے تحت مختلف آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور وہ ہر دفعہ امتحان میں
کامل و مکمل طور پر ثابت قدم رہے ہیں۔
جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تو اُس وقت جس صبر و استقامت اور تسلیم و رضا
کا ثبوت دیا ہے وہ تاریخ انبیاء کا انمول اور نادر واقعہ ہے۔
آگ کے بعد اپنے شیر خوار بچے اسمعیلؑ اور نیک بیوی سیدہ ہاجرہ کو فاران
(مکہ) کے بیابان میں چھوڑ آنے کا حکم ملا وہ بھی کچھ معمولی امتحان نہ تھا۔ آزمائش اور
سخت آزمائش کا وقت تھا، بڑھاپے اور پیری کی تمناؤں کے مرکز، دن رات
کی دعاؤں کے ثمر اور گھر کے چشم و چراغ اسمعیلؑ کو صرف خوانی حکم کی تعمیل اور
امثال میں ایک بے آب و دانہ وادی میں چھوڑ آنا اور اس طرح کے پیچھے مڑ کر بھی نہ
دیکھا کہ کہیں پدری شفقت جوش میں آجائے اور اسمعیلؑ حکم میں لغزش پیدا ہو جائے۔
یہ دونوں امتحان کچھ کم نہ تھے کہ تیسرے امتحان کا آغاز ہو گیا۔
ان ہی ایام میں جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے کی خیر خواہی
لینے کے لئے مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
ارشاد فرماتا ہے کہ :-

”اے ابراہیم اپنے بیٹے کو ہماری راہ میں قربان کرو۔“

انبیاء کرام کا خواب بھی وحی الہی کا ایک حصہ ہوتا ہے اس لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام
رضا و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس مرضی کو جلد سے جلد پورا
کر دیں، مگر چونکہ معاملہ صرف اپنی ذات سے متعلق نہ تھا بلکہ اس آزمائش میں کمین
بیٹا بھی شریک تھا اس لئے بیٹے کو اپنا یہ خواب سنایا اور اللہ کی مرضی کو ظاہر کیا
نمین صاحبزادے نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور کہنے لگے ابا جان اگر اللہ تعالیٰ

کی یہی مرضی ہے تو انشا اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔
 اس گفتگو کے بعد باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل روانہ ہو گئے۔
 اس مرحلہ پر حضرت اسمعیل علیہ السلام کی عمر شریف کیا تھی؟ اگرچہ بعض
 مفسرین نے تیرہ سال اور بعض نے کچھ زیادہ لکھی ہیں لیکن کسی مستند روایت میں
 اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا۔ قرآن حکیم نے اس عمر کو اس طرح بیان کیا ہے:-
 فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ الْآيَةَ (الصافات آیت ۲۵)

”جب وہ لڑکا ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے کے

قابل ہو گیا۔“

اور بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے:-

”سوجب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم (علیہ السلام)

کے ساتھ چلنے پھرنے لگا۔“

اور بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے:-

”سوجب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ

جدوجہد کرے۔“

در اصل قرآن حکیم نے السَّعْيَ کا لفظ استعمال کیا ہے جسکے معنی جہاں چلنے اور دوڑنے
 کے آتے ہیں وہاں جدوجہد کرنے کے ہیں یہی معنی باپ کے ساتھ جدوجہد میں شریک
 ہوا، غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات نے تیرہ سال عمر لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔
 الغرض دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے کعبۃ اللہ سے
 دُور چلے گئے۔ بعض تاریخی و تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانِ راہ شیطان
 نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی، لیکن ہر مرتبہ
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُسے شات کنکریاں مار کر بھگا دیا تھا۔ یہ معنی کا میدان
 تھا جو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو قیامت تک

حج کے مناسک میں داخل فرما دیا۔ ہر سال منیٰ کے تینوں جہرات پر لاکھوں حُجاج اسی
 پسندیدہ عمل کی یادگاریں کنکریاں مارتے ہیں۔ بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ

بے مثال عبادت انجام دینے کے لئے منیٰ کی قربان گاہ پہنچے تو سیدنا اسمعیل علیہ السلام نے فرمایا ابا جان! ذبح کرنے سے پہلے مجھے ذرا اچھی طرح باندھ دیجئے تاکہ ذبح کے عمل میں تاخیر نہ ہونے پائے اور آپ اللہ تعالیٰ کے منشا کو جلد پورا فرمادیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح تیاری کی اور بیٹے کو آخری بوسہ دیا اور پیشانی کے بل خاک پر لٹا دیا۔ قرآن حکیم نے اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے :-

وَتَلَّاهُ لُجَبَيْنِ . (الصافات آیت ۲۳)

”اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل خاک پر لٹا دیا۔“

لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس کا مطلب اس طرح

منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح کروٹ لٹا دیا کہ

پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھوئے لگا۔ (تفسیر مظہری)

لغت کے لحاظ سے یہ تفسیر زیادہ قریب ہے اس لئے کہ جبین عربی زبان میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہا جاتا ہے۔ اور پیشانی کا درمیانی حصہ جَبْہہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح بیٹے کو لٹا کر گردن پر چھری چلائی شروع کی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حائل کر دیا۔ اچانک آواز آئی اے ابراہیم بس کرو تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بیشک یہ بہت سخت آزمائش تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ زوک لیا، آسمان کی جانب نظر اٹھائی دیکھا کہ حضرت جبریل امین ایک فرہ بینڈھا لے کھڑے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی بینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیلؑ نے پیش کی تھی۔ واللہ اعلم۔

الغرض یہ جنتی بینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو اپنے بیٹے اسمعیلؑ کے عوض ذبح کر دیا۔ اس کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے :-

وَفَدَّيْنَاهُ بِذَنْبِهِ عَظِيمٍ . (الصافات آیت ۲۴)

”اور ہم نے ابراہیم کو ایک عظیم ذبحہ اس کے عوض دے دیا۔“

اس ذبیحہ کو عظیم اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا تھا۔ سورہ الصافات میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون | وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَمِينٌ.
رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ. الخ

(الصافات آیات ۹۹ تا ۱۰۱)

”اور ابراہیمؑ نے کہا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف (ہجرت کر کے) وہ مجھے سیدھی راہ دے گا (چنانچہ ملک شام پہنچے اور یہ دُعا کی) اے پروردگار مجھے ایک نیک لڑکا عطا فرما۔ پس ہم نے بشارت دی اُسکو ایک بُر دُبار لڑکے کی (یعنی حضرت اسمعیل علیہ السلام کی) پھر جب وہ ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگے۔ ابراہیمؑ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گزریں انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

غرض جب دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کی کروٹ لٹا دیا۔ اور ہم نے اُن کو آواز دی کہ اے ابراہیمؑ (علیہ السلام) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا وہ وقت بھی عجیب تھا، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان۔ اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ اُسکے عوض دے دیا۔ اور ہم نے آنی والی نسلوں میں اُسکے متعلق یہ بات رہنے دی کہ ابراہیمؑ پر سلام ہو چنانچہ آپ کے نام کیساتھ اب تک علیہ السلام لکھا اور بولا جا رہا ہے) اسی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ (ابراہیمؑ علیہ السلام) ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُنہیں اسحقؑ کی بشارت دی جو نبی

ہوگا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔ اور برکت دی ہم نے ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر اور اُن دونوں کی نسلوں میں بعضے اچھے بھی ہیں اور بعضے ایسے بھی جو صریح اپنا نقصان کر رہے ہیں۔“

ذِیجُ اللہ آیات مذکورہ میں ذبیح کا نام نہیں لیا گیا صرف ”غلامِ حلیم“ کہا گیا کہ وہ نہایت متحمل، صاحبِ برداشت، صابر و شاکر لڑکا تھا۔

باپ نے ابھی مشورہ ہی لیا تھا کہ وہ آمادہٴ تعمیل ہو گیا۔ اس طرح سخت ترین امتحان میں پورا اُترا، اللہ نے اُسکے اس تسلیم و رضا کو قبول فرما لیا اور آسمان کو ذبیحِ عظیم نازل کیا اور وہ اُسکا بدل قرار پایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبارکباد دی گئی اور اُن کے اس عمل کو یادگار بنا دیا گیا (چنانچہ ہر سال ذی الحجہ کی دس تاریخ کو لاکھوں حاجی اور کروڑوں مسلمان اسی ذبیحِ عظیم کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کرتے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کا سلام آیا اور حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی گئی۔ مضمون کی ترتیب اور بیان واضح طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ ”غلامِ حلیم“ حضرت اسحاقؑ کے علاوہ کوئی دوسرا ہی لڑکا تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ حضرت اسمعیل علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو ہی لڑکے تھے۔

سورۃ ہود میں مزید وضاحت ملتی ہے کہ حضرت اسحاقؑ علیہ السلام کو ذبیح کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا تفصیل اسکی یہ ہے کہ قوم لوطؑ پر جب عذاب کے فرشتے آئے تو ان کی پہلی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قوم لوطؑ پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں اور ساتھ ساتھ آپ کو بشارت بھی دینا ہے کہ عنقریب آپ کو اسحاقؑ نامی لڑکا پیدا ہوگا۔ اور اسحاقؑ سے یعقوبؑ پیدا ہوگا (علیہم السلام)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی جو عمرِ طبعی کو پہنچ گئی تھیں اس بشارت پر تعجب کرنے لگیں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ تم پر اللہ کی رحمتیں و برکتیں ہیں اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ آیت مذکورہ اس طرح ہے :-

وَامْرَأَتَا قَائِمَتَا فَصَبَحَتْ فَبَشَّرْنَا هَايَا سَحَقَ

وَمِنْ وَرَاءِ السُّحُفِ يَعْقُوبُ . (ہود آیت ۷۱)

”اور ابراہیم کی بیوی کھڑی تھیں پس ہنس پڑیں سو ہم نے اُن کو بشارت دی اسحق کی اور اسحق کے بعد یعقوب کی“

اس آیت میں جب حضرت اسحق علیہ السلام کو صاحبِ اولاد ہونے کی بشارت ہو چکی تو پھر حضرت اسحق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کوئی مطلب نہ ہوتا اور نہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے عظیم امتحان قرار پاتا۔ اس لئے پہلی بشارت میں غلامِ حلیم سے مراد حضرت اسمعیل علیہ السلام ہی ہیں اور پنجھوں نے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشورہ کرنے پر کہا تھا ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ سورہ مریم میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کا یہ ہی وصف بیان کیا گیا ہے جو سورہ ہود والی آیت میں موجود ہے:-

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ لَاسْمِعیلَ إِنَّمَا كَانَ صَادِقَ

الْوَعْدِ . (مریم آیت ۵۷)

”اور اے نبی اس کتاب میں اسمعیل کا ذکر کرو بلاشبہ وہ

وعدہ کے سچے تھے۔“

یہ وہی وعدہ تھا جو انھوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا کہ وہ آپ کے امتحان میں ثابت قدم ہوں گے اور وعدہ پورا کر دکھائیں گے۔ قصص الانبیاء کے مؤلف علامہ عبد الوہاب بخاری نے ایک اور قرآنی استدلال بھی پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذبحِ عظیم کا یہ واقعہ بیان کر کے آخر میں اس بات پر قصے کو ختم فرمایا ہے:-

وَبَارَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلَى السُّحُفِ . (الصافات آیت ۱۱۳)

(الصافات آیت ۱۱۳)

”اور ہم نے برکت نازل کی اُس پر اور اسحق پر“

علیہ کی ضمیر کا مرجع ذبح قرار دیا ہے اور یہ ترجمہ کیا ہے:-

”اور ہم نے برکت نازل کی اُس ذبح پر اور اسحق پر“

اسکے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ پورا قصہ بیان کرنے کے بعد اسحق علیہ السلام کی بشارت

کہ ذکر اس بات کے لئے قطعی صراحت ہے کہ صاحب قصہ لڑکا حضرت اسحق کے علاوہ ہے اور وہ صرف حضرت اسمعیل علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کے قریب مینا کے میدان میں پیش آیا۔ اس لئے اہل عرب میں زمانہ قدیم سے حج کے دوران قربانی کا طریقہ رائج رہا ہے۔ چنانچہ جو مینڈھا جنت سے ذبح کے لئے اتارا گیا تھا اُس کے سینگ سالہا سال تک خانہ کعبہ کے اندر لٹکے رہے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی تائید میں کئی ایک روایات منقل کی ہیں۔

حضرت عامر شعبیؒ کا یہ قول بھی منقل کیا ہے :-

”میں نے اس مینڈھے کے سینگ کعبہ کے اندر خود دیکھو ہیں“

(ابن کثیرؒ ج ۲ صفحہ ۱۸)

مشہور محدث سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس مینڈھے کے سینگ مسلسل خانہ کعبہ میں لٹکے رہے یہاں تک کہ جب حجاج بن یوسف کے زمانے میں کسی حادثہ سے کعبۃ اللہ میں آتش زدگی ہوئی تو یہ سینگ بھی جل گئے۔

(ابن کثیرؒ ج ۲ صفحہ ۱۸)

اور تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں مقیم رہے ہیں نہ کہ حضرت اسحق علیہ السلام۔ لہذا ذبح عظیم کا واقعہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا نہ کہ حضرت اسحق علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ رہیں وہ روایات جن میں مختلف صحابہؓ و تابعین کے بارے میں مذکور ہے کہ انھوں نے ذبح حضرت اسحق علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ کی رائے قرین قیاس معلوم ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں :-

”اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر یہ سارے اقوال کعب الاحبار

(نومسلم عالم) سے منقول ہیں۔ اس لئے کہ جب وہ حضرت عمرؓ کی خلافت

میں یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا تو حضرت عمرؓ کو اپنی پرانی

کتابوں کی باتیں سنایا کرتے تھے، بعض اوقات حضرت عمرؓ ان کی

باتیں سن لیا کرتے تھے، اس سے اور لوگوں کو بھی گنجائش ملی اور

انہوں نے بھی کعب احبارؓ سے روایات سُنکر انہیں نقل کرنا شروع کیا۔ ان روایات میں ہر طرح کی رطب و یابس باتیں جمع تھیں، لیکن اس امت کو ان باتوں میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔
واللہ اعلم۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۷۱)

الغرض قرآن حکیم نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کا ذکر بیت اللہ کا تعمیری تذکرہ، تعمیر کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کی دُعا و مناجات، اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام، مناسک حج کا بیان اور بیت اللہ کا مرکزِ توحید ہونے کا اعلان، نہایت وضاحت کے ساتھ کسی جگہ بیان کیا ہے۔ ذیل کی آیات انہی تذکروں میں شامل ہیں۔

قرآنی مضمون | إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝ ۱۸

بیشک پہلا گھر جو انسانوں کے لئے (خدا پرستی کا مرکز) بنایا گیا وہ یہی (عبادت گاہ) ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور تمام انسانوں کے لئے سرچشمہ ہدایت۔ اسمیں (دین حق کی) روشن نشانیاں ہیں اُن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے کھڑے ہونے اور عبادت کرنے کی جگہ جو اُس وقت سے لے کر آج تک بغیر کسی شک و شبہ مشہور و معین رہی ہے، اور جو کوئی اُس کے حدود میں داخل ہوا وہ امن و حفاظت میں آگیا اور اللہ کی طرف سے لوگوں کے لئے یہ بات ضروری ہو گئی ہے کہ اگر اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت پائیں تو اس گھر کا حج کریں اور جو کوئی اس حقیقت سے انکار کرے تو یاد رکھو اللہ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۝ ۱۹

(بقرہ آیات ۱۲۵ تا ۱۲۹)

”اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جس وقت ہم نے خانہ کعبہ

کو لوگوں کا معبد اور مقام امن مقرر کیا اور آخر میں امت محمدیہ کو حکم دیا کہ برکت کے لئے، مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیلؑ کی طرف حکم بھیجا کہ میرے اس گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں کی عبادت کے لئے اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے۔ (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے، جس وقت ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے پروردگار اس جگہ کو ایک آباد شہر بنا دیجئے امن و امان والا اور وہاں کے بسنے والوں کو پھلوں کی قسم سے بھی عنایت کیجئے اُن کو جو کہ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اُس شخص کو بھی جو کافر ہے ایسے شخص کو تھوڑے روز یعنی دنیا میں تو خوب آرام دوں گا، پھر اُس کو کشاں کشاں عذاب و دوزخ میں پہنچا دوں گا اور وہ بُری جگہ ہے رہو گی۔ اور جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمعیل (علیہ السلام) بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے) اے ہمارے پروردگار! ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپ کی فرمانبردار ہو اور ہم کو ہمارے حج کے احکام بھی بتا دیجئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمائیے اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے اور مہربانی کرنے والے۔

اے ہمارے پروردگار! اور اُس جماعت کے اندر اُن ہی میں کا ایک ایسا رسول بھی مقرر کیجئے جو اُن لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور اُن کو کتاب (الہی) اور دانائی کی تعلیم دیا کرے اور اُن کو پاک کر دے بلاشبہ آپ ہی ہیں بڑے زبردست بڑے حکمت والے۔

وَلَا ذُبُونًا إِلَّا بِرَأْسِهِمْ مَكَانَ الْمَيْمَةِ أَنْ لَا
يُتَشَرُّهُ شَيْئًا وَطَهَّرُ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ ۝۱۶

(الحج آیات ۲۵ تا ۲۷)

(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اور میرا یہ گھر اُن لوگوں کے لئے پاک رکھنا جو طواف کر نیوالے ہوں، عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں۔ رکوع سجدہ کرنے والے ہوں۔ (اور حکم دیا کہ) لوگوں میں حج کا اعلان کر دے لوگ تمہارے پاس دنیا کے تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے پیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو مشقت سفر سے تھکی ہوئی ہوں گی۔ وہ اس لئے آئیں گے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر ہو جائیں اور چند مقرر دنوں میں اُن جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے اُنہیں بخشے ہیں۔ پھر اُس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلائیں۔ پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

(یہ تھا تعمیر کعبہ کا مقصد) اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اُس کے رب کے نزدیک خود اُسی کے لئے بہتر ہے اور تمہارے لئے مولیٰ جانور حلال کئے گئے ماسوا اُن چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں پس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔ یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا اب یا تو اُسے پرندے اُچک لے جائیں گے یا ہوا اُس کو کسی دور دراز جگہ پھینک دیگی۔

یہ ہے اصل معاملہ (اسے سمجھ لو) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر (یادگار جگہ) کا احترام کرے تو یہ دلوں کی تقویٰ کی بات ہے۔

تہیں ایک وقت مقرر تک اُن (قربانی کے جانوروں) کو
فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ پھر اُن (کے قربان کرنے) کی جگہ اسی قدیم
گھر کے پاس ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۚ اِنۡ

(الحج آیات ۳۶ تا ۳۷)

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ
میں شامل کیا ہے۔ تمہارے لئے اُن میں بھلائی ہے۔ پس انہیں
ٹھکرا کر اُن پر اللہ کا نام لو اور جب قربانی کے بعد اُن کی پشتیں
زمین پر ٹک جائیں (یعنی پوری طرح ذبح ہو جائیں) تو اُن میں سے خود
بھی کھاؤ اور انہیں بھی کھلاؤ جو قناعت کئے بیٹھے ہیں اور انکو
بھی جو اپنی حاجت پیش کریں، ایسے ہی ہم نے ان جانوروں کو
تمہارے لئے مسخر کیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

نہ اُن (قربانیوں) کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ خون
مگر اُس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ ایسے ہی اُس نے اُن (جانوروں)
کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے تاکہ اُس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اُسکی
تکبیر کرو اور اے نبی بشارت دید و نیکو کاروں کو:

سیدنا اسمعیل علیہ السلام کی اولاد

اولاد کا ذکر قرآن حکیم یا احادیث

نبوی میں تفصیلاً نہیں ملتا، البتہ تورات نے ان کی تفصیل بیان کی ہیں۔ تورات
کے قول کے مطابق سیدنا اسمعیل علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے جو بعد میں بارہ
سردار کہلائے اور یہ ہی قبائل عرب کے جدِ اعلیٰ بنے ہیں۔

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ایک لڑکی کا نام بشامہ یا محلّۃ بھی بیان
کیا جاتا ہے۔ تورات کی تصریح کے مطابق ان لڑکوں کے یہ نام ہیں:-
نابت، قیدار، اوبسیئل، ہشام، شماع، رومہ، منشا، عدار

تیمنا، بطور، نافیش، قیدما۔

یہ اپنی جماعتوں کے بارہ رئیس تھے۔

ان میں دو بڑے بیٹے ثابت اور قیدار نے بہت شہرت پائی، عرب مورخین نے بھی ان کے حالات بیان کئے ہیں۔

ثابت کی اولاد اصحاب الحجر کہلائی اور قیدار کی نسل اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہوئی ان ہردو کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔

سیدنا اسمعیل علیہ السلام
قرآن حکیم

سیدنا اسمعیل علیہ السلام کا ذکر مبارک قرآن حکیم میں متعدد بار آیا ہے۔ ان میں ایک جگہ ”ذبح عظیم“ والی آیت ہے اور دو مقام پر اس بشارت کے موقع پر

ذکر آیا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی بشارت دی گئی ہے اور سورہ مریم میں ان کا نام لے کر ان کے اوصاف جمیلہ بیان کئے گئے ہیں :-

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ كَانَ صَادِقَ

الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا.

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ

عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا. (مریم آیت ۵۴، ۵۵)

اور یاد کرو کتاب میں اسمعیل کا ذکر، بلاشبہ وہ وعدہ کے بڑے سچے اور رسول و نبی تھے اور وہ حکم کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوٰۃ کا اور وہ تھے اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ۔

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ

الصَّابِرِينَ. وَأَدْخَلْنَا هُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ. (الانبیاء آیت ۸۵، ۸۶)

اور اسمعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب صبر کرنے

والوں میں سے تھے۔ اور اُن سب کو ہم نے اپنی رحمت خاص میں شامل کر لیا۔ بلاشبہ وہ سب نیکو کاروں میں سے ہیں۔“

سیدنا اسمعیل علیہ السلام کی وفات

حضرت اسمعیل علیہ السلام نے ایک سو چھتیس (۱۳۶) سال

کی عمر میں وفات پائی، اس وقت اُن کی اولاد کا سلسلہ دور دراز علاقوں میں پھیل گیا تھا۔ جس میں حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک شامل ہیں۔ عرب مورخین کے بیان کے مطابق حضرت اسمعیل علیہ السلام اپنی ماں حضرت ہاجرہ کے پہلو میں بیت اللہ کے قریب حرم شریف میں مدفون ہیں۔ واللہ اعلم۔

نتائج و عبرت

.... پہلا وہ گھر خدا کا | بیت اللہ کی مستقل تعمیر سے پہلے دُنیا کے مختلف حصوں میں بتوں اور ستاروں کی پرستش کے لئے

ہیکل اور مندر موجود تھے اور اُن ہی کے نام پر بڑی بڑی عمارتیں بنائی جاتی تھیں۔ مصریوں کے یہاں سورج دیوتا اور بعل دیوتا کے ہیکل اور مندر تھے، کنعانیوں نے مشہور قلعہ بعلبک میں اسی بعل کا مشہور ہیکل بنایا تھا جو آج تک یادگار چلا آ رہا ہے۔ غزہ کے باشندے ”واجون“ پھلی دیہی کے مندر پر چڑھاوے چڑھاتے تھے جسکی شکل انسان کی اور جسم پھلی کا تھا۔

عمونیوں نے سورج دیوتا کے ساتھ چاند کو بھی دیوی بنا کر پوجا ہے اور اسکے لئے بڑا ہیکل تعمیر کیا۔

فارس نے آگ کی تقدیس مان کر آتشکدے تیار کئے۔
رومیوں نے حضرت مسیحؑ اور پاک دامن مریم کے بت بنا کر کلیساؤں

کوزینت دی۔ ہندیوں نے مہاتما بدھ، راجندر، مہاویر، اور مہادیو کو دیوتا اور اوتار مان کر اور کالی دیوی، سیتا دیوی اور پاربتی دیوی کے ناموں سے ہزاروں بتوں کی پرستش کے لئے بڑے بڑے مندر تعمیر کئے۔

مگر ان سب کے برعکس صرف خدائے واحد کی پرستش اور اسکی یکتائی کے اقرار میں سرِ نیاز جھکانے کے لئے دنیا کے بتکدوں میں پہلا اور سب سے پہلا گھر جو اللہ کا گھر کہلایا وہ یہی "خانہ کعبہ" ہے۔

”وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا خلیل ایک معمار تھا جس پنا کا“

تعمیر کعبہ | کعبہ مشرفہ کا وجود انسانی تاریخ سے بہت پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ زمین پیدا بھی نہ ہوئی تھی اس خطہ پر صرف پانی ہی پانی تھا اسوقت موجودہ خانہ کعبہ کی جگہ پانی پر ایک کشیف قسم کا جھاگ رہا کرتا تھا۔ یہ ہی جگہ کعبۃ اللہ کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ملائکہ اللہ کے اطراف طواف کیا کرتے تھے۔ پھر جب اللہ نے زمین پیدا کرنی چاہی تو اسی جھاگ والے حصے سے زمین کا آغاز ہوا اور پانی کے اُٹھنے پر زمین آگئی۔ کعبۃ اللہ ایسے ہی ابھرا ہوا برقرار رہا جو چھوٹے ٹیلے کی شکل میں تھا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی اُس جگہ کی نشان دہی کی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے اُسکو کچھ اونچا کیا۔ اور وہ اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا طواف کیا کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ کعبۃ اللہ دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔ کسی عربی شاعر نے اس کو شلائی میں نظم کیا ہے :-

بَنَى بَيْتَ رَبِّ الْعَرْشِ عَشْرَ فَعُذُّهُمْ
مَلَأَتْهُ اللَّهُ الْكَرَامَ وَ أَدَمُ
فَشِثٌ فَأَبْرَاهِيمُ ثُمَّ عِمَامَةُ
قُصِيَّ وَقُرَيْشٌ قَبْلَ هَذِينَ جُرَّهُمْ

وَعَبْدُ اللَّهِ بْنِ الزَّبِيرِ بَنَى كَذَا
بِنَاءَهُ حَجَّاجٌ وَهَذَا مَثَلُهُ

اللہ کا یہ گھر دس مرتبہ از سر نو تعمیر کیا گیا۔

(۱) فرشتوں نے (۲) حضرت آدم علیہ السلام نے (۳) حضرت شیث علیہ السلام نے (۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (۵) قوم عموالقہ نے (۶) قبیلہ جرہم نے (۷) قصی نے (۸) قریش نے (۹) عبد اللہ بن زبیر نے (۱۰) حجاج بن یوسف نے لیکن قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کعبۃ اللہ کا بانی اول کہا ہے۔ وہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمعیل علیہ السلام اسکے معمار اول شمار کئے گئے ہیں۔ اگرچہ کعبۃ اللہ کا وجود دنیا کے روز اول ہی سے تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس کی باقاعدہ تعمیر و عمارت سازی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل وجود میں نہ آئی تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ایک روایت نقل کی ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی اور ملائکہ اللہ نے اُن کو وہ مقام بتایا جہاں کعبہ کی تعمیر ہونی تھی مگر ہزاروں سال کے حوادث نے عرصے سے اُسکو بے علامت کر دیا تھا لیکن ہر دور میں وہ ایک ٹیلہ یا اُبھری ہوئی زمین کی شکل میں موجود تھا یہی وہ مقام ہے جسکو وحی الہی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بتایا، اُنھوں نے حضرت اسمعیل کی مدد سے وہاں کھودنا شروع کیا تو سابق تعمیر کی بنیادیں نظر آنے لگیں۔ انہی بنیادوں پر بیت اللہ کی پہلی باقاعدہ تعمیر کی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبۃ اللہ کی دیوار اٹھا رہے تھے وہ غیر محسوس طور پر بلند ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ کعبۃ اللہ کی دیواریں اپنی بلندی تک آگئیں۔ یہی پتھر آج ”مقام ابراہیم“ کے نام سے معروف ہے جسکے پیچھے طواف کی دو رکعت ادا کی جاتی ہیں۔

جب تعمیر اس حد پر پہنچی جہاں آج حجر اسود نصب ہے تو جبریل امین نے اُن کی رہنمائی کی اور حجر اسود جو قریب کی پہاڑی میں منجانب اللہ محفوظ تھا

نکال کر دیا۔ یہ جنت سے نازل شدہ پتھر تھا تاکہ وہ کعبۃ اللہ میں نصب کر دیا جائے۔
کعبۃ اللہ کی موجودہ تعمیر کے بارے میں تفصیل بھی تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۲۵ یا ۳۵ سال کی تھی اس وقت کسی
بڑے سیلاب کی وجہ سے عمارت کعبہ منہدم ہو گئی تھی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قریش اُس کے
متولی اور نگران کار تھے۔ سیلاب کے اختتام پر قریش کے سرداروں نے اس کی
از سر نو تعمیر کرنی چاہی اور اس کے لئے انھوں نے یہ طے کیا کہ اس تعمیر میں حلال و پاک
روپیہ استعمال کیا جائے۔

اس طرح تعمیر شروع کی گئی لیکن سرمایہ کم ثابت ہوا اور حلال روپیہ فراہم
نہ ہو سکا۔ مشورہ کے بعد انھوں نے طے کیا کہ جس قدر بھی تعمیر ممکن ہو سکے کر دی جائے
چنانچہ اس ابراہیمی کچھ حصہ (جس کا نام خطیم کعبہ ہے) تعمیر سے رہ گیا۔ تعمیر کی
اساس میں دوسرا تعمیر کیا کہ خانہ کعبہ کے دو دروازوں میں سے ایک مغربی دروازہ بند
کر دیا مشرقی دروازہ باقی رکھا۔
تیسرا تعمیر یہ کیا کہ خانہ کعبہ کی چوکھٹ کو اپنی اصلی حالت سے تبدیل کر کے
بہت اونچا کر دیا۔

قواعد ابراہیمی میں یہ تبدیلی اپنے اپنے مفادات کے تحت کی گئی تھی اس طرح
وہ جسکو چاہتے تھے خانہ کعبہ کے اندر جانے سے روک دیتے تھے۔
۳۳۰ میں مکہ فتح ہوا اسلامی دور کا مکہ معظمہ میں آغاز ہوا۔ خانہ کعبہ کو
آثارِ شرک سے پاک کیا گیا اور اس میں داخلہ کو عام کر دیا گیا۔ لیکن آخر وقت یعنی چراغِ
نبوت گل ہونے تک تعمیری شکل وہی باقی رہی جسکو قریش نے قائم کی تھی۔
خلافت راشدہ میں جبکہ اسلام مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ سے نکل کر عرب
و عجم میں پھیل گیا تھا اس وقت بھی اس جانب توجہ نہ دی گئی۔ ان ادوار میں خانہ کعبہ
کے یہ تینوں تغیرات بدستور باقی رہے۔ ۳۳۰ ملکِ شام میں حضرت معاویہؓ کی
حکومت تھی۔

حضرت معاویہ بن سفیان نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے یزید بن معاویہ
کو اپنا جانشین و خلیفہ نامزد کیا۔ چنانچہ وفات کے بعد یزید بن معاویہؓ کی بیعت

لوگوں نے قبول کر لی لیکن اسکی بیعت سے بہت سے لوگوں کو اختلاف بھی تھا۔ بعض اسلامی ریاستوں میں اسکی مخالفت بھی ہوئی لیکن اسکو قوت سے دبا دیا گیا۔ خاص طور پر مدینہ منورہ میں اس بیعت کا استقبال نہ کیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں جو دارالاسلام و دارالایمان کی حیثیت رکھتا تھا اس میں بھی اس بیعت کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور لوگ کسی صحیح خلیفہ کی تلاش میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس وقت قریش کے سب سے پراعتماد اور صاحب علم تقویٰ بزرگ کی حیثیت سے معروف تھے مکہ مکرمہ میں لوگوں نے اصرار کر کے انکے ہاتھ بیعت کر لی اور انھیں اپنا خلیفہ نامزد کر لیا۔

اس بیعت کی اطلاع جب یزید بن معاویہؓ کو ہوئی تو وہ غضبناک ہوا اور ابتر دائر مصالحت و بات چیت کے لئے اپنے قاصد کو مکہ مکرمہ روانہ کیا، لیکن یہ بات چیت ناکام رہی، آخر کار یزید بن معاویہؓ نے اپنی فوج کے ایک سردار مسلم بن عقبہؓ کو حضرت ابن زبیرؓ کی گرفتاری کے لئے ایک بڑی فوج دے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا لیکن درمیان راہ مسلم کی وفات ہو گئی۔ وفات سے قبل اُس نے اپنی فوج کے ایک اور سردار حصین بن نمیرؓ کو اس مہم کے لئے نامزد کر دیا اس نے مکہ مکرمہ پہنچ کر سخت حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے چند دن اس کا مقابلہ کیا پھر بعد مشورہ حرم شریف میں اپنے اصحاب کے ساتھ پناہ لی۔ حصین نے حضرت ابن زبیرؓ اور اُن کے ساتھیوں کا محاصرہ کر لیا اور اپنا دباؤ سخت تر کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ حصین اور اُس کے ساتھیوں نے پہاڑ کے اوپر سے منجیق (گونی) چلائے جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔

اسی طوفان بدتمیزی میں حصین کو ملک شام سے خبر ملی کہ یزید بن معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر سے فائدہ اٹھا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قریش کے چند با اثر افراد کو حصین کی طرف بھیجا تا کہ گفتگو کریں ان میں مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمروؓ بھی شریک تھے اُنھوں نے حصین کو ملک شام واپس ہو جانے پر راضی کر لیا اس طرح یہ نامرضی قضیہ اختتام کو پہنچا۔

اسکے بعد حضرت ابن زبیرؓ نے قریش کے با اثر افراد کو جمع کیا اور اُنھیں اپنی خالہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی وہ روایت بیان کی جسکو وہ اکثر سنا کرتے تھے۔

”سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کو ابراہیمی بنیاد پر پورا کر دیا جائے، قریش نے خرچ کی کمی کے باعث حطیم کو خانہ کعبہ سے خارج کر دیا تھا لیکن اسکو گرا کر از سر نو تعمیر کرنے میں بعض نو مسلموں کے قلوب میں شک و شبہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

اب جبکہ مکہ مکرمہ میں خلافت مکمل ہو گئی ہے تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو پوری کر دینا چاہیے اور اللہ کے گھر کا حق بھی یہی ہے کہ اسکو اپنی قدیم بنیادوں پر قائم کر دیا جانا چاہیے۔ اس رائے کی اگرچہ اکثر صحابہ نے تائید کی لیکن بعض نے غائص طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مخالفت کی کہ اگر یہ سلسلہ چل پڑا تو ہمارے والا خلیفہ اپنے پیشرو کی مخالفت میں خانہ کعبہ کو کھیل کا میدان بنالے گا۔

آخر کار یہ طے ہوا کہ خانہ کعبہ کو بنار ابراہیمی پر قائم کر دیا جائے۔ چنانچہ اسکو گرا کر قواعد ابراہیمی پر از سر نو قائم کر دیا گیا۔ یہ خانہ کعبہ کی نویں تعمیر تھی جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

اس طرح خانہ کعبہ کے وہ تینوں تغیرات ختم کر دیئے گئے اور خانہ کعبہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا۔ پھر ملک شام میں یزید بن معاویہؓ کی وفات کے بعد لوگوں نے اس کے بیٹے معاویہ بن یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا لیکن اس خدا ترس بیٹے نے تین دن کے بعد یہ کہہ کر خلافت سے دستبرداری کر لی کہ میں ایسی خلافت پر رہنا نہیں چاہتا جسکی بنیاد ظلم اور فساد پر رہی ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے عبدالملک بن مروان کو اپنا خلیفہ بنا لیا۔ عبدالملک بن مروان نے مدینہ منورہ کی گورنری کے لئے حجاج بن یوسف کو نامزد کیا اور حکم دیا کہ یزید بن معاویہ کی ناکام مہم کو پورا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو جائے۔ حجاج نے مکہ مکرمہ پہنچ کر حملہ کیا اور شدید معرکہ کے بعد مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور اُن کے بہت سارے ساتھی اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۱ھ کا ہے۔

اس کے بعد حجاج نے اپنے امیر عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ ابن زبیرؓ نے ہمارے آباء و اجداد قریش کی بنیاد کردہ تعمیر کعبہ کو منہدم کر کے خانہ کعبہ کی تعمیر جدید

کی ہے اس بارے میں امیر المومنین کی کیا رائے ہے؟
عبد الملک بن مروان نے حکم دیا کہ خانہ کعبہ کو اپنے آباء و اجداد کی بنا کردہ
بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کر دیا جائے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف نے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے
بنائے قریش پر از سر نو تعمیر کر دیا اور اس تعمیر میں وہ تینوں امور شامل کر دیئے گئے۔

(۱) حطیم کو خانہ کعبہ سے جدا کر دیا گیا

(۲) خانہ کعبہ کے دونوں دروازوں میں سے ایک مغربی دروازہ بند کر دیا گیا۔

(۳) کعبہ کی چوکھٹ کو سابقہ کی طرح بلند کر دیا گیا۔

یہ خانہ کعبہ کی دسویں تعمیر جدید تھی جو مشہور زمانہ گورنر حجاج بن یوسف کے ہاتھوں عمل
میں آئی اور آج سیکڑوں سالوں سے یہ خانہ کعبہ بنیادوں پر قائم ہے۔
کہا جاتا ہے کہ اس تعمیر کے بعد عبد الملک بن مروان عمرہ ادا کر نیکی غرض سے
مکہ مکرمہ آیا۔ بیت اللہ کے طواف کے بعد یہ کلمات کہے۔

قَاتَلَ اللَّهُ ابْنَ الزَّبِيرِ حَيْثُ يَكْذِبُ عَلَى أُمَّ

الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ رَضِيَ

اللہ ابن الزبیر کا بُرا کرے اُس نے ام المومنین حضرت عائشہؓ

پر جھوٹی بات منسوب کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کعبہ
کے سلسلے میں اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔

لیکن حارث بن ابی ربیعہؓ نے جو موقعہ پر موجود تھے فوری اسکی تردید کر دی اور فرمایا
کہ میں نے خود بھی حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی ہے۔

اس پر عبد الملک بن مروان نے افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگا اگر یہ بات
مجھے پہلے معلوم ہو جاتی تو میں اس تغیر کی جرات نہ کرتا۔

چنانچہ جب یہ واپس ملک شام پہنچا تو وہاں کے علماء سے مزید مشورہ لیا
کہ کیا میں پھر کعبہ کو اسکی اصلی حالت پر تعمیر کر دوں؟

لیکن کسی نے بھی اسکو اس بات کی اجازت نہیں دی۔ وہ ہمیشہ اس پر

افسوس ہی کرتا رہا۔

اس کے بعد ہارون رشید المتوفیؓ یا مہدی بن المنصور نے

اپنے دور حکومت میں امام مالک بن انسؒ سے فتویٰ لینا چاہا کہ خانہ کعبہ کو بنی قریش سے تبدیل کر کے قواعد ابراہیمی پر پورا کر دیا جائے؟ اس پر امام مالکؒ نے سختی سے منع کر دیا اور اس عمل کو خانہ کعبہ کی توہین اور تحقیر قرار دیا۔ اسکے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

(قصص الانبیاء ابن کثیرؒ)

اور آج خانہ کعبہ بنی قریش ہی پر قائم ہے۔ مغربی دروازہ بند ہے۔ حطیم خانہ کعبہ سے باہر ہے۔ اور کعبہ کا دروازہ بلند چوکھٹ پر قائم ہے۔
وَاللّٰهُ الْحَمْدُ فِي الْاُولٰی وَالْاٰخِرَةِ۔

تذکرہ

سیدنا اسحق علیہ السلام

ولادت باسعادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف جب نشتو برس کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ انہیں بشارت پہنچائی کہ حضرت سارہ کے بطن سے بھی تمہیں ایک اور لڑکا ہوگا اس کا نام اسحق رکھنا۔ اس وقت حضرت سارہ کی عمر شریف نوے سال تھی۔ حضرت اسحق علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت اسمعیل علیہ السلام سے عمر میں تیرہ سال چھوٹے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحق کی بشارت بھی حضرت اسمعیل علیہ السلام کی طرح ملی۔ جب حضرت اسمعیل کی بشارت ملی تھی تو غُلَامٌ حَلِيمٌ (ایک بڑا بار لڑکا) کے الفاظ سے ملی تھی۔ اور حضرت اسحق کی بشارت غُلَامٌ عَلِيمٌ (علم والا لڑکا) کے الفاظ سے ملی جسکی تفصیل یہ ہے :-

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا تاریخی زمانہ ایک ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہوتے ہیں جو شہر سدوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ قوم لوط کی سرکشی و بغاوت جب اُس حد کو پہنچ گئی جو علم اللہ میں کسی قوم کے تباہ و برباد کرنے کی آخری حد ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُس شہر کو آوندھا کر دینے کے لئے چند فرشتے بھیجے اور ساتھ ساتھ حضرت اسحق علیہ السلام کی بشارت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سنانے کا حکم دیا۔ فرشتے انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آئے۔ چونکہ ابتداءً انہوں نے اپنا متعارف نہیں کروایا تھا اسلئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا کہ یہ کوئی اجنبی مہمان
ہیں سلام کا جواب دے کر فوراً اُن کی ضیافت کے انتظام
میں مشغول ہو گئے، اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک بھنا ہوا بچہ اُن
کی ضیافت کے لئے آئے، لیکن مہمانوں نے دسترخوان پر
اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا اور کھانے میں تاثر کیا، حضرت ابراہیم
علیہ السلام کو ان پر شبہ ہونے لگا اور یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ
کسی بُرے ارادے سے تو نہیں آئے؟ اس سے دل میں کچھ خوف
سنبھلی پیدا ہوا۔

اُس زمانے کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی کی ضیافت
قبول کرنے سے انکار کرتا تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ مہمان کی حیثیت سے
نہیں آیا ہے بلکہ قتل و غارت کی نیت سے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم
علیہ السلام نے فرمایا کھاتے کیوں نہیں؟
”مہمانوں نے اس استقبال کا یوں جواب دیا:-

”دُور نہیں ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں (اسلئے
کھانے پینے کی ہمیں ضرورت نہیں پڑتی)، ہم تو قوم لوط پر عذاب
نازل کرنے آئے ہیں۔“

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ خوف دُور ہوا جو
دل میں پیدا ہوا تھا، اسکے بعد فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو ایک لڑکے کی بشارت دی جو ذی علم ہوگا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ
دیگر انبیاء کی طرح نبی ہوگا۔ کیونکہ انسانوں میں سب سے زیادہ علم انبیاء
کرام ہی کو ہوتا ہے۔ اس لڑکے سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کیا تم مجھ کو اس حالت
میں لڑکے کی بشارت دیتے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا آگیا ہے؟ ایسی
حالت میں مجھ کو کس چیز کی بشارت دیتے ہو؟ فرشتے بولے ہم آپ کو
امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں عنقریب تمہاری بیوی سارہ کو لڑکا

ہوگا آپ نا اُمید نہ ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون نا اُمید ہو سکتا ہے؟ سوائے گمراہ لوگوں کے۔ جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو سیدہ سارہ قریب ہی کھڑی مٹن رہی تھیں اولاد کی خبر سن کر حیرت سے بولتی پکارتی آئیں۔ انکے اس تعجب کو دور کرنے کے لئے فرشتوں نے انھیں بھی یہی خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں اسحق نامی جلیل القدر بیٹا ہوگا بلکہ مزید یہ بھی خوشخبری دی کہ اس بیٹے کے بعد پوتا بھی یعقوب نامی عالیشان پیغمبر ہوگا۔ اس دُہری بشارت پر سیدہ سارہ نے فرط حیرت اور تعجب میں اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں ہائے میری کم بختی کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا اور بانجھ بھی ہوں اور یہ میرے میاں بھی تو بوڑھے ہو چکے ہیں؟ فرشتوں نے کہا تعجب نہ کرو اللہ کا یہی منشا ہے اور اللہ کا فضل و کرم تو تم اہل خاندان پر ہمیشہ ہی رہا ہے۔ فرشتوں نے سیدہ سارہ کو یہ خوشخبری اس لئے بھی سنائی کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی سیدہ ہاجرہ سے حضرت اسمعیلؑ پیدا ہو چکے تھے مگر سیدہ سارہ اس وقت تک بے اولاد تھیں اور اس وجہ سے وہ ہمیشہ ملول خاطر رہا کرتی تھیں۔

فرشتوں کی آمد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ضیافت، سیدہ سارہ کا تعجب، اور فرشتوں کی بشارت کا ذکر ذیل کی آیات میں اس طرح موجود ہے:-
وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ خَنِيذٍ ۝۱۰۰
(ہود آیات ۶۹ تا ۷۷)

قرآنی مضمون | اور بلاشبہ ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس بشارت

لے کر آئے اُنھوں نے ابراہیمؑ کو سلام کیا اور ابراہیمؑ نے سلام کا جواب دیا۔ مقررہ دیر کے بعد ابراہیمؑ بچھڑے کا بھناگوشت لائے، اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ اُس طرف نہیں بڑھتے تو ابراہیمؑ نے اُن کو اجنبی محسوس کیا اور اُن سے خوف کھایا۔ مہمان کہنے لگے خوف نہ کرو ہم لوطؑ کی قوم پر عذاب کیلئے بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیمؑ (علیہ السلام) کی بیوی (سارہؑ) جو قریب میں کہیں گھڑی تھیں ہنس پڑیں۔ پس ہم نے اسکو استحقاق کی اور اس کے بعد اس کے بیٹے یعقوبؑ کی بشارت دی۔

سارہؑ کہنے لگیں ہائے میری کم بختی کیا میرے اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر ہیں بالکل بوڑھے، واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔

فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو؟ اس خاندان کے لوگوں پر تو اللہ (متعالیٰ) کی رحمت اور اسکی برکتیں ہیں بیشک وہ تعریف کے لائق بڑی شان والا ہے۔“

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ۝

(الذاریات آیات ۵۱ تا ۵۳)

کیا ابراہیمؑ (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں (فرشتوں) کی حکایت آپ تک پہنچی ہے؟

جب کہ وہ اُن کے پاس آئے پھر اُن کو سلام کیا، ابراہیمؑ (علیہ السلام) نے بھی کہا سلام (اور کہنے لگے کہ) تم انجان لوگ معلوم ہوتے ہو؟

پھر ابراہیمؑ اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فرہ بچھڑا بھنا ہوا لائے اور اُس کو اُن کے پاس لاکر رکھا کہنے لگے آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ (جب پھر بھی نہ کھایا، تو اُن سے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اُنھوں نے کہا تم ڈرو نہیں (ہم انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں) اور یہ (کہہ کر)

ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم (یعنی نبی) ہوگا۔ اتنے میں ان کی بیوی (حضرت سارہؓ) جو کہیں کھڑی مٹھی میں رہی تھیں اولاد کی خبر سنکر بولتی پکارتی آئیں پھر جب فرشتوں نے اُن کو بھی یہی خبر سنائی تو تعجب سے، ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اول تو) بڑھیا (پھر) بانجھ بھی ہوں۔

فرشتے کہنے لگے تمہارے پروردگار نے ایسے ہی فرمایا ہے اور کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا بڑا جاننے والا ہے (یعنی اگرچہ یہ بات تعجب کی ہے مگر تم تو خاندانِ نبوت میں رہتی ہو تم کو تعجب نہ ہونا چاہیے)۔

وَنَبِّئُهُمُ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ۝۱۶

(الحج آیات ۵۷ تا ۵۹)

”اور آپ اے نبی ان لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں (کے قصہ) کی بھی اطلاع دیجئے۔ جب کہ وہ مہمان (جو کہ واقع میں فرشتے تھے) اُن کے پاس آئے پھر آکر، انھوں نے السلام علیکم کہا۔ ابراہیم نے کہا ہم تو تم سے خائف ہیں۔

انھوں نے کہا کہ آپ خائف نہ ہوں کیونکہ ہم (فرشتے ہیں)۔

آپ کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا۔ ابراہیم کہنے لگے کیا تم مجھ کو اس حالت پر (فرزند کی بشارت دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھا پا آگیا ہے سو ایسی حالت میں مجھ کو کس چیز کی بشارت دیتے ہو؟

وہ بولے کہ ہم آپ کو ایک یقینی بات کی بشارت دیتے ہیں

(یعنی آپ کے ہاں ایک لڑکا ہونے والا ہے)۔

سو آپ ناامید نہ ہوں (مراد حضرت اسحق علیہ السلام ہیں)۔ ابراہیم نے کہا کہ بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید

ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے۔“

نتائج و عبرت

(۱) **سُنّتِ ابراہیمی** حضرت اسحق علیہ السلام جب آٹھ یوم کے ہوئے تو

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کا ختنہ کروایا۔
اسحق کا اصلی تلفظ یصحق ہے۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جسکا عربی ترجمہ یصحق ہے جسکے معنی (ہنستا ہے)

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو تئو برس کی عمر اور سیدہ سارہ کو نوے سال کی عمر میں جب بیٹا ہونے کی بشارت دی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب و اچنبھا ہوا تھا اور سیدہ سارہ ہنس پڑی تھیں اسلئے بیٹے کا نام اسحق تجویز ہوا۔ یا اس لئے یہ نام رکھا گیا کہ ان کی پیدائش سیدہ سارہ کی مسرت و شادمانی کا باعث بنی۔ واللہ اعلم۔

(۲) **سیدنا اسحق کا نکاح** قرآن حکیم میں اس متعلق سے کوئی ذکر نہیں اور نہ احادیث میں ایسا کوئی قصہ ملتا ہے جیسا کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے۔ البتہ تورات میں حضرت اسحق علیہ السلام کے نکاح کا ایک طویل قصہ مذکور ہے جسکا خلاصہ درج کیا جاتا ہے :-

”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے منہ بولے بیٹے الیعزر و مشقی سے فرمایا کہ میں نے طے کیا ہے کہ اسحق کی شادی اپنے خاندان اور باپ دادا کی نسل میں کروں؛ اس لئے تو ساز و سامان لیکر جا اور شہر فدان آرام میں میرے بھتیجے بتوئیل بن ناحور کو یہ پیغام دے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اسحق سے کر دے۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو اُس سے یہ بھی کہہ دینا کہ میں اسحق کو اپنے پاس سے جدا کرنا نہیں چاہتا۔ لہذا اپنی لڑکی کو میرے ساتھ نخصت کر دے۔ الیعزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حکم کے مطابق فدان آرام روانہ ہو گیا۔ جب آبادی کے قریب پہنچا تو اپنے اونٹ کو بٹھایا تاکہ حالات

معلوم کرے، الیغز نے جس جگہ اپنا اونٹ بٹھایا تھا اُسی کے قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے بتوئیل کا خاندان آباد تھا۔ ابھی یہ اسی میں مشغول تھا کہ سامنے ایک حسین لڑکی نظر آئی جو پانی کا گھڑالے اپنے مکان جا رہی تھی، الیغز نے اُس سے پانی مانگا۔ لڑکی نے پانی دیا اور اُسکے اونٹ کو بھی پلایا اسکے بعد اُس لڑکی نے مسافر کا حال پوچھا الیغز نے بتوئیل کا پتہ دریافت کیا، لڑکی نے کہا وہ میرے باپ ہیں، اسکے بعد الیغز کو مہمان بنا کر اپنے گھر لے آئی، مکان پہنچ کر اپنے مہمانی لا بان کو اطلاع دی لا بان نے الیغز کی سجدہ خاطر و مدارات کی اور آمد کی غرض پوچھی۔ الیغز نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام پہنچایا۔ لا بان کو اس سے سجدہ مسرت ہوئی اور اس نے بہت سارا ساز و سامان دے کر اپنی بہن جسکا نام رفقہ کہا جاتا ہے الیغز کے ہمراہ رخصت کر دیا۔ اگرچہ یہ روایت تورات سے منقول ہے لیکن اپنے مضامین کے لحاظ سے ناقابل اعتبار سمجھی گئی ہے واللہ اعلم

(۳) حضرت اسحق علیہ السلام کی اولاد | سیدہ رفقہ سے حضرت اسحق علیہ السلام کے توأم دو لڑکے

علی الترتیب عیصو اور یعقوب پیدا ہوئے، اس وقت حضرت اسحق علیہ السلام کی عمر شریف ساٹھ سال تھی اور بعض نے چالیس سال لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔

تَذْکِرَةُ سَيِّدِنَا لُوطٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ

تعارف حضرت لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہوتے ہیں، دونوں کا اصلی وطن عراق کے شہر بصرہ کے قریب "ارض بابل" کے نام سے معروف تھا۔ شہر بابل کا تذکرہ سورہ بقرہ میں موجود ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھرانہ بت پرستی و بت سازی میں مشہور تھا اور ساری قوم بت پرست تھی۔ اس قوم کی ہدایت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسلسل جدوجہد، دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں قوم نے، ماں باپ نے، بادشاہ وقت نے انکو شہر بدر کر دیا تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہؑ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ وطن عراق سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ نہرا اردن پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام علاقہ کنعان میں جا کر مقیم ہو گئے جو بیت المقدس کے قریب ہے اور حضرت لوط علیہ السلام اردن اور بیت المقدس کے درمیان شہر سدوم کے لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور کئے گئے۔ سدوم کا علاقہ پانچ بڑے شہروں پر مشتمل تھا جن کے یہ نام بیان کئے جاتے ہیں:-

اہل سدوم | سدوم، عمورہ، ادمہ، صوبیم، بابع (یا) صوغرہ۔
ان شہروں کے مجموعہ کو قرآن حکیم نے مُؤْتَفِكَتَا، مُؤْتَفِكَات (تلیٹ شدہ بستیاں) کے الفاظ سے کئی ایک جگہ بیان کیا ہے۔

سدوم ان شہروں کا دار السلطنت اور مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام

نے یہیں قیام فرمایا تھا۔ زمین نہایت سرسبز و شاداب تھی۔ ہر طرح کے غلے اور پھلوں کی کثرت تھی۔

ان شہروں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے تھے، دولت و ثروت کے نشہ میں مبتلا ہو کر یہ لوگ عیش و عشرت ہوا و ہوس کے اُس کنارے تک پہنچ گئے تھے جہاں انسان غیرت و حیا اور اچھے و بُرے کی فطری تمیز بھی کھو بیٹھا ہے۔ ایسے خلافِ فطرت فواحش میں مبتلا ہو گئے جو حرام و گناہ ہونے کے علاوہ فطرتِ سلیمہ کے لئے باعثِ نفرت ہیں۔ اور ایسے گھناؤنے کام کرنے لگے جو جانوروں میں بھی غالباً رائج نہیں ہیں۔

یہ لوگ خیانت میں ڈوب گئے تھے، بات صرف اس حد تک ہی نہیں رہی بلکہ وہ فطرت اور پاکیزگی کی راہ سے ہٹ کر ایک گندی خلافِ فطرت راہ پر چل پڑے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ان کی ساری رغبت اور تمام دلچسپی اب اسی گندی راہ ہی میں تھی۔ یہ اخلاق کے زوال اور نفس کے بگاڑ کا انتہائی مرتبہ ہے جس سے فسور و تر کسی مرتبہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قوم اپنے عیوب و فواحش کے علاوہ ایک خبیث عمل کی موجد تھی، یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ غورتوں کے بجائے نو عمر لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اُس وقت تک قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہی بد بخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کو ایجاد کیا ہے۔ وہ اپنی اس بد کرداری کو کوئی عیب ہی نہیں سمجھتے تھے علی الاعلان فخر کے ساتھ اس کو کرتے تھے۔

ملک اُردن جہاں آج بحرِ میت یا بحرِ لوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں اسکے قریب بسنے والوں میں آج بھی یہ اعتقاد ہے کہ پہلے وہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانے میں خشک زمین تھی اور اُس پر شہر آباد تھے۔ یہ مقام شروع سے سمندر نہ تھا بلکہ قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے جسکے نتیجے میں یہ زمین متقریباً چار سو میٹر سمندر کے نیچے چلی گئی اور پانی اُبھر آیا۔ اسی لئے اس کا نام بحرِ میت (بحرِ مرور) اور بحرِ لوط ہے۔

تین قومی جرائم | اہل سدوم کے معاشرے میں بشمار جرائم کی فہرست ملتی ہے لیکن اس معاشرے کے تین جرائم ایسے ہیں جنکو تاریخی حیثیت کے اعتبار سے اُم الخبائث کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اول مرد کی مرد کے ساتھ بد فعلی۔ دوم مسافروں کو لوٹ لینا۔ سوم اپنے مجالس عام میں اعلاناً سب کے سامنے گناہ کرنا۔

قرآن حکیم نے انکے پہلے دو گناہ کی تصریح کی ہے لیکن تیسرے جرم کی تعیین نہیں کی کہ وہ کس قسم کا تھا؛ اجمالاً یہ وضاحت کی ہے کہ وہ اپنی مجالس عام میں علی الاعلان گناہ کرتے تھے۔

ان تین گناہوں میں سب سے بدترین گناہ پہلا عمل ہے جو ان سے پہلے دُنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا اور جنگل کے جانور بھی اس سے پرہیز کرتے ہیں مصنف روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ گناہ باتفاق امت زنا سے زیادہ شدید ہے۔

اسکے علاوہ ان کی بد اعمالیوں میں ایک عمل یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کا مال ایک نئے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے چنانچہ ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر شہر سدوم میں آکر مقیم ہو جاتا تو اس کے مال کے دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اُٹھاتا اور لے کر چل دیتا اور تاجر حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا، اب اگر وہ اپنے مال کا شکوہ کرتا اور رونے دھونے لگتا تو ان لیٹروں میں سے ایک آتا اور ٹوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ بھائی میں تو صرف اتنا لے گیا تھا تو تمہاری یہ چیز موجود ہے۔ وہ تاجر رنجیدہ آوازیں کہتا کہ میں اسکو لے کر کیا کروں گا؟ جہاں میرا سارا سامان لٹ گیا وہاں یہ بھی سہی۔ جاتا تو ہی اپنے پاس رکھ لے۔ جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی چیز دکھا کر وہی کہتا جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج و غم میں اس سے بھی پہلی بات کہہ کر لوٹا دیتا اسی طرح سب لوگ اُس کا مال ہضم کر جاتے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہؑ نے ایک مرتبہ حضرت لوط علیہ السلام کی خیر و عافیت معلوم کرنے کے لئے

اپنے خانہ زاد الیعرزہ دمشق کو سدوم بھیجا۔ جب یہ اُس بستی کے قریب پہنچا اسکو اجنبی سمجھکر ایک سدومی نے اس کے سر پر ایک پتھر مار دیا۔ الیعرزہ کے سر سے خون جاری ہو گیا، پھر آگے بڑھکر وہ سدومی کہنے لگا کہ میرے پتھر کی وجہ سے تیرا سر سُرخ ہو گیا ہے لہذا مجھے اس رنگ ریزی کا معاوضہ ادا کر۔ اور اس مطالبے پر اسکو کھینچتا ہوا سدوم کی عدالت میں لے گیا۔ حاکم سدوم نے مدئی کا بیان سنکر کہا کہ بیشک الیعرزہ کو سدومی کے پتھر مارنے کی اجرت دینی چاہیے۔

الیعرزہ یہ فیصلہ سنکر غصہ میں آگیا اور ایک پتھر اٹھا کر حاکم کے سر پر دو مارا اور حاکم کا سر سُرخ کر دیا اور پھر کہنے لگا کہ میرے پتھر مارنے کی جو اجرت ہے وہ تو اس سدومی کو دیدے اور یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ آیا۔

یہ واقعات اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ صحیح ہوں یا غلط لیکن ان سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اہل سدوم کس قدر فحش، ظلم، بے حیائی، بد اخلاقی اور فسق و فجور میں مبتلا تھے کہ اُس زمانے میں قوموں نے ان کی جانب اس قسم کے واقعات عام طور پر منسوب کئے ہیں۔

دعوت و تبلیغ | ان حالات میں حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی بیچاریوں اور خجاشتوں پر ملامت کی اور شرافت و طہارت کی زندگی پر رغبت دلائی اور ممکن طریقوں سے ان کو اللہ تعالیٰ کا پیام سنایا اور گزشتہ اقوام کی بد اعمالیوں کے نتائج و عواقب بتا کر عبرت دلائی مگر ان بے نصیبوں نے اس کا کچھ بھی اثر قبول نہیں کیا بلکہ حضرت لوط علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ اگر تمہارا یہی حال رہا تو تمہیں شہر بدر کر دیا جائے گا۔ تم بڑے پاکباز بننے کی کوشش کرتے ہو۔ پھر اپنے سرداروں کو آواز دیتے کہ لوط اور ان کے ساتھیوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو۔ یہ لوگ پاکباز ہیں اور پاکی و طہارت کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہمارے یہ کام اگر حرام و ناجائز ہیں تو پھر تم کو ہمارے شہر میں رہنے کی کوئی گنجائش نہیں کوئی اور شہر دیکھ لو اور ہمیں اپنا یہ کام آزادانہ کرنے چھوڑ دو۔ یہ لوگ نہ صرف بے حیا و بد کردار اور بد اخلاق تھے بلکہ اخلاقی پستی میں اس حد تک گر گئے تھے کہ انہیں اپنے درمیان چند ایک

نیک انسانوں اور نیکی کی طرف بلانے والوں اور بدی پر ٹوکنے والوں کا وجود تک گوارہ نہ تھا، وہ فحش کاری میں یہاں تک آگے بڑھ گئے تھے کہ اصلاح و خیر خواہی کی آواز کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور پاکی و طہارت کے اس تھوڑے سے مقدس عنصر کو بھی نکال باہر کرنا چاہتے تھے جو ان کی گندی فضا میں باقی رہ گیا تھا۔

ایسے تباہ کن حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو دی گئی مہلت اپنے آخری حد تک آگئی اور علم اللہ میں وہ ڈھیل جو مجرم قوموں کو دی جاتی ہے پوری پوری ہو چکی تو اب انکے استیصال کا فیصلہ صادر ہوا۔ کیونکہ جس قوم کی اجتماعی زندگی میں پاکیزگی کا ذرا سا بھی عنصر باقی نہ رہ سکے پھر اُسکے زمین پر زندہ رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ سڑے ہوئے پھلوں کے ٹوکڑے میں جب تک چند ایک اچھے پھل موجود ہوں اُس وقت تک تو ٹوکڑے کو رکھا جاسکتا ہے مگر جب اچھے پھل بھی اس میں سے نکل جائیں تو پھر اس ٹوکڑے کا کوئی مصروف اسکے سوا نہیں رہتا کہ اس کو کسی کچر کی جگہ پر الٹ دیا جائے۔

ملائکہ اللہ کی آمد | اہل سدوم اپنی خرمستیوں میں منہمک تھے ادھر دوسری جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جو شہر سدوم سے بارہ

پندرہ میل پر مقیم تھے یہ واقعہ پیش آیا:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام شکار کے لئے جنگل کی سیر کر رہے تھے کہ دیکھا کہ تین آدمی کھڑے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت متواضع و مہمان نواز تھے اور ہمیشہ اُن کا دسترخوان مہمانوں کے لئے وسیع تھا۔ اس لئے ان تینوں کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور ان کو اپنے گھر لے گئے اور ایک فربہ بچھڑا تل بھون کر مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ مگر مہمان کھانے کی طرف کچھ مائل نہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ شاید یہ دشمن لوگ ہیں جو عام رواج کے خلاف کھانے سے انکار کر رہے ہیں۔ پھر ان کو کچھ خوف ہونے لگا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں اور کس لئے آئے ہیں؟

مہمانوں نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اضطراب دیکھا تو اُن سے ہنس کر کہا کہ آپ گھبراہٹیں نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور قوم لوط کی تباہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اور یہاں سے شہر سدوم جائیں گے۔

اور آپ کو ایک فرزند کی بشارت بھی دینے آئے ہیں جو عنقریب آپ کے ہاں پیدا ہوگا۔ اس وضاحت پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا کہ یہ کوئی دشمن نہیں ہیں بلکہ اللہ کے فرستادہ فرشتے ہیں تو اب انکی قلبی رقت اور محبت و شفقت جو ایک نبی کو امت سے ہوتی ہے اُبھر آئی اور انھوں نے فرشتوں سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنا شروع کر دیا فرمانے لگے تم اس قوم کو کیسے برباد کرنے جا رہے ہو جس میں لوط (علیہ السلام) جیسا برگزیدہ بندہ موجود ہے۔ وہ تو میرا برادر زادہ بھی ہے اور وہ مجھ پر ایمان بھی لاچکا ہے مہلّا تم لوگ ایسی قوم کو کس طرح ہلاک کر دو گے جبکہ وہ اُن میں موجود ہے؟

فرشتوں نے جواب دیا، ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ قوم لوط اپنی سرکشی، بغاوت، بے حیائی اور فواحش پر اصرار کی وجہ سے ہلاک کر دی جائے۔

ہاں لوط (علیہ السلام) اور اُن کا خاندان اس ہلاکت سے محفوظ رہے گا۔ البتہ لوط (علیہ السلام) انکی بیوی اپنی قوم کی حمایت اور اُن کا ساتھ دینے پر قوم کے ساتھ عذاب کا مزہ چکھے گی۔

قرآن حکیم کا یہ مضمون ذیل کی آیات میں تفصیلاً موجود ہے:-

قرآنی مضمون فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّدُّوعُ وَجَاءَتْهُ
الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۚ

(ہود آیات ۷۷ تا ۷۹)

پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف جاتا رہا اور اُن کو ہماری بشارت (ولادتِ اسحق) کی پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق جھگڑنے لگے۔

بیشک ابراہیم (علیہ السلام) بُردِ بار، نہایت نرم دل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع ہونے والے تھے۔ (آخر کار ہمارے فرشتوں نے اُن سے کہا) اے ابراہیم (علیہ السلام) اس معاملے میں نہ پرو بلاشبہ

رب کا حکم آچکا ہے اور بلاشبہ اُن پر عذاب آنے والا ہے جو مل نہیں سکتا۔

سورۃ الذاریات میں بھی یہی تذکرہ موجود ہے :-
 قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ . قَالُوا إِنَّا
 أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ . النّ

(الذاریات آیات ۳ تا ۵)

”ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تم کس لئے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم مجرم قوم کی جانب بھیجے گئے ہیں تاکہ اُن پر پتھروں کی بارش کریں۔ (ایسے پتھر) جو نشان کر دیئے گئے ہیں تیرے رب کی جانب سے حد سے گزرنے والوں کیلئے (جو اُن کو ہلاک کر دیں) پھر ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے علیحدہ کر دیا۔ بحرِ مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر ہم نے نہیں پایا (یعنی پورا شہر تہس نہس ہو گیا) اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لئے عبرت رکھی ہے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔“

سورۃ عنکبوت میں بھی یہی تذکرہ ملتا ہے :-

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا
 إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ .

(العنکبوت آیات ۳ تا ۵)

”اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت (اسحق) لے کر آئے کہنے لگے بیشک ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس (سدوم) شہر کے بسنے والوں کو بلاشبہ اس کے باشندے ظالم ہیں۔“

ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اس شہر میں تو لوط (علیہ السلام) (پیغمبر) موجود ہے؟ بولے ہمیں خوب معلوم ہے جو اس بستی میں آباد ہے۔ البتہ ہم لوط (علیہ السلام) اور اُن کے خاندان کو نجات دینے کے مگر انکی

بیوی کو نہیں کہ وہ بھی شہر میں رہ جانے والوں کے ساتھ ہے۔“

ملائکہ اللہ اور سیدنا لوط علیہ السلام | حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیام اپنی قوم کو مسلسل دیتے

رہے لیکن قوم اپنی بد اخلاقیوں پر اُسی طرح قائم رہی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے یہاں تک غیرت دلائی کہ اے قوم تم اس بات کو نہیں سوچتے کہ میں رات دن تمہاری نصیحت و خیر خواہی میں مشغول ہوں کبھی بھی میں نے تم سے اپنی سعی و کوشش کا کوئی بدلہ طلب نہیں کیا ہے اور نہ کسی اُجرت کا طالب ہوں۔ میرے پیش نظر صرف اور صرف تمہاری خیر خواہی اور سعادت و فلاح کے سوائے اور کچھ نہیں مگر تم ذرا بھی توجہ نہیں کرتے؛ لیکن اس ساری خیر خواہی کا اثر اُنکے مجرم دلوں پر کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت لوط علیہ السلام کو شہر بدر کرنے اور سنگسار کرنے کی دھمکی دیتے رہے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی اور اُن کی سیاہ بختی نے کسی طرح انکو پاکیزہ زندگی پر آمادہ نہ ہونے دیا، تب اُس قوم کو بھی وہی سابقہ پیش آیا جو اللہ تعالیٰ کے قانونِ جزا کا یقینی و حتمی نتیجہ ہوتا ہے۔

الغرض اللہ کے یہ فرستادہ فرشتے جن کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ

فرماتے ہیں کہ :-

”حضرت جبریلؑ، حضرت میکائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ تھے۔ یہ

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر شہرِ سدوم پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان ہوئے۔ فرشتے حسین و جمیل نوعمر لڑکوں کی شکل و صورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور اندیشہ کیا کہ بد بخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ معلوم نہیں کیا معاملہ کرے گی؟

کیونکہ ابھی تک مہمانوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم فرشتے ہیں

اور قوم کو سزا دینے آئے ہیں۔ ابھی اسی تر دہیں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی کہ لوط علیہ السلام کے گھر چند حسین و جمیل لڑکے مہمان آئے ہیں۔ بس کیا تھا یکدم ٹوٹ پڑے اور حضرت لوط علیہ السلام

سے مطالبہ کرنے لگے کہ تم ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کر دو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہ میرے معزز مہمان ہیں، میں انہیں تمہارے کیوں کر حوالہ کر دوں؟ یہ سخت بات ہے کہ مہمانوں کی بے عزتی کی جائے۔

اے قوم کے لوگو! کیوں اس لعنت میں گرفتار ہو، خواہشات نفس کے لئے فطری طریقہ اختیار کرو، حلال طور پر عورتوں کو اپنا رفیقہ حیات بناؤ، قوم میں لڑکیوں کی کمی نہیں، اپنے عقد نکاح میں انہیں داخل کر لو، لیکن قوم نے اسکا یہ ہی جواب دیا کہ اے لوط! تم کو معلوم ہے کہ ہم کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تم جانتے ہی ہو کہ ہمارا ذوق اور مزاج کیا ہے؟ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایسا ہی ہے تو تم میرے مہمانوں کے ساتھ نہ یادتی نہ کرو۔ اے یہ میرے مہمان ہیں مہمان۔ اس پر بد بخت قوم نے جواب دیا اے لوط! ہم نے تم سے بارہا کہہ دیا تھا کہ تم دوسروں کی ذمہ داری قبول نہ کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا اے قوم! کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی بھی نہیں ہے کہ کم از کم وہ بات تو سمجھے اللہ کے لئے مجھے رسوا نہ کرو اور مجھ کو معاف کرو۔ لیکن قوم اپنی مستی میں اندھی ہو چکی تھی۔ آخر حضرت لوط علیہ السلام پکار اٹھے اے کاش! کہ آج میرے ہاں کوئی قوت و طاقت ہوتی تو اپنے مہمانوں کی حفاظت کر لیتا اور تمہیں مزہ چکھاتا۔ ادھر حضرت لوط علیہ السلام کی بیقراری و پریشانی دیکھ کر مہمانوں نے کہا اے لوط! گھبرائیے نہیں ہم اللہ کے فرستادہ فرشتے ہیں یہ ہرگز ہرگز ہمارے قریب بھی نہیں آسکتے چہ جائیکہ کچھ بدتمیزی کریں۔ ہم اس قوم کا عذاب لے آئے ہیں۔ اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ ٹلنے والا نہیں۔ ابھی صبح بھی نہ ہونے پائے گی کہ اسکا کام تمام ہو جائے گا۔ پھر فرشتوں نے کہا اے لوط! تم اور تمہارے گھر والے صبح سے پہلے پہلے شہر سے باہر ہو جائیں اور یاد رکھو کہ کوئی بھی تم میں سے پلٹ کر

بھی نہ دیکھے۔ البتہ آپکی بیوی انہی بے حیاؤں کے ساتھ رہے گی اور تمہارا ساتھ نہ دے گی۔ آپ اُسکی فکر نہ کریں وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل خاندان اور مسلمین کو لیکر گھر سے باہر ہو گئے۔ چلتے وقت بیوی نے آپکی رفاقت سے انکار کر دیا اور قوم کا ساتھ دینا پسند کیا۔ آخر حضرت لوط علیہ السلام نے رات ہی کو شہر چھوڑ دیا۔ جب آخر شب ہوئی تو ابتداءً ایک مہیبت ناک چیخ نے شہر والوں کو دہلا دیا اور پھر پورے شہر کو مع زمین اوپر اٹھا کر انتہائی بلندی سے الٹ دیا گیا اور اسکے بعد پتھروں کی تیز بارش بھی برساتی گئی، وہی سب کچھ ہوا جو نافرمان قوموں کی سرکشی کا انجام ہوا کرتا ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے :-

”اللہ تعالیٰ لوط (علیہ السلام) پر رحم فرمائیں وہ کسی مضبوط جماعت کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔“

اور ترمذی کی روایت میں اسکے ساتھ یہ اضافہ بھی ملتا ہے کہ :-

”حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی لیا

نہیں بھیجا جسکا کنبہ قبیلہ اُسکا حمایتی نہ رہا ہو۔“ (قرطبی)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار قریش نے ہزار تدبیریں کیں لیکن آپکے خاندان نے آپکی حمایت کی، اگرچہ مذہباً وہ آپ کے موافق نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے نبی ہاشم اُس مقاطعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے جس میں کفار قریش نے آپکا کھانا پانی بند کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :-

”اُس وقت جب قوم لوط ان کے گھر پر چڑھ آئی تھی تو حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا اور یہ گفتگو اس

شریہ قوم سے اس طرح ہو رہی تھی کہ فرشتے مکان کے اندر تھے۔ ان لوگوں نے دیوار پھانڈ کر اندر گھسنے کا ارادہ کیا اُسپر حضرت لوط علیہ السلام کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آگئے ”اے کاشش! آج مجھے کسی مضبوط جماعت کی حمایت حاصل ہوئی۔“

مہمانوں نے جب حضرت لوط علیہ السلام کا اضطراب دیکھا تو حقیقت کھول دی اور کہنے لگے کہ آپ دروازہ کھول دیں اب ہم ان کو عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں۔ دروازہ کھولا تو جبریل امین نے اپنے ایک پر کا اشارہ قوم کی آنکھوں کی طرف کیا جس سے وہ سب اندھے ہو گئے اور بھاگنے لگے۔ اسکے بعد فرشتوں نے حضرت لوطؑ کو کہا آپ رات کے آخری حصے میں اپنے گھر والوں کو لیکر یہاں سے نکل جائیے اور ہر ایک کو ہدایت کیجئے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔“

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ساتھ چلی مگر جب قوم پر عذاب کا دھماکہ سنا تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور قوم کی تباہی پر افسوس کرنے لگی اسی وقت ایک پتھر آیا جس نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ (قرطبی و منہری)

اس عذاب کی کیفیت کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا کہ :-
”جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے ان بستیوں کے اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور ان پر ایسے پتھروں کی بارش کی جن پر ہر ایک کے نام کی علامت تھی۔ یہ چار بڑے شہر تھے جن میں یہ خبیث قوم آباد تھی، قرآن حکیم نے ان شہروں کو ”مُؤْتَفِكَاتٍ“ کے نام سے موسوم کیا ہے (تل پٹ شدہ بستیاں)

انہی روایات میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ :-

جبریل امین نے اپنا پر ان سب شہروں کی زمین کے نیچے پہنچا کر سب کو اس طرح اوپر اٹھالیا کہ ہر چیز اپنی جگہ قائم رہی، پانی کے برتن سر پانی تک گرنے نہ پایا، آسمان کی طرف سے کتوں اور جانوروں اور انسانوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان سب بستیوں کو آسمان کی طرف سیدھا اٹھانی

کے بعد آوندھا کر کے پلٹ دیا۔ جو ان کے خبیث عمل کے مناسب حال تھا۔
ملائکہ اللہ کی حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں آمد اور گفتگو، قوم کا ہجوم کرنا، اور رسوا کن
عذاب کی تفصیلات ذیل کی آیات میں موجود ہے :-

قرآنی مضمون

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ - قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ
مُّنْكَرُونَ۔ الخ (الحج آیات ۷۶ تا ۷۷)

پس جب بھیجے ہوئے فرشتے خاندانِ لوط کے پاس آئے۔ لوط
نے کہا تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو؟ اُنھوں نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہے
بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کیا کرتے
ہیں دینی ہلاکتِ قوم کی خبر، ہمارا آنا ایک امرِ حق کے لئے ہے اور ہم
اپنے بیان میں سچے ہیں۔ پس چاہیے کہ رات کے آخری حصہ میں اپنے
گھر والوں کو لیکر نکل جائیے۔ اور ان کے پیچھے قدم اٹھائیے اور اس
بات کا خیال رکھیے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں جانے کا حکم دیا گیا
ہے چلے جائیے۔

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) پر یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ شہر
والوں کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوتے اُٹھ کر جانے والی ہے۔
(اور اسی اثناء میں ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے
لوط (علیہ السلام) کے گھر آ پہنچے۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا دیکھو یہ میرے
مہمان ہیں تم میری رسوائی نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو اور مجھ کو رسوا نہ کرو۔
وہ کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہ کر چکے
تھے؟ لوط (علیہ السلام) نے کہا یہ میری بہو بیٹیاں ہیں اگر تم کو کچھ کرنا ہی
ٹھیک ہے۔

اے نبی آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔
پس سورج نکلتے نکلتے اُن کو سخت آواز نے آدبایا۔ پھر ہم نے اُن بستیوں
کا اوپری تختہ نیچے کر دیا اور اُن پر کنگر کے پتھر برسانا شروع کئے۔ اس

واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لئے۔ اور یہ بستیاں ایک آباد شہر پر ملتی ہیں۔ اُن بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی عبرت ہے۔
 وَلَمَّا اَنْ جَاۤءَتْ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیِّئَۃً بِمَاۤ هُوَ فَعَلَ
 بِہِمْ ذُرۡعًا وَّ قَالُوۡۤا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنۡ اِنۡحٰ

(العنکبوت آیات ۲۳ تا ۲۵)

اور جب ہمارے وہ فرستادہ لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو لوط (علیہ السلام) اُنکے آنے کی وجہ سے مغموم ہوئے (کیونکہ فرشتے نہایت حسین لڑکوں کی شکل میں آئے اور لوط (علیہ السلام) کو اپنی قوم کی نامعقول حرکت کا خیال آیا) اور اُن کے سبب سے دل تنگ ہوا اور وہ فرشتے کہنے لگے آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور اچھے خاص متعلقین کو بچا لینگے بجز آپکی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جائے والوں میں ہوگی۔

ہم اس بستی کے باشندوں پر ایک آسمانی عذاب اُن کی بدکاریوں کی سزائیں نازل کرنے والے ہیں۔

اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہری نشان (ابتک) رہنے دیئے ہیں اُن لوگوں کے عبرت کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

وَلَمَّا جَاۤءَتْ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیِّئَۃً بِمَاۤ هُوَ فَعَلَ
 ذُرۡعًا وَّ قَالٰ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیۡبٌ اِنۡحٰ

(ہود آیات ۷۷ تا ۷۹)

اور جب ہمارے وہ فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے تو لوط (علیہ السلام) اُن کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری ہے (کیونکہ قوم حسین لڑکوں پر فریفتہ تھی) اور اُن کی قوم ان کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور وہ پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے، لوط (علیہ السلام) کہنے لگے اے میری قوم یہ میری بہو بیٹیاں (جو تمہارے گھروں میں

ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھ کو رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا مانس نہیں؟ وہ لوگ کہنے لگے آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو آپ کی ان بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کو تو معلوم ہے جو ہمارا مطلب ہے۔

لوط (علیہ السلام) فرمانے لگے کیا خوب ہوتا اگر میرا تمپر کچھ زور چلتا یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا۔ فرشتے کہنے لگے اے لوط! ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں آپ تک ہرگز انکی رسانی نہیں ہوگی سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر چلے جائیے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے ہاں مگر آپ کی بیوی نہ جائیگی اُس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آئے گی، انکو دعوے کا وقت صبح کا ہے کیا صبح کا وقت قریب نہیں؟

سو جب ہمارا حکم آپ پہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور زمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کئے جو لگاتار گمر رہے تھے جن پر آپ کے رب کا خاص نشان بھی تھا اور یہ بستیاں ان ظالموں (یعنی مشرکین مکہ) سے کچھ دور نہیں ہیں۔“

كَذَٰبَتْ قَوْمُ لُوطٍ لِّمُرْسَلِينَ ۝۱۰

(الشعراء آیات ۱۶ تا ۱۷)

”قوم لوطؑ نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تمام دنیا جہان والوں میں تم مردوں سے یہ فعل کرتے ہو۔ اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں اُن کو نظر انداز کئے رہتے ہو بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔“

وہ لوگ کہنے لگے اے لوط (علیہ السلام) اگر تم باز نہیں آؤ گے

تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے۔

لوط (علیہ السلام) فرمانے لگے میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔

لوط (علیہ السلام) نے دعا کی اے میرے رب مجھ کو اور میرے متعلقین کو اُن کے اس کام سے نجات دے۔

سو ہم نے اُن کو اور اُن کے متعلقین سب کو نجات دی۔

بجز ایک بڑھیا بیوی کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی۔ یہ عورت دل سے کافر تھی اور قوم کے بد معاشوں سے ملی ہوئی،

پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے اُن پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی سو کیا بُرا برساؤ تھا جو اُن لوگوں پر برسا جنکو ڈرایا گیا تھا۔

بیشک اسمیں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لائے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے۔“

صَوَّبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مَوَآتٍ نُّوحٍ وَأَمْرَأَتِ

لُوطٍ. النح (التحریم آیت عن)

اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح (علیہ السلام) کی بیوی اور لوط (علیہ السلام) کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں سو اُن عورتوں نے اُن دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلے میں اُن دونوں کے ذرا کام نہ آ سکے اور حکم ہو گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ۔“

نتائج و عبرت

قوم لوط کا وطن حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

بھتیجے تھے۔ اپنے چچا کے ساتھ ملک عراق سے نکلے اور کچھ مدت تک شام، فلسطین اور مصر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ انکی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے، پھر مستقل نبوت سے سرفراز ہوئے، اللہ نے انہیں شہر سدوم کے باشندوں کی اصلاح کے لئے مامور فرمایا، جنہیں لواطت جیسا قابل نفیر عمل رائج تھا۔ بقول حضرت عمرو بن دینارؓ یہ فعل دنیا میں اس سے پہلے کسی نے رائج نہیں کیا تھا۔ یہ قوم اسکی موجد تھی۔ تفسیر درمنثور میں حضرت حذیفہؓ سے ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کہ اس قوم کا مرد، مرد سے ملوث تھا، اسی طرح اس قوم کی عورتوں میں بھی اسی جیسا فعل (مُساخفت) رائج تھا۔

یہ قوم اُس زمانے میں اس علاقہ میں رہتی تھی جسے آجکل شرق اردن کہا جاتا ہے۔ بابل میں اس قوم کا صدر مقام "سدوم" بتایا گیا ہے جو یا تو بحیرہ مُردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا اب بحیرہ مُردار میں غرق ہو چکا ہے۔

سدوم کے علاوہ ان کے چار بڑے شہر اور بھی تھے جنکو قرآن حکیم نے مُؤْتَفِکَاتِ رَتل پٹ شدہ بستیاں کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان شہروں کے درمیان کا علاقہ ایسا گلزار بنا ہوا تھا کہ میلوں تک بس ایک باغ معلوم ہوتا تھا۔ جس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر انسان پرستی طاری ہو جائے مگر آج اس رُسوائے زمانہ قوم کا نام و نشان دنیا سے بالکل ناپید ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک طرح سے متعین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ بستیاں کس مقام پر واقع تھیں۔ اب صرف بحیرہ مُردار ہی اسکی ایک یادگار باقی رہ گیا ہے جسے آج بحر لوط کہا جاتا ہے۔ اس حصے میں پانی کے نیچے کچھ ڈوبی ہوئی بستیوں کے آثار کا پتہ چلا ہے۔ ماہرین طبقات الارض کا خیال ہے یہ بستیاں قوم لوط ہی کے شہر تھے۔

نرا لاکنہ | قرآن حکیم اور احادیث نبویہ نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی جانب مبعوث کئے گئے تھے وہ قوم اپنی اخلاقی گراوٹ میں اس قدر دور جا چکی تھی کہ اب اس کا پلٹ آنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اہل جہنم نے جرم کو جرم ہی سمجھا ہے لیکن اس قوم نے جرائم کو ”قومی شعار“ قرار دے لیا تھا۔ مجالس اور عام مقامات پر علی الاعلان فحش و بے حیائی کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ ایسا عمل تھا جس کی ماضی میں کوئی منظر نہیں ملتی۔

مرد سے مرد مشغول ہو جائے اور عورت، عورت سے لوث ہو۔ یہ ایسا عمل تھا جو عموماً جنگل کے جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ یہ قوم اپنے میں چند نیک انسانوں اور نیکی و شرافت کی دعوت دینے والوں کو برداشت نہ کرتی تھی وہ پاکی و طہارت کے اس تھوڑے سے عنصر کو بھی نکال باہر کر دینا چاہتی تھی جو ان کے گھناؤنے ماحول میں نورِ ہدایت کا ذریعہ تھے۔

قرآن حکیم نے اس قوم کے تین بڑے جرائم کا ذکر کیا ہے :-
 ”تم مردوں سے بدفعی کرتے ہو، مسافروں کو لوٹ لیا کرتے ہو، عام مجلسوں میں علی الاعلان فحش کرتے ہو۔“

(العنکبوت آیت ۲۹)

جن تین گناہوں کا آیت میں ذکر ہے ان سب میں شدید ترین پہلا گناہ ہے جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے ایجاد نہیں کیا۔ باتفاق امت یہ گناہ زمانے بھی زیادہ شدید ہے۔

لواطت کی شرعی سزا | قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لواطت ایک بدترین گناہ ہے جس پر ایک پوری کی پوری قوم اللہ کے شدید ترین غضب میں گرفتار ہوئی۔ اسکے بعد روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کو پاک رکھنے کے لئے حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ اس جرم کے مرتکبین کو سخت ترین، عبرت ناک سزا دی جانی چاہیے۔ حدیث شریف میں مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں :-
 اُقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهَا۔ (الحديث)
 فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔“

ایک روایت میں اتنا اضافہ اور بھی ہے :-
 اَخْصَنَّا اَوْ لَمْ يَخْصِنَا۔

(شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ)

ایک اور روایت میں یہ حکم بھی ملتا ہے :-
 فَارْجُمُوا اِلَّا عَلٰى وَاِلَّا سُفْلًا۔ (الحديث)

اوپر والا اور نیچے والا دونوں سنگسار کر دیئے جائیں۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا اسلئے آپؐ نے عملاً ایسی کوئی سزا جاری نہیں فرمائی۔

صحابہ کرام میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایسے مجرم کو تلوار سے قتل کر دیا جائے اور دفن کروینے کے بجائے اسکی لاش کو جلا دیا جائے۔

اسی رائے سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اتفاق فرمایا تھا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی رائے یہ ہے کہ ایسے مجرم کو کسی بوسیدہ عمارت کے نیچے کھڑا کر کے وہ عمارت اُن پر ڈھادی جائے۔

حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ بستی کی سب سے اونچی عمارت پر سے اُسکو سر کے بل پھینک دیا جائے اور پر سے پتھر برسائے جائیں۔ یہ ہی قول امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے تاکہ قرآن حکیم نے اس لوطی قوم پر عذاب کی جو صورت بیان کی ہے اس سے مماثلت پیدا ہو جائے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاعل و مفعول واجب القتل ہیں۔

امام شعبیؒ، زہریؒ، امام مالکؒ و امام احمدؒ کے ہاں اسکی سزا سنگساری ہے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ، عطاءؒ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ اور

امام اوزاعیؒ کی رائے ہے کہ اس مجرم پر وہی سزا دی جائیگی جو زنا کی سزا ہے یعنی غیر

شادی شدہ کو سٹو کوڑے مارے جائیں گے اور جلا وطن کر دیا جائے گا اور شادی شدہ

کو رجم (سنگسار) کیا جائے گا۔

سزاؤں کے اختلاف کی وہی وجہ ہے جو اوپر بیان کی گئی کہ اس سلسلے میں کوئی مخصوص حد شرعی ثابت نہیں ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے جرائم ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت قبیح اور بدترین قسم کے شمار کئے جاتے ہیں، ایسے تمام جرائم پر امیر المؤمنین کو شریعت اسلامی کی جانب سے تعزیرات جاری کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور تعزیرات کے لئے کوئی خاص سزا مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ جیسے حالات و تقاضے ہوں اُس لحاظ سے ایسے مجرم کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ کا ایک قول لوطی کے بارے میں یہی منقول ہے۔ (اعاذنا اللہ منہما)

ایک ضروری تنبیہ | فعلِ لواطت اپنی قباحت و شناعة میں جس قدر بھی شدید ہے ویسے ہی شدید سزا کا بھی مستحق ہے اس لئے ہر زمانے میں ایسے مجرموں کو مختلف سزائیں دی جاتی رہیں ہیں۔ اور اس فعل کو کسی بھی حیثیت کے کبھی روانہ رکھا گیا۔

اس سلسلے میں یہ بات قطعی طور پر ملحوظ رکھی جانی چاہیے کہ شوہر کا اپنی بیوی سے لواطت کرنا بھی حرام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

مَلْعُونٌ مَنْ آتَى الْمَرْأَةَ فِي دُبْرِهَا۔ (ابوداؤد)

”اپنی بیوی سے یہ فعل کرنے والا ملعون ہے“

اور ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ جَاءَ مَعَ امْرَأَتِهِ فِي دُبْرِهَا۔

(ابن ماجہ، مسند احمد)

”اللہ اس مرد پر ہرگز نظرِ رحمت نہیں کریگا جو اپنی بیوی کیساتھ

یہ عمل کرتا ہے۔“

جامع ترمذی کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

مَنْ آتَى حَائِضًا أَوْ امْرَأَةً فِي دُبْرِهَا أَوْ كَاهِنًا

فَصَدَقْنَا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٍ (المحیث)
 جس نے عائشہ عورت سے مجامعت کی، یا عورت کے ساتھ
 عمل قوم لوط کیا، یا کاہن کے پاس گیا اور اُسکی پیش گوئی کی تصدیق
 کی، اُس نے ان تمام باتوں کا انکار کر دیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل
 کی گئیں ہیں۔“

پاکیزہ طریقہ اور شبہ کا جواب | عذاب کے فرشتے جب حضرت لوط علیہ السلام
 کے گھر پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام بہت

گھبرائے اور دل تنگ ہوا اور زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ:-
 ”آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔“

یہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے جو قوم کی مرغوب ترین شے تھیں۔ ان
 مہمانوں کا آنا ہی تھا کہ قوم کے لوگ بے اختیار حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر
 ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ پہلے سے وہ ایسی ہی بدکاریوں کے خوگر تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام
 نے کہا بھائیو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں، غیر فطری طریقہ
 کیوں اختیار کرتے ہو۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے
 ذلیل و رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں؟ جو موقعہ محل کا پاس و لحاظ کرے۔
 حضرت لوط علیہ السلام کا یہ ارشاد ”یہ میری بیٹیاں موجود ہیں“ سرسری
 نظر میں یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ نبی اپنی پاک اولاد کو اس ناپاک کام کے لئے کس طرح
 پیش کر سکتا ہے؟ جب کہ حضرت لوط علیہ السلام نے پیش کر دیا۔

یہ شبہ دراصل قرآنی اسلوب کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ خود
 آیت سے ایسا کوئی مفہوم ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صاحبزادیوں
 کو بُرائی کے لئے پیش کیا ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے:-

قَالَ يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ

(ہود آیت ۷۷)

وَلَا تَخْذُونِي فِي ضَعْفٍ

”کہا اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں“ وہ تمہارے

لئے پاکیزہ تر ہیں۔“

وہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں کا فقرہ ایسا غلط مفہوم لینے کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا۔ کیونکہ زنا سمجھی بھی کسی بھی ملت و جماعت میں پاکیزہ تر نہیں سمجھا گیا ہے۔ پھر آیت کا دوسرا فقرہ ”اللہ سے ڈرو“ اور زیادہ تاکید کرتا ہے کہ تم اپنے ارادے میں اللہ سے ڈرو۔

حضرت لوط علیہ السلام کا منشا صاف طور پر یہ ہی تھا کہ اپنی شہوتِ نفس کو اُس فطری اور جائز طریقے سے پورا کر و جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور اس کے لئے عورتوں کی کمی نہیں۔ اور اس مفہوم کا واضح قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ظاہر ہے نعوذ باللہ پوری قوم کے لئے کس طرح پیش کی جاتیں اور پوری قوم جو گھر پر چڑھ آئی تھی اُن کی تعداد سینکڑوں تھی۔ لہذا آیت کا وہ مفہوم نہیں جس پر شبہ پیدا ہو۔

تفسیر قرطبی میں ایک اور جواب منقل کیا گیا ہے:-

”حضرت لوط علیہ السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ قوم کی بدعت مشکل ہے تو ان کو شر سے باز رکھنے کے لئے فرمایا کہ تم اس شر و فساد سے باز آ جاؤ میں اپنی دونوں لڑکیاں تمہارے سرداروں کے نکاح میں دے دوں گا۔ اُس قوم میں دو سردار بڑے تسلیم کئے جاتے تھے اور وہی اس ہجوم کے بانی مبنی بھی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اتفاق کر لیا کہ اپنی صاحبزادیوں کا نکاح ان دو سرداروں سے کر دیا جائے۔ اُس ملت میں مسلمان لڑکی کا نکاح کافر سے جائز تھا، جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی مسلم و کافر کا نکاح جائز تھا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح عتبہ بن ابی لہب اور ابوالعاص بن ربیع سے کیا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں کافر تھے۔ بعد میں وہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے حرام قرار پایا۔“ (قرطبی)

الغرض حضرت لوط علیہ السلام نے رفع فساد کے لئے قوم سے اس طرح خطاب فرمایا کہ یہ میری لڑکیاں موجود ہیں جو تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔ اور بعض دیگر مفسرین نے ایک دوسری حیثیت سے جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:-

هُوَ كَذَّابُنَا قَدْ سِئِرَ پوری قوم کی لڑکیاں مراد ہیں۔ کیونکہ پیغمبر
اپنی قوم کے لئے ”مثل باپ“ ہوتا ہے اور پوری امت اس کی اولاد ہوتی
ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت
الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَآلِهِ الَّذِينَ آمَنُوا
أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الاحزاب آیت ۷)

نبیؐ تو اہل ایمان کے لئے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور
نبیؐ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔“

حضرت ابن مسعودؓ کی تفسیر وَهُوَ آبُ لَہٰکُمْ کے الفاظ بھی ملتے ہیں جس میں نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا باپ کہا گیا ہے۔ اب اس تفسیر کے مطابق حضرت
لوط علیہ السلام کے اس قول کا یہ مطلب ہو گا کہ:-

”اے قوم تم اپنی خبیث عادت سے باز آ جاؤ، شرافت کے ساتھ
قوم کی لڑکیوں سے نکاح کرو اُن کو اپنی بیویاں بناؤ، یہ سب میری
بیٹیاں ہی تو ہیں۔“

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے:-

كُلُّ نَبِيٍّ آبٌ لِّأُمَّتِهِ۔

ہر نبیؐ اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ (زوجة النبیؐ) کا ارشاد ہے:-

أَنَا أُمُّ الرِّجَالِ مِنْكُمْ وَالنِّسَاءِ۔

میں تمہارے مرد و عورتوں کی ماں ہوں۔ (روح المعانی)

دُا اہم وضاحتیں | قوم لوط پر عذاب نازل ہونے سے پہلے شہر سدوم کا حال
سورۃ الذاریات کی آیات ذیل اس طرح بیان کرتی ہیں:-

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ فَمَا

وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔

(الذاریات آیت ۲۵-۲۶)

”پھر ہم نے اُن سب لوگوں کو نکال لیا جو اُس بستی میں مومن تھے (یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور اہل ایمان) سو ہم نے اُس بستی میں سوائے ایک گھر کے مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا (یعنی صرف حضرت لوط علیہ السلام کا گھر، باقی سب کافروں کے گھر تھے)۔

۱۔ اقوام و ملل سابقہ میں اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات، اُس وقت تک کسی قوم کی کامل تباہی کا فیصلہ نہیں کرتا تھا جب تک اُس قوم میں کچھ قابل لحاظ پھلانی موجود رہی ہو۔

مگر جب حالات یہ ہو جائیں کہ کسی قوم کے اندر آٹے میں نمک کے برابر بھی خیر باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں اللہ کا قانون یہ تھا کہ نبی اور اُن پر ایمان لانے والوں کو اپنی قدرت خاص سے کسی نہ کسی طرح بچا کر نکال دیتا تھا اور باقی لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا تھا جو ہر ہوشمند تاجر اپنے ٹوکریں کے سڑے ہوئے پھلوں کے ساتھ کیا کرتا ہے کہ اچھے پھلوں کو نکال لیتا ہے اور سڑے حصّے کو پھینک دیتا ہے۔ یہی حال قوم لوط کے ساتھ پیش آیا۔

۲۔ مسلمان صرف اُسی امت کا نام نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بلکہ آپ سے پہلے کے تمام انبیاء کرام اور اُن کے پیرو بھی مسلمان ہی تھے ان سب کا دین یہی اسلام تھا۔

قرآن حکیم نے آیت مذکورہ بالا میں مومن اور مسلم کو ایک قرار دیا ہے۔ مومن اور مسلم کے الفاظ اس آیت میں بالکل ہم معنی استعمال ہوئے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو مومن ہے وہ مسلم ہے اور جو مسلم ہے وہ مومن بھی ہے۔ ایمان اور اسلام قرآن حکیم کی دو ہم معنی اصطلاحیں ہیں اگرچہ لغت کے لحاظ سے آپس میں کچھ فرق ہو جائے لیکن قرآن حکیم کی زبان میں اسلام اُس کامل مکمل دین حق کا نام ہے جو نوع انسانی کے لئے آسمان سے نازل کیا گیا ہے جسکے مفہوم میں ایمان (تصدیق) اور اسلام (اطاعت) دونوں شامل ہیں۔

اس سلسلے میں چند ایک آیات ملاحظہ ہوں جو ایمان اور اسلام کے اتحاد کو ثابت کرتی ہیں :-

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ
 ”یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“ (آل عمران آیت ۸۵)
 وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ
 ”اور جو اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے گا اُس کا دین ہرگز قبول
 نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔“ (آل عمران آیت ۸۶)
 وَدَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ آیت ۴)
 ”اور میں نے تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کر لیا،“
 فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا الْآيَةُ (آل عمران آیت ۸۷)
 ”پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو اُنہوں نے ہدایت پالی“
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
 إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ (آل عمران آیت ۱۰۲)
 ”اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور تم
 کو ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“
 هُوَ سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذِهِ الْآيَةِ
 اُس اللہ نے تمہارا نام پہلے بھی مسلم رکھا اور اس کتاب
 (قرآن) میں بھی (تم کو مسلمان کہا گیا)“ (الحج آیت ۷۹)
 مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ
 حَنِيفًا مُسْلِمًا۔ الْآيَةُ (آل عمران آیت ۷۹)
 ”ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ
 تو ایک خالص مسلم تھے۔“

یہ اور اس مضمون کی کسی ایک آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان
 ایک ہی معنی کے دو عنوان ہیں۔ اور یہ خیال کچھ درست نہیں کہ مسلم سے مراد وہ شخص ہے
 جو دل سے ایمان نہ لایا ہو بلکہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا ہو۔ اور مومن سے مراد
 وہ شخص ہے جو دل سے تصدیق کر چکا ہو۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس قسم کی
 تعریف کی ہے لیکن اُن کا منشا صرف اتنا ہے کہ لغت کے لحاظ سے یہ دونوں لفظ مختلف

معنی رکھتے ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

ظاہر ہے اوپر کی آیات پڑھکر کون خیال کر سکتا ہے کہ اللہ کے ہاں صرف ظاہری طور پر اسلام قبول کر لینا پسندیدہ بات ہوگی؟ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ظاہری اسلام کو آسمانی دین بنایا ہے؟ اور یہ کہ صرف ظاہری اسلام فلاح کا ذریعہ ہو؟ اور یہ کہ (معوذ باللہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف مسلم ہی تھے؟ اس لئے یہ خیال کرنا قطعی درست نہیں کہ اسلام سے مراد اطاعت بلا ایمان ہو اور مسلم قرآن کی زبان میں ظاہراً اسلام قبول کرنے والے کو کہتے ہیں یہ بات درست نہیں۔ البتہ یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ بعض مقامات پر ایمان اور اسلام کے لغوی معنی مراد لئے گئے ہیں جو اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے متعین کئے جاسکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قرآن حکیم کی زبان میں ایمان اور اسلام ایک ہی دین کا نام ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے، لہذا اسلام کے ماننے والے کو مؤمن اور مسلم کہا جائے گا۔

آیت اللہ قوم لوط پر عذاب کے بعد قرآن حکیم نے شہر کے کھنڈرات کو آیت (نشانی) سے تعبیر کیا ہے :-

وَتَرَكْنَاهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ.

(الذاریات آیت ۴۳)

اُس عذاب کے بعد ہم نے وہاں بس ایک نشانی اُن لوگوں

کے لئے چھوڑ دی جو عذاب الیم سے ڈرتے ہیں۔

اس نشانی سے مراد بحیرہ مردار (سمندر) ہے جسکا جنوبی علاقہ آج بھی ایک عظیم تباہی کے آثار پیش کر رہا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ قوم لوط کے پانچ بڑے شہر شدید زلزلے سے زمین میں دھنس گئے ہوں اور اُن کے اوپر بحیرہ مردار کا پانی پھیل گیا ہو۔ کیونکہ بحیرہ کا وہ حصہ جو اللسان نامی چھوٹے سے جزیرہ نما کے جنوب میں واقع ہے۔ واضح طور پر بعد کی پیداوار معلوم ہوتا ہے اور قدیم بحیرہ مردار کے جو آثار اس جزیرہ نما کے شمال تک نظر آتے ہیں وہ جنوب میں پائے جانے والے آثار سے بہت مختلف ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ نے اس سے یہ بات اخذ کی ہے کہ جنوب کا حصہ پہلے

اس بُحیرے کی سطح سے بلند تھا بعد میں کسی زلزلے سے دھنس کر نیچے چلا گیا، اسکے دھنسنے کا زمانہ بھی دو ہزار برس قبل مسیح کے قریب معلوم ہوتا ہے اور یہ قیاس تاریخی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ ۹۶۵ء میں آثارِ قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللسان جزیرہ پر ایک بہت بڑا قبرستان ملا جس میں بیس ہزار سے زیادہ قبریں ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر آباد تھا چونکہ ایسے کسی شہر کے آثار اس پاس نہیں موجود نہیں ہیں جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو، اس لئے عین ممکن ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان ہے وہ بُحیرے میں غرق ہو چکا ہو۔ بُحیرے کے جنوب میں جو علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرح تباہی کے آثار موجود ہیں اور زمین میں گندھک، رال، کول تار، اور قدرتی گیس کے اتنے ذخائر پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ کسی وقت بجلیوں کے گرنے سے یا آتش فشاں کا لاوا نکلنے سے یہاں ایک جہنم پھٹ پڑی ہوگی۔ ممکن ہے قرآن حکیم کی آیت مذکورہ :- وَ تَرَكْنَاهُ فَيَهْتَأُ اَيَّتَا سے مراد یہی آثارِ تباہی مراد ہوں۔

(ہم نے اس شہر میں ایک نشانی چھوڑ دی)

واللہ اعلم۔

تذکرہ لوط (علیہ السلام) کا قرآنی درس | سورہ ہود میں حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ نقل کرنے کے بعد اس

تذکرے کو اس آیت پر ختم کیا گیا :- وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ۔ (ہود آیت ۸۳)

(پتھر اؤ کا یہ عذاب آج بھی ظالموں سے کچھ دور نہیں)

یعنی جو لوگ اس قوم کی طرح ظلم و بے حیائی پر جمے بیٹھے ہیں وہ اپنے آپ کو اس جیسے عذاب سے دور نہ سمجھیں آج بھی یہ عذاب آسکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں بھی کچھ لوگ وہ عمل کریں گے جو قوم لوط کیا کرتی تھی، جب ایسا ہونے لگے تو انتظار کرو کہ اُن پر بھی وہی عذاب آئے جو قوم لوط پر آیا تھا۔ اَعَاذُ اللہَ

چند اعلیٰ حصلتیں | تذکرہ حضرت لوط علیہ السلام میں یہ بات آچکی ہے کہ جب

فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب لے کر آئے تو ان کی پہلی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں سلام کا جواب دیکر اپنے گھر لے آئے اور ایک بچہ اذبح کر کے بھنا گوشت مہمانوں کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کیا آپ حضرات کھائیں گے نہیں؟

مفسرین میں ابن کثیرؒ نے اس مختصر معاملے سے میزبانی کے چند اسم نکات بیان کئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ مہمانوں سے پہلے پوچھا نہیں کہ کیا میں آپ سمیلے کھانا لاؤں؟ بلکہ چپکے سے چلے گئے اور ان کی مہمانی کے لئے اپنے پاس جو سب سے اچھی چیز کھانے کی تھی یہی بچہ اذبح کیا اسکو بھونا اور لے آئے۔ فِجَاءٌ بِعَجَلٍ سَمِیْنٍ۔ الایۃ

دوسری بات یہ کہ کھانا لانے کے بعد مہمانوں کو زحمت نہیں دی کہ انہیں کھانے کے لئے بلاتے بلکہ جہاں وہ مہمان بیٹھے ہیں وہیں لا کر سامنے رکھ دیا۔ فَقَرَّبَ بَنَاتِیْہُمْ۔ الایۃ تیسری بات یہ کہ میزبانی کے وقت انداز گفتگو میں کھانے پر اصرار نہ تھا بلکہ اظہار فرمایا اگرچہ آپ کو حاجت نہ تھی مگر ہماری خاطر کچھ نوش فرمائیں۔ اَلَا تَأْكُلُوْنَ۔ الایۃ میزبانی کے یہ اعلیٰ طور طریقے ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پاکیزہ فطرت میں موجود تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-
”جو شخص شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے“ (المحدث)

تذکرہ

سیدنا یعقوب علیہ السلام

تعارُف | حضرت یعقوب علیہ السلام سیدنا اسحق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام رُفقہؓ تھا۔ یہ اپنی والدہ کے چہیتے اور پیارے تھے۔ ان کے حقیقی بھائی عیسوؓ کو حضرت اسحق علیہ السلام بہت چاہتے تھے۔

تورات کی روایت کے مطابق دونوں بھائیوں میں نا اتفاقی کے باعث حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے مشورے پر جب شہر فدّان آرام کو چلے گئے تو ان کے حقیقی ماموں لابان نے اُن سے عہد لیا کہ وہ دس سال تک اُن کے ہاں رہ کر اُنکی بکریاں چرائیں تو وہ اس مدت کو مہر قرار دے کر اپنی لڑکی سے شادی کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُس مدت کو پورا کیا تو لابان نے اپنی بڑی لڑکی لئیہ کا نکاح اُن سے کرنا چاہا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا رجحان چھوٹی لڑکی راحیل کی طرف تھا۔ لابان نے یہ عذر کیا کہ یہاں کے دستور کے مطابق بڑی لڑکی کے نکاح سے پہلے چھوٹی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا اس لئے تم اس رشتے کو منظور کر لو اور یعقوب کے قیام میں مزید دس سال اور اضافہ کر کے اُن کو میری خدمت میں رکھو تو راحیل بھی نکاح میں دیدی جائے گی (اُس شریعت میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز تھا) چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُس مدت کو بھی پورا کیا اور راحیل یعنی چھوٹی لڑکی سے بھی نکاح کر لیا۔ ان دونوں کے علاوہ لئیہ (بڑی بیوی) کی کنیز زُلّفا اور راحیل کی کنیز بلہا بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجیت میں آگئیں۔ ان سب خواتین سے اولاد بھی ہوئی اور بنیامین (حضرت یوسفؑ کے چھوٹے

بھائی کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام اولاد اپنے ماموں ہی کے ہاں زمانہ قدیم میں پیدا ہوئی۔ اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام وطن واپس آگئے تو یہاں بنیامین پیدا ہوئے۔

لابان نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے ہاں بیس سال رکھنے کے بعد بہت سارا ساز و سامان دے کر رخصت کیا اور یہ وہاں اپنے دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دارالہجرت فلسطین میں آکر مقیم ہو گئے اور اپنی بقیہ زندگی وہاں ہی گزاری۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جس زمانے میں شہر فدان آرام اپنے ماموں کے ہاں چلے گئے تھے اُس زمانے میں انکے بھائی عیسو ناراض ہو کر اپنے چچا حضرت اسمعیل علیہ السلام کے پاس آئے تھے اور اُن کی صاحبزادی سے شادی کر کے قریب ہی کے شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ صاحب تاریخی کتب میں آدم کے نام سے مشہور ہیں۔ اس عرصہ میں دونوں بھائیوں کے تعلقات استوار ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجا کرتے تھے۔

یہ تمام تفصیلات تورات اور اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ قرآن حکیم ان تمام باتوں سے یکسر خاموش ہے اور وہ صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کے جلیل القدر نبی، صاحب صبر و استقامت رسول، اور سیدنا یوسف علیہ السلام کے برگزیدہ باپ ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسی ضمن میں نام کی صراحت کے بغیر یوسف علیہ السلام کے دوسرے بھائیوں کا بھی ذکر آجاتا ہے:-

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ الْآیَہ

تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے ضمن میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر جا بجا آیا ہے چنانچہ یہی تذکرہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھی تذکرہ شمار کیا گیا ہے۔ تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السلام میں یہ باتیں مطالعہ کیجئے:-

<p>قرآن عزیز میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کا اسم گرامی دس جگہ ملتا ہے۔ اگرچہ سورۃ یوسف میں جا بجا ضمائر اور اوصاف کے لحاظ سے ان کا تذکرہ موجود ہے۔</p>	<p>سیدنا یعقوب علیہ السلام قرآن حکیم میں</p>
---	--

آیات متعلقہ کی تفصیل یہ ہے :-

۱۴۰، ۱۳۶، ۱۳۳، ۱۳۲	آیات	سورۃ بقرہ
۸۴	آیت	سورۃ النعام
۶	آیت	سورۃ مریم
۷۲	آیت	سورۃ انبیاء
۱۶۳	آیت	سورۃ نساء
۳۸، ۶۶	آیات	سورۃ یوسف
۴۵	آیت	سورۃ ص

بنی اسرائیل | حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی نام اسرائیل ہے۔ قرآن حکیم میں جا بجا اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اسرا کے معنی (عبد) اور ایل کے معنی (اللہ) یعنی عبد اللہ اور بنی اسرائیل کے معنی "اولاد یعقوب" قرآن حکیم نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو بنی اسرائیل کہہ کر مخاطب کیا ہے (یعنی اولاد یعقوب) حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسم گرامی مشہور و معروف ہے۔ انہی کی نسل میں ہزار ہا انبیاء و رسل پیدا ہوئے ہیں جنہیں انبیاء بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

اولاد یعقوب علیہ السلام | حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے۔ گزشتہ سطور میں آچکا ہے کہ بنیامین کے علاوہ

اُن کی ساری اولاد شہر فدان آرام میں ہی پیدا ہوئی تھی۔ صرف بنیامین (حضرت یوسفؑ کے چھوٹے حقیقی بھائی) فلسطین (ارض کنعان) میں پیدا ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد آپکی مختلف بیویوں سے ہوئی ہے جنکی تفصیل یہ ہے :-

زوجہ محترمہ لئیہ بنت لابان سے مندرجہ ذیل اولاد ہوئی۔

(۱) راؤ بن (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (۵) ویسا کر (۶) زبولون۔

زوجہ ثانیہ راحیل بنت لابان سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔

(۷) یوسف علیہ السلام (۸) بن یسین (بن یامین)
زوجہ ثالثہ بلہا سے ڈولڑکے پیدا ہوئے۔

(۹) دان (۱۰) مفتالی۔
زوجہ رابعہ زلفا سے ڈولڑکے تولد ہوئے۔

(۱۱) جاد (۱۲) اشیر۔

یہ بارہ لڑکے اپنی اپنی قوم کے سردار بنے اور ان کی اولاد کثرت سے پھیلی۔
یہ تفصیل تورات سے منقول ہے اور دیگر تاریخی کتب میں بھی پائی جاتی ہے۔

واللہ اعلم۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا بیشتر تذکرہ حضرت یوسف علیہ السلام کے
تذکرہ میں آ رہا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی سیدنا یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ مستقل طور
پر ذکر نہیں کیا البتہ کئی ایک جگہ ان کا اسم گرامی اور ان کا اولوالعزم رسول ہونا بیان
کیا ہے۔ کنعانیوں کی اصلاح و تبلیغ کے لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا
تھا۔ ساری زندگی کنعان (فلسطین) ہی میں تبلیغ فرماتے رہے۔ البتہ آخری عمر میں اپنے
عظیم المرتبت صاحبزادے سیدنا یوسف علیہ السلام سے ملنے کے لئے مصر
تشریف لائے اور غالباً وہیں وفات پائی۔

تَذَكُّرَةُ سَيِّدِنَا يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور عَزِيزِ مِصْرَ

تعارُف | سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تیسری پشت سے سیدنا یوسف علیہ السلام کا وجود باسعادت ملتا ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے:-

یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہم السلام)

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی راحیل بنت لابان ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بارہ بیٹوں میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بے حد محبت و تعلق خاطر تھا، کسی بھی وقت اُن کی جدائی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:-

”تمام انسانوں میں اللہ کے ہاں مکرم کون ہے؟“

آپ نے ارشاد فرمایا:-

”أَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللَّهِ ابْنُ نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ

نَبِيِّ اللَّهِ ابْنِ خَلِيلِ اللَّهِ (عليهم السلام)“

(بخاری کتاب التفسیر)

امام احمد نے اپنی مسند میں ایک روایت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنُ الْكَرِيمِ

يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ (عليهم السلام)“

سیدنا یوسف علیہ السلام بھی اپنے والد، دادا، پردادا کی طرح سن رشد کو پہنچ کر نبوت و رسالت سے سرفراز ہوئے اور ملت ابراہیمی کی دعوت و تبلیغ کے علمبردار

ہم انکو جھوٹا ثابت کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں کوئی ایسی تدبیر
بتائی جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا ثابت کر دیا جائے اور
وہ عاجز ہو جائے۔

یہود کے علماء نے اُن مشرکین سے کہا کہ اس مدعی نبوت
کو تنگ کرنے اور جھوٹا بنانے کے لئے تم لوگ اُن سے یہ سوال کرو
کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی؟
اگر یہ نبی نہیں تو ہرگز ہرگز نہ بتا سکے گا۔

کفار مکہ نے یہود علماء کی ہدایت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
یہ سوال کیا، اِن کے اس مطالبہ پر سورہ یوسف نازل ہوئی اور آپ نے
وہ سب کچھ اُن کو سنادیا جو سورہ یوسف میں موجود ہے۔ (ابن کثیر)

واقعہ یہ ہے کہ یہودی علماء نے اس سوال کا اس لئے انتخاب کیا تھا کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ
میں مشہور نہ تھا اور نہ ہی وہاں کوئی یہودی یا عیسائی عالم تھا جو کسی کو بتا سکے۔ ایسے
حالات میں جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امی لقب تھے نہ کسی مکتب میں درس لیا
تھا اور نہ مکہ مکرمہ میں کوئی درس گاہ تھی اور نہ ہی آپ نے نبوت سے پہلے کبھی یہ واقعہ
کسی سے سنا تھا۔ ان مخصوص حالات میں نہایت تفصیل اور کامل وضاحت کے ساتھ
حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا طویل واقعہ بیان کر دینا
خود نبوت کی ایک کھلی دلیل تھی اور آنحضور کا یہ صریح معجزہ تھا لیکن جس کی قسمت میں
بے نصیبی ہو مہلّا اسکو اس سے کہاں ہدایت مل سکتی تھی۔ جو ہدایت کے طالب تھے
وہ تو ایمان لائے اور بقیہ عناد و سرکشی ہی میں پڑے رہے۔

چند تمہیدی باتیں | تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السلام سے پہلے چند باتیں
بطور تمہید واقعہ کی وضاحت کے لئے ضروری ہیں:-

جیسا کہ لکھا گیا حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے
بیٹے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
پڑپوتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جو ان کی چار بیویوں سے پیدا ہوئے۔ ان میں حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک بیوی سے ہیں، (یعنی حقیقی بھائی)۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا قیام فلسطین میں تھا جہاں حضرت اسحق علیہ السلام اور ان سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام رہا کرتے تھے۔
تورات کی تحقیق کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش سن ۱۷۰۰ قبل مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً دو ہزار سال پہلے بتائی جاتی ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر شریف سولہ سترہ سال کی ہوئی بھائیوں نے سازش کر کے انہیں کنوئیں میں پھینک دیا تھا، اور جس قافلہ نے انہیں کنوئیں سے نکالا تھا وہ شرق اردن سے آرہا تھا اور مصر کی جانب رواں دواں تھا۔
قافلے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام سمجھ کر بازار مصر میں فروخت کر دیا۔ مصر کا دار السلطنت اس زمانے میں (منف) تھا جسکے کھنڈرات آج بھی قاہرہ کے جنوب میں چودہ پندرہ میل کے فاصلہ پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں وہاں پہنچے تھے۔ دو چار سال عزیز مصر کے شاہی محل میں مقیم رہے پھر عزیز مصر کی بیوی کی سازش پر آٹھ نو سال جیل میں زندگی بسر کی۔ جب تخت مصر پر بیٹھے اس وقت آپ کی عمر شریف تیس سال تھی اور اس کے بعد تقریباً اسی سال تک تخت و تاج کے تنہا وارث رہے اور جس عدل و انصاف سے حکمرانی کی وہ تاریخ عالم کا بے مثال نمونہ ہے۔

اپنی حکومت کے نویں یا دسویں سال اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اور پورے خاندان کو فلسطین سے مصر منتقل کر دیا اور اپنی عمر کے ایک سو دس (۱۱۰) سال میں وفات پائی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آغاز قصہ اور نر الا خواب | حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی تمام اولاد میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بے حد

محبت و پیار رکھتے تھے۔ خود نبی تھے، نور نبوت کے حامل تھے۔ اپنے علم و فراست سے مستقبل قریب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت و رسالت کو دیکھ رہے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دیگر بھائیوں سے اخلاق و عادات میں یکسر مختلف تھے۔ ماں باپ کا احترام، اطاعت شعاری، خلوص و خدمت یہ ایسا وہاں تھے جو ایک ہونے والے نبی کے لئے ویسے بھی ضروری تھے حضرت یوسف علیہ السلام میں جمع تھے، باپ کی یہ محبت و چاہت برادرانِ یوسف کے لئے بیحد شاق اور ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئی وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے کہ کسی طرح بھی اپنے باپ کے قلب سے یوسف علیہ السلام کی محبت کو دور کر دیں یا پھر خود یوسف علیہ السلام ہی کو دور کر دیا جائے تاکہ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے۔ انہی سازشوں کے دوران حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمران کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ یہ عجیب و غریب خواب تھا جو دنیا کے انسانیت نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار سے یہ خواب بیان کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام پر خواب کی حقیقت منکشف ہو گئی۔ بیٹے سے کہا یہ خواب کسی کے آگے نہ دھرایا جائے ایسا نہ ہو کہ اُس کو سُنکر تیرے بھائی بُرائی سے پیشتر آئیں۔ کیونکہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس موقع پر قرآن حکیم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تعبیر خواب کو بیان نہیں کیا تا آنکہ وہ خواب حقیقت بنکر سامنے آ گیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور شمس و قمر سے والدین مراد ہیں۔

تفسیر قرطبی میں مزید یہ وضاحت ملتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ راحیلؓ اگرچہ اس خواب سے پہلے وفات پا چکی تھیں مگر انکی بہن حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی تھیں۔ خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے خصوصاً جبکہ وہ والد کی زوجیت میں آجائے تو عرفاً اسکو ماں ہی کہا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ** الحدیث

(خالہ ماں کے قائم مقام ہے،)

خوابِ یوسفی کا یہ تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے :-

قرآنی مضمون | اَلَّذِي يَتْلُو آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ . النّٰمِ

(یوسف آیاتِ مآثراۃ)

”الَّذِي“ یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

اے نبی ہم اس قرآن کے ذریعہ سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے ایک نہایت اچھا قصہ تمہیں سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے (اس قصہ سے) بے خبر تھے۔

جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا اے ابائیں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورتج و چاند کو دیکھا ہے، دیکھتا کیا ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

باپ نے کہا اے میرے بیٹے تو اپنے اس خواب کو اپنی بھائیوں سے بیان نہ کریں۔ ہمیں ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی خفیہ چال چلائیں، بلاشبہ شیطان انسان کے لئے کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح تیسرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ کرے گا اور تجھ کو (تاویلِ حدیث) خواب کی تعبیریں سکھائے گا اور اپنی نعمتیں تجھ پر اور اولادِ معقوب پر پوری کرے گا۔ جس طرح کہ اُس نعمتِ نبوت کو پورا کیا تیرے اجداد پر پہلے سے یعنی ابراہیم و اسحق (علیہم السلام) پر بیشک تیرا پروردگار بڑا علم والا حکمت والا ہے۔“

برادرانہ سازش | جامع ترمذی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سچا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک

جُز ہے۔ اور خواب معلق رہتا ہے جبکہ کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ جب بیان کر دیا گیا اور سُننے والے نے کوئی تعبیر دیدی تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے۔

اس لئے خواب ہر کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ صرف عالم سے یا پھر اپنی خیر خواہ سے بیان کیا جائے۔

الغرض حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا اور اسکو محفوظ رکھا، اس خواب کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت اور زیادہ ہو گئی۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سے جدا ہونے نہیں دیتے، باپ کا یہ عمل سوتیلے بھائیوں کو اور زیادہ مشتعل کر دیا، اور اب وہ اس تاک میں رہنے لگے کہ یوسف علیہ السلام کے خلاف کوئی آخری کارروائی کر دی جائے، چنانچہ حسد کی بھڑکتی ہوئی آگ نے ایک روز برادران یوسف کو یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے پر مجبور ہی کر دیا۔

سب بھائیوں نے مشورہ کیا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت خیر خواہی و محبت کے پیرایہ میں کہنے لگے ابا جان! آپ یوسف کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے کیوں نہیں بھیجتے؟ آپ اسکو ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتے ہیں؟ وہ بھی بچہ ہے کھیل کود کا اسکو بھی موقع ملنا چاہیے آخر آپ کو اُسکے بارے میں کیا اندیشہ ہے؟ اور ہم اتنے بھائی کیا اسکی کوئی حفاظت نہیں کر سکیں گے؟ آپ کو ہم پر اعتماد کرنا چاہیے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراست نبوت سے جان گئے کہ ان سوتیلے بھائیوں کے دلوں میں کھوٹ ہے اور وہ یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں مگر آپ نے صاف صاف لفظوں میں اس اندیشہ کو ظاہر نہیں فرمایا تا کہ کہیں وہ بگڑ کر علانیہ دشمنی پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے بجائے واضح طور پر اپنا اندیشہ ظاہر کرنے کے اشارۂ کنایہ ان پر یہ بات واضح کر دی کہ واقعی مجھ کو یوسف علیہ السلام کے بارے میں اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی بھیڑیا اسکو اٹھانے لے جائے اور تم کو اس کی خبر تک نہ ہو۔

سب بھائیوں نے بیک زبان کہا اگر ایسا ہوا تو یقیناً ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔ بھلا کہیں ایسا ممکن بھی ہے؟ ہم اتنے ہو کر اپنے ایک عزیز بھائی کی حفاظت تک نہ کر سکیں؟ ابا جان! آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور ہر طرح مطمئن رہیں ہم اسکی پوری حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ اندیشہ اور بھائیوں کی سازشی تفصیلات قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہیں :-

قرآنی مضمون | لَقَدْ كَانَ رَفِيُ يُوْسُفَ وَاخُوْتَهُ اَيَاتٌ لِّلْسَائِلِيْنَ اِنَّ

(یوسف آیات ۷۴ تا ۸۱)

”یقیناً یوسف (علیہ السلام) اور اُسکے بھائیوں کے قصے میں پوچھنے والوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں۔ جبکہ وہ (اپس میں) کہنے لگے کہ یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی (بن یامین) ہمارے باپ کو زیادہ محبوب ہے۔ حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں۔ بلاشبہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے۔ یوسف کو قتل کر ڈالو یا کسی ملک میں پھینک آؤ تاکہ تمہارے باپ کی توجہ و محبت تمہاری طرف سمت آجائے اور یہ کام کرنے کے بعد نیک قوم بن کر رہنا۔“

ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسکو کسی گمنام کنویں میں ڈال دو تاکہ کوئی اس کو اٹھا لیجائے۔ اگر تم کو ایسا کرنا ہی ہے۔ (مشورہ کرنے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئی) کہنے لگے اے ابا جان آپ کو کیا ہوا کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اسکے خیر خواہ ہیں۔ کل اسکو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ کھائے پئے اور کھیلے کودے اور بلاشبہ ہم اسکے نگہبان ہیں۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس سے رنج و دکھ پہنچتا ہے کہ تم اُسکو اپنے ساتھ لے جاؤ اور مجھے یہ خوف و اندیشہ ہے کہ اسکو بھیڑ یا کھا جائے اور تم غافل رہو (کیونکہ اُس جنگل میں بھیڑیے بہت تھے) سب نے کہا اگر اسکو بھیڑ یا کھا گیا جبکہ ہم سب طاقتور ہیں تو بلاشبہ ایسی صورت میں تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا (بھلا ایسا کہیں ممکن ہے)۔“

جھوٹا خون | حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی مزید انتقامی کارروائی سے

بچنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُنکے ہمراہ جانے کی اجازت دے دی اس طرح برادران یوسف نے اپنے مکر و فریب میں کامیابی حاصل کی اور یوسف علیہ السلام کو سیر و تفریح کے بہانے جنگل لے گئے اور پھر اپنے متفق مشورے کے مطابق ایک ایسے کنویں میں ڈال دیا جس میں پانی نہ تھا اور عرصہ سے خشک پڑا تھا۔ قرآن حکیم نے اس کنویں کو "غِیْبَتِ الْجُبِّ" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ غیاہ بہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری چیز کو چھپالے اور غائب کر دے۔ اسی لئے قبر کو بھی غیاہ کہا جاتا ہے (کیونکہ وہ لاش کو چھپا دیتی ہے) اور جُب ایسے کنویں کو کہتے ہیں جسکی من پختہ بنی ہوئی نہ ہو یعنی ایک ایسا ویران اور بے آب گمراہا جو آبادی سے دور درختوں میں چھپا ہوا ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جبراً و قہراً اُسمیں اتار دیا گیا۔ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اسوقت حضرت یوسف علیہ السلام نابالغ تھے اور تفسیر مظہری میں تصریح ہے کہ اسوقت ان کی عمر ثنات سال تھی۔

امام قرطبی اور دیگر مفسرین نے کنویں میں ڈالنے کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :-
 "جب اُن کو کنویں میں ڈالنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام کنویں کی من سے چمٹ گئے۔ بھائیوں نے اُن کا کرتا اتارا اور اُن کے ہاتھ باندھے۔ اُس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے پھر رحم کی درخواست کی مگر وہی جواب ملا کہ گیارہ ستارے جو تجھ کو سجدہ کرتے تھے اُن ہی کو بلا وہ تیری مدد کریں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب کسی طرح بھائیوں کو معلوم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُن کی آتش غضب بھڑک اُٹھی تھی۔ الغرض حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ڈول میں رکھ کر کنویں میں لٹکا دیا۔ جب درمیان تک پہنچے تو رستی کاٹ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی حفاظت فرمائی، نیچے گرنے کی وجہ سے چوٹ نہ آئی اور قریب ہی ایک چٹان نظر آئی اس پر حضرت یوسف علیہ السلام صحیح سالم بیٹھ گئے۔ بعض روایات میں یہ وضاحت ہے کہ جبرئیل امین کو حکم دیا گیا تھا کہ تہہ میں گرنے سے پہلے اُنہیں چٹان پر بٹھا دیا جائے۔"

تین یوم تک کنویں میں رہے اُن کا ایک بھائی جسکا نام یہودا بیان کیا جاتا ہے اور جو اپنے بھائیوں کی اس سازش کا مخالف تھا، لیکن بھائیوں کی مخالفت کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ ہر روز روٹی اور پانی چھپکے سے کنویں میں اُتار دیا کرتا تھا۔ لیکن اُسکی ہمت اتنی نہ ہوئی کہ باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ واقعہ بیان کر دے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تسلی اور اطمینان کے لئے اُسپر وحی نازل کی جس میں کسی آئندہ زمانے میں بھائیوں کی ملاقات اور اُن پر بالادستی کی خوشخبری تھی اور یہ کہ وہ لوگ محتاج و فقیر بنکر آپ کے پاس آئیں گے آپ اُن کو پہچان لیں گے لیکن وہ لوگ آپ کو پہچان نہ سکیں گے۔“

یہ وحی جو کنویں میں نازل ہوئی (بقول تفسیر مظہری) وحی نبوت نہ تھی کیونکہ وہ چالیس سال کی عمر میں عطا ہوتی ہے بلکہ یہ وحی ایسے ہی تھی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا تھا یا جیسے حضرت مریمؑ سے کلام کیا گیا یا شہد کی مکھی کی طرف وحی کی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی نبوت کا سلسلہ مصر پہنچنے اور جوان ہونے کے بعد شروع ہوا جیسا کہ اسی سورہ میں تصریح ہے:-

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ مُكْتُمًا وَعِلْمًا۔ (آیت ۲۲)

اور جب یوسفؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں

علم و حکمت (نبوت) عطا کی۔

مگر دیگر مفسرین جیسے ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے اسکو وحی نبوت ہی قرار دیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی گئی۔ الغرض حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر واپسی کے وقت ایک جانور کے خون سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ سُرخ کیا اور عشاء کے وقت روتے پٹتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت یعقوب علیہ السلام انکی آواز سن کر باہر آئے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے؟ کیا تمہاری بکریوں کے گلے پر کسی نے حملہ کر دیا ہے؟ اور یوسف کہاں ہے؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم نے آپس میں دوڑ لگائی اور یوسف کو اپنا سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اس درمیان میں بھیڑیا آیا اور یوسف کو کھالیا۔ دیکھئے یہ اس کا کمرۂ ہے جو ہم کو مقامِ حادثہ پر ملا ہے۔ اے ابا جان! آپ کو تو یقین نہیں آئے گا خواہ ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں؟

قرآن حکیم نے اس خونِ آلودہ کرتے کا وصف بدیمِ کذب (جھوٹا خون) بیان کیا ہے۔ حقیقتاً یہ جھوٹا خون تو تھا ہی لیکن صورتِ بھی جھوٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اُن بھائیوں کو غافل اور بے عقل بنا دیا کہ کرتے پر خون لگانے کے ساتھ اُس کو جا بجا سے پھاڑ بھی دیتے۔ جس سے بھیڑیے کا کھانا ثابت ہوتا، انہوں نے یوسف علیہ السلام کے صحیح و سالم کرتے پر جانور کا خون لگا کر باپ کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا (لیکن جھوٹے کو عقل نہیں ہوتی) خود دھوکہ کھا گئے کرتے کو پھاڑا نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صحیح و سالم کرتے دیکھ کر فرمایا:-

میرے بیٹو! یہ بھیڑیا کیسا حکیم و عقلمند تھا کہ یوسف کو اس طرح

کھایا کہ کہیں سے کرتے تک نہ میٹھنے پایا؟

اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام پر اُن کا مکر و فریب و جعل سازی کا راز فاش ہو گیا۔ فرمایا یوسف علیہ السلام کو تو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے۔ اب میرے لئے بہتر یہی ہے کہ میں صبر کروں اور جو کچھ تم کہتے ہو اُس پر اللہ سے مدد طلب کروں چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام سب سے الگ ہو کر کیسو ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگے۔ اس ساری سازش اور جھوٹے خون اور مکر و فریب کا تذکرہ ان آیات میں اس طرح مذکور ہے:-

قرآنی مضمون فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهَا وَاجْتَمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي

غِيَّبَتِ الْحُبَّتِ الْخَمْرُ (یوسف آیات ۱۸ تا ۲۰)

اور (سابقہ طے شدہ فیصلہ کے مطابق) سب نے پختہ عزم کر لیا

کہ اُن کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دیں (تو جو کچھ تجویز کیا تھا علمِ اُمد کیا) اور اُس وقت اُنکی تسلی کے لئے، ہم نے (اللہ تعالیٰ نے) اُن کے

پاس وحی بھیجی کہ (اے یوسف غم نہ کرنا ہم تم کو یہاں سے نجات دیکر
بڑے درجے پر پہنچا دیں گے اور ایک دن وہ ہوگا کہ تم اُن لوگوں
کو یہ بات بتلاؤ گے اور وہ تم کو (بوجہ اس کے کہ تم ایک اونچی حالت میں
ہو گے) پہچان تک نہ سکیں گے۔

(غرض یوسف علیہ السلام کا تو یہ قصہ ہوا) اور (ادھر) وہ
لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے پہنچے۔
کہنے لگے ابا جان ہم سب تو آپس میں دوڑنے لگ گئے اور یوسف
کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔ پس ایک بھیڑیا (آیا اور) انکو
کھا گیا اور آپ تو ہمارے یقین کریں گے گو ہم کیسے ہی سچے ہوں۔
اور یوسف کی قیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے (تاکہ
اپنے قول کی سند میں پیش کریں) یعقوب (علیہ السلام) نے (دیکھا
تو کڑتے کہیں سے پھٹا نہیں چر نہیں تھا تو) کہا کہ یوسف کو بھیڑیا وغیرہ
نے نہیں کھایا، بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے سو (خیر)
صبر ہی کروں گا جسمیں شکایت کا نام و نشان نہ ہوگا اور جو باتیں تم
سناتے ہو اُن میں اللہ ہی مدد کرے۔

دورِ غلامی | حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کی اس مکر و فریب والی گفتگو کے
بعد تھک ہار کر یکسو ہو گئے اور غالباً وحی الہی یا پھر الہام و فراست نبوت
سے اطمینان ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کا فراق ایک طویل عرصہ تک برقرار رہے گا۔ سکوت
اختیار کر لیا۔ ادھر ملک شام سے ایک قافلہ مصر جا رہا تھا۔ راستہ بھول کر اس غیر آباد
کنوئیں پر پہنچا، پانی کی ضرورت ویسے بھی سفر میں پیش آتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ دور دور
تک پانی کا نشان نہ ملتا ہو کنوئیں کو دیکھ کر ایک شخص نے جس کا نام مالک بن وعبربت یا
جاتا ہے ڈول کنوئیں میں ڈالا حضرت یوسف علیہ السلام نے خدائی قدرت کا مشاہدہ کیا۔
اُس ڈول کی رسی پکڑ لی اوپر پہنچے، اس کسین حسین و جمیل لڑکے کو دیکھ کر وہ پکار اُٹھا: - یٰ بُنَّیَّ
هَذَا غُلَامٌ۔ (اے بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو ایک بڑا اچھا لڑکا نکل آیا۔)

حدیث معراج میں یہ عبارت ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شب معراج میں یوسف علیہ السلام سے ملا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کے حُسن و جمال میں سے آدھا حُسن اُن کو عطا فرمایا ہے اور باقی آدھا سارے جہاں میں تقسیم ہوا ہے۔ (صحیح مسلم)

ابتداءً تو مالک بن دُعبر نے تعجب سے پکارا تھا مگر بعد میں اُسکو خیال آیا کہ اسکا چرچانہ کیا جانا مناسب ہے تاکہ اُسکو چھپا کر رکھا جاسکے اور پھر فروخت کر کے رقم وصول کر لی جائے۔ اصل میں قرآنی الفاظ دَاَسْرَدُوْهُ بِضَاعَتًا یعنی چھپا لیا اسکو ایک مال تجارت سمجھکر ممکن ہے قافلہ کے چند لوگوں نے ایسا کیا ہو یا یہ بھی تفسیر ممکن ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حقیقت واقعہ کو چھپا کر یوسف علیہ السلام کو ایک مال تجارت بنالیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ بڑا بھائی یہود اور زانہ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں روٹی و پانی خفیہ طور پر پہنچانے آیا کرتے تھے، تیسرے روز جب اُن کو کنوئیں میں نہ پایا تو واپس آکر اپنے دیگر بھائیوں سے واقعہ بیان کیا۔ یہ سب بھائی جب وہاں پہنچے اور تحقیق کرنے پر قافلہ والوں کے ہاں یوسف علیہ السلام برآمد ہوئے تو اُن سے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا غلام ہے بھاگ کر یہاں آگیا تھا تم نے بہت بُرا کیا کہ اسکو اپنے قبضہ میں رکھا۔ مالک بن دُعبر اور اسکے ساتھی سہم گئے کہ ہم چور سمجھے جائیں گے اسلئے بھائیوں سے یوسف علیہ السلام کی خریداری پر بات چیت ہونے لگی تو اب آیت کے معنی ہوئی کہ برادران یوسف نے خود ہی یوسف علیہ السلام کو ایک مال تجارت بنالیا اور فروخت کر دیا :- وَاللّٰهُ عَلَيْهِمْ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کی سب کارگزاریاں معلوم تھیں۔ اسکے بعد برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا (یا) قافلہ والوں نے یوسف علیہ السلام کو بہت تھوڑی سی قیمت میں خرید لیا یعنی گنتی کے چند درہم کے معاوضہ میں دونوں تفسیریں منقول ہیں۔

”حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق بیس درہم

میں یہ معاملہ ہوا۔“ (ابن کثیر، جلالین)

دس بھائیوں نے دُود و درہم تقسیم کر لئے۔ اس معاملت کے اختتام کو قرآنی جملہ نہایت بلیغ پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔

”برادرانِ یوسف اس معاملہ میں دراصل مال کے خواہشمند نہ تھے۔“ (یعنی ان کا اصل مقصد تو یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا اس لئے مٹھوڑے سے درابم میں معاملہ کر لیا) قرآن حکیم میں قافلہ والوں کا تذکرہ اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون | وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ. الخ (آیت ۱۹-۲۰)

”اُدھر ایک قافلہ آنکلا (جو مصر کو جاتا تھا) اُنہوں نے اپنا آدمی پانی لانے کے واسطے (یہاں کنویں پر) بھیجا اور اُس نے اپنا ڈول ڈالا (تو یوسف نکل آئے مارے خوشی گئے) کہنے لگا اے خوشخبری یہ تو (خوبصورت) لڑکا ہے اور اسکو مال تجارت قرار دیکر چھپا لیا اور اللہ کو ان سبکی کارگزاریاں معلوم تھیں اور ان کو بہت ہی کم قیمت میں بیچ ڈالا یعنی گنتی کے چند درہم کے بدلے اور وہ لوگ کچھ ان کے قدر دان تو تھے ہی نہیں“

بازارِ مصر میں | غرض اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو تاجروں کے قافلہ نے خرید کر اپنا غلام بنالیا اور مال تجارت کے ساتھ اُن کو بھی مصر لے گئے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی زندگی کا یہ پہلو جو صورتِ غلامی کی شکل میں پیدا ہوا لیکن اپنے اندر نبوت اور تخت و تاج کی عظمتیں پوشیدہ رکھتا ہے۔ یہ ہی وہ پہلا زینہ تھا جس نے انہیں مصر کے تختِ شاہی پر لا بٹھایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی قسمت پر شاکر، مصائب پر صابر، اور اللہ کے فیصلہ پر راضی، سر نیاز خم کئے مصر کے بازار میں فروخت ہونے جا رہے ہیں۔ ابن کثیرؒ نے امام مجاہدؒ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ برادرانِ یوسف کچھ دُور قافلہ والوں کے ساتھ چلے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو اس غلام کو بھاگ جانے کی عادت ہے کھلانہ چھوڑنا یہاں تک کہ اسکو لے کر مصر نہ پہنچ جانا۔ جب بھائیوں کو اس

کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ قافلہ مصر کے راستہ پر چل پڑا تو اپنے گھر واپس ہو گئے۔ مصر پہنچ کر قافلہ والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بازار مصر میں فروخت کرنے کا اعلان کیا۔ تفسیر قرطبی میں مذکور ہے کہ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیا یہاں تک کہ وزن یوسف علیہ السلام کے برابر سونا اور اسی کے برابر مشک اور ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی۔

یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے لئے مقدر کی تھی، مصری افواج کا ایک افسر شاہی خاندان کا رئیس جس کا نام فوطیفار تھا۔ مصر کے بازار سے گزر رہا تھا یوسف علیہ السلام پر نظر پڑی تو صورت و شکل سے سجدہ متاثر ہو گیا اور منہ بولی قیمت دے کر اپنے گھر لے آیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو اسکو غرت سے رکھنا۔ عجب نہیں کہ یہ ہم کو فائدہ بخشے یا ہم اسکو اپنا بیٹا بنالیں۔ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ اسوقت یہ رئیس لا ولد تھا۔ قرآن حکیم نے اسکا نام عزیز مصر بیان کیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ شخص ملک مصر کا وزیر خزانہ تھا اور بادشاہ مصر اس زمانے میں قوم عمالقہ کا ایک شخص ریان بن اسید تھا جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام پر ایمان لایا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی ہی میں انتقال کر گیا۔

عزیز مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اسکی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بیان کیا جاتا ہے اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ غلاموں جیسا معاملہ نہ کرنا، ان کی ضروریات کا اچھا انتظام کرنا قرآن حکیم نے اس عورت کو امراة العزیز (عزیز کی بیوی) کہا ہے۔

اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام شاہی خاندان میں اولاد کی طرح رہنے لگی اسی ناز و نعمت میں سن شعور کو پہنچے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تین آدمی بڑے عقلمند اور قیافہ شناس ثابت ہوئے ہیں :-

اول عزیز مصر جس نے اپنے قیاس و اندازے سے اپنی بیوی کو یہ ہدایت دی کہ یوسف کا اکرام کرنا۔
دوم حضرت شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی جس نے حضرت

جلد اول

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ ابا جان انکو ملازم رکھ لیجئے اسلئے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی اور امانتدار بھی ہو۔
 تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا۔ (قرطبی)
 بازار مصر میں خریداری کا تذکرہ اس طرح آیا ہے :-

قرآنی مضمون | وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لَا مَرْأَتِي

اَکْرِمِیْ اِنْج (یوسف آیت ۲۱-۲۲)

”مصر کے جس شخص نے یوسف کو فریدا اُس نے اپنی بیوی سے کہا اُسکے قیام کا اچھا انتظام کرنا بعید نہیں کہ یہ ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہو، یا ہم اسے بیٹا بنالیں (مشہور یہ ہے کہ اُسکے ہاں اولاد نہ تھی) اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین کی حکومت دے دی اور تاکہ اُن کو خوابوں کی تعبیر دینا بتلا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے (جو چاہے کر دے) لیکن اکثر آدمی اس بات کو جانتے نہیں۔

سخت ترین آزمائش | فارسی کا ایک مقولہ ہے ”مقربان را بیش بود حیرانی“
 بڑوں کی آزمائش بھی بڑی ہوتی ہے۔
 چاہ کنعان کی مصیبت کم نہ تھی۔ دور غلامی سے بھی سابقہ پڑا۔ بازار مصر میں غلاموں کی طرح فروخت ہوئے۔

اب جوانی کی وہ کٹھن آزمائش شروع ہوئی جس میں صرف اور صرف خدا کی حفاظت سہارا بنتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سن بلوغ کو پہنچ گئے ہیں۔ جوانی کا عالم تھا، حُسن و خوب روی کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔ عزیز مصر کی بیوی اُن پر بُری طرح فریفتہ ہو گئی۔

قرآن حکیم نے اس حادثہ کو اس طرح بیان کیا ہے :-

وَرَأَوْا دَتَا الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا (الآیۃ آیت ۲۳)

اور پھسلایا یوسف کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ رہتے تھے اسکے منفس کے معاملہ میں اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آ جاؤ تم ہی سے کہتی ہوں۔

اگرچہ یہ عورت عزیز مصر کی بیوی ہے جیسا کہ دوسرے موقع پر بیان کیا گیا ہے لیکن مذکورہ آیت میں الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا (وہ عورت جس کے گھر میں یوسف رہا کرتے تھے) کے مبہم عنوان سے اُس عورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عنوان میں یہ نزاکت ملحوظ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گناہ سے بچنے کی مشکلات میں اس بات نے اور بھی اضافہ کر دیا تھا کہ وہ اسی عورت کے مکان میں اسی کی پناہ میں رہتے تھے۔ اس کے کہنے کو نظر انداز کرنا کچھ آسان نہ تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام خانوادہ نبوت کا چشم و چراغ تھے، خود بھی منصب نبوت پر فائز ہو چکے تھے بقول حسن بصریؒ اس وقت عمر شریف چالیس سال ہو چکی تھی۔ بھلا ان سے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اس ناپاکی اور فحش میں مبتلا ہو جائیں، لیکن عورت بے قابو ہو کر جب کمرے کا دروازہ بند کر دے اور اصرار کرنے لگے تو یہ وقت ہر ایک کے لئے سخت آزمائش کا ہو جاتا ہے۔ شاہی خاندان کی عورت، حسن و بہار سے معمور، محبوب نہیں عاشق بن کر جب کسی کا پیچھا کرے تو کونسا ذریعہ ہے جو آدمی کو گناہ سے باز رکھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو چو طرف سے گھرا ہوا پایا تو پیغمبرانہ انداز میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی مَعَآذَ اللّٰهِ (اللہ کی پناہ) (یعنی اپنے عزم و ارادہ پر بھروسہ نہیں کیا) اسکے بعد حکمت و موعظت کے ساتھ زلیخا کو نصیحت کرنا شروع کیا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنے ارادے سے باز آجائے۔ فرمایا:-

”وہی میرا رب ہے اُس نے مجھے عزت کی جگہ دی اور مجھ کو

کہاں سے کہاں پہنچایا ایسے محسن و مربی کے حکم میں خیانت کروں اور اسکو نظر انداز کر دوں؟ یقیناً ظلم کرنے والوں کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہوتی۔“

قرآن حکیم نے اس نازک ترین کشمکش کو اس طرح واضح کیا ہے:-

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا (آیت ۲۲ تا ۲۳)

”اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے انہیں حکمت و علم عطا فرمایا اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور جس عورت کے گھر میں یوسف رہا کرتے تھے وہ اُن سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے اُن کو پھسلانے لگی اور گھر کے سارے دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی بس آ جاؤ تم ہی سے کہتی ہوں، یوسفؑ نے کہا اللہ بچائے وہ میرا مرتی ہے کہ مجھ کو اچھی طرح رکھا ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی اور البتہ اُس عورت نے یوسفؑ سے ارادہ کیا اور وہ بھی اُس سے ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کے برہان کو نہ دیکھ پاتے۔ اسی طرح ہوا تاکہ ہٹائیں ہم اُن سے بُرائی اور بے حیائی کو بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔“

”برہان رب“ (دلیل و معجزہ) صاحب جلالین نے حضرت ابن عباسؓ سے اسکی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ زلیخا کے اس بیجاں خیال سے ارادے کے وقت اللہ کی قدرت سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام اچانک نظر آئے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینے پر ہاتھ رکھا جس سے معاً قلب کے وساوس تک جاتے رہے۔ (جلالین)

عظیم کامیابی | پچھلی آیات میں یہ بیان آیا ہے کہ جس وقت عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو شریک گناہ کرنے کی کوشش میں مشغول تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس سے بچ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندے کی اعانت کے لئے بطور معجزہ کوئی چیز سامنے کر دی جس سے قلب کے سارے وساوس دور ہو گئے۔

اس ”برہان رب“ کا مشاہدہ کرتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور باہر نکلنے کے لئے دروازے کی طرف دوڑے، عزیز مصر کی بیوی اُن کو پکڑنے کے لئے پیچھے دوڑی اور حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ پکڑ لیا

ہدایت کے چراغ

لیکن وہ اپنے عزم کے مطابق نہ ر کے تو کرتے پیچھے سے پھٹ گیا اور وہ باہر نکل آئے۔ اسی شمشک میں وہ بھی باہر نکل پڑی۔ جب دونوں باہر آئے تو دیکھا کہ عزیز مصر سامنے کھڑا ہے۔ زلیخا سہم گئی اور بات نبھانے کے لئے یوں الزام تراشا: اے میرے سراج! جو شخص آپکی بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اُسکی سزا اسکے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسکو قید خانے میں ڈال دیا جائے یا اور کوئی سخت سزا دی جائے۔ عورت کا عشق ابھی خام تھا اس لئے تصحیح حال ظاہر کر دینے پر قادر نہ ہوئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ شرافت اور عفو و درگزر کی بنا پر ممکن ہے اس کا یہ راز بد فاش نہ کرتے مگر جب اُسی نے پیش قدمی کر کے حضرت یوسف علیہ السلام پر ہی بدترین تہمت کا اشارہ کر دیا تو مجبور ہو کر انہوں نے حقیقت کا اظہار کر دیا:-

”اے عزیز مصر یہی مجھ سے اپنا مطلب نہکانے کے لئے پھسلا

رہی تھی“

معاملہ بڑا پر خطر اور نازک تھا۔ عزیز مصر کے لئے اس کا فیصلہ کرنا بڑا دشوار تھا۔ کہ ان میں کسکو سچا سمجھے؟ شہادت و ثبوت کا کوئی موقع نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت اپنے برگزیدہ بندوں کے بارے میں جاری رہی ہے کہ وہ جہاں اپنے نیک بندوں کو گناہ سے بچا لیتے ہیں ایسے ہی ان کو اس دنیا کی رسوائی سے بھی بچانے کا انتظام معجزانہ انداز سے فراہم کر دیتے ہیں۔ عموماً ایسے مواقع پر ایسے چھوٹے معصوم بچوں سے کام لیا گیا جو عادت شہادت دینا تو درکنار بولنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ مگر بطور معجزہ ان کو گویائی عطا کر دی جاتی ہے تاکہ اپنے مقبول بندوں کی برأت و طہارت کا انتظام ہو جائے۔ جیسے حضرت مریم پر جب لوگوں نے تہمت لگائی تو صرف ایک دن کے بچے حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرما کر ان کی زبان سے اپنی والدہ کی پاکی ظاہر فرمادی۔ (مریم آیت ۲۰)

”بنی اسرائیل کے ایک بزرگ جُرجیج پر اسی طرح کی ایک تہمت ایک بڑی سازش کے ساتھ باندھی گئی تو نوزائیدہ بچے نے اُن کی برأت

کے لئے شہادت دی“ (بخاری)

”جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کو شبہ ہوا جب کہ وہ

صندوق سے برآمد ہوئے تھے تو زوجہ فرعون کی خادمہ کی شیرخوار بچی کو گویائی عطا ہوئی اُس نے حضرت موسیٰ کو بچپن میں فرعون سے بچا لیا۔
(بخاری شریف)

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ میں حضرت عبدالعزیز بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق ایک شیرخوار بچے کو گویائی عطا کی اور وہ بھی نہایت حکیمانہ انداز کی، یہ چھوٹا بچہ اسی گھر کے گھوارے میں پڑا تھا یہ کس کو گمان ہو سکتا تھا کہ وہ زلیخا کی اس نازیبا حرکات کو دیکھ رہا ہے اور سمجھ رہا ہے اُس نے عزیز مصر کے اس تذبذب کو اس طرح دُور کر دیا، اچانک یوں گویا ہوا:-

یوسف کے کرتے کو دیکھو اگر وہ آگے سے پھٹا ہے تب تو زلیخا کا کہنا سچا ہے اور یوسف جھوٹے ہیں، اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف سچے ہیں اور زلیخا جھوٹی (کیونکہ جب وہ پیچھے سے پھٹتا ہے تو اس میں اسکے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں کہ یوسف بھاگ رہے تھے اور زلیخا انکو روکنا چاہتی تھی اسی کشمکش میں کمرہ پھٹ گیا) جب بتلائی ہوئی علامت کے مطابق کمرہ پھٹا ہوا مشاہدہ کیا گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی برائت ظاہر ہو گئی۔

(مسند احمد، صحیح ابن جان، مستدرک حاکم)

عزیز مصر نے موقع کی نزاکت جان کر اپنی عزت و ناموس کی خاطر معاملہ کو درگزر کرتے ہوئے کہا یوسف علیہ السلام سچے تم ہی ہو، اس عورت کے معاملے کو درگزر کرو اور اس قصہ کو یہیں ختم کرو۔ پھر بیوی سے کہا یہ سب تیرا مکر و فریب ہے اور تم غورتوں کا مکر و فریب بہت ہی بڑا ہوتا ہے۔ اے زلیخا تو اپنی اس حرکت بد کے لئے استغفار کر اور معافی مانگ!

آزمائش میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کامیابی کا تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے:-

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصًا مِنْ دُبُرٍ وَالْفَيَّا

سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ. الخ (یوسف آیات ۲۵ تا ۲۷)

اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اُس عورت نے اُن کا کُرتہ دیکھنے لگا (مکینچ کر) مپھاڑ دیا اور دونوں نے (اتفاقاً) اُس عورت کے شوہر کو دروازہ کے پاس دکھڑا پایا، عورت (شوہر کو دیکھ کر سٹپٹائی اور بات بنا کر) بولی کہ جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اُس کی سزا بجز اسکے اور کیسا ہو سکتی ہے کہ وہ جیل خانہ بھیجا جائے یا اور کوئی دردناک سزا ہو۔ یوسفؑ نے کہا (یہ بالکل جھوٹی ہے) یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے پھسلاتی تھی اور (اُس موقع پر) اُس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے (جو کہ شیرخوار بچہ تھا) گواہی دی کہ اُن کا کُرتہ (دیکھو کہاں سے پھٹا ہے) اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور یہ جھوٹے ہیں اور اگر وہ کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یہ سچے ہیں۔ (غرض اس فیصلہ کے مطابق وہ کُرتہ دیکھا گیا تو پیچھے سے پھٹا ہوا نکلا) سو جب (عزیز نے) اُن کا کُرتہ پیچھے سے پھٹا دیکھا (عورت سے) کہنے لگا یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے بیشک تمہاری چالاکیاں بھی بہت بڑی ہوتی ہیں۔

(پھر یوسفؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا) اے یوسفؑ اس بات کو جانے دو (یعنی اس کا چرچا نہ کرو) اور (عورت سے کہا) اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ بیشک سرتاسر تو ہی قصور وار ہو۔

حُسنِ یوسفی کا آشکارا | عزیز مصر نے اگرچہ رسوائی سے بچنے کے لئے اس قصہ کو یہیں ختم کر دیا مگر بات پوشیدہ نہ رہ سکی۔ شدہ شدہ شاہی خاندان کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی کس قدر بے حیا ہے کہ اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی۔ اتنے بڑے خاندان کی عورت غلام کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہتی ہے۔

یہ طعن تشنیع جب عام ہو گئے تو زلیخا پر یہ بات سخت گراں گزری اور چاہا کہ اس بدنامی کو دور کر دینا چاہیے اور اسکے لئے شاہی خاندان کی عورتوں سے ایسا انتقام لینا چاہیے کہ وہ بھی اس بدنامی میں شریک ہو جائیں۔

یہ سوچ کر اُس نے ایک دن شاہی خاندان کی عورتوں کو ایک پُر تکلف دعوت دے دی جب سب دسترخوان پر بیٹھ گئیں جو غالباً ہمہ قسم کے پھلوں سے پُر ہو گا سب کے ہاتھوں میں چھریاں دے دی گئیں تاکہ پھل کاٹ کر کھائیں۔ عین اس موقع پر جب وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں عزیز کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ دسترخوان پر آئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام مالک کے تعمیل حکم میں باہر نکلے تو تمام عورتیں جمالِ یوسف کو دیکھ کر مبہوت رہ گئیں اور اس قدر بے خبر ہو گئیں کہ پھلوں کو کاٹنے کے بجائے خود اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور انھیں احساس بھی نہ ہوا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور بے ساختہ زبانوں پر یہ جملہ آیا کہ کون کہتا ہے کہ یہ انسان ہے؟ خدا کی قسم یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر عزیز مصر کی بیوی نہایت خوش ہو گئی اور اپنی کامیابی اور طعن کرنے والیوں کی شکست پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگی یہی تو وہ غلام ہے جس کے عشق و محبت کے بارے میں تم نے مجھ کو بدنام کر رکھا ہے۔

اب تمہارا خود کیا حال ہے؟ بتاؤ میرا فریفتہ ہونا بجا ہے یا بجا؟ بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا۔ اب میں تم سب سے کہتی ہوں کہ اگر یہ میرا کہا نہ مانا تو یہ قید خانہ جائیگا یا ذلیل و رسوا ہوگا۔
قرآن حکیم نے اس دعوت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :-

قرآنی مضمون | وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ اٰلِہٖ

(یوسف آیات ۲۳ تا ۲۵)

”اور (جب اس قصہ کا چرچا ہوا تو) چند عورتوں نے جو شہر میں رہتی تھیں یہ بات کہی کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام سے اپنا (ناجائز) مطلب حاصل کرنے کے واسطے پھسلاتی ہے (کیسی پست طبیعت ہے

کہ غلام پر گرتی ہے، اُس غلام کا عشق اُسکے دل میں جگہ کر گیا ہے ہم
تو اُسکو سرخ غلطی میں دیکھتے ہیں۔

سوجب اُس عورت نے اُن عورتوں کی بدگوئی (کی خبر)
سُنی تو کسی کے ہاتھ اُن کو بلا بھیجا (کہ تمہاری دعوت ہے) اور اُنکے
واسطے مسند تکیے لگایا اور جب وہ آئیں اور اُن کے روبرو مختلف
کھانے اور میوے حاضر کئے اور ہر ایک کو اُن میں سے ایک ایک
چاقو (بھی) دیئے اور یوسفؑ سے کہا ذرا ان کے سامنے تو آ جاؤ سو
عورتوں نے جو اُن کو دیکھا تو (اُن کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور
(اُسی حیرت میں) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشا! تیری شخص
آدمی ہرگز نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

وہ عورت بولی تو (دیکھ لو) وہ شخص یہی ہے جسکے بارے
میں تم مجھکو بُرا بھلا کہتی تھیں اور واقعی میں نے اس سے اپنا
مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا اور پھر
اگر یہ آئندہ کو میرا کہنا نہ کرے گا (جیسا کہ اب تک نہیں کیا) تو
بیشک جیل خانہ بھیج دیا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا۔ (یہ حالت
دیکھ کر جب سب عورتوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے
کہنا شروع کیا کہ تم کو اپنی محسنہ سے ایسی بے توجہی مناسب نہیں تھی
جو یہ کہے تم کو ماننا چاہیے) یوسف علیہ السلام نے جو یہ باتیں سنیں
تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب جس کام کی طرف یہ
عورتیں مجھکو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند
ہے اور اگر آپ اے رب ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے
تو میں اُن کی (طلب) کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر
بیٹھوں گا۔ سو اُن کی دعا اُن کے رب نے قبول کی اور اُن عورتوں
کے داؤ پیچ کو اُن سے دُور رکھا۔ بیشک وہ (دعاؤں کا) بڑا سننے
والا (اور اُن کے احوال کا) خوب جاننے والا ہے۔ (پھر یوسفؑ

علیہ السلام کی پاک دامنہ کی مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد اُن لوگوں کو یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ اُن کو ایک وقت (خاص) تک قید میں رکھیں۔

قید خانے میں

جب یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا متفقہ فیصلہ سنا اور ایک نہیں ساری عورتیں ہاں میں ہاں ملا رہی ہیں تو اللہ کے حضور دستِ بدعا ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا بارگاہِ الہی میں قبول ہوئی اور اللہ نے اُن عورتوں کے سب مکر و فریب دُور کر دیئے، لیکن حکمتِ الہی میں یہ ہی بہتر تھا کہ یوسف علیہ السلام جیل خانہ چلے جائیں، حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے گھر میں رہ کر عصمت بچانا ایک مشکل کام تھا۔

الغرض حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ بھیجا گیا۔ اس طرح ایک بے خطا کو خطا کار اور معصوم کو مجرم بنا دیا گیا تاکہ عزیز کی بیوسی ذلت اور رسوائی سے محفوظ ہو جائے۔ تورات کی تصریح کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کے علمی و عملی جوہر قید خانے میں بھی چھپ نہ سکے۔ قید خانے کا دار و غمران کا معتقد ہو گیا۔ قرآن حکیم سے بھی اس بات کی تائید نکلتی ہے اس لئے کہ اُس زمانے کے قید خانوں کے حالات کے پیش نظر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قیدیوں کا آنا جانا اور انکی عظمت و نیک نفسی کا اعتراف کرنا اسکو واضح کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک اوصاف کی قید خانہ میں کافی شہرت تھی۔ حسن اتفاق سے یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوان بھی داخل قید خانہ ہوئے ان میں سے ایک شاہی ساتھی تھا اور دوسرا شاہی باورچی خانہ کا داروغہ۔

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں اس الزام میں گرفتار ہوئے کہ انھوں نے بادشاہ کے کھانے پینے میں زہر دینے کی کوشش کی تھی۔ مقدمہ زیر تحقیق تھا اس لئے دونوں کو جیل میں رکھا گیا۔ یوسف علیہ السلام اپنے پیغمبرانہ اخلاق کے سبب سب قیدیوں کی ولداری کرتے، جسکو غمگین دیکھا تسلی دیتے، کوئی بیمار ہوتا تو عیادت کرتے، صبر کی تلقین کرتے، رہائی کی اُمید دلاتے اور رات کو عبادت میں مشغول رہتے۔ ان کے یہ حالات دیکھ کر جیل کے سب قیدی غیر معمولی متاثر تھے۔ یہ دو قیدی جو حضرت یوسف علیہ السلام

کے ساتھ جیل میں داخل ہوئے تھے ایک روز انھوں نے کہا کہ آپ ہمیں نیک معلوم ہوتے ہیں اس لئے ہم اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں تاکہ آپ اس کی تعبیر بتائیں۔ ایک نے یعنی شاہی ساتی نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ انگور سے شراب نکال رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہے اُس میں سے جانور نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔

براہ کرم اسکی تعبیر بتائیں آپ یقیناً نیک لوگوں میں سے ایک ہیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن سے نرمی اور محبت سے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے جو علم مجھے عطا فرمایا ہے ان میں علم تعبیر کے علاوہ یہ علم بھی شامل ہے کہ میں تمہارا مقررہ کھانا جو تمہارے لئے آتا ہے اسکے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتلا دیتا ہوں کہ کس قسم کا کھانا اور کیسا اور کتنا اور کس وقت آئے گا اور وہ ٹھیک اُسی طرح نکلتا ہے: **ذٰلِکُمْ اَمَّا عَلٰی** یعنی یہ کوئی رُتل یا جعفر کافن نہیں کوئی کہانت یا شعبہ نہیں بلکہ میرا رب مجھے بذریعہ وحی تعلیم کرتا ہے مگر میں تم سے ایک بات کہتا ہوں را اُس پر بھی غور کرو مینے اُن لوگوں کی ملت کو اختیار نہیں کیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی مُسکر ہیں، میں نے اپنے باپ دادا یعنی ابراہیم، اسحق، یعقوب کی ملت کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ ہم کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے، یہ اللہ کا فضل ہے جو اس نے ہم پر اور ایمان والوں پر کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

اے دوستو! کیا تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ کسی ایک معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ وحدہ کا جو لا شریک اور سب پر غالب ہے۔ تم اسکے علاوہ جس جس کی بھی عبادت کرتے ہو اُن کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ چند نام نہیں جنکو تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے، اللہ نے اُن کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی ہے حکومت تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے اُس نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی اس بات کو نہیں جانتے۔

اس دعوت و تبلیغ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام ان دونوں کے خواب کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔

دوستو! جس نے یہ دیکھا ہے کہ وہ انگور پنچوڑ رہا ہے وہ آزاد ہو کر بادشاہ کے ساتی کی خدمت پھر انجام دے گا۔ اور جس نے روٹیوں والا خواب دیکھا ہے اُسکو سولی دی جائیگی اور پرند اُسکے سر کو نوچ نوچ کھائیں گے جس کی تعبیر تم نے چاہی ہے وہ نافذ ہو چکی ہے اور فیصلہ یہی ہے۔“

چنانچہ ایسے ہی ہوا ابھی کچھ وقت گزرنا تھا کہ ایک آزاد ہو کر اپنی سابقہ خدمت پر بحال ہو گیا دوسرا مجرم ثابت ہو کر سولی پر چڑھا دیا گیا اور پرندوں نے اُسکی بوٹیاں اڑا دیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب دونوں کی تعبیر خواب بیان کر دیئے تو ساتی سے یہ بھی کہا تھا کہ جب تو دربار میں جائے گا اپنے بادشاہ سے میرا ذکر کر دینا کہ ایک بے گناہ قید خانہ میں پڑا ہوا ہے۔

لیکن وہ شخص اس بات کو بھول گیا اور اُسکو یاد نہ رہا کہ اپنے ایک محسن کو قید خانے سے چھڑوانا باقی ہے۔ اگرچہ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ اپنے ایسے محسن کو آدمی بھول جائے لیکن قرآن حکیم نے اسکی حقیقت یہ بتلائی کہ شیطان اُسپر مسلط ہو گیا اور اُسے یہ بات یاد کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور اس پر ایک عرصہ ایسے ہی گزر گیا۔ اس طرح چند سال مزید قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رہنا پڑا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانے میں جانا، وہاں قیدیوں میں تبلیغ کرنا، خواب کی تعبیر دینا، آیات ذیل میں اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون | وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِۙ اۛ

(یوسف آیت ۳۶ تا ۳۷)

”اور یوسف کے ساتھ اور بھی دو نوجوان جیل خانے میں

داخل ہوئے، اُن میں سے ایک نے یوسف علیہ السلام سے کہا میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ شراب (بنانے کے لئے انگور کا رس) پھوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں اپنے آپ کو اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا لئے ہوئے ہوں (اور) اُس میں سے پرندے (نوح نوح) کمر کھا رہے ہیں، ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلائیے آپ ہم کو نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

(حضرت یوسف علیہ السلام) نے (چاہا کہ جب یہ میرے معتقد ہیں تو ان کو اولاً ایمان کی دعوت دینا چاہیے) فرمایا کہ (دیکھو) جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے جو کہ تم کو کھانے کے لئے (جیل خانے) میں ملتا ہے۔ میں اُس کے آنے سے پہلے اسکی حقیقت تم کو بتلا دیا کرتا ہوں (کہ فلاں چیز آئے گی اور ایسی ہوگی) اور یہ بتلا دینا اُس علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے رب نے تعلیم فرمایا ہے (یعنی بذریعہ وحی معلوم ہو جاتا ہے) میں نے تو اُن لوگوں کا مذہب (پہلے ہی) چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے بھی منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے ان (بزرگوار) باپ داداؤں کا مذہب اختیار کر رکھا ہے ابراہیم کا اور اسحق کا اور یعقوب کا۔ ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئی کو شریک عبادت قرار دیں اور یہ (عقیدہ توحید) ہم پر اور لوگوں پر بھی خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔

اے قید خانہ کے رفیقو! ذرا سوچ کہ بتاؤ کہ عبادت کے واسطے (متفرق معبود اچھے ہیں یا ایک معبود برحق جو سب سے زبردست ہے؟ تم لوگ تو اللہ کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو جنکو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے (آپ ہی آپ) ٹھہرا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل بھیجی نہیں (اور) حکم (دینے کا اختیار صرف) اللہ ہی کو ہے

اور اُس نے حکم دیا ہے کہ بجز اُس کے اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اے قید خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک تو (جرم سے بری ہو کر) اپنے آقا کو (بدستور) شراب پلایا کرے گا اور دوسرا (مجرم قرار پا کر) سولی دیا جائے گا اور اُس کے سر کو پرندے (نوح نوح) کھا بیٹھے جس بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدمہ ہو چکا۔ اور (جب وہ جیل خانے سے جانے لگے تو) جس شخص پر رہائی کا گمان تھا اُس سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا (کہ ایک شخص بے قصور قید میں ہے اُس نے وعدہ کر لیا) پھر اسکو اپنے آقا سے (یوسف علیہ السلام) کا تذکرہ کرنا شیطان نے بھلا دیا تو اس وجہ سے (قید خانے میں اور بھی چند سال اُن کا رہنا ہوا۔“

خواب سلطانی حضرت یوسف علیہ السلام اسی طرح قید خانے میں مقیم رہے بعض مفسرین نے اس مدت کو شات سال بیان کیا ہے۔ اسی

درمیان میں بادشاہ وقت جسکا نام ریان اور لقب فرعون تھا ایک خواب دیکھا اور خواب کی نوعیت سے سخت پریشان ہوا دربار کے اہل علم اور کاہنوں کو جمع کر کے تعبیر معلوم کرنی چاہی لیکن وہ خواب کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا سب نے یہ جواب دیا کہ یہ پرآگندہ قسم کا خواب ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر کوئی صحیح خواب ہوتا تو ہم اسکی تعبیر بیان کر دیتے۔ خواب یہ تھا:-

”شات عدد موٹی گائیں ہیں اور شات دہلی گائیں، یہ دہلی گائیں

موٹی گائیوں کو نگل گئیں۔ اسی طرح شات سرسبز و شاداب بالیں ہیں اور شات خشک (خوشہ گندم) ان خشک بالیوں نے سرسبز بالیوں کو کھالیا۔“

بادشاہ دربار کے ان کاہنوں کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ اسی اثناء میں بادشاہ ساقی کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آئی اور اُس نے آگے بڑھ کر کہا اے بادشاہ اگر مجھے کچھ مہلت دیں تو میں اسکی تعبیر لاسکتا ہوں۔

بادشاہ نے اجازت دے دی وہ اُسی وقت قید خانہ پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کا خواب سُنا یا اور کہا کہ آپ اسکی تعبیر بیان فرمائیے کیوں کہ آپ سچائی کے پیکر ہیں آپ ہی اسکو حل کر سکتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ جن لوگوں نے مجھے بھیجا ہے جب میں صحیح تعبیر لے کر اُن کے پاس واپس جاؤں تو وہ لوگ آپ کی حقیقی قدر و منزلت جان لیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و تحمل کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ساتی کو نہ ملامت کی اور نہ برسوں بھولے رہنے پر تعجب کیا اور نہ تعبیر علم میں بخل سے کام لیا، نہ یہ سوچا کہ جن ظالموں نے مجھے برسوں بے قصور زندان میں ڈالے رکھا ہے وہ اگر تباہ ہو جائیں اور خواب کا حل نہ پا کر برباد ہو جائیں تو اچھا ہے ان کی یہی سزا ہونی چاہیے، ایسا کچھ بھی نہیں کیا بلکہ اُسی خواب کی تعبیر دی اور اپنی جانب سے اس سلسلہ میں صحیح تدبیر بھی بتلا دی کہ خواب کے مضر اثرات سے کیسے بچا جاسکتا ہے۔

فرمایا اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنیاد پر جو کچھ تم کو کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ تم سات برس تک لگاتار کھیتی کرتے رہو گے اور یہ تمہاری خوشحالی کے سال ہیں۔ اور جب کھیتی کے کٹنے کا وقت آئے تو جس قدر مقدار تمہارے سال بھر کھانے کے لئے ضروری ہے اسکو الگ کر لو اور باقی غلہ کو اُن کی بالیوں ہی میں رہنے دو تاکہ محفوظ رہے گلے سڑے نہیں اسکے بعد سات برس مسلسل قحط سالی کے ہوں گے وہ تمہارا جمع کیا ہوا تمام ذخیرہ ختم ہو جائے گا۔ اسکے بعد پھر ایک سال ایسا آئے گا کہ خوب پانی برسے گا کھیتیاں بھری بھری ہو جائیں گی اور لوگ پھلوں اور دانوں سے عرق اُدھیل کثرت سے نکالیں گے۔ یعنی موٹی گائیں اور سرسبز بالیں خوشحالی کی علامت ہیں اور دُہلی گائیں اور خشک بالیں قحط سالی کی علامت ہیں جو خوشحالی کی پیداوار کو دکھا جائیں گے۔“

بادشاہ کے خواب میں تو بظاہر اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ سات سال اچھی پیداوار کے ہوں گے۔ پھر سات سال قحط کے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر ایک اضافہ یہ بھی بیان کر دیا کہ:-

”قحط سالی کے بعد پھر ایک سال خوب بارش اور پیداوار کا ہوگا حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ یہ اضافہ بطور وحی بیان کیا تاکہ اُن لوگوں کو مزید اطمینان ہو اور تعبیر کا منجانب الشّر ہونا معلوم ہو جائے۔
دوسرا حکیمانہ مشورہ یہ بھی دیا کہ غلے کو خوشوں ہی میں رہنے دیا جائے تاکہ قحط کے سالوں میں کام آسکے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غلہ جب تک خوشوں میں رہتا ہے اسکو کھڑا وغیرہ متاثر نہیں کرتا۔
الغرض جب یہ ساقی تعبیر خواب لیکر بادشاہ کے پاس آیا اور اسکو خبر دی، بادشاہ اور اہل دربار اس تعبیر سے غیر معمولی متاثر ہوئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے علم فہم کا اعتراف کیا۔
تعبیر خواب کا تذکرہ قرآن حکیم کی آیات ذیل میں اس طرح موجود ہے:-

قرآنی مضمون وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عِجَافٍ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَبْسُوتُ ۚ

”بادشاہ نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں جنکو سات ڈبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور اناج کی سات بالیں ہری ہیں اور دوسری طرف سات سوکھی، اے اہل دربار مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہو۔
انھوں نے کہا یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم اس طرح کے خوابوں کا مطلب نہیں جانتے۔

اُن دو قیدیوں میں سے جو نجات پایا تھا اور اُسے ایک مدت دراز کے بعد اب بات یاد آئی کہا میں آپ حضرات کو اسکی تعبیر بتاتا ہوں مجھے ذرا (قید خانے میں یوسفؑ کے پاس) بھیج دیں۔
(اُس نے جا کر کہا) یوسفؑ اے سراپا صدق مجھے اس خواب کا مطلب بتائیے کہ سات موٹی گائیں ہیں جنکو سات ڈبلی گائیں

کھا رہی ہیں، اور سات ہری بالیں ہیں اور سات سوکھی، تاکہ میں اُن کے پاس جاؤں (اور بیان کروں) تاکہ (اس کی تعبیر اور اس سے آپ کا حال اُن کو بھی معلوم ہو جائے۔

یوسف علیہ السلام نے کہانیاں سات برس تک لگاتار تم لوگ کھیتی باڑی کرتے رہو گے، اس دوران جو فصلیں تم کاٹو اُن میں سے بس تھوڑا سا حصہ جو تمہاری خوراک کے کام آئے نکال لو اور باقی کو اُس کی بالیوں ہی میں رہنے دو۔

پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت (فحط) کے آئیں گے جو کہ اُس (تمام) ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ جسکو تم نے ان برسوں کے واسطے جمع کر کے رکھا ہو گا۔ البتہ تھوڑا سا جو (ذیج کے واسطے) رکھ چھوڑو۔ پھر ان (سات برس) کے بعد ایک برس ایسا آئے گا جس میں لوگوں کیلئے خوب بارش ہوگی اور اُس میں رس پھوڑیں گے۔ (یعنی کثرت سے پیداوار ہوگی)۔

دربار مصر میں | اساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ساری گفتگو بادشاہ کو سنائی اور ساتھ ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق و عادات جسکا اُس نے قید خانے میں مشاہدہ کیا تھا بیان کیا، بادشاہ اس عجیب و نادر تعبیر کو سنکر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس بات کا خواہشمند ہوا کہ ایسے شخص کو دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ اپنے ایک قاصد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاں بھیجا اور اپنے شوقی ملاقات کا اظہار کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے باہر نکلنے سے معذرت چاہی اور فرمایا کہ اس طرح تو میں قید خانے سے باہر آنہیں سکتا جب تک کہ اُن عورتوں کا معاملہ واضح نہ ہو جائے جنہوں نے بے خودی میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے آخر ایسا کیوں ہوا؟ میرا پروردگار تو ان کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو جس طرح دین کامل عطا فرماتے ہیں ایسے ہی عقل کامل اور معاملہ فہمی کی بھی پوری پوری صلاحیتیں مہیا فرماتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے

ایسے اہم موقع پر جب کہ خود بادشاہ دعوت رہائی دے رہا ہو قابل توجہ نہ سمجھا۔ اس وقت دانشمندی کا تقاضہ یہی تھا کہ رہائی سے پہلے جس عیب کی تہمت لگائی گئی تھی اور جس وجہ سے جیل میں برسوں ڈالا گیا تھا اُسکی حقیقت بادشاہ اور عوام لوگوں پر پوری طرح واضح ہو جائے اور عصمت یوسفی پر کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ علاوہ ازیں منصب نبوت کی ادائیگی کے لئے جس اعتماد و اعتقاد کی غوام کو ضرورت ہے وہ اس تہمت کے ساتھ مفید ثابت نہیں ہوتی اور دعوت و تبلیغ کا کام جو آپ کا نصب العین تھا کامل طور پر جاری و ساری نہ ہو سکتا تھا

حضرت یوسف علیہ السلام نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بادشاہ سے کہو کہ وہ پہلے اُس تہمت کی حقیقت کو واضح کرے اُس کے بعد میری رہائی کا اعلان کرے۔ قرآن حکیم نے قید خانے سے نہ نکلنے کی یہی وجہ بیان کی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں نے قید خانے سے نکلنے میں یہ تاخیر اس لئے کی ہے کہ عزیزِ مصر کو یقین ہو جائے کہ میں نے اُسکی غیر موجودگی میں اُسکے حق میں کوئی خیانت نہیں کی۔

(یوسف آیت ۵۲)

اور دوسری حکمت یہ بھی ارشاد فرمائی گئی کہ اس تحقیقات سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ الغرض بادشاہ نے جب یہ سنا تو اُن عورتوں کو طلب کیا اور انہیں پابند کیا کہ حقیقی واقعات بیان کر دیں تاکہ معاملہ کی اصل صورت سامنے آئے صورتِ حال کچھ ایسی ہو چکی تھی کہ عورتوں کو حقیقی واقعات بیان کئے بغیر چارہ نہ رہا، سب نے یک زبان ہو کر کہا :-

”خدا کی پناہ! ہم نے یوسفؑ میں کوئی بُرائی نہیں پائی“

عزیز کی بیوی نے جب یہ منظر دیکھا کہ شہر کی ساری معزز خواتین یک زبان ہیں تو اسی میں اپنی عافیت سمجھی کہ جرم کا اقرار کر لیا جائے، آخر وہ بھی بول پڑی کہ اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ہی اُن سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بیشک سچے تو وہی ہیں۔

بادشاہ اور اہل دربار پر جب یہ حقیقت واضح ہوئی تو سب نے حضرت یوسفؑ

سے ملاقات کرنے اور انھیں باعزت و دربار میں تشریف لانے کے لئے آدمی بھیجے۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام بازار مصر سے دربار مصر پہنچے۔

اس شاہی اعزاز و اکرام کا شہرہ ملک مصر میں جس قدر بھی ہوا ہوگا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق و کردار کے بارے میں اس حد سے آگے ہو رہے تھے جو انسانی اخلاق و کردار کی آخری حد ہو کر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو انسانی فطرت کا اظہار کرنا پڑا اور یہ کہ کوئی انسان اللہ کے فضل و کرم اور تائید کے بغیر فلاح نہیں پاسکتا۔ قید خانے کی رہائی سے پہلے یہ اعلان فرما رہے ہیں:-

”لوگو! میں اپنے نفس کو بالذات بری اور پاک نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو ہر ایک کا بُری ہی بات بتلاتا ہے، بجز اُس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے (یعنی میری یہ پاکدامنی صرف خدا سے کریم کا فضل و کرم ہے)۔“

بادشاہ اور اُمراء نے دربار میں حضرت یوسف علیہ السلام کا شاہی استقبال کیا اور انکو اپنا مقرب خاص قرار دیا اور اعزاز و خطاب سے موسوم کیا۔ قرآن حکیم کی آیات ذیل انہی تفصیلات پر مشتمل ہیں:-

قرآنی مضمون | وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ اِلَىٰ سَائِلِكَ فَسَلُّ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ مَارِئِي يَكِيدُ هُنَّ عَلَيَّ ۖ اَمْ

(یوسف آیات ۱۸ تا ۲۰)

(غرض وہ شخص تعبیر لیکر دربار میں پہونچا، اور (جا کر بیان کیا) بادشاہ نے (جو سنا تو متاثر ہوا) اور حکم دیا کہ اُن کو میرے پاس لاؤ مگر جب اُن کے پاس قاصد پہنچا تو آپ نے فرمایا تو اپنی سرکار کے پاس لوٹ جا پھر اُس سے دریافت کر کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا رب اُن عورتوں کے فریب کو خوب جانتا ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے اُن عورتوں کو جمع کیا اور کہا کہ تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف سے اپنے مطلب کی خواہش کی؟ عورتوں نے جواب دیا کہ حاشا للہ ہم کو اُن میں ذرہ برابر بھی تو بُرائی کی بات نہیں معلوم ہوئی (وہ بالکل پاک ہیں) عزیز کی بیوی (جو کہ حاضر تھی) سمجھنے لگی کہ اب تو حق بات (سب پر) ظاہر ہی ہو گئی (اب چھپانا بیکار بات ہے سچ یہی ہے کہ) میں نے ہی اُن سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی (منہ کہ اُنھوں نے) اور بیشک وہی سچے ہیں۔ (اُس وقت) یوسف نے فرمایا کہ یہ تمام اہتمام (جو میں نے کیا) محض اس وجہ سے تاکہ عزیز کو معلوم ہو جائے یقین کے ساتھ کہ میں نے اسکی عدم موجودگی میں اُسکی آبرو میں دست درازی نہیں کی اور یہ (بھی معلوم ہو جائے) کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ اور (باقی) میں پُر نفس کو (بالذات) بری (اور پاک) نہیں بتلاتا (کیونکہ) نفس تو (ہر ایک کا) بُری ہی بات بتلاتا ہے بجز اُس (نفس) کے جس پر میرا رب رحم کرے۔ بیشک میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ اور بادشاہ نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ میں اُن کو خاص اپنے کام کے لئے رکھوں گا۔ پس جب بادشاہ نے اُن سے باتیں کیں (اور باتوں سے اور زیادہ فضل و کمال ظاہر ہوا) تو بادشاہ نے کہا کہ ہمارے نزدیک آج سے تم بڑے معزز اور امانت دار ہو۔

یوسف علیہ السلام نے کہا اے بادشاہ ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کر دیجئے میں اُن کی حفاظت (بھی) رکھوں گا اور (حساب کتاب کے طریقہ سے بھی) خوب واقف ہوں۔

(پھر بعد میں یہ ہی بادشاہ ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی) اور ہم نے ایسے (عجیب) طور پر یوسف علیہ السلام کو ملک (مصر) میں باختیار بنا دیا کہ اُس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کر دیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے

اور آخرت کا اجر تو کہیں زیادہ بڑھ کر ہے ایمان اور تقویٰ والوں کیلئے۔

در بارِ یوسفی اور بھائیوں کی آمد | اللہ تعالیٰ کے عطا و کرم کا یہ کیسا عجیب و غریب واقعہ ہے کل تک

جو کنعان میں ”گلہ بانی“ کر رہا تھا وہ آج وقت کی سب سے بڑی متمدن قوم کا مختار و مالک بنکر ”جہاں بانی“ کر رہا ہے۔ بادشاہ وقت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی تمام مملکت کا امین اور کفیل بنادیا اور شاہی خزانوں کی کنجیاں اُن کے حوالہ کر کے اپنا مختار عام قسار دے لیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے سلطنت مصر کے مختار عام ہونے کے بعد خواب سلطانی سے متعلق وہ تمام تدابیر شروع کر دیں جو چوتلہ سال کے اندر مفید کار ہو سکتی تھیں تاکہ رعایا قحط سالی کے ایام میں بھوک اور پریشان حالی سے محفوظ رہ سکے، انہی ایام میں عزیز مصر کا انتقال ہو گیا اور زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے انجام پایا (درمنثور)

غرض جب قحط سالی کا زمانہ شروع ہوا تو یہ قحط صرف ملک مصر ہی میں نہ تھا بلکہ دور دراز علاقوں تک پھیلا ہوا تھا ارضِ کنعان جو فلسطین کا ایک حصہ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا وطن ہے (اور آج بھی یہ ارضِ کنعان خلیل نامی ایک پُر رونق شہر کی صورت میں موجود ہے) جہاں حضرات ابراہیم واسحق و یعقوب اور یوسف علیہم السلام کے مزارات معروف ہیں۔ یہ خطہ بھی قحط کی زد سے نہ بچا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں بے چینی پیدا ہوئی ساتھ ساتھ مصر کی یہ شہرت عام ہو گئی تھی کہ وہاں غلہ قیماً مل جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں سے کہا کہ مصر میں بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ اس کے پاس بڑی مقدار میں غلہ موجود ہے تم سب جاؤ اور غلہ خرید کر لاؤ اور چونکہ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ایک آدمی کو ایک اونٹ کے بارے زیادہ غلہ نہیں دیا جاتا اس لئے سب صاحبزادوں کو روانہ کرنے کی تجویز ہوئی مگر سب سے چھوٹے بیٹے بنیامین کو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے روک لیا گیا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام

کے گم ہو جانے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان سے زیادہ محبت ہو گئی تھی اور وہ کسی وقت بھی ان کو اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتے تھے۔

دس بھائیوں کا یہ قافلہ کنعان سے مصر روانہ ہوا جب دربار میں پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام شاہی لباس میں شاہانہ تخت و تاج کے مالک ہونے کی حیثیت سے سامنے آئے۔ معلوم ہوا کہ کنعان کا قافلہ ہے۔ سرسری گفتگو میں پہچان لیا کہ یہ سب بھائی ہیں لیکن بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا کیونکہ ان بھائیوں نے اپنے بھائی کو سات سال کی عمر میں فروخت کر دیا تھا جسکو اس وقت حضرت ابن عباس رضی کی روایت کے مطابق چالیس سال ہو چکے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے پہچان لینے کے تعلق سے ابن کثیرؒ میں مزید یہ وضاحت درج ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے مزید اطمینان کے لئے چند ایسے سوالات بھی کئے جو مشتبہ انسانوں کے تعلق سے کئے جاتے ہیں۔ ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ لوگوں کی زبان عبرانی ہے یہاں کیسے پہونچے؟ انھوں نے کہا بادشاہ ہمارے ملک میں قحط واقع ہے اور ہم نے آپ کی تعریف سنی اس لئے غلہ لینے آئے ہیں ہم اگرچہ غیر ملکی ہیں لیکن کسی دشمن کے جاسوس نہیں ہم لوگ کنعان کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے باپ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں جنکا نام یعقوب بن اسحاق علیہم السلام ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے بارے میں دریافت کیا کہ تمہارے والد کی اور بھی کوئی اولاد ہے؟ جواب دیا کہ ہم بارہ بھائی تھے جن میں سے ایک چھوٹے بھائی کو بچپن میں بھیڑیے نے کھالیا تھا اور ہمارے والد کو سب سے زیادہ اُسی سے محبت تھی اسکے بعد اُسکے چھوٹے بھائی کے ساتھ زیادہ محبت کرنے لگے اور اسی لئے اس وقت بھی اس کو سفر میں ہمارے ساتھ نہیں بھیجا ہمیشہ اسکو اپنے پاس ہی رکھتے ہیں۔

یہ تفصیلات سنکر حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کو شاہی مہمانخانے میں ٹھیرایا جائے اور قاعدہ کے مطابق غلہ دے دیا جائے۔

غلہ کی تقسیم میں یہ ضابطہ قائم کیا تھا کہ ہر شخص اپنا غلہ خود حاصل کرے۔ امام قرطبیؒ نے اس کی مقدار ایک وَسْق یعنی ساٹھ صاع لکھی ہے جو ہمارے موجودہ وزن کے لحاظ سے دو سو دس سیر کے قریب ہوتی ہے۔

جب بھائیوں نے غلہ لے لیا اور قیمت ادا کر دی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ جب دوبارہ ضرورت پڑے تو پھر آجانا اور اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ضرور لانا تاکہ اُس کا حصہ بھی دیدیا جائے۔ تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ میں ہر ایک کو پورا پورا غلہ دیا کرتا ہوں اور اکرام و مہمانی میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا۔ سب بھائیوں نے شکریہ ادا کر کے واپس ہونے کا ارادہ کیا، ادھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے غلے کے کارندوں کو خفیہ حکم دے دیا تھا کہ ان کے غلے کے اندر ان کی ادا کردہ قیمت چھپا کر رکھ دی جائے اس طرح کہ انہیں خبر تک نہ ہو تاکہ جب یہ اپنے گھر پہنچ کر سامان کھولیں گے تو اپنی نقدی واپس ملنے پر دوبارہ جلد آنے کا ارادہ کریں گے، ابن کثیرؒ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس تدبیر کی کئی ایک مصلحتیں لکھی ہیں۔ ممکن ہے بھائیوں سے کھانے کی قیمت لینا پسند نہ کیا ہو اور اپنے پاس سے قیمت ادا کر دی ہو۔ یا یہ خیال آیا ہو کہ ممکن ہے ان کے پاس مزید نقدی یا زیور نہ ہو جسکی وجہ سے دوبارہ نہ آسکیں۔

ایک تیسری وجہ اور بھی لکھی ہے جو نہایت لطیف ہے وہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ جب اُن کی قیمت اُن کو واپس پہنچ جائیگی اور والد ماجد کو اسکا علم ہوگا تو وہ اللہ کے رسول ہیں اس واپس شدہ رقم کو مصری خزانے کی امانت سمجھ کر ضرور واپس بھیج دیں گے۔ اس طرح بھائیوں کا دوبارہ آنا یقینی ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو اُس میں اُن کی ادا شدہ رقم ملی کہنے لگے ابا جان! مصری کارندوں کی غلطی سے ہماری نقدی ہمارے سامان غلہ میں واپس آگئی ہے اسکو واپس کر دینا چاہیے۔ ویسے بھی اُس بادشاہ نے ہمارا اکرام و احترام کیا ہے اور ہمیں ہر طرح کی راحت پہنچائی ہے۔ ہم اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی بحفاظت اپنے ساتھ لے جائیں گے اور اُس کا حصہ بھی لیتے آئیں گے۔

بیٹوں کے اصرار پر اور غلہ کی قیمت واپس آجانے پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ بچوں کو دوبارہ بھیجنا چاہیے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کا واقعہ بھی یاد تھا بیٹوں سے فرمایا کیا میں تم پر ایسا ہی اعتماد کروں جیسا کہ اس سے پہلے اسکے بھائی یوسفؑ کے بارے میں کیا تھا؟

مطلب یہ تھا کہ تمہاری بات کا کیا اعتبار؟ تم پر اعتماد کر کے ایک دفعہ اپنے عزیز بیٹے کو کھو چکا ہوں تم نے اُس وقت بھی یہی کہا تھا کہ ہم اتنے ہوتے ہوئے بھی (یوسف) کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔

غور کر کے فرمایا اچھا اب میں پھر اللہ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں اور وہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ میری ضعیفی پر دوہرا صدمہ نہ ڈالے گا۔ اس طرح اپنے چھوٹے بیٹے بنیامین کو ساتھ کرنے پر راضی ہو گئے اور بیٹوں سے عہد و پیمان لیا کہ بنیامین کو اپنے ساتھ رکھو گے اور اُسکو واپس لے آؤ گے۔

جب بیٹے چلنے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے شہر مصر میں داخل ہونے کے لئے ایک خاص وصیت کی کہ اب تم گیارہ بھائی و ہاں جا رہے ہو تو شہر کے ایک ہی دروازے سے سب داخل نہ ہونا بلکہ شہر سپاہ کے قریب پہنچ کر متفرق ہو جانا اور پھر مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ وصیت کیوں فرمائی؟ اس کا کیا مقصد تھا؟ قرآن حکیم اسکی وضاحت سے سکت ہے البتہ اسقدر تذکرہ ضرور ملتا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدبیر تھی جو اللہ کی مشیت کے آگے کچھ بھی کام نہ آسکی۔ بس حضرت علیہ السلام کے دل میں ایک گھٹک سی تھی جسکو دور کرنے کے لئے انھوں نے اپنی سی کوشش کر لی۔ قرآن حکیم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دُرَانَنَا لَذُو عَلِمٍ (اور بیشک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا)

کے عنوان سے تعارف کر دیا ہے۔

یعنی بیٹوں کی حفاظت کے لئے ایک طرف تو دنیاوی تدبیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسری طرف اس بات کا بھی اظہار فرمایا کہ کوئی انسانی تدبیر اللہ کی مشیت کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتی اور اصل حفاظت اللہ کی حفاظت ہے۔ بھروسہ اپنی تدبیروں پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم پر ہونا چاہیے۔ تدبیر اور توکل کا یہ توازن انبیاء کرام کی سیرت سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو سفر سے پہلے اسی تعلیم کی تلقین فرمائی تھی۔

بعض دیگر مفسرین نے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی ایک حکمت یہ لکھی ہے کہ یہ سب بیٹے صحت مند، صاحب جمال، صاحب وجاہت تھے۔ ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب ایک باپ کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں تو کسی بد نظر کی نظر لگ جائے جس سے ان کو کوئی تکلیف پہنچے، یا اجتماعی طور سے داخل ہونے پر کچھ لوگ حسد کرنے لگیں اور تکلیف پہنچائیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکو یہ وصیت پہلے سفر میں نہیں کی اس دوسرے سفر کے موقع پر فرمائی اسکی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ پہلی مرتبہ تو یہ لوگ مصر میں مسافرانہ اور شکستہ حالت میں داخل ہوئے تھے نہ کوئی انھیں جانتا تھا اور نہ کسی کے توجہ دینے کا خطرہ تھا، مگر پہلے سفر میں جب ان کا غیر معمولی اکرام و اعزاز ہوا جس سے ارکان دولت اور شہر کے لوگوں تک میں تعارف ہو گیا تو اب یہ خطرہ قوی ہو گیا کہ کسی کی نظر لگ جائے یا کچھ لوگ حسد کرنے لگیں۔ واللہ اعلم۔

دربار یوسفی میں بھائیوں کی آمد، اور غلے کا حاصل کرنا اور بادشاہ سے ہمکلامی، اور غلے کے لئے دوبارہ سفر کرنا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں سے عہد و پیمان لینا، قرآن حکیم کی آیات ذیل میں واضح طور پر موجود ہے:-

قرآنی مضمون | وَجَاءَ إِخْوَتُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ

وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ۔ الخ (یوسف آیات ۷۵ تا ۷۸)

”اور یوسف کے بھائی (مصر) آئے پھر یوسف کے پاس پہنچے سو یوسف نے تو ان کو پہچان لیا اور انھوں نے یوسف کو نہ پہچانا۔ اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو فرمایا کہ اپنے علاقے بھائی کو بھی لانا، تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں۔ اور اگر تم دوبارہ آئے اور اس کو میرے پاس نہ لائے تو نہ میرے پاس تمہارے نام کا غلہ ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا۔“

وہ بولے (دیکھیے ہم اپنی حد امکان تک تو) اُس کے باپ

سے اسکو مانگیں گے اور ہم اس کام کو ضرور کر دیں گے (آگے باپ کے اختیار میں ہے)

اور (جب وہ لوگ وہاں سے چلنے لگے تو) یوسفؑ نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ ان کی جمع کردہ پونجی (جسکے عوض انھوں نے غلہ مول لیا ہے) ان ہی کے اسباب میں (چھپا کر) رکھ دو تاکہ جب اپنے گھر جائیں تو اس کو پہچانیں شاید (یہ دیکھ کر) پھر دوبارہ واپس آئیں۔ غرض جب لوٹ کر اپنے باپ (یعقوب علیہ السلام) کے پاس پہنچے کہنے لگے اے ابا (ہماری بڑی خاطر ہوئی اور غلہ بھی ملا مگر بنیامین کا حصہ نہیں ملا بلکہ بغیر بنیامین کے آئندہ بھی) ہمارے لئے (مطلقاً) غلہ کی بندش کر دی گئی سو (اس صورت میں ضروری ہے کہ) آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم (پھر) غلہ لاسکیں اور ہم اُن (بنیامین) کی پوری حفاظت رکھیں گے۔

یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ بس (رہنے دو) میں اس کے بارے میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا کہ اس سے پہلے اسکے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔ سو (خیر اگر لے ہی جاؤ گے تو) اللہ (کے سپرد) وہی سب سے بڑھکر نگہبان ہے۔ (میری نگہبانی سے کیا ہوتا ہے) اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

اور (اس گفتگو کے بعد) جب انھوں نے اسباب کھولا تو (اُس میں) اُنکی جمع کردہ پونجی (بھی) ملی کہ اُن ہی کو واپس کر دی گئی ہے کہنے لگے اے ابا (لیجئے) اور ہم کو کیا چاہیے یہ ہماری جمع کردہ پونجی بھی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی (ایسا کریم بادشاہ ہے) اور اپنے گھر والوں کے واسطے اور غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی (بنیامین) کی خوب حفاظت رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ اور زیادہ لائیں گے (کیونکہ جس قدر اس وقت لائے ہیں) یہ تو تھوڑا سا غلہ ہے۔ یعقوب (علیہ السلام) نے کہا کہ اس وقت تک ہرگز اسکو تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک

اللہ کی قسم کھا کر مجھ کو پتہ قول نہ دو گے کہ تم اسکو ضرور لے ہی آؤ گے
ہاں اگر کہیں گھر ہی جائے تو مجبوری ہے (چنانچہ سب نے اس پر
قسم کھائی) سو جب وہ قسم کھا کر اپنے باپ کو قول دے چکے تو انھوں
نے فرمایا کہ ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے ہیں یہ سب اللہ کے حوالے
اور (چلتے وقت) یعقوب نے (اُن سے فرمایا) کہ اے میرے بیٹو!
جب مصر پہنچو تو سب کے سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا
بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا اور (یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے)
(باقی) اللہ کے حکم کو تم پر سے ٹال نہیں سکتا حکم تو بس اللہ ہی کا ہے
اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اُسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ
رکھنا چاہیے۔

اور جب (مصر پہنچکر) جس طرح اُن کے باپ نے کہا تھا
(اُسی طرح) شہر کے اندر داخل ہوئے تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا۔
(باقی) اُن کے باپ کو اُن سے (یہ تدبیر بتلا کر) خدا کا حکم ٹالنا مقصود نہ
تھا لیکن یعقوب کے جی میں (بدرجہ تدبیر) ایک ارمان (آیا) تھا جس کو
انھوں نے ظاہر کر دیا اور بلاشبہ وہ بڑے عالم تھے بایں وجہ کہ ہم نے
اُن کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ اسکا علم نہیں رکھتے۔“

دربار یوسفی اور دوسرا داخلہ | صورت یہ پیش آئی کہ جب برادران یوسف

کنعان سے دوبارہ روانہ ہوئے تو راستہ
میں بنیامین کو تنگ کرنا شروع کیا کبھی اسکو باپ کی محبت و عشق کا طعنہ دیتے کبھی اس بات
پر حسد کرتے کہ عزیز مصر نے خصوصیت کے ساتھ اسکو کیوں طلب کیا ہے؟ بنیامین یہ سب
کچھ سنتے اور خاموش رہتے۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام
کے دربار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ یہ لوگ وعدہ کے مطابق ان کے
حقیقی بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لے آئے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے
حقیقی بھائی بنیامین کو خاص اپنے ساتھ ٹھہرایا۔

امام تفسیر قتادہؒ نے لکھا ہے کہ سب بھائیوں کے قیام کا حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ انتظام کیا تھا کہ دو دو کو ایک ایک کمرے میں بٹھرایا گیا۔ یہ گیارہ بھائی تھے بنیامین تنہا رہ گئے اُن کو اپنے ساتھ قیام کرنے کا حکم دیا۔ جب تنہائی کا موقع آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی پر راز فاش کر دیا اور بتلایا کہ میں ہی تمہارا حقیقی بھائی یوسف ہوں اب تم کوئی اندیشہ نہ کرو اب بُرائی کا دور ختم ہو گیا اب یہ لوگ تم کو کسی قسم کی ایذا نہیں دیں گے۔

تورات میں مذکور ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی بُری خاطر مدارات کی نوکروں کو حکم دیا کہ انکو شاہی مہمان خانوں میں اتاریں اور انکے لئے پُر تکلف دعوت کا سامان کیا، چند روز کے قیام کے بعد جب یہ رخصت ہونے لگے تو یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کے اونٹوں کو غلے سے اس قدر لاد دیا جائے جتنے کہ یہ برداشت کر سکیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح اپنے عزیز بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیں مگر انتہائی اضطراب و بے چینی کے باوجود اُن کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا اس لئے کہ حکومت مصر کے قانون میں کسی غیر مصری کو بغیر کسی معقول وجہ کے روک لینا سخت ممنوع تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت لوگوں پر یا اُن کے بھائیوں پر اصل حقیقت منکشف ہو۔ اس وجہ سے خاموش رہے اور جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو کسی کو اطلاع کئے بغیر نشانی کے طور پر اپنا چاندی کا پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیا۔

کنعان کے اس قافلہ نے ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کی ہوگی کہ یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے شاہی برتنوں کی دیکھ بھال کی تو اُس میں قیمتی پیالہ نہ پایا سمجھے کہ شاہی محل میں کنعانیوں کے سوا دوسرا کوئی نہیں آیا اس لئے اُنھوں نے یہی یہ چوری کی ہے فوراً دوڑے اور چلائے، قافلے والو تھرو تم چور ہو۔

برادرانِ یوسف کارندوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے ہم پر خواہ مخواہ کمیوں الزام لگاتے ہو آخر معلوم تو ہو کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟
 بھاگیا کہ بادشاہ کا قیمتی پیالہ گم ہو گیا ہے اور اُن میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا کہ جو شخص چوری کا پتہ لگا دیگا اُس کو ایک اونٹ فلہ انعام میں ملے گا

اور میں اس بات کا ضامن ہوں۔

برادرانِ یوسف نے کہا خدا جانتا ہے کہ ہم مصر میں فساد کرنے کی غرض سے نہیں آئے اور تم لوگ جانتے ہو کہ ہم اس سے پہلے بھی غلہ لیتے آئے تھے۔
ہم لوگ چور نہیں ہیں کارندوں نے کہا۔ اچھا جس کے پاس یہ چوری ثابت ہو جائے اسکی سزا کیا ہونی چاہیے؟

برادرانِ یوسف نے کہا وہ خود آپ اپنی سزا ہے۔ یعنی وہ تمہارے حوالہ کر دیا جائے گا تاکہ اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے اور ہم اپنے ملک میں ایسی زیادتی کرنے والوں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔
کارندوں نے یہ جواب سنا تو غلے کی تلاشی لی اور جب اُن میں پیالہ نہ نکلا تو آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی لی اُس میں پیالہ موجود تھا۔ کارندوں نے قافلہ کو واپس لوٹا کر عزیز مصر کی خدمت میں معاملہ پیش کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے معاملہ کی نوعیت کو سنا تو دل میں بید مسرور ہوئے کہ میری معمولی سی تدبیر پر اللہ تعالیٰ نے میرا مقصد پورا کر دیا، ادھر بنیامین بھی اس واقعہ کو اپنی مرضی کے مطابق پا کر خاموش رہے۔

برادرانِ یوسف نے جب یہ دیکھا تو اُن کی آتشِ حسد بھڑک اُٹھی اور اُمھوں نے یہ جھوٹ بھی بولنے کی جرات کی کہ اگر بنیامین نے یہ چوری کی ہے تو تعجب کا مقام نہیں ہے اس سے پہلے اسکا بڑا بھائی یوسف بھی چوری کر چکا ہے چوری کی یہ کہانی آئندہ صفحات پر آرہی ہے) حضرت یوسف علیہ السلام نے جبکہ یہ دیکھا کہ میرے منہ پر ہی جھوٹ بول رہے ہیں ضبط سے کام لیا اور پھر بھی رازِ فاش نہ کیا کیونکہ بذریعہ وحی الہی آپ پر اسکی پابندی تھی)

کہنے لگے تمہارے لئے سب سے بُری جگہ ہے کہ تم ایسا جھوٹا الزام لگا رہے ہو اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسکی حقیقت کا خوب جاننے والا ہے۔
برادرانِ یوسف نے جب یہ ماحول دیکھا تو بہت گھبرائے اور باپ کا عہد و پیمان یاد آگیا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس صورت سے بنیامین کو حاصل کریں؟ اور باپ تک پہنچائیں۔

ہم تو پہلے ہی اپنا قول ہار چکے ہیں صرف ایک صورت یہ باقی ہے کہ بادشاہ سے خواہش کریں اور عرض معروض کریں کہ عزیز مصر بنیامین کو اپنی مہربانی سے معاف کر دے۔ چنانچہ کہنے لگے عزیز مصر! ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے اس کو اسکے پہلے بھائی یوسف کا بھی بیحد غم ہے۔ اب اگر یہ بھی اُن سے جدا ہو جائیگا تو وہ شدت غم سے ہلاک ہو جائیں گے۔

اے بادشاہ اگر ایسا ممکن نہیں تو اسکی جگہ ہم میں سی سی ایک کو سزا کیلئے روک لیجئے آپ رحم و کرم والے ہیں۔

عزیز مصر نے کہا اللہ کی پناہ! یہ بات کیسے ممکن ہے؟ ہم اگر ایسا کریں تو ظالم قرار پائیں گے۔ جب سب اس جانب سے مایوس ہو گئے تو اب تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔

ان میں سے بڑے نے کہا بھائیو! تم کو معلوم ہے کہ والد نے بنیامین کے متعلق کس قدر سخت اور پختہ عہد و پیمان ہم سے لیا تھا اور اس سے پہلے تم نے یوسف کے ساتھ جو ظلم و زیادتی کی ہے وہ بھی سامنے ہے۔ اس لئے میں تو اب اس جگہ سے اس وقت تک ٹلنے والا نہیں کہ یا والد مجھے کنعان آنے کی اجازت دیں۔ یا اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ کر دے۔ لہذا تم سب باپ کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ تمہارے بیٹے بنیامین نے چورسی کی اور جو بات ہمارے سامنے آئی ہے وہی صاف صاف آپ کے سامنے کہہ دی گئی ہے۔ ہم کو کچھ غیب کا علم تو تھا نہیں کہ پہلے سے جان لیتے کہ بنیامین سے ایسی حرکت سرزد ہونے والی ہے۔ اور یہ بھی ذکر کر دینا کہ آپ مصر والوں سے اسکی تصدیق کر لیں۔ نیز اُس قافلہ سے بھی جس کے ساتھ ہم مصر سے یہاں آئے ہیں۔

اس مشورہ کے بعد وہ سب کنعان واپس ہو گئے اور اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے سب کچھ واقعہ کہہ سنایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی فراست نبوت اور اپنے سابقہ تجربے کی بنا پر جو بیٹوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا شدت سے محسوس کیا کہ یہ واقعہ بھی جھوٹا ہے۔ فرمایا کہ نہیں نہیں یہ بات ایسی نہیں تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے لیکن اب صبر کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں بس میں صبر

کرتا ہوں مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ وہ ایک دن ان گم کردہ گان کو پھر جمع کر دیگا اور ایک ساتھ مجھے ملا دے گا۔ بلاشبہ وہ علیم و حکیم ہے۔ اسکے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے یسویٰ کر لی اور روتے روتے اپنی آنکھیں سفید کر لیں۔ بیٹوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے بخدا کیا آپ اسی طرح یوسف کی یاد میں گھلتے رہو گے؟ اور کیا اسی غم میں اپنی جان دے دو گے؟

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا:-
 ”میں تم سے تو شکوہ نہیں کرتا اور نہ تم کو کچھ کہتا ہوں، میں اپنے غم و مصیبت کو اپنے اللہ ہی کی طرف پیش کرتا ہوں۔“
 اسکے بعد بھی بیٹوں سے فرمایا:-

”دیکھو ایک مرتبہ پھر مصر جاؤ اور یوسف علیہ السلام اور اسکے بھائی کی تلاش و جستجو کرو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔
 اس لئے کہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی

و یا یوسی کافروں کا شیوہ ہے۔“

قرآن حکیم نے دربارِ یوسفی میں بھائیوں کی دوبارہ آمد اور بادشاہ کے پیالہ کی گمشدگی کا تذکرہ اور بنیامین (برادرِ یوسف) کو عزیز مصر کے حوالہ کرنے کا ذکر اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے اور بنیامین کے حادثہ کی تفصیل اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر و ضبط ان آیات میں بیان کیا ہے:-

قرآنی مضمون وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ أُوِيَ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ

(یوسف آیات ۶۹ تا ۷۰)

”اور جب یہ لوگ (برادرانِ یوسف) یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے (اور بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق ہنکولائے ہیں) یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملا لیا (اور تنہائی میں اُن سے کہہ

دیا کہ میں بھائی (یوسف) ہوں سیویہ لوگ جو کچھ بدسلوکی کرتے رہے ہیں اُسکا رنج نہ کرنا۔
 پھر جب یوسف (علیہ السلام) نے اُن کا سامان غلہ اور
 روانگی کا انتظام کر دیا تو (بطور نشانی) پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے
 اسباب میں رکھ دیا پھر (کارندوں کو اس کی اطلاع ہونے پر کہ پیالہ
 موجود نہیں ہے) ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو
 تم ضرور چور ہو۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز
 گم ہو گئی ہے؟

(کارندوں نے) کہا کہ ہم کو بادشاہی پیمانہ نہیں ملتا
 (وہ غائب ہے) اور جو شخص اُسکو لاکر حاضر کرے اُسکو ایک شتر بار
 غلہ (بطور انعام) ملے گا اور میں اُسکے دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔

یہ لوگ کہنے لگے بخدا تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم ملک میں
 فساد پھیلانے نہیں آتے ہیں اور نہ ہم لوگ چوری کرنے والے ہیں۔
 اُن (کارندوں نے) کہا اچھا اگر تم جھوٹے منسلے (اور تم میں سے کسی
 پر سرقہ ثابت ہو جائے) تو اُس (چور) کی کیا سزا ہوگی؟

بھائیوں نے (شرعیّت یعقوبی) کے مطابق جواب دیا
 کہ اُسکی سزا یہ ہے کہ وہ شی جس شخص کے اسباب میں ملے پس
 وہی شخص اپنی سزا ہے (یعنی جسکا مال ہے وہ اُسکو اپنا غلام بنالے)
 ہم لوگ ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

پھر اُس نے یوسف کے (حقیقی) بھائی کے تھیلے کی تلاشی
 سے پہلے اُن سب کے تھیلوں کی تلاشی لی پھر (اخیر میں) اُس برتن
 کو اُنکے بھائی کے تھیلے سے برآمد کر لیا ہم نے یوسف (علیہ السلام)
 کی خاطر سے اس طرح (بنیامین کو روکنے کی) تدبیر فرمائی (کیونکہ) یوسف
 اپنے بھائی کو اُس بادشاہ (مصر) کے قانون کی رُو سے نہیں لے سکتے
 تھے (کیونکہ قانون مصر میں چوری کی سزا تادیب یا جرمانہ تھا) مگر یہ
 ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا۔ (اس لئے یوسف علیہ السلام کے دل

میں تدبیر آئی اور بھائیوں کے منہ سے یہ جواب خود نکلا، ہم جس کو چاہتے ہیں (علم میں) خاص درجوں تک بڑھا دیتے ہیں اور تمام علم والوں سے بڑھکر ایک بڑا علم والا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) (حاصل یہ کہ جب ان کے اسباب سے وہ برتن برآمد ہوا اور بنیامین روک لئے گئے تو وہ سب بڑے شرمندہ ہوئے اور) کہنے لگے کہ (صاحب) اگر اُس نے چوری کی تو (تعجب نہیں کیونکہ) اس کا ایک بھائی (تھا وہ) بھی (اسی طرح) اس سے پہلے چوری کر چکا ہے۔

(جس کا قصہ تفسیر درمثور میں اس طرح لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو انکی پھوپھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بہن پرورش کیا کرتی تھیں جب یہ ذرا ہوشیار ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے لینا چاہا لیکن وہ بہت چاہتی تھیں اس لئے اپنے پاس اور رکھنا چاہا اس کے لئے پھوپھی نے یہ تدبیر کی کہ یوسف علیہ السلام کی کمر میں ایک پٹکا کپڑوں کے اندر باندھ کر مشہور کر دیا کہ پٹکا گم ہو گیا اور سب کی تلاشی لی تو یہ یوسف علیہ السلام کی کمر سے برآمد ہوا۔ اس طرح قانون یعقوبی کی دفعہ سے فائدہ اٹھا کر یوسف علیہ السلام کو مزید اپنے پاس اور کچھ مدت رکھ لیا۔ اسی واقعہ کی طرف بھائیوں نے اشارہ کیا کہ اگر یہ بنیامین نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب نہیں اس سے پہلے اسکے بھائی یوسف نے بھی بچپن میں چوری کی ہے)

پس یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو (جو آگے آرہا ہے) اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو اُن کے سامنے (زبان سے) ظاہر نہیں کیا یعنی (دل میں) یوں کہا کہ اس (چوری کے) درجہ میں تم تو اور بھی زیادہ بُرے ہو (یعنی ہم دونوں بھائیوں سے تو حقیقی سرقہ صادر نہیں ہوا اور تم نے تو اتنا بڑا کام کیا کہ کوئی مال غائب کرتا ہے تو تم نے آدمی غائب کر دیا کہ مجھ کو باپ سے جدا کر دیا) اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو (کہ ہم چور ہیں) اسکی (حقیقت) کا اللہ ہی کو خوب علم ہے۔

(جب بھائیوں نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو راخو ذکر لیا اور اُس پر قابض ہو گئے تو براہ خوشامد) کہنے لگے اے عزیز! اس (بنیامین) کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے (اور وہ اس کو بہت چاہتا ہے) اس کے غم میں خدا جانے اس کا کیا حال ہو جائے (سو آپ (ایسا سمجھئے) کہ اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے (اور اپنا غلام بنا لیجئے) ہم آپ کو نیک مزاج دیکھتے ہیں۔

یوسف (علیہ السلام) نے کہا ایسی بے انصافی کی بات سے خدا بچائے کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اُس کے سوا دوسرے شخص کو کپڑے رکھ لیں (اگر ہم ایسا کریں تو) اس حالت میں ہم بڑے بے انصاف سمجھے جائیں گے۔

پھر جب ان کو یوسف (علیہ السلام) سے (انکے صاف جواب پر) بالکل اُمید نہ رہی (کہ بنیامین کو دیں گے) تو (اس جگہ سے) علیحدہ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ اُن میں سے سب سے بڑا جو تھا اُس نے کہا (کہ تم لوگ جو واپس چلنے کی صلاح کر رہے ہو تو) کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے اللہ کی قسم پر پکا قول لے چکے ہیں (کہ تم بنیامین کو اپنے ساتھ ضرور لاؤ گے) اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم لوگ کوتاہی کر ہی چکے ہو (سو ان حالات میں) میں تو اس زمین سے ٹلنا نہیں تاوقتیکہ میرے باپ (خود) مجھ کو (حاضری کی) اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ اس مشکل کو سلجھا دے اور وہی خوب سلجھانے والا ہے۔ (لہذا مجھ کو تو یہاں چھوڑ دو اور) تم واپس اپنے باپ کے پاس جاؤ (اور جا کر اُن سے) کہہ دو کہ اباجان آپ کے صاحبزادے (بنیامین) نے چوری کی (اس لئے گرفتار کر لئے گئے) اور ہم تو وہی بیان کرتے ہیں جو ہم کو (مشاہدہ سے) معلوم ہوا ہے اور ہم (قول و قرار دینے کے وقت) غیب کی خبروں کے حافظ تھے نہیں (کہ یہ چوری کرے گا) ورنہ ہم تو کبھی عہد و پیمان نہ کرتے) (اگر ہمارے کہنے کا یقین نہ ہو تو)

اُس بستی (یعنی مصر) والوں سے پوچھ لیجئے جہاں ہم (اُس وقت) موجود تھے (جب چوری برآمد ہوئی) اور اُس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے جن میں ہم شامل ہو کر (یہاں) آئے ہیں اور یقین جانئے ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ (چنانچہ سب بھائیوں نے بڑے کو وہاں چھوڑا اور خود آکر سارا قصہ بیان کیا) یعقوب (علیہ السلام) (واقعہ یوسفؑ کے سبب ان سے غیر مطمئن ہو گئے تھے) فرمانے لگے (کہ بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے لہذا درپہلے کی طرح) میں صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا۔ اللہ سے اُمید ہے کہ اُن سب کو مجھ تک پہنچا دے گا کیونکہ وہ (حقیقت حال سے) خوب واقف ہے اور وہ بڑی حکمت والا ہے۔

اور (یہ جواب دیکر) اُن سے دوسری طرف رُخ کر لیا اور (بوجہ اس نئے غم سے پُرانا غم تازہ ہو گیا) کہنے لگے ہائے یوسف افسوس اور غم سے (روتے روتے) اُن کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ (غم کی شدت سے اپنے آپ) گھٹا کرتے تھے۔

بیٹے کہنے لگے بخدا (معلوم ہوتا ہے) تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یاد میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر جان بلب ہو جاؤ گے یا یہ کہ بالکل مر ہی جاؤ گے۔

یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا (تم کو میرے رونے سے کیا بحث) میں تو اپنے رنج و غم کی صرف اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں (تم سے تو کچھ نہیں کہتا) اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر) جاؤ اور یوسفؑ اور اُس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

در بار یوسفی اور تفسیر اداخلہ | حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک

طویل وقفہ کے بعد بیٹوں کو حکم دیا کہ جاؤ یوسف علیہ السلام اور اُس کے بھائی کو تلاش کرو اور مایوس نہ ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے پہلے کبھی اس طرح کا حکم نہ دیا تھا ورنہ اس سے قبل بھی تلاش کا کام لیا جاسکتا تھا۔ دراصل یہ سب چیزیں تقدیر الہی کے تابع تھیں۔ اس سے پہلے ایسا حکم دینا یا اسکا خیال آنا مقدر نہ تھا، اب غالباً اللہ کے علم میں ملاقات کا وقت آچکا تھا اس لئے اس کے مناسب تدبیروں میں ڈال دی گئی۔ آیت میں دونوں کی تلاش کا رخ ملک مصر ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ بنیامین کے بارے میں تو معلوم تھا کہ انکو عزیز مصر نے روک لیا ہے مگر یوسف علیہ السلام کو مصر میں تلاش کرنے کی بظاہر کوئی قابل اعتبار توجیہ معلوم نہیں ہوتی، لیکن اللہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُس کے مناسب اسباب جمع فرما دیتے ہیں اور وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس مرتبہ تلاش و تفتیش کے لئے پھر مصر جانے کی ہدایت فرمائی۔

الغرض برادران یوسف نے کچھ تو باپ کے اصرار اور کچھ اس لئے بھی کہ قحط کی شدت انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی تھی اور غلے کا اُس پاس نام و نشان نہ تھا۔ تیسری بار مصر کا ارادہ کیا اور جب دربار شاہی میں پہنچے تو کہنے لگے اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھروالوں کو قحط نے سخت پریشانی میں ڈال دیا ہے اور اس مرتبہ ہم پونجی (قیمت غلہ) بھی بہت تھوڑی لائے ہیں جو حاضر ہے۔ اب معاملہ خرید و فروخت کا نہیں ہے ہم سے قیمت ادا نہیں ہو سکتی اس لئے آپ کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ ازراہ کرم ہم کو غلے کی پوری مقدار دے دیجئے اور ہمیں ضرور تمند جان کر اپنی جانب سے احسان فرمائیے، اللہ تعالیٰ صدقہ و خیرات کرنے والے کو نیک بدلہ دیتا ہے۔

بھائیوں کی اس درخواست میں تین گزارشیں نہایت ہی رقت آمیز تھیں جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ سے ادا کیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلُنَا الضَّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ

مَرْجُوعَةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا. (آیت ۷۷)

اے سردار! بااقتدار! ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت مصیبت

میں مبتلا ہیں، اور ہم کچھ حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں۔ ہمیں بھرپور غلہ عنایت فرمائیے اور ہم کو خیرات دیجئے۔ یعنی ہماری اس گزارش پر جو کچھ آپ دیں گے وہ گویا آپ کا صدقہ ہوگا۔ یہ حقیر سی پونجی کیا تھی قرآن و حدیث میں اسکی کوئی وضاحت نہیں ملتی البتہ مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ کھوٹے دراہم تھے جو بازار میں رائج نہ تھے۔ بعض نے کہا کچھ گھریلو قسم کا سامان تھا۔ یہ لفظ مزجنت کا ترجمہ ہے۔ اسکے اصل معنی ایسی چیز کے ہیں جو خود نہ چلے بلکہ اسکو زبردستی چلایا جاتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کا یہ ٹکڑا گزرا حال دیکھا تو دل بھر آیا، طبعی طور پر قوت ضبط ٹوٹ رہی تھی اظہار حقیقت کی جو پابندی منجانب اللہ مقرر تھی غالباً اُسکے خاتمہ کا وقت بھی آچکا تھا۔ تفسیر قرطبی اور تفسیر مظہری میں حضرت ابن عباس رضی سے ایک روایت درج ہے کہ اس موقع پر یعقوب علیہ السلام نے عزیز مصر کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا:-

منجانب یعقوب صفی اللہ ابن اسحق نبی اللہ ابن ابراہیم

خلیل اللہ،

بخدمت عزیز مصر!

”اما بعد، ہمارا پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں معروف رہا ہے، میرے دادا ابراہیم خلیل اللہ کا نمرود کی آگ سے امتحان لیا گیا، پھر میرے والد اسحق کا شدید امتحان لیا گیا۔ اسکے بعد میرے ایک لڑکے کے ذریعہ میرا امتحان لیا گیا جو مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، یہاں تک کہ اُسکی مفارقت میں میری بینائی جاتی رہی، اس کے بعد اسکا ایک چھوٹا بھائی مجھ غمزدہ کی تسلی کا سامان تھا جس کو آپ نے چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے، اور میں بتلاتا ہوں کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ نہ ہم نے کبھی چوری کی ہے نہ ہماری اولاد میں کوئی چور پیدا ہوا ہے۔“

والسلام

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ خط پڑھا تو بے ساختہ رونے لگے، کچھ سنبھل کر بھائیوں سے سوال کیا تم کو کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جبکہ تم لوگ جہالت میں سرشار تھے؟

برادرانِ یوسف نے یہ سوال سُننا تو چکر اگئے کہ عزیزِ مصر کو اس قصہ سے کیا واسطہ؟ پھر کچھ غور و تأمل کیا تو بچپن کے کچھ علامات محسوس ہوئے، شک و شبہ کے انداز میں کہا:-

کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور جو شخص بھی برائیوں سے بچے اور ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

اب برادرانِ یوسف کے ہاں سوائے ندامت اور اعترافِ جرم کے اور کوئی سہارا نہ تھا۔ اپنی ساری حاسدانہ حرکتوں کا نقشہ سامنے آگیا جس کو کل کنعانیوں کے کنوئیں میں پھینکا تھا وہ آج مصر کے تخت و تاج کا مالک ہے۔ شرم سے سر جھکا کر کہنے لگے:-

”بخدا اس میں شک نہیں کہ اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی

ہے اور واقعی ہم خطا کار ہیں۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خطا کار بھائیوں کی خستہ حالی اور پشیمانی کو دیکھا تو اپنی عالی ظرفی اور پیغمبرانہ اخلاق کے مطابق وہی کہا جو تمام انبیاء کی سنت رہی ہے:-

”آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ

سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔“

یعنی جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اب کھپلی باتوں کو فراموش کر دینی چاہیے۔ میں بارگاہِ الہی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری خطاؤں کو معاف فرماوے۔

اب تم لوگ کنعان واپس جاؤ اور ساتھ میرا پیرا بہن بھی لیتے جاؤ۔ یہ میرے والد کی آنکھوں پر ڈال دینا۔ ان شاء اللہ اسکی خوشبو آنکھوں کو روشن کر دیگی اور

پھر تمام خاندان کو مصر لے آنا۔

امام تفسیر ضحاکؒ اور مجاہدؒ سے منقول ہے کہ اس کرتے کی خصوصیت عام کپڑوں سے مختلف تھی۔ یہ کمرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت سے اس وقت لایا گیا تھا جبکہ اُن کو برہنہ کر کے آگ نمرود میں ڈالا گیا تھا۔ پھر یہ جنت کا لباس ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں محفوظ رہا اور ان کی وفات کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں رہا۔ پھر اُن کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا، آپ نے ایک بڑی متبرک شے کی حیثیت سے اسکو ایک نلکی میں بند کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں بطور تعویذ ڈال دیا تھا تاکہ منظر بد سے محفوظ رہیں۔ برادرانِ یوسف نے جب اُن کا کمرہ والد کو دھوکہ دینے کے لئے اُتار لیا اور وہ برہنہ کمر کے کنوئیں میں ڈال دیے گئے تو جبریل امین تشریف لائے اور گلے میں پڑی ہوئی نلکی کھول کر اُس سے کمرہ برآمد کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنا دیا، اور یہ اُن کے پاس برابر محفوظ چلا آیا اس وقت بھی جبریل امین نے حضرت یوسف کو مشورہ دیا کہ یہ جنت کا لباس ہے۔ اسکی خاصیت یہ ہے کہ نابینا کے چہرے پر ڈال دیا جائے تو وہ بینا ہو جائے اور فرمایا کہ اسکو اپنے والد کے ہاں بھیج دیا جائے وہ بینا ہو جائیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اور ان کا وجود خود جنت کی ہی ایک چیز تھی اس لئے ان کے جسم سے متصل ہونے والے ہر کُرتے میں یہ خاصیت ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

بہر حال برادرانِ یوسف کا یہ قافلہ اپنے وطن کنعان روانہ ہوا ساتھ میں ”پیرا بن یوسفی“ بھی تھا۔ ابھی قافلہ شہر مصر سے باہر ہی ہوا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اسکی عقل ماری گئی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ کو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

شہر مصر سے کنعان تک حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آٹھ دن کی مسافت کا راستہ تھا، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اسٹی فرسخ تقریباً ڈھائی میل کا فاصلہ تھا۔

یہ عجائب قدرت سے ایک بات تھی کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے

وطن کنعان ہی کے ایک کنویں میں تین روز تک پڑے رہے اُس وقت یہ خوشبو محسوس نہیں ہوئی۔

الغرض گھروالوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس ارشاد پر تعجب اور افسوس کے ساتھ کہا بخدا آپ تو اپنے اُسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں کہ یوسفؑ زندہ ہیں اور وہ پھر ملیں گے۔ یعنی اس قدر زمانہ گزر جانے کے باوجود آپ کو یوسفؑ ہی کی رٹ لگی ہے۔

کچھ دن نہ گزرے تھے کہ کنعانی قافلہ بخیر تمام پہنچ گیا اور برادرانِ یوسفؑ نے ان کا پیراہن حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈال دیا آنکھیں فوراً روشن ہو گئیں فرمانے لگے: دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟

برادرانِ یوسفؑ کے لئے یہ وقت بڑا اُسوا کن تھا شرم و ندامت میں سر جھکائے بولے آبا جان! آپ اللہ کی جناب میں ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے دُعا فرمائیے۔ بلاشبہ ہم سخت خطاکار اور قصور وار ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دُعا کروں گا، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

دربارِ یوسفی میں برادرانِ یوسفؑ کی تیسری آمد اور اپنی خستگی و زبوں حالی کا اظہار اور حضرت یوسف علیہ السلام سے تعارف اور معافی کی درخواست اور پیراہنِ یوسفی کا تذکرہ آیات ذیل میں تفصیلاً مذکور ہے۔

قرآنی مضمون فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعٍ مُّزْجِيَةٍ فَأَوْفِنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ.

(یوسف آیات ۷۷ تا ۸۱)

(الغرض تیسری مرتبہ برادرانِ یوسفؑ مصر پہنچ کر جب یوسف

(علیہ السلام) کے پاس (جنکو عزیز مصر سمجھ رہے تھے) پہنچے کہنے لگے

اے عزیز بزم کو اور ہمارے گھر والوں کو (قحط کی وجہ سے) بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے اور چونکہ ہم کو ناداری نے گھیر لیا ہے اس لئے خریداری کے لئے کھرے دام میسر نہیں ہوئے، ہم کچھ یہ بھی چیز لائے ہیں سو آپ (اپنی مہربانی سے اسکے بدلہ) پورا غلہ دے دیجئے اور ہم کو خیرات سمجھ کر دیجئے بیشک اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو (اچھی) جزا دیتا ہے۔ یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا (کہو)، وہ بھی تم کو یاد ہے جو کچھ تم نے یوسفؑ اور اسکے بھائی کے ساتھ (برتاؤ) کیا تھا جب کہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا۔

کہنے لگے کیا سچ سچ تم ہی یوسف ہو؟ انہوں نے فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ (بنیامین) میرا (حقیقی) بھائی ہے، تم پر اللہ نے بڑا احسان کیا واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور (مصابہ) پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

کہنے لگے بخدا کچھ شک نہیں تم کو اللہ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بیشک ہم خطا وار تھے۔

یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ نہیں تم پر آج (میری طرف سے) کوئی الزام نہیں ہے (بے فکر رہو) اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

اب تم (میرے باپ کو جا کر بشارت دینا اور بشارت کے ساتھ) میرا یہ کُرتہ (بھی) لیتے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو (اس سے) اُن کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

اور جب قافلہ (شہر مصر سے) چلا تو اُن کے باپ (یعقوب علیہ السلام) نے اپنے پاس والوں سے (کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں یہی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو میں ایک بات کہوں کہ

مجھ کو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔
 وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ بچہ آپ تو اپنے اُسی پر اُ
 غلط خیال میں مبتلا ہیں (کہ یوسف زندہ ہے اور ملاقات کرے گا)
 (حضرت یعقوب علیہ السلام خاموش رہے) پس جب
 خوشخبری لانے والا آپہنچا تو (آتے ہی) اُس نے وہ کُرتہ اُن کے
 منہ پر لاکر ڈال دیا پس فوراً ہی اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔
 آپ نے بیٹوں سے فرمایا کیوں میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ
 اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے (اسی لئے میں نے
 یوسف کی تلاش کے لئے تم کو بھیجا تھا)
 سب بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ ہمارے لئے
 (خدا سے) ہمارے گناہوں کی دعائے مغفرت کیجئے ہم بیشک
 خطاوار تھے۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا عنقریب تمہارے لئے
 اپنے رب سے دُعاے مغفرت کروں گا بیشک وہ غفور رحیم ہے۔

دربار یوسفی اور چوتھا داخلہ | حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیانی کے

لوٹ آنے کے بعد سفر کی تیاری شروع فرمادی

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس مرتبہ اپنے
 مہائیوں کے ساتھ دوسواونٹوں پر لدا ہوا بہت سامان اور کپڑا اور دوسری ضروریات
 روانہ کیں تھیں تاکہ پورا خاندان مصر کے لئے تیار ہو کر آئے۔ خاندان یعقوبی کے جملہ
 افراد بہتر اشیاء ترانوے نفوس مرد اور عورتوں پر مشتمل تھے۔ دوسری طرف جب مصر کے
 قریب یہ قافلہ پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام اور اعیان سلطنت اور ملک مصر کے
 ہزاروں باشندے استقبال کے لئے شہر سے باہر موجود تھے۔

جب یہ قافلہ مصر پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین اور افراد
 خاندان کو شاہی سواریوں میں بٹھا کر شہر لے آئے اور شاہی محل میں اتارا۔

اس وقت مصر کا دار السلطنت عیسیٰ متھا اور وہ جشن کا شہر کہلاتا تھا۔ جب تمام باتوں سے فراغت پالی تو ارادہ کیا کہ دربار منعقد کریں تاکہ بزرگ باپ اور افراد خاندان کا متعارف ہوا اور تمام درباری اُن کے عزت و احترام سے آگاہ ہو جائیں۔ دربار منعقد ہوا تمام درباری اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام شاہی محل سے نکل کر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت تمام درباری دستور کے مطابق سجدہ کے لئے گر پڑے۔ صورت حال کچھ ایسی تھی کہ خاندان یوسفی نے بھی یہی عمل کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بچپن کا خواب یاد آیا اور اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا:-

”اے آبا جان! یہ ہے تعبیر اُس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا میرے رب نے اُسے سچ کر دکھایا۔“

یعنی والدین اور سب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ سجدہ شکر تھا جو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا گیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے نہیں کیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان تمام آغاز و انجام کے اس حُسن خاتمہ کو دیکھ کر بے اختیار ہو گئے اور اللہ کی جناب عالی میں اس طرح گویا ہوئے:-

”اے پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا کی اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا، اے آسمان و زمین کے خالق تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کار ساز ہے، مجھ کو حالت فرمانبرداری میں دُنیا سے اٹھائیے اور مجھ کو نیک بندوں میں شامل رکھئے۔“

تفسیر ابن کثیرؒ میں حضرت حسنؓ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو جس وقت بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا تو اُن کی عمر سات سال کی تھی، پھر اسی سال والد سے غائب رہے اور والدین کی ملاقات کے بعد تیس سال زندہ رہے۔ اور اکیسویں سال کی عمر میں وفات پائی اور دریائے نیل کے کنارے سپرد خاک کئے گئے۔

مورخ ابن اسحاق نے حضرت عروہ بن زبیرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں تو بذریعہ وحی اُن کو یہ حکم ملا تھا کہ یوسف علیہ السلام کی لاش کو بھی مصر میں نہ چھوڑیں اُسکو اپنے ساتھ لے کر ملک شام چلے جائیں اور اُن کے آباء و اجداد کے قریب دفن کریں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تفتیش کر کے ان کی قبر دریافت کی جو ایک سنگ مرمر کے تابوت میں تھی اس کو اپنے ساتھ لیکر ارض کنعان (فلسطین) لے گئے اور حضرت اسحق و حضرت یعقوب علیہما السلام کے پہلو میں دفن کر دیا۔
(منظر ہری)

الغرض چوتھی مرتبہ برادران یوسف کا مع والدین دربار یوسفی میں آنا، اہل دربار اور برادران یوسف کا سجدہ میں گر پڑنا اور بچپن کے خواب کا حقیقت اختیار کرنا آیات ذیل میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

قرآنی مضمون فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ أُولَىٰ الْأَكْبَرِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ۔ الخ

(یوسف آیات ۹۹ تا ۱۰۴)

پھر جب یہ سب کے سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے (سب سے مل کر) اپنے والدین کو اپنے پاس (تعظیماً) جگہ دی اور کہا سب مصر میں چلے اِنَّ الشَّرَّاءَ هَا مِنْ مِّمِّن سے رہتے۔

(وہاں پہنچ کر تعظیماً) اپنے والدین کو تخت شاہی پر اُوپا بٹھایا (اُس وقت سب کے قلوب پر یوسف علیہ السلام کی ایسی عظمت طاری ہوئی کہ) سب کے سب اُن کے سامنے سجدہ میں گر گئے (یہ حالت دیکھ کر یوسف علیہ السلام) کہنے لگے کہ اے اباجان یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانے میں دیکھا تھا (کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے مجھ کو سجدہ کرتے ہیں) یہ میرے رب نے اُس (خواب) کو سچا کر دیا اور میرے

ساتھ (ایک) اُس وقت احسان فرمایا جس وقت مجھ کو قید سے نکالا اور اس رتبہ سلطنت تک پہنچایا اور بعد اسکے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان میں فساد ڈلوا دیا تھا (مگر اللہ کی عنایت ہے کہ وہ) تم سب کو باہر سے (یہاں) لے آیا (اور سب کو ملا دیا) بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اُس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑا علم والا حکمت والا ہے۔

اے میرے رب آپ نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ فرمانبرداری کی حالت میں مجھ کو دنیا سے اٹھا لیجئے اور خاص نیک بندوں میں شامل کر دیجئے۔ یہ قصہ (جو بیان کیا گیا) غیب کی خبروں میں سے ہے۔ ہم وحی کے ذریعے آپ کو یہ قصہ بتلاتے ہیں اور آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اُن (برادرانِ یوسف) کے پاس اُس وقت موجود نہ تھے جبکہ انھوں نے اپنا ارادہ (یوسف کو کنوئیں میں ڈال دینے کا پختہ) کر لیا تھا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو۔ آپ اُن سے اس (قرآن) پر کچھ معاوضہ تو چاہتے نہیں یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔“

قصہ کا اختتام | حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ عجیب و غریب قصہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اپنے پہلو میں نہایت اہم اخلاقی مسائل رکھتا

ہے۔ دراصل یہ قصہ ایک واقعہ ہی نہیں بلکہ کمالات و اخلاق کی ایک ایسی زریں داستان ہے جس کا ہر پہلو وعظ و نصیحت، عبرت و بصیرت کے جواہر سے لبریز ہے۔

قوتِ ایمانی، استقامت، ضبطِ نفس، صبر و شکر، عفت و دیانت، امانت، عضو و درگزر، جذبہ تبلیغ، اعلا رکلتہ اللہ کا عشق، صلاح و تقویٰ جیسے اخلاقِ فاضلہ اور

صفاتِ کاملہ کا ایک نادر الوجود سلسلۃ الذہب ہے جو اس قصہ کے ہر نقش میں نظر آتا ہے۔

چند امور خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

نتائج و عبرت

پاکی فطرت اگر کسی شخص کی ذاتی سرشت عمدہ ہو اور اسکا ماحول بھی پاک و مقدس اور لطیف ہو تو ایسے شخص کی زندگی اخلاق و کردار میں نمایاں صفات کی حامل ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس زندگی اسکی بہترین مثال ہے۔ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام و حضرت اسحق علیہ السلام و حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبیوں کی اولاد تھے اس لئے نبوت و رسالت کے گہوارہ میں نشوونما پائی اور خانوادہ نبوت کے ماحول میں تہبیت حاصل کی۔ ذاتی نیک نہادگی اور فطری پاکی نے جب ایسے لطیف ماحول کو دیکھا تو تمام کمالات اور اوصاف حمیدہ چمک اُٹھے۔

عقل انسانی اس مجموعہ کمالات ہستی کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتی ہے۔

استقامت کا اثر اگر کسی شخص میں ایمان باللہ مستقیم و مستحکم ہو اور اُس پر

اسکا اعتماد و یقین راسخ و مضبوط ہو جائے تو پھر زندگی کی تمام صعوبتیں اور مشکلات اس پر آسان بلکہ خوشگوار ہو جاتی ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کی تمام زندگی میں یہ اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ تخت مصر پر فائز ہونے کے بعد اپنی محبوب والدین کو طلب فرما سکتے تھے لیکن مرضی خداوندی کے انتظار میں نصف صدی سے زائد عرصہ اپنا متعارف نہیں کروایا۔

ابتلا و آزمائش دولت و ثروت کی شکل میں ہو یا مصیبت و ہلاکت کی

صورت میں ہو ہر حالت میں انسان کو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب رجوع ہونا چاہیے اور اُسی سے التجا کرنی چاہیے کہ وہ ثابت قدم رکھے اور استقامت بخشنے۔

عزیز مصر کی بیوی اور حسین و جمیل مصری عورتوں کی ترغیبات اور انکی مرضیات پوری نہ کرنے پر قید کی دھمکیاں اور پھر قید و بند کے مصائب، ان تمام حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اعتماد اور اُن کی دعاؤں اور التجاؤں کا مرکز صرف ایک ہی اللہ بزرگ و برتر کی ذات تھی۔ تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ پہلو استقامت (ثابت قدمی) کا بہترین نمونہ ہے۔

عزتِ نفس

خود اعتمادی انسان کے بلند اوصاف میں ایک بڑا وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو یہ دولت بخش دی وہی دنیا کے مصائب و آلام سے گزر کر دنیوی اور دینی بلندی حاصل کرتا ہے۔ خود اعتمادی کی مختلف اقسام ہیں ایک قسم ”عزتِ نفس“ بھی ہے جو شخص خود داری اور عزتِ نفس سے محروم ہے وہ انسان نہیں ایک مضغہ گوشت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عزتِ نفس کا یہ عالم ہے کہ برسوں کی مظلومانہ قید بندی سے رہائی کا حکم ملا تو مسرت و شادمانی کے ساتھ فوراً اُسکو لبیک نہیں کہا بلکہ صاف انکار کر دیا کہ میں اُس وقت تک قید خانے سے باہر نہیں آؤں گا تا وقتیکہ یہ فیصلہ نہ ہو جائے کہ مصری عورتوں نے مکر و فریب سے جس قسم کا معاملہ میرے ساتھ کیا تھا اُسکی اصل حقیقت کیا ہے؟

جب حقیقت واضح ہو گئی تو عزت و سرفرازی کے ساتھ قید خانے سے باہر آئے اسی کا نام عزتِ نفس ہے۔

حقیقتِ صبر صبر ایک عظیم الشان خصلت ہے جو بہت سی بُرائیوں کے لئے سپر اور ڈھال کا کام دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ستر سے زائد مقامات پر اسکی فضیلت کا اعلان آیا ہے اور بہت سے مراتب و درجات کا مدار اسی فضیلت پر رکھا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔ صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگوار ہی کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ صبر کی مختلف اقسام ہیں۔ یعنی جن اشیاء کی جانب صبر کو منسوب کیا جاتا ہے اُس کے مختلف نام ہو جاتے ہیں:-

- (۱) اگر بطن و شرمگاہ کی ناجائز خواہشات کے مقابلہ میں صبر کیا جائے تو اس کا نام ”عفت“ قرار پاتا ہے۔
- (۲) اگر دولت و ثروت کی فراوانی میں صبر کیا جائے یعنی بخل و تکبر سے پرہیز کیا جائے تو اس کو ”ضبط نفس“ کہا جاتا ہے۔
- (۳) اگر میدان جنگ اور اس قسم کے خطرناک حالات پر صبر ہے تو اس کو ”شجاعت“ کہا جاتا ہے۔
- (۴) اگر غیظ و غضب کے حالات پر صبر کیا جائے تو اس کو ”حلم“ کہا جاتا ہے۔
- (۵) اگر حوادث زمانہ پر صبر کیا جائے تو اس کا نام ”وسعت صدر“ (کشادہ دلی و حوصلہ مندی) کہا جاتا ہے۔
- (۶) اگر دوسروں کے پوشیدہ عیوب پر صبر کیا جائے یعنی اس کو ظاہر نہ کیا جائے تو اس کا نام ”شرافت“ قرار پاتا ہے۔
- (۷) اگر بقدر ضرورت معیشت پر صبر کیا جائے (یعنی بوجل جائے) سپر راضی رہنا اور افسوس نہ کرنا) اس کو ”قناعت“ کہا جاتا ہے۔
- (۸) اگر لذائذ اور عیش پسندی کے مقابلے میں صبر ہو تو اس کا نام ”زہد“ قرار پاتا ہے۔
- (۹) اگر گناہ و معصیت و نافرمانی پر صبر کیا جائے (یعنی احتیاط کی جائے) اس کا نام ”تقویٰ“ ہے۔
- (۱۰) اگر مصیبتوں پر صبر ہے تو اس کا نام ”صبر“ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صبر و رضا کے ان تمام مراحل میں وہ

کمال عطا فرمایا تھا جسکو ”مثیل اعلیٰ“ کہا جاتا ہے۔ مثلاً :-
 (۱) برادرانِ یوسف کی ایذا رسانیوں پر صبر (۲) آزاد ہونے کے باوجود غلام بن جانے پر صبر (۳) عزیز مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کی پُر فریب ترغیبات پر صبر (۴) قید خانے کے مصائب پر صبر (۵) عزیز مصر کی دولت و ثروت کے وکیل بن جانے پر صبر (۶) یعنی اظہارِ تکبر سے پرہیز (۶) ہر حالت میں زہد و قناعت کی زندگی بسر کی اور اس پر صبر کیا (۷) ایذا رسانیوں کی ندامت کے وقت اختیارِ صبر یعنی وسعتِ قلب کا ثبوت دیا انھیں نہ صرف درگزر کر دیا بلکہ اکرام و عزت بھی عطا کی۔

آخری بات | حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ اور صفاتِ عالیہ کی مدحت و منقبت کے لئے سب سے اہم وہ جملہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں ارشاد فرمایا ہے :-

الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب
 بن اسحق بن ابراہیم (علیہم السلام) (المحدث)
 یعنی وہ سلسلہ نسب جو پچار پشتوں سے کرامتِ نبوت سے مستفیض ہے۔
 اور ایک روایت میں اس طرح مذکور ہے :-

اکرمُ الناس یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن
 ابراہیم خلیل اللہ (بخاری کتاب التفسیر)
 لوگوں میں بزرگ تر یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔

حقیقتِ خواب | تفسیرِ منظرِ می میں قاضی ثنار اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ انسانی نفس جس وقت نیند یا بے ہوشی کی وجہ سے ظاہری تدابیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اسکی قوتِ خیالیہ تیز ہو جاتی ہے اور اسمیں کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اسی کا نام خواب ہے۔

جلد اول

اسکی تین قسمیں ہیں جن میں سے دو بالکل باطل و لغو ہیں جنکی کوئی اصلیت نہیں ہوتی، تیسری قسم اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح و صادق ہے مگر اس صحیح قسم میں بھی کبھی کچھ عوارض شامل ہو کر اسکو بھی فاسد اور ناقابل اعتبار کر دیتے ہیں۔
تفصیل اسکی یہ ہے کہ خواب میں انسان مختلف صورتیں اور واقعات دیکھتا ہو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں جو صورتیں انسان دیکھتا ہے وہی خواب میں شکل بن کر نظر آجاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اسکے ذہن میں ڈال دیتا ہے خوش کرنے والے یا ڈرانے والے، یہ دونوں قسمیں باطل اور بے حقیقت ہیں ان کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی پہلی قسم کو حدیث النفس اور دوسری قسم کو تسویل شیطانی کہا جاتا ہے۔

خواب کی تیسری قسم جو صحیح اور قابل اعتبار ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندے کو خواب میں خبردار کرنے یا خوشخبری دینے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے بعض چیزیں اسکے قلب و دماغ میں ڈال دیتا ہے۔ خواب میں دیکھی ہوئی ایسی چیزیں اصل و بنیاد رکھتی ہیں انہی کی تعبیر ممکن ہے۔

طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ ایک حدیث منقول کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

”مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے۔“ (تفسیر مظہری)

قرآن حکیم کی ایک آیت لَسْمُ الْبَشَرِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (یونس آیت ۴۵) کی تفسیر میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول منقول کیا ہے کہ بشری سے مراد اچھے خواب ہیں جسکو مسلمان دیکھتا ہے یا کسی کو دکھایا جاتا ہے (ترمذی شریف)

اس لئے صرف وہ خواب صحیح طور پر الہام من اللہ اور حقیقت ثابت ہوگا جو اللہ کی طرف سے ہو اور اسمیں کچھ عوارض شامل نہ ہوں اور اسکی تعبیر بھی صحیح دی گئی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے سب خواب ایسے ہی ہوتے ہیں اس لئے اُن کے

خواب بھی وحی الہی کا درجہ رکھتے ہیں۔

لیکن عام مسلمانوں کے خواب ہر طرح کا احتمال رکھتے ہیں اس لئے وہ کسی کے لئے حجت اور دلیل نہیں ہوتے۔ ان خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور بعض اوقات گناہوں کی ظلمت و کدورت صحیح خواب پر چھا کر اس کو ناقابل اعتبار بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات تعبیر سمجھیں نہیں آتی۔ خواب کی یہ تین قسمیں جو ذکر کی گئیں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں:-

”آپ نے ارشاد فرمایا خواب کی تین قسمیں ہیں ایک قسم شیطانی ہے جس میں شیطان کی طرف سے کچھ صورتیں ذہن میں آ جاتی ہیں۔ دوسری قسم وہ جو آدمی اپنی بیداری میں دیکھتا رہتا ہے وہی صورتیں خواب میں آ جاتی ہیں۔

تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے چھالیسواں جزو ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے۔ خواب کی تیسری قسم جو حق اور صحیح ہے اسکو نبوت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوءِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ۔ یعنی آئندہ نبوت باقی نہ رہے گی سوائے مبشرات کے، صحابہؓ نے پوچھا مبشرات سے کیا مراد ہے آپ نے ارشاد فرمایا ”سچے خواب“ (بخاری)

بعض روایات میں خواب کو نبوت کا چالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے اور بعض میں چھالیسواں اور بعض میں اسیسواں حصہ اور بعض میں سترواں حصہ ہونا منقول ہے۔ یہ سب روایتیں تفسیر قرطبیؒ میں جمع کر کے مشہور محدث ابن عبد البرؒ کی یہ تحقیق منقل کی گئی ہے کہ اس اختلاف میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ہر روایت اپنی جگہ درست و صحیح مفہوم رکھتی ہے۔ عود کا ایک اختلاف خواب دیکھنے والے کے مختلف حالات کی بناء پر ہے جو شخص سچائی، امانت، دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہوگا اس کا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہوگا اور جو ان اوصاف میں کچھ کم ہے اس کا چھالیسواں

یا انچاسواں یا پچاسواں حصہ ہوگا اور جو اس سے کم ہے اُس کا خواب نبوت کا ستر واں حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں یہ بات بھی وضاحت طلب ہے کہ سچے خواب کا جزر نبوت ہونا کیا مراد رکھتا ہے؟ تفسیر مظہری میں اسکی ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نبوت کا سلسلہ ۲۳ سال جاری رہا ان تیس سال کو ششماہی میں تقسیم کر دیا جائے تو چھیالیس ششماہی بنتے ہیں۔ نبوت کی پہلی ششماہی میں تقریباً تین سال، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الہی اکثر بصورت خواب آیا کرتی تھی اور بقیہ پینتالیس ششماہیوں میں یہی وحی نبوت حضرت جبریل امین کے پیغام رسانی کی صورت میں آئی اس حساب سے نبی کریم کے سچے خواب وحی نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوئے اور چالیسواں حصہ ہونے کی یہ توجیہ کی گئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چالیس سال کی ہوئی اُس وقت آپ کو وحی نبوت سے سرفراز کیا گیا اس سے پہلے آپ کو بکثرت خواب نظر آتے تھے جو دن کی روشنی میں سچے ثابت ہوتے تھے اس لحاظ سے بعض روایات میں سچے خواب کچھ نبوت کا چالیسواں حصہ کہا گیا۔ اور جن روایات میں کم و بیش عدد مذکور ہیں اسکو کلام تقریبی پر محمول کیا گیا ہے یا پھر وہ روایات سنداً متکلم فیہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

امام قرطبی نے ایک اور لطیف توجیہ کی ہے لکھتے ہیں کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے، یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھ رہا ہے جن کا علم حاصل کرنا اُس کی قدرت میں نہ تھا تو اس کا یہ دیکھنا یا جاننا بجز امداد و الہام الہی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا جو اصل میں نبوت کا خاصہ ہے اسلئے سچے خواب کو نبوت کا جزر کہا گیا ہے۔

یہ ساری بحث تو نبی کے خواب کے بارے میں واضح ہے لیکن غیر انبیاء کے خواب نہ نبوت ہیں اور نہ نبوت کا حقیقی جزر۔ البتہ سچے ہونے میں نبی کے خواب سے مشابہت رکھتے ہیں اس لئے ایسے خواب کو جزر نبوت کہا گیا۔

ایک تیسری توجیہ اور بھی ممکن ہے وہ یہ کہ حدیث بخاری میں سچے خوابوں کو مبشرات (خوشخبری دینے والے) کہا گیا ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ ہیں:۔

لَعَلَّيْكَ مِنَ النَّبُوءَةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ (الحديث)
یعنی نبوت کا کوئی جز سوائے مبشرات کے باقی نہ رہا۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ مبشرات کیا ہیں ؟
ارشاد فرمایا سچے خواب۔ (بخاری)

ابتداءً نبوت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت یہ مبشرات آیا کرتے تھے جس کا سلسلہ بعد میں کم ہو گیا۔ چونکہ یہ بلند حالت نبوت سے متعلق رہی ہے اس لئے سچے خوابوں کو نبوت کا جز کہا گیا۔

اس تفصیل میں یہ بات اچھی طرح ملحوظ رہنی چاہیے پوری امت اسلامیہ کا متفق عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ قرآن حکیم میں آپ کو خاتم النبیین کہا گیا اور آپ کو قیامت تک کے تمام انسانوں کا ہادی و رسول کہا گیا ہے :- وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (الآیۃ)

اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کسی چیز کا ایک جز رہنے سے اُس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا۔ اگر کسی شخص کا ایک بال یا ایک ناخن کہیں موجود ہو تو کوئی معمولی سی عقل رکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا اور نہ سمجھ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے۔

مشین کے بہت سے کل پُرزوں میں سے اگر کسی کے ہاں ایک پُرزہ ہو یا ایک اسکرود موجود ہو اور وہ عقل مند کہنے لگے کہ میرے پاس فلاں مشین موجود ہے تو دنیا بھر کے انسان اسکو جھوٹا یا فریب خوردہ یا بیوقوف کہیں گے۔

سچے خواب حسب تصریح حدیث بلاشبہ جز نبوت ہیں، مگر نبوت نہیں، نبوت تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔

ایسے ہی ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے۔ سچے خواب کو جیسا کہ احادیث میں بشارت یا تنبیہ کا نام دیا گیا ہے اس کی حقیقت اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ ایسا خواب نہ خود دیکھنے والے کے حق میں حجت ہے نہ دوسروں کے لئے۔

بعض ناواقف لوگ ایسے خواب دیکھ کر طرح طرح کے وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسکو کوئی اپنی بزرگی اور ولایت کی دلیل سمجھنے لگتا ہے تو کوئی اس سے حاصل ہونے والی بات کو شرعی احکام کی طرح درجہ دینے لگتا ہے۔

یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں خصوصاً جب یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سچے خوابوں میں بعض دفعہ منفسانی یا شیطانی اثرات کی آمیزش کا بھی احتمال ہے۔

حدیث صحیح میں خواب کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہی اسکی حقیقی حیثیت ہے یعنی خوشخبری دینے والے خواب، اس سے بہتر اسکی اور کوئی وضاحت ممکن نہیں۔

جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک روایت موجود ہے جس میں یہ صراحت ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی تین قسموں کا بیان کیا ہے:-
”ایک اللہ کی طرف سے بشارت۔

دوسرے منفسانی خیالات۔

تیسرے شیطانی تصورات۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں جو خواب دیکھا تھا، یا عزیز مصر نے قحط سالی کو شات عددمونی گائیوں اور شات عدد دہلی گائیوں کی شکل میں دیکھا تھا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اُحد کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا میں نے خواب دیکھا کہ میری تلوار ٹوٹ گئی ہے اور دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہو رہی ہیں جسکی تعبیر آپ نے حضرت حمزہ کی شہادت اور بہت سے مسلمانوں کی شہادت قرار دی۔ جو بہت بڑا حادثہ تھا چنانچہ غزوہ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ شہر صحابہ شہید ہوئے۔“

اس قسم کے جملہ خواب بشارت اور الہام من اللہ کی قسم سے ہیں۔ خواب کی حقیقت اور اس کے اقسام کے بعد یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ خواب کوئی خواب و خیال کی بات نہیں ہے جیسا کہ بعض نادان لوگ کہہ دیا کرتے ہیں بلکہ سچے خواب کی حقیقت بڑی گہری ہوتی ہے اور بعض خواب صبح روشن کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہی کافی ہے کہ تعبیر خواب کا علم، علوم انبیاء میں شمار کیا گیا ہے اور مستقل طور پر یہ علم سیدنا یوسف علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا، اگر خواب کوئی حقیقت نہ ہوتا تو علم تعبیر کا کیا مطلب ہوتا؟ اور وہ علوم نبوت کیوں قرار پاتا؟

یہی وجہ ہے کہ احادیث میں یہ ہدایات ملتی ہیں کہ اپنا خواب ہر کس و ناکس سے بیان نہ کیا جائے بلکہ ایسے شخص سے بیان کیا جائے جو نیک و متقی اور مخلص قسم کا ہو

اور وہ علم تعبیر سے مناسبت بھی دکھاتا ہوتا کہ وہ غلط تعبیر دے کر خواب کا اثر ضائع نہ کر دے، کیوں کہ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ خواب معلق رہتا ہے جب تک کہ تعبیر نہ دی جائے اور جب تعبیر دے دی جاتی ہے تو حقیقت بن جاتا ہے۔
حدیث کے یہ الفاظ ہیں :-

الرُّؤْيَا عَلَى رَجُلٍ طَائِرٌ مَا لَمْ يُعْبَرْ فَإِذَا عُبِّرَتْ

(رواہ ابوداؤد)

(اُنہی وقت کما عبرت)

اس حدیث میں خاص طور پر یہ نکتہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جیسی تعبیر دی جائیگی ویسے ہی واقع ہوگی اور یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ پہلی تعبیر ہی خواب کی حقیقت ہوتی ہے اس لئے خواب کو ہر کس و نا کس سے بیان نہ کرنا چاہئے۔

زمانہ نبوت میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ وہ چار پانی (پلنگ) کو نکل گیا ہے اُس نے اپنے ایک دوست سے یہ خواب بیان کیا اُس دوست نے مزاحاً کہہ دیا تو پھر تیرا پیٹ پھٹ گیا۔ کچھ دیر بعد اُسکی موت واقع ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا اُس کے دوست کی تعبیر نے اسکو ہلاک کر دیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا اُس خواب کی یہ تعبیر نہ تھی جو بیان کی گئی بلکہ اُس خواب میں اشارہ تھا کہ اس شخص کی شہرت اطرافِ عالم میں پھیل جائیگی۔
حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کسی موقع پر ایک شخص کے خواب کی تعبیر بیان کی اس پر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :-

أَصَبْتُ بَعْضًا وَأَخْطَأْتُ بَعْضًا (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

اے ابو بکرؓ تم نے تعبیر کا بعض حصہ صحیح بیان کیا اور بعض میں

غلطی کی۔

اس حدیث سے تعبیر خواب کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

حقیقت نظر | حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لڑکوں کے دوسرے سفرِ مصر کے وقت خصوصیت سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ اے بیٹو! جب تم شہرِ مصر میں داخل ہونے لگو تو شہر کے ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق ہو کر

مختلف دروازوں سے ہونا۔ عام مفسرین قدیم و جدید نے اسکی معقول وجہ یہی بیان کی ہے کہ چونکہ یہ سب گیارہ بھائی صحت مند، قد آور، صاحب جمال اور صاحب وجاہت تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کی بد نظر لگ جائے اور انھیں کوئی نقصان ہو جائے۔

نظر لگنا اور اس سے کوئی تکلیف یا نقصان پہنچ جانا ایک مسلمہ حقیقت ہے، محض جاہلانہ وہم و خیال کی بات نہیں جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکی تصدیق فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نظر بد ایک انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں داخل کر دیتی ہے مطلب یہ کہ نظر بد کا اثر موت کے قریب کر دیتا ہے۔

حدیث بخاری و مسلم میں بکثرت احادیث اس سلسلے میں منقول ہیں۔ ایک حدیث صحیح میں یہ جملہ بھی ملتا ہے :-

وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَةٌ۔

یعنی میں پناہ مانگتا ہوں نظر بد سے (قرطبی)

صحابہ کرام میں ایک صحابی رسول ابوسہل بن حنیفؓ کا واقعہ معروف و مشہور ہے وہ ایک موقع پر غسل کرنے کے لئے کپڑے اتارے اُنکے نرم و نازک سفید بدن پر عامر بن ربیعہؓ کی نظر پڑ گئی اور اُن کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ آج تک اتنا حسین بدن کسی کا نہیں دیکھا۔ اسکے بعد حضرت سہل بن حنیفؓ کو سخت بخار چڑھ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اسکی اطلاع ہوئی آپ نے یہ علاج تجویز فرمایا کہ عامر بن ربیعہؓ کو حکم دیا جائے کہ وہ وضو کریں اور وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کریں پھر یہ پانی سہل بن حنیفؓ کے بدن پر ڈال دیا جائے، چنانچہ ایسے ہی کیا گیا تو بخار فوراً اُتر گیا اور وہ بالکل تندرست ہو کر جس مہم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے روانہ ہو گئے۔ اس واقعہ پر آپؐ نے عامر بن ربیعہؓ کو یہ تنبیہ فرمائی تھی :-

عَلَّامٌ يَقْتُلُ أَحَدَكُمْ أَخَاهُ إِلَّا بَرَكْتَ إِنْ أَلْعَيْنَ

حَقٌّ۔ (المحدث)

”کوئی شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرے، تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جب ان کا بدن تمہیں خوب صورت نظر آیا تو برکت کی دعا کر دیتے،

نظر کا ہونا حق بات ہے۔

بعض احادیث میں ہے کہ کسی اچھی چیز کو دیکھ کر مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنے سے نظر بد کا اثر چلا جاتا ہے اور نظر نہیں لگتی۔

عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نظر اور خیال کو حالات کے بدلنے اور متغیر کرنے میں کافی دخل اور تعلق ہے۔ انسان کی قوت خیالیہ میں اتنا زور اور اثر ہے کہ وہ اشیاء پر اپنا زبردست اثر چھوڑتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات اسی اثر کے نتیجے میں چیزوں کی شکلیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر کسی انسان کی غضبناک آنکھیں اپنے پورے غیظ و غضب کے ساتھ کسی دوسرے انسان پر پڑ جاتی ہیں تو یہ خوف زدہ ہو کر کانپنے لگتا ہے حالانکہ اس شخص پر کوئی ظاہری عمل واقع نہیں ہوا لیکن انسان کی عام حالت میں ایک تبدیلی آ جاتی ہے اور چہرے کا رنگ و روپ بدل جاتا ہے بسا اوقات انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور آپ نے یہ بھی سنا ہو گا کہ بعض دفعہ موت واقع ہو گئی۔ یہ زبردست انقلاب اُسی غضبناک نظروں ہی کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے اور غضبناک اپنی ذات میں کوئی جسم ہے اور نہ کوئی ظاہری عمل صرف ایک نظر ہے جس نے اپنی قوت و طاقت سے ایک عجیب و غریب شکل پیدا کر دیا۔

اسی طرح کسی خوف زدہ اور سہمے ہوئے انسان پر کوئی محبت و پیار سے نظر ڈالے اور زبان سے کچھ نہ کہے تو اُسکی نظر گرم کا اثر فوری طور پر اُسکے خوف و ہراس کو دور کر کے چہرے کی رونق کو واپس لے آتا ہے۔ یہاں بھی اُسی نظر کا اثر ہے جس نے یہ تغیر پیدا کر دیا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات جان بلب انسان جو خوف کے مارے نیم مردہ ہو چکا تھا صرف نظر عنایت کے باعث اُٹھ کھڑا ہوا۔

یہ سب نظر و خیال ہی کے کرشمے ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو بھی پیدا فرمایا ہے اُن میں کچھ نہ کچھ خاصیتیں رکھی ہیں۔ انسان کے جسم میں آنکھ اور زبان وغیرہ ایسے عضو ہیں جن میں ہزار ہا تاثیریں پوشیدہ ہیں۔

سحر اور مسمریزم کے تصرفات بھی انہی اسباب عادیہ میں سے ہیں جہاں نظر و خیال کی قوت سے بڑے بڑے انقلابات معلوم ہونے لگتے ہیں۔ ان میں بھی کوئی اپنی ذاتی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ یہ سب اسباب اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ اور مشیت کاملہ کے

تابع ہیں، تنقید پر خداوندی کے مقابلہ میں نہ کوئی تدبیر مفید ہو سکتی ہے نہ کوئی مُضر، اس لئے حدیث کا یہ ارشاد کہ نظر کا لگ جانا ایک حقیقت ہے۔ اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر بد نظری کا اثر فوری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر تدبیر کامیاب ہو جائے۔

تفسیر وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهَا وَهَمَّ بِهَا

ایک عظیم ابتلا و آزمائش کا ذکر آچکا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے گھر کے دروازے بند کر کے ان کو گناہ کی طرف بلانے کی کوشش کی اور اپنی طرف راغب کرنے کے لئے سارے اسباب جمع کر دیئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت اپنی حجت و برہان حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے کر دی جس کی وجہ سے وہ زلیخا سے پیچھا چھڑا کر بھاگ نکلے اور گھر سے باہر ہو گئے۔ اس نازک موقع پر قرآن حکیم نے یہ خطر صورت حال کو اس جملہ سے ادا کیا ہے :-

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهَا وَهَمَّ بِهَا (سورۃ یوسف آیت ۲۳)

اور البتہ عورت نے فکر کیا اُس کا اور اُس نے فکر کیا عورت کا۔

اس آیت میں لفظ ”هَمَّتْ“ جس کے معنی خیال و فکر اور ارادہ کے ہیں زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس آیت کے بعد والی آیت میں اس کشمکش کا اختتام اس طرح منقل کیا گیا ہے کہ عورت کے اصرار سے نجات پانے کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام دوڑے اور دروازے سے باہر ہو گئے۔

اس حقیقت کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام گناہ تو کیا کرتے ارادہ بھی نہیں کیا بلکہ ارادے کے خلاف عمل کیا اور باہر نکل آئے۔ اس سیاق کلام کو پیش نظر رکھ کر ”هَمَّتْ“ والی آیت کا ترجمہ کیا جائے تو سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ

”اور اُس عورت نے اُن کا (پورا) ارادہ کر لیا اور (قریب تھا کہ) وہ بھی اُس کا ارادہ کرتے اگر اپنے رب کی دلیل کو اُنھوں نے نہ دیکھا ہوتا۔“

یہ ترجمہ ہو گا :-

”اور اُس عورت نے اُن کا ارادہ کیا اور اُسکے شدید اصرار پر یوسفؑ کے دل میں اُس کا خیال آتا اگر اپنے رب کی دلیل کو اُنہوں نے نہ دیکھا ہوتا۔“

اس تشریح سے واضح ہوا کہ زلیخا کا ہَتم اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ہَتم اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جو خیال پیدا ہوا وہ گناہ کا خیال نہ تھا۔ عربی زبان میں لفظ ہَتم دو معنی کے لئے بولا جاتا ہے۔ ایک کسی کام کا قصد و ارادہ کر لینا، دوسرے محض دل میں خیال و وسوسہ پیدا ہونا۔ پہلی صورت گناہ کی ہے۔ دوسری صورت گناہ کی نہیں یہ ایسے ہی جیسے موسم گرما کے روزوں میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعی میلان اور خیال آ جاتا ہے۔ حالانکہ روزے میں پیئے کا ارادہ قطعاً نہیں ہوتا۔ اس قسم کا خیال نہ انسان کے اختیار میں ہے نہ اس پر کوئی مواخذہ ہے اور نہ کوئی گناہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا ہَتم ایسے ہی تھا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے گناہ کے وسوسے اور خیال

کو معاف کر دیا ہے جبکہ وہ اس پر عمل نہ کرے۔ (قرطبی)

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لفظ ہَتم کا دونوں معنوں میں استعمال عرب کے محاورات اور اشعار کی شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔ نیز اسی آیت میں بھی خود یہ فرق اشارۃً موجود ہے۔ اگر دونوں کا ہَتم ایک طرح کا ہوتا تو اس جگہ علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے بجائے یکجا اس طرح بیان ہوتا وَ لَقَدْ هَمَّتْ اَوْرَدُوْنَہَا لَمَّا رَاَتْ اَنَّہَا اِلَیْہِمْ اِلَّا الْاَلْوَاعَیْہِمْ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِہَا وَ هَمَّ بِہَا بَیِّنًا کَیْہَا۔ اس تعبیر کو چھوڑ کر اَلْکَ الْاَلْکَ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِہَا وَ هَمَّ بِہَا بَیِّنًا کَیْہَا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا ہَتم (ارادہ) جدا جدا تھا۔

اس تفسیر کی مزید تائید یہ بھی ہے کہ زلیخا کے ہَتم کو (لقد) لام اور قد کے ساتھ ظاہر کیا گیا جو تاکید کلام کے لئے آتا ہے جو معنی میں تاکید اور سختی پیدا کرتا ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ہَتم میں یہ تاکید نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ہَتم ویسا نہیں تھا جیسا کہ زلیخا کا ہَتم تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں جو خیال یا فکر پیدا

ہوا وہ محض غیر اختیاری وسوسہ کے درجے میں تھا جو قطعاً گناہ نہیں ہے۔ پھر اس وسوسہ کے خلاف حضرت یوسف علیہ السلام کا عمل کرنا اللہ کے نزدیک انکے درجے کی بلندی کا باعث ہوا۔

ایک اور تفسیر بھی بیان کی گئی ہے جو قرآن کے اسلوب و بیان کے بہت قریب ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے :-

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهَا وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ

سَيِّدِهَا۔

ترجمہ اس طرح ہوگا :-

”اور البتہ اُس عورت نے یوسفؑ کا ارادہ کیا اور یوسف بھی عورت کا ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کے بُرہان کو نہ دیکھے ہوتے۔“ مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی خیال پیدا ہو جاتا اگر اللہ کی محبت و بُرہان کو نہ دیکھتے۔ لیکن بُرہان رب کو دیکھنے کی وجہ سے وہ اس ہَتم اور خیال سے بھی بچ گئے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔ البتہ اس صورت میں کلام کے اندر جملوں کی تقدیم و تاخیر ماننا پڑے گا۔ اور یہ کوئی نادر بات یا محاورہ عرب کے خلاف بھی نہیں۔ خود قرآن حکیم میں اسکی نظیر موجود ہے۔

إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُطْنًا عَلَىٰ قَلْبِهَا۔

(القصص آیت ۷۷)

لہذا مذکورہ عبارت قرآنی میں عام قواعد عربی کے لحاظ سے کلام اس طرح ہوگا۔

لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهَا لَقَدْ هَمَّتْ بِهَا۔

”اگر یوسف بُرہان رب نہ دیکھے ہوتے تو البتہ ارادہ کر جاتے۔“

(روح المعانی)

چونکہ بُرہان رب دیکھ لیا تھا اس لئے ارادہ و خیال تک نہ کر سکے۔ اس تفسیر کی رو سے ہَتم (ارادے) کی نفی ہوگی۔

دونوں تفسیروں کی بنیاد پر بہر حال یہ مشترکہ حقیقت مل جاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بُرے ارادے سے دُور رہے، اور اللہ کا کلام یہی ظاہر بھی کرنا چاہتا ہے۔

قرآن حکیم نے یہ واضح نہیں کیا کہ بُرہان رب جو حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے آئی کیا چیز تھی؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امام مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، محمد بن سیرینؒ، امام حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اُس خلوت گاہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اس طرح سامنے کر دی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں سے دبائے کھڑے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ عزیز مصر کی صورت اُن کے سامنے کر دی گئی۔ اور بعض دیگر نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر اچانک چھت کی طرف اٹھی تو یہ آیت لکھی نظر آئی :-

لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّہٗا کَانَ فَاَحِشَۃً وَّسَاءَ سَبِيْلًا۔

”یعنی زنا کے پاس نہ جاؤ کیونکہ وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے“

(بنی اسرائیل آیت ۳۴)

اور نہایت بُرا راستہ ہے۔“

اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت و رسالت خود بُرہان رب تھی۔

امام تفسیر ابن جریرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد جو بات تحریر فرمائی ہے وہ اہل تحقیق کی نگاہوں میں پسندیدہ نظروں سے دیکھی گئی ہے۔

لکھتے ہیں کہ جتنی بات قرآن حکیم نے بتلا دی ہے صرف اسی حد

تک اکتفا کرنا چاہیے، یعنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کوئی

ایسی چیز دیکھی جس سے دل کا وسوسہ جاتا رہا۔ اس چیز کی تعیین میں وہ

سب احتمال ہو سکتے ہیں جو مفسرین کرام نے ذکر کئے ہیں لیکن قطعی

طور پر کسی ایک چیز کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ (ابن کثیر)

یہ مسئلہ عصمت انبیاء قرآن و سنت سے ثابت ہونے کے علاوہ عقلاً بھی اس لئے ضروری ہے کہ اگر انبیاء کرام سے گناہ سرزد ہو جانے کا امکان و احتمال رہے تو ان کے لئے ہوئے دین اور وحی پر اعتماد کا کوئی راستہ نہیں رہتا اور ان کی بعثت اور ان پر کتاب نازل کرنے کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر پیغمبر کو ہر گناہ سے معصوم رکھا ہے۔

قرآن حکیم نے انبیاء علیہم السلام کو ”مخلصین“ کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔
 مخلص (بفتح لام) کے منتخب کے معنی میں آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کارِ
 رسالت اور وحی اور اصلاح خلق کے لئے جن افراد کو اپنی جانب سے انتخاب فرماتا ہے
 وہ مخلصین کہلاتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہی لفظ استعمال
 کیا گیا ہے۔

إِنَّمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلِصِينَ (یوسف آیت ۲۴)
 وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے ایک ہیں۔

ایک عبرت | جن دنوں حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں محبوس تھے جیل
 کے افسر یا قیدیوں میں سے کسی نے آپ سے اپنی محبت و عقیدت
 کا اظہار کیا کہ ہمیں آپ سے بہت محبت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا :-
 ”محبت صرف اللہ سے کرو، جب کسی نے مجھ سے محبت کی تو مجھ پر
 آفت ہی آئی، بچپن میں میری پھوپھی کو مجھ سے محبت تھی اسکے نتیجے میں مجھ پر
 چوری کا الزام لگا، پھر میرے والد نے مجھ سے محبت کی تو بھائیوں کے
 ہاتھوں کنوئیں میں گرا، پھر غلامی اور جلا وطنی میں مبتلا ہوا، اب عزیزِ مصر
 کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو اس جیل میں۔“ (ابن کثیرؒ منظرہ)

ایک نصیحت | اُ عالم و مقتدا کو جہاں اپنے عمل و کردار کی حفاظت ضروری
 ہے وہاں اسکی بھی فکر ہونی چاہیئے کہ اس کی طرف سے
 لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو، اگرچہ یہ بدگمانی سراسر غلط اور بے جا
 ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت سے بھی بچنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔ بدگمانی
 خواہ کسی جہالت یا کم فہمی ہی کے سبب سے ہو بہر حال ان کی دعوت
 و تبلیغ کے کام میں خلل انداز ہوتی ہے۔ پھر لوگوں میں ان کی بات کا
 وزن نہیں رہتا۔“ (قرطبی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تہمت کے مواقع سے بھی بچو، یعنی ایسے حالات اور مواقع سے بھی اپنے آپ کو بچا یا جائے جہاں تمہاری تہمت لگانے کا موقعہ ہوتا آئے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تمام عیوب اور گناہوں سے معصوم ہیں اپنے لئے بھی اس احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات میں سے ایک نبی نبی آپ کے ساتھ کسی کھلی جگہ مصروفِ گفتگو تھیں ایک صحابی اتفاقاً اُدھر سے گزرنے لگے تو آپ نے اُنہیں طلب کیا اور فرمایا یہ میری بیوی (اُمّ سلمہؓ) ہیں۔ وہ سہم گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں آپ پر کوئی بدگمانی کر سکتا ہوں؟

آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں دیکھنے والے کو کسی اجنبی عورت کا شبہ نہ ہو جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی اور شاہی دعوت کا پیغام ملنے کے باوجود رہائی سے پہلے اس بات کی کوشش فرمائی کہ لوگوں کے شبہات دور ہو جائیں، دعوت کا پیام لانے والوں کو صاف فرما دیا۔

قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ سَرِيكَ فَسَلِّ مَا بَالُ الْيَسُوءِ الَّتِي
قَطَعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۖ (آیت ۷۵)

”جب شاہی فرستادہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا تو کہا اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اُس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا کیا واقعہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ خود کاٹ لئے تھے۔ میرا رب تو ان کے مکر و فریب سے خوب واقف ہے۔“

برادوست | ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت

فرمایا ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا یہ حال ہو کہ اگر تم اُس کا اعزاز و اکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑا پہناؤ تو وہ تمہیں بلا اور مصیبت میں ڈال دے، اور اگر اسکی توہین کرو، بھوکا نہنگا رکھو تو وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے۔؟

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے زیادہ بُرا تو دنیا

میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اُس ذات کی
قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے وہ تمہارا اپنا نفس ہے
جو تمہارے پہلو میں ہے۔ (قرطبی)

حضرت یوسف علیہ السلام نے نفس کے تعلق سے فرمایا :-

وَمَا أُبَدِّئُ نَفْسِي لَإِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔

(آیت ۲۵)

”میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا نفس تو بدی پر اُکسانے

والا ہی ہے۔“

آیت مذکورہ میں نفس انسانی کو امارہ (برائی پر اُکسانے والا) ظاہر کیا گیا ہے۔
سورہ قیامہ میں اسی نفس انسانی کو نَوَّامٌ (برائی پر ملامت کرنے والا) کا لقب
دیا گیا ہے۔

سورہ فجر میں اسی نفس انسانی کو مُطْمَئِنِّنٌ (اطمینان والی روح) کا لقب دیکر

جنت کی بشارت دی گئی۔

نفس کی یہ تین قسمیں قرآن حکیم نے بیان کی ہیں۔

توضیح اسکی یہ ہے کہ ہر نفس انسانی اپنی ذات میں آمَّارٌ بِالسُّوءِ (برے
کاموں کا تقاضہ کرنے والا) ہے لیکن جب انسان اللہ اور آخرت کے خوف سے اس کے
تقاضے کو پورا نہ کرے تو اس کا نفس نَوَّامٌ بن جاتا ہے یعنی برے کاموں پر ملامت
کرنے والا اور ان سے توبہ کرنے والا جیسا کہ نیک و صالحین کے نفوس ہوتے ہیں۔ اور
جب کوئی انسان نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے اپنے نفس کو اس حالت تک پہنچا دے
کہ برے کاموں کا تقاضہ بھی اس میں نہ رہے تو وہ نفس مُطْمَئِنِّنٌ کہلاتا ہے۔ یہ کیفیت عموماً
کثرتِ عبادت اور گناہوں سے سخت پرہیز کے بعد پیدا ہو جاتی ہے تاہم اس کیفیت کا
ہمیشہ قائم رہنا یقینی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے بے فکر ہو جانا سخت خطرہ پیدا کر دیتا ہے۔
صدیقین و صالحین کے نفوس عموماً ایسے ہی ہو جاتے ہیں لیکن انبیاء کرام کو عطا فرخداوندی
سے ایسا نفس مُطْمَئِنِّنٌ بغیر کسی سابقہ مجاہدہ کے نصیب ہو جاتا ہے اور وہ ہمیشہ اسی حالت پر
قائم رہتا ہے اس میں کسی قسم کا ضعف یا تخلف نہیں ہوتا۔ جس شخص کو نفس مُطْمَئِنِّنٌ

نصیب ہو جائے وہ بھی اللہ کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے۔

پُر معنی خاموشی

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ایک طرف تو ان کے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے فراق میں روتے روتے نابینا ہو گئے۔ دوسری جانب حضرت یوسف علیہ السلام چالیس سال کے طویل زمانے میں ایک مرتبہ بھی اپنی خیریت اور اطلاع کسی ذریعہ سے انھیں پہنچانے کی زحمت نہ کی جبکہ عزیز مصر کے گھر میں ہر طرح کی سہولت ممکن تھی، علاوہ ازیں جیل کی آٹھ دس سالہ زندگی میں بھی ایسا نہ سوچا اور خاص طور پر جب مصر کا اقتدار ہاتھ آیا اس وقت تو خود چل کر والد کی خدمت میں حاضری دیتے لیکن یہ بھی نہ کیا، حتیٰ کہ جب بھائی غلہ لینے کے لئے آئے تو ان کو بھی اصل واقعہ کے اظہار کے بغیر رخصت کر دیا۔

یہ تمام حالات کسی عام انسان سے بھی تصور نہیں کئے جاسکتے۔ جبکہ اللہ کے برگزیدہ رسول سے یہ صورت کیسے بر داشت ہوئی؟ اس طویل اور حیرت انگیز خاموشی کا جواب غالباً یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت خاص کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے اظہار سے روک دیا ہوگا اور یہی جواب حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر کا ہے۔ تفسیر قرطبی میں اسکی یہ ہی وجہ لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ کی حکمتوں کو خود وہی جانے۔ انسان اسکا کہاں اور آگ کر سکتا ہے۔ کبھی کوئی چیز کسی کے سمجھ میں آجاتی ہے تو وہ اسکو بیان کر دیتا ہے ورنہ ہزار ہا امور ایسے ہیں جن کی حقیقت سے دنیا عاجز اور بے بس ہے لیکن وہ بعد میں ہی مفید و مناسب ظاہر ہوتی ہیں۔ وجہ یہی کہ اس واقعہ کے ابتداء ہی میں جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا ہے بلکہ بھائیوں کی کوئی سازش ہے تو اس کا طبعی تقاضہ یہ تھا کہ اسی وقت جگہ پر پہنچتے اور تحقیق فرمالیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کا دھیان اس طرف نہ جانے دیا اور پھر مدتوں کے بعد بیٹوں سے فرمایا:۔

”جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے

مایوس نہ ہو۔“

جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سب اسباب اسی طرح جمع کر دیتے ہیں کہ ایک چیز عدم سے وجود میں اور وجود سے عدم میں آجاتی ہے۔ اللہ کے قدرت قاہرہ کی یہی حقیقت ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ سَرَّ الْعَالَمِينَ۔

انبیاء و رسل کی قوتِ ادراک | سورہ یوسف آیت ۹۷، ۹۸ کا ترجمہ

پھر یکبار پڑھیے :-

”اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو اُن کے باپ (یعقوب علیہ السلام) نے (اپنے شہر کنعان میں) کہا میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں (کہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہوں)۔

گھر کے لوگ بولے اللہ کی قسم آپ ابھی تک اپنے اُسی پر اُ غلط خیال میں ہیں۔ پھر جب خوشخبری لانے والا آیا اُس نے یوسف علیہ السلام کا قمیص یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈال دیا یکایک اُن کی بینائی لوٹ آئی، تب کہا میں تم سے کہتا نہ تھا بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“

اس سے انبیاء علیہم السلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص لے کر مصر سے چلا ہے ادھر سینکڑوں میل کے فاصلے پر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے گھر میں اُس کی مہک پالیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو یہ قوتیں اللہ کی بخشش و انعام کے طور پر بعض اوقات دے دی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ جب اور جس وقت چاہتا ہے ان قوتوں سے کام کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ایسی فوق البشر قوتیں کسی مخلوق کی ذاتی اور ابدی نہیں ہوتیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام برسوں مصر میں موجود رہے اور کبھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی خوشبو نہ آئی، دور نہیں گھر کے قریب ہی بھائیوں نے کنویں

میں پھینک دیا تھا اس کا احساس تک نہ ہوا۔ تین دن تک مطلوبانہ کنویں میں پڑے رہے
پر کوئی خبر نہ لے سکے۔

”شہر مصر سے کنعان کا فاصلہ اُس زمانے میں آٹھ دن کی فاصلہ

پر تھا۔ (ابن عباسؓ)

اور حضرت حسن بصریؒ کے قول کے مطابق انہی فرسخ تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا۔
جب اللہ کی مشیت و مرضی ہو جاتی ہے یکایک قوت اور اک کی تیزی کا یہ عالم ہو گیا کہ ابھی
اُن کا قمیص مصر سے چلا ہے اور وہاں اُن کی مہک آنی شروع ہو گئی۔
فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يَمُوتُ وَلَا يَخُولُ۔

شیخ سعدیؒ نے اس واقعہ کو اپنی رُباغی میں اس طرح ادا کیا ہے :-

ایک شخص نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پوچھا	بچے پر سید از آں گم کردہ فرزند
اے روشن دل پیر خردمند	کہ اے روشن گھر پیر خردمند
آپنے ایڑیٹے یوسف کو اپنی شہر کنعان میں کیوں نہ دیکھا	چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
جبکہ ملک مصر کو انکے قمیص کی خوشبو پائی ؟	زمهرش بوئے پیراہن شنیدی
فرمایا ہمارا حال دنیا کے برق کی طرح ہے۔	بگفتا حال ما برق جہا نست
کبھی اچانک ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی بالکل غائب	وے پیدا و دم دیگر نمائند

سجدہ کی حقیقت جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادرانِ یوسف

مصر کے دار السلطنت پہنچے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے اعیان سلطنت کے ساتھ عظیم مائتاپ کا استقبال
کیا اور اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اس وقت سب کے
سب یوسف علیہ السلام کے آگے بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اے ابا جان! یہ تعبیر ہے میرے
اُس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ (یوسف آیت ۷۵)

لفظ سجدہ سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک جماعت نے اسی آیت سے
استدلال کر کے بادشاہوں، پیروں، درویشوں اور قبروں کو سجدہ کرنے کا جواز

نکال لیا ہے اور چونکہ قرآن و حدیث میں سجدہ صرف اللہ کے لئے بیان کیا گیا ہے اور کسی مخلوق کے لئے نہیں تو اس ممانعت سے بچنے کے لئے انھوں نے سجدہ کو دو قسم میں تقسیم کر دیا :-

سجدہ عبادت، سجدہ تحیت (تعظیمی)

”سجدہ عبادت“ کو اللہ کے ساتھ خاص کر دیا کہ یہ صرف اللہ ہی کے لئے کیا جاسکتا ہے اور ”سجدہ تحیت“ عام ہے کسی کی تعظیم و تکریم کے لئے احتراماً سجدہ کیا جاسکتا ہے اور یہ عبادت کے جذبہ سے خالی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تقسیم ہی اپنی ذات میں غلط ہے کیونکہ ہر ”سجدہ عبادت“ تعظیم کا حامل ہوتا ہے۔ عبادت دراصل انتہائی تعظیم ہی کا نام ہے۔ لہذا ہر سجدہ تحیت ”سجدہ عبادت“ ہی ہوگا۔ پھر سجدہ کی تقسیم ہی غلط قرار پاتی ہے۔

بہر حال یہ ساری غلط فہمیاں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ آیت میں سجدہ کو موجودہ اسلامی سجدہ کا ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے یعنی دونوں ہاتھ، گھٹنے، پیشانی کا زمین پر رکھ دینا حالانکہ سجدہ کے حقیقی معنی محض جھکنے اور خم ہو جانے کے ہیں۔ تذکرہ یوسف علیہ السلام میں بھائیوں کا سجدہ میں گر جانا اسی معنی میں ہے کہ وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مرتبے کو دیکھ کر جھک گئے۔ یہ معنی اس لئے بھی درست ہیں کہ جھکنے والوں میں حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک حلیل القدر پیغمبر و رسول کا غیر اللہ کو سجدہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کو سجدہ کریں۔ جبکہ سجدہ کسی بھی ملت میں غیر اللہ کے لئے روا نہ رکھا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں سجدہ کا ذکر آیا ہے وہ صرف اللہ واحد کے لئے خاص ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ سجدہ عبادت ہے اور عبادت کسی بھی آسمانی ملت میں غیر اللہ کے لئے شرک قرار دی گئی ہے تو غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کا کوئی جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي

خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (رحم سجدہ آیت ۱۷)

”سجدہ نہ سورج کو کرو نہ چاند کو، اور اُس اللہ کو کرو جس نے ان

سب چیزوں کو پیدا کیا ہے جبکہ تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔“

سورج و چاند کو پوجنے والے بھی زبان سے یہی کہتے ہیں کہ ہمارے غرض ان چیزوں کی

پرستش ہے اللہ ہی کی پرستش ہے مگر اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتلادیا ہے کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں ہیں عبادت کا مستحق صرف ایک اللہ ہے کسی بھی غیر کی عبادت و پرستش کرنا اللہ واحد سے بغاوت کرنے کا مترادف ہے۔

”حدیث صحیحین میں ہے کہ حضرت معاذ بن جب ملک شام گئے وہاں دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں تو واپس آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کرنے لگے آپ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت کو کہتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔“ (بخاری و مسلم)

اسی طرح حضرت سلمان فارسی نے اپنی قوم کی عادت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا:-

لَا تَسْجُدْ لِي يَا سَلْمَانُ وَاسْجُدْ لِلْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ۔

”اے سلمان مجھے سجدہ نہ کر بلکہ سجدہ صرف اُسی ذات کو کر جو

حی و قیوم ہے جسکو کبھی فنا نہیں۔“ (ابن کثیر)

جن اہل علم نے بھی یہ جو لکھا ہے کہ پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا لیکن اس شریعت میں یہ بھی ممنوع ہو گیا یہ غالباً اس لئے لکھا ہے کہ چونکہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا یا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ہے۔

حالانکہ یہ کوئی جواب نہیں کیونکہ یہاں دعویٰ اور دلیل ایک ہی ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا اور دلیل بھی یہی ہے کہ برادرانِ یوسف نے تعظیمی سجدہ کیا ہے۔

اگر یہ کسی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا تو پھر ثبوت میں برادرانِ یوسف کا عمل دلیل ہو سکتا تھا۔

نہ جانے کس بنیاد پر یہ لکھ دیا گیا کہ پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا جبکہ قرآن و حدیث میں سجدہ کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ دراصل یہ ساری غلط فہمیاں جیسا کہ لکھا گیا ہے آیت میں سجدہ کو موجودہ اسلامی

سجدہ کا ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

قدیم تہذیب اور جاہلی دور میں یہ عام طریقہ تھا اور آج بھی بعض ملکوں میں سکا رواج ہے کہ کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے یا کسی کا استقبال کرنے کے لئے یا محض سلام کرنے کے لئے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد تک آگے کی طرف جھکتے ہیں۔ اسی جھکاؤ کے لئے عربی میں سجود اور انگریزی میں (Bow) کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

بائبل میں اسکی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ قدیم زمانے میں یہ طریقہ آداب تہذیب میں شامل تھا۔ ایک مقام پر بائبل میں یہ ذکر ملتا ہے کہ بابل کی اسیری کے زمانے میں جب اخسویرس بادشاہ نے ہامان کو اپنا امیرالامرا بنایا اور حکم دیا کہ سب لوگ سجدہ تعظیمی بجالایا کریں تو مروکی نے جو بنی اسرائیل کے اولیاء اللہ میں سے تھے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا، تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے یہ تفصیل دی گئی ہے :-

”بادشاہ کے ملازمین نے کہا آخر تو ہامان کو سجدہ کرنے سے کیوں

انکار کرتا ہے؟ ہم بھی آدمی ہیں مگر شاہی حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اُس

نے جواب دیا تم لوگ نادان ہو! کیا ایک فانی انسان جو کل خاک میں مل جائے

واللہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اُسکی بڑائی مانی جائے؟ کیا میں اُسکو

سجدہ کروں جو ایک غورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو! کل بچہ تھا آج جوان ہے،

کل بوڑھا ہوگا اور پرسوں مرجائے گا؟ نہیں میں تو اُس ازلی وابدی خدا

ہی کے آگے جھکوں گا جو حی و قیوم ہے جو کائنات کا خالق اور حاکم ہے،

میں تو بس اُسی کی تعظیم بجالاؤں گا اور کسی کی نہیں۔“

یہ تقریر نزول قرآن سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے ایک اسرائیلی مومن کی زبان سے ادا

ہوئی ہے اور اسمیں کوئی شائبہ نہیں کہ غیر اللہ کو کسی بھی معنی میں سجدہ کرنا جائز ہو۔

برادران یوسف کا سجدہ کرنا یا فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا،

اگر اس سجدہ سے مراد وہ عمل ہو جسے اسلامی اصطلاح میں سجدہ کہا جاتا ہے تو پھر وہ اللہ

کی بھیجی ہوئی کسی شریعت میں کبھی کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں رہا ہے۔

قدیم کتب تفاسیر اسپر شاہد ہیں کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی غیر اللہ کیلئے سجدہ

کا لفظ آیا ہے اُس سے مراد صرف جھک جانا ہے یا زمین بوس ہونا، بے انتہا تواضع کرنا مراد ہے۔

فرشتے اللہ کے حکم پر آدم علیہ السلام کے آگے جھک گئے۔ برادرانِ یوسف اور مانباپ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت و شان دیکھ کر جھک گئے۔
(تفسیر کبیر، معالم التنزیل، جلالین، روح المعانی، کثاف وغیرہ)

یہاں اس فرق کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ سجدہ تعظیمی کا رواج اگر قدیم تہذیبوں میں رائج و معروف تھا بادشاہوں کے دربار میں عام طور پر کیا جاتا تھا یا بلند و اونچی شخصیات کے لئے بھی بطور تعظیم ادا کیا جاتا ہو، ممکن ہے ایسا گزشتہ ادوار میں رہا ہو لیکن کسی آسمانی شریعت میں یا نبیوں کے قائم کردہ نظام میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیم کا ثبوت اور اس کا رواج قرآن و حدیث کی تصریح کا محتاج ہے جو باوجود تحقیق و تلاش کے ہمیں حاصل نہ ہو سکا۔

یہی وجہ ہے کہ تمام قدیم مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ برادرانِ یوسف کا سجدہ یا فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا تعظیماً آگے جھکنا تھا یا زمین بوس ہونا تھا۔

علاوہ ازیں اگر برادرانِ یوسف نے اپنے بھائی کو اسلامی سجدہ ہی کیا ہو تب بھی یہ اس بات کا ثبوت نہیں بنتا کہ غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اپنے رواج و تہذیب کی بناء پر ایسا کئے ہوں۔ قرآن حکیم نے صرف واقعہ نقل کیا ہے کوئی ترغیب یا تعریف نہیں کی ہے۔

علاوہ ازیں بکثرت مقامات پر اللہ نے سجدہ کو صرف اپنی ذات کے لئے خاص کیا ہے۔ بہر حال قدیم کتب تفسیر کی مراجعت کے بعد اس مسئلہ میں جو حقیقت ظاہر ہوئی وہ درج کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم۔

ایک گہری حقیقت | سیدنا یوسف علیہ السلام کے اس تفصیلی قصہ سے

قرآن حکیم ایک اور گہری حقیقت بھی انسان کے ذہن نشین کراتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ بہر صورت پورا ہو کر رہتا ہے۔ انسان اپنی مختلف تدبیروں اور منصوبوں سے اس کو روکنے یا بدلنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بسا اوقات انسان ایک کام اپنے منصوبے کی خاطر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے

اپنا منصوبہ پورا کر لیا ہے مگر نتیجہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے اُسی کے ہاتھوں سے وہ کام لے لیا جو اُسکے اپنے منصوبے کے خلاف اور اللہ کی مرضی و منشاء کے عین مطابق تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب انھیں کنویں میں پھینک رہے تھے تو اُن کا گمان تھا کہ ہم نے اپنی راہ کا کاٹنا ہمیشہ کے لئے دور کر دیا، مگر فی الواقع انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس بام عروج کی پہلی سیڑھی پر اپنے ہاتھوں لا کھڑا کیا جس پر اللہ کو پہنچانا منظور تھا۔ عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں ڈال کر اپنے نزدیک تو اُن سے انتقام لے لیا مگر فی الواقع اُس نے ان کے لئے تخت سلطنت تک پہنچنے کا راستہ فراہم کیا اور اپنی اس تدبیر سے خود اپنے لئے اسکے سوا کچھ نہ کمایا کہ وقت آنے پر فرمانروائے سلطنت کی ”مُحْسَنہ“ کہلانے کے بجائے علی الاعلان اپنی خیانت کے اعتراف کی شرمندگی اُٹھانی پڑی۔

یہ محض دو چار استثنیٰ واقعات نہیں ہیں بلکہ تاریخ ایسے بے شمار مثالوں نے بھری پڑی ہے جو اس گہری حقیقت کی گواہی دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے اُٹھانا چاہتا ہے ساری دنیا ملکر اُسکو گرا نہیں سکتی، بلکہ دنیا جس تدبیر کو اسکے گرانے کی نہایت کارگر اور یقینی تدبیر سمجھ کر اختیار کرتی ہے اللہ تعالیٰ اُسی تدبیر میں سے اُسکے اُٹھنے اور ابھرنے کی صورتیں نکال دیتا ہے اور اُن لوگوں کے حصے میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں آتا جنھوں نے اُسے گرانا چاہا تھا اور اسی طرح اسکے برعکس اللہ جسے گرانا چاہتا ہے اُسے کوئی تدبیر سنبھال نہیں سکتی بلکہ سنبھالنے کی ساری تدبیریں الٹی پڑتی ہیں اور ایسی تدبیریں کرنے والوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

وَمَكْرُؤٌ دَمَكْرٍ ۚ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَاكِرِينَ۔

روحِ تذکرہ | حقیقت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے معاملہ پر چسپاں کر کے قرآن حکیم نے گویا ایک واضح پیشگوئی کر دی تھی جسے آئندہ دس سال کے واقعات نے حرفِ صحیح ثابت کر دیا۔

اس سورہ کے نزول پر دو ڈیڑھ سال ہی گزرے ہوں گے کہ اہل قریش

برادران یوسف کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور آپ کو بحکم الہی مکہ مکرمہ سے نکلنا پڑا۔ پھر اُن کی توقعات کے خلاف جیسا کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اُنہوں نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال کر گویا آپ کے لائے ہوئے دین کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن آپ کو اس جلاوطنی میں ویسا ہی عروج و اقتدار نصیب ہوا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہوا تھا۔

پھر فتح مکہ کے موقع پر ٹھیک ٹھیک وہی کچھ پیش آیا تھا جو مصر کے پایہ تخت میں یوسف علیہ السلام کے سامنے اُن کے بھائیوں کی آخری حضوری کے موقع پر پیش آیا تھا۔ جہاں برادران یوسف انتہائی عجز و در ماندگی کی حالت میں اُن کے آگے ہاتھ پھیلا کر کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ :-

تَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ .

(آیت ۷۷)

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود انہیں معاف کر دیا اور فرمایا :-

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ

الرَّاحِمِينَ . (آیت ۷۸)

”آج تم پر کوئی گرفت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب

رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

اسی طرح یہاں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکست خوردہ قریش سرنگوں کھڑے ہوئے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایک ایک ظلم کا بدلہ لینے کے موقف میں تھے آپ نے دریافت کیا تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ اُنہوں نے عرض کیا :-

أَخْ كَرِيْهُوْ دَابُّنْ آخْ كَرِيْمِ .

”آپ ایک عالی ظرف بھائی ہیں اور ایک عالی ظرف بھائی کے

بیٹے ہیں۔“

اس پر آپ نے فرمایا :-

فَإِنِّي أَقُولُ لَكُمْ كَمَا قَالَ يُوسُفُ لِإِخْوَتِهِ
لَا تَحْزَنْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ
إِذْ هَبُوا فَأَنْتُمْ الظُّلَقَاءُ۔

”میں تمہیں وہی جواب دیتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں
کو دیا تھا کہ آج تم پر کوئی گمراہی نہیں، جاؤ تمہیں معاف کیا۔“
لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلْمُتَعَلِّمِينَ۔
یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصے میں ان پوچھنے
والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

تذکرہ سیدنا شعیب علیہ السلام اور اصحاب الایکہ

تعارف

مشہور اسلامی مؤرخ محمد بن اسحاق کے بیان کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے صاحبزادے مدین کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام سے بھی رشتہ قرابت رکھتے ہیں۔ جس بستی میں ان کا قیام تھا اُس کو بھی شہر مدین کہا جاتا تھا۔ گویا مدین ایک قوم کا بھی نام ہے اور ایک شہر کا بھی۔ یہ شہر آج بھی شرق اردن کی بندرگاہ معان کے قریب موجود ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وعظ و نصیحت کا معجزانہ انداز عطا کیا تھا۔ اسی حُسنِ خطابت کی وجہ سے انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم میں دس جگہ آیا ہے۔

سورۃ اعراف	آیات	۸۵، ۸۸، ۹۰، ۹۲
سورۃ ہود	آیات	۸۴، ۸۷، ۹۱، ۹۴
سورۃ شعراء	آیت	۱۷۷
سورۃ غنکوت	آیت	۳۶

قوم شعیب

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت مدین میں ہوئی۔ مدین کسی مقام کا نام نہیں ہے بلکہ قبیلہ کا نام ہے۔ یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا جو اُن کی تیسری بیوی قطورہ سے پیدا ہوا تھا اسلئے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا یہ خاندان بنی قطور کہلاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں: سارہ، ہاجرہ، قطورہ۔

حضرت سارہ کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے ان کے دو بیٹے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے باپ قرار پائے، دوسرے عیسو جنکا لقب ادوم تھا۔

سیدہ ہاجرہ کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا جن کا نام حضرت اسمعیل علیہ السلام ہے۔ سیدہ قطورہ کے بطن سے کئی ایک بچے ہوئے جن میں ایک کا نام مدین تھا۔ عرب ہی میں ان کے باپ نے اُن کو بسایا تھا۔

انہی تینوں ازواج سے حسب ذیل مشہور زمانہ قومیں پیدا ہوئیں۔
۱۔ بنو قطورہ انیس سے اہل مدین اور اہل ودان (اصحاب الایکہ) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم۔

۲۔ بنو سارہ میں سے ادوم (یعنی حضرت ایوب اور ان کی قوم)
۳۔ بنو ہاجرہ میں سے حضرت اسمعیل علیہ السلام، اصحاب الحجر، قیدار، قریش۔
مدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسمعیل علیہ السلام کے پہلو میں حجاز آکر آباد ہو گیا تھا۔ پھر یہی خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی چونکہ اسی نسل سے تھے اس لئے انکی بعثت کے بعد یہ قوم، قوم شعیب کہلائی۔

مدین، اصحاب الایکہ | مفسرین کرام اس بارے میں مختلف انخیال ہیں۔ آیا

مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قبیلے کے دو نام ہیں یا دو جدا جدا قبیلے ہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ دونوں جدا جدا قبیلے ہیں۔ مدین متمدن اور شہری قبیلہ تھا اور اصحاب الایکہ دیہاتی و بدوی قبیلہ تھا جو جنگل اور بن میں آباد تھا۔ ”ایکہ“ کے معنی خود جنگل اور بن کے ہیں۔ اس لئے اسکو جنگل والا یا بن والا کہا گیا۔
قرآن حکیم نے اس قبیلے کی آبادی کے متعلق دو لفظوں سے اس کا تعارف کرایا ہے۔

ایک یہ کہ یہ قبیلہ اِمَامِ مُبِیْن پر آباد تھا۔
 وَلَا تَقْعَبُوا لَبِائِمًا مِّمَّنْ مُبِیْن (حجرات ۷۹)
 اور قوم لوط اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھے۔
 دوسرے یہ کہ وہ اصحاب الایکہ تھے (جھنڈ والے یا بن والے)
 كَذَّبَ اصْحَابُ الْاَيْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ (شعراء آیت ۷۷)
 ”ایک والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔“

عربی زبان میں ”ایک“ ایسی سرسبز و شاداب جھاڑیوں کو کہا جاتا ہے جو ہرے بھرے
 درختوں کی کثرت سے جھنڈ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔
 تفسیر روح المعانی میں ابن عساکر کے حوالہ سے یہ مرفوع حدیث منقل کی گئی ہے:-
 اِنَّ مَدِیْنَہَ وَ اصْحَابَ الْاَيْكَةِ اَمْتَانِ بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰی
 اِلَیْھِمَا شُعَیْبًا (المحدث)

”مدین اور اصحاب الایکہ دو قومیں تھیں جنکی جانب حضرت

شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔“

ان دونوں باتوں کے جان لینے کے بعد مدین کی آبادی کا پتہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے
 وہ یہ کہ مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور
 خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا، قدیم زمانے میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے
 یمن سے مکہ اور نبیوے ہوتی ہوئی ملک شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری شاہراہ جو
 عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی اُس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں آباد تھیں۔
 عرب کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے اسکے آثار قدیمہ کے درمیان
 سے گزر کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ کی تحقیق ہے کہ یہاں ایک نامی ایک درخت تھا اہل قبیلہ چونکہ

اسکی عبادت کیا کرتے تھے لہذا اس نسبت سے مدین کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔

گویا یہ دونوں نام ایک ہی قبیلے کے ہیں۔ اس خیال کی تائید میں بعض مفسرین لکھتے
 ہیں کہ آب و ہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اس قدر
 شاداب اور پُر فضا بنا دیا تھا اور یہاں میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے

کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہو کر نظارہ کرتا تھا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار داب گھنے درختوں کا جھنڈ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے اسکو ”ایک“ (جھنڈ) کہہ کر تعارف کروایا۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں خیال اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ بلاشبہ دو الگ قبیلے ہیں مگر ہیں ایک ہی نسل کی دو شاخیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد انکی تیسری بیوی سیدہ قطورہ کے بطن سے تھی وہ عرب اور اسرائیل کی تاریخ میں بنی قطورہ کے نام سے معروف رہی ہیں، ان میں سے ایک قبیلہ جو سب سے زیادہ مشہور ہو وہ مدین بن ابراہیم کی نسبت سے اصحاب مدین کہلایا۔

باقی سیدہ قطورہ کی دوسری اولاد جن میں بنی ودران نسبتاً زیادہ مشہور ہیں۔ شمالی عرب میں تیمار اور تبوک کے درمیان آباد ہوئے۔ ان کا صدر مقام تبوک تھا جیسے قدیم زمانے میں ایکہ کہتے ہیں۔

اصحاب مدین کا آغاز عہد دو ہزار بیس برس قبل مسیح شمار کیا جاتا ہے کیونکہ یہی زمانہ مدین کے پدر محترم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ہے۔

قرآن حکیم میں مدین کا ذکر دو وجہ سے آیا ہے۔

اول۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق سے۔

دوم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق سے۔

سورہ طہ آیت ۱۲۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چند سال قیام مدین کا ذکر ہے۔

سورہ قصص آیت ۲۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

”حضرت شعیب علیہ السلام ان دونوں قبیلوں کے پیغمبر تھے، ان دونوں قبیلوں کے عادات و اطوار تقریباً یکساں تھے۔ چونکہ دونوں ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے، ایک ہی زبان بولتے تھے۔ ان کے علاقے بھی ایک دوسرے سے قریب اور متصل تھے۔ اور ان دونوں شاخوں کا پیشہ بھی تجارت تھا، دونوں میں ایک ہی طرح کی تجارتی بے ایمانیاں اور مذہبی و اخلاقی بیماریاں پائی جاتی تھیں۔ چونکہ

یہ لوگ اُس زمانے میں بین الاقوامی تجارت کی ڈوڈی شاہریوں پر آباد تھے جسکی وجہ سے بڑے پیمانے پر رہنری کا سلسلہ پھیلا رکھا تھا دوسری قوموں کے تجارتی قافلوں کو بھاری ٹیکس لئے بغیر گزرنے نہ دیتے تھے اور راستہ کا امن خطرے میں ڈال رکھا تھا۔

سورۃ اعراف آیت ۷۶ میں ان کی اس بد عملی کا تذکرہ موجود ہے۔

دعوت و تبلیغ

حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ قوم خدا بیزاری اور معصیت کاری کا شکار تھی۔ یہ صرف افراد کی حد تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ساری قوم اسی گرداب ہلاکت میں مبتلا تھی۔ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو یہ احساس نہ تھا کہ یہ سب کچھ گناہ و معصیت ہے بلکہ وہ اپنے ان اعمال پر فخر کیا کرتے تھے۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لاکر جہاں حقوق اللہ کی خلاف ورزی کر رہے تھے وہاں خرید و فروخت میں ناپ تول گھٹا کر لوگوں کے حقوق بھی ضائع کر رہے تھے۔ مزید یہ کہ راستوں اور سر راہ بیٹھ کر آنے جانے والے مسافروں کو ڈرایا دھمکایا کرتے اور لوٹ مار مچا کرتے تھے۔

یہ ان کے شدید جرائم تھے جن کی اصلاح کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔

اللہ کی توحید اور شرک بیزاری کا اعتقاد تو تمام انبیاء کرام کی مشترکہ تعلیم ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے حصہ میں بھی آئی مگر قوم کی مخصوص بد اخلاقیوں پر توجہ دلانے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے انھوں نے اس قانون کو بھی اہمیت دی کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں ہمیشہ یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو جس کا حق ہے وہ پورا پورا اُسکو ملے۔

اپنی اس قوم کی اصلاح کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے تین باتیں خصوصیت سے فرمائی ہیں:-

اول یہ کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اُسکے سوا تمہارا اور کوئی

معبود نہیں۔

یہ ہی وہ دعوت توحید ہے جو تمام انبیاء کرام دیتے آئے ہیں اور جو تمام عقاید اور اعمال کی بنیاد ہے۔ چونکہ یہ قوم بھی مخلوق پرستی میں مبتلا تھی اس لئے ان کو سب سے پہلے یہی پیغام دیا۔
دوم یہ بات فرمائی کہ ناپ اور تول میں کمی زیادتی نہ کرو
ٹھیک ٹھیک معاملہ کرو۔

سوم یہ کہ تم لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے راستوں پر نہ بیٹھا کرو۔

اسکا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ عام شاہراؤں پر بیٹھ کر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آنے والوں کو ڈراتے دھمکاتے تھے اور اجنبی اور مسافروں کے مال و اسباب بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔

علامہ قرطبیؒ نے ان کا یہ عمل بھی نقل کیا ہے کہ وہ لوگ عام مسافروں سے ناجائز ٹیکس بھی وصول کیا کرتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی، حسن خطاب، ادائے بیان اور طاقت لسانی میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اپنی قوم کو نرم و گرم ہر طریقے سے رشد و ہدایت کے کلمات ارشاد فرمائے مگر بے نصیب قوم پر اسکا کوئی اثر نہ ہوا، چند ضعیف اور کمزور انسانوں کے علاوہ کسی نے بھی ان کے پیغام حق پر کان نہیں دھرا، وہ خود بھی اسی طرح بد عمل رہے اور دوسروں کی راہ بھی مارتے رہے، لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت حق جاری رہی۔ قوم کے سربراہ اور وہ افراد نے جنکو اپنی شوکت و طاقت پر غرور تھا حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکایا کہ یا تجھ کو اور تیری قوم کو اپنی اس بستی سے نکال باہر کر دیں گے یا پھر تم کو ایسا مجبور کر دیں گے کہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام پھر بھی یہ فرماتے تھے کہ
”اے قوم میں اپنی مقدور بھرتہاری اصلاح کی کوشش

کروں گا اور میں جو کہتا ہوں اُسکی صداقت اور سچائی کے لئے اللہ کی حجت اور دلیل اور کھلی نشانی بھی پیش کر رہا ہوں۔ اسپر میں کوئی عوض و بدلہ بھی تو طلب نہیں کر رہا ہوں، میرا اجر تو صرف اللہ ہی کے ہاں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہیں اللہ کا عذاب تم کو ہلاک و برباد نہ کر دے جیسا کہ تم سے پہلے قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح کو پیش آچکا ہے۔ اور قوم لوط کا معاملہ تم سے کچھ دور نہیں ہے۔ دیکھو اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اُسکی طرف لوٹ جاؤ۔ بیشک میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا اور بڑا ہی محبت والا ہے۔“

اصلاح قوم کے لئے یہ طویل جدوجہد، وعظ و تذکیر، قوم کی بغاوت و سرکشی اور عبرتناک انجام قرآن حکیم کی آیات ذیل میں تفصیلاً مذکور ہے:-

قرآنی مضمون

وَالْمَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَبْقَوُہُ الْعِبَادُ
اللَّهُ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَہٍ غَيْرُهُ ۚ إِنَّمَا زُفِّرُوا سَمَۃً ۚ
اور ہم نے مدین والوں کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا انھوں نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو تم صرف اللہ کی عبادت کرو اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں کمی نہ کرو (کیونکہ) میں تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں (پھر تم کو ناپ تول میں کمی کر سکی کیا ضرورت ہے۔ یعنی اللہ نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے پس کفرانِ نعمت سے بچو) اور میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب پر چھا جائے گا۔

اور اے میری قوم کے لوگو ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، لوگوں کو اُن کی چیزیں (اُن کے حق سے) کم نہ دو اور ملک میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

اگر تم میرا کہا مانو تو جو کچھ اللہ کا دیا بیچ رہے اُسی میں تمہارے لئے بہتری ہے اگر تم کو یقین آئے، اور میں تم پر پہرہ دینے والا تو

نہیں ہوں۔

لوگوں نے کہا اے شعیب کیا یہ تیری نمازیں (جو تو اپنے رب کے لئے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جنکی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں اور اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں تصرف کریں واقعی آپ بڑے عقلمند دین پر چلنے والے ہیں۔

شعیب نے کہا اے میری قوم کے لوگو کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اُس کے فضل و کرم کا یہ حال ہو کہ اچھی سے اچھی روزی عطا فرما رہا ہو (تو پھر میں بھی چپ رہوں اور تمہیں راہ حق کی طرف نہ بلاؤں) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روک رہا ہوں خود اُس کے خلاف چلوں میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں اُس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ میں اسے سو اچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں۔ میرا کام بنتا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے۔ میں نے اُسی پر بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف رجوع ہوا اور اے میری قوم کے لوگو!

میری ضد میں آکر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آجائے جیسا کہ قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو پیش آچکا ہے اور قوم لوط کا معاملہ تو تم سے کچھ دور نہیں ہے اور دیکھو اللہ سے معافی مانگو اور اُسی کی طرف لوٹ جاؤ۔ میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا بڑا ہی محبت والا ہے۔

لوگوں نے کہا اے شعیب تم جو کچھ کہتے ہو اُس میں اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک کمزور آدمی ہو اور اگر (تمہارے ساتھ) تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیتے اور تم ہمارے

سانے کوئی ہستی نہیں۔

شعیب نے کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ اور اللہ تمہارے لئے کچھ نہ ہو اگر اُسے پیچھے ڈال دیا؟ (اچھا) جو تم کرتے ہو میرے پروردگار کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔

اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ، میں بھی اپنی جگہ سرگرم عمل ہوں، بہت جلد معلوم کر لو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اُس کو رُسوا کرے گا اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا۔

وَمَا لِي مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَتَقَوَّمُ عِبْدُ الرَّحْمَنِ
مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَاتٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ
(الاعراف آیات ۷۵ تا ۷۹)

”اور ہم نے مدین والوں کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا اُنھوں نے فرمایا اے میری قوم تم صرف اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (میرے نبی ہونے پر) واضح دلیل آچکی ہے تو تم ناپ تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان نہ کرو (جیسا کہ تمہاری عادت ہے) اور روئے زمین پر بعد اُسکے کہ اُسکی درستی کر دی گئی فساد نہ پھیلاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میری تصدیق کرو۔ اور تم راستوں پر اس غرض سے نہ بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور ان کو اللہ کی راہ سے روکو اور اُس راہ میں کجی اور شبہات کی تلاش میں لگے رہو اور اُس حالت کو یاد کرو جبکہ تم کم ہفتے پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھ لو کیسا بُرا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا۔ اور اگر تم میں سے بعضے تو اُس حکم پر جسکو دیکر مجھے بھیجا گیا ہے ایمان لاتے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لاتے تو ذرا

ٹھہر جائیہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ (عملی) فیصلہ کئے دیتے ہیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔

اُنکی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب (یا درکھ) ہم تجھ کو اور جو تیرے ہمراہ ایمان لانے والے ہیں۔ اُن کو اپنی بستی سے نکال باہر کر دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آ جاؤ۔ شعیب نے جواب دیا کیا ہم تمہارے مذہب میں آجائیں گے گو ہم اسکو سکر وہ (اور قابل نفرت) ہی سمجھتے ہوں؟ (ایسی صورت میں) ہم تو اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے۔

اگر (خدا نہ کرے) ہم تمہارے مذہب میں آجائیں (خصوصاً) بعد اسکے کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی ہو اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں آجائیں لیکن ہاں اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے (ہمارے) مقدر میں کیا ہو۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔

اور اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے (شعیب علیہ السلام کی یہ تقریر سنکر) کہا اے لوگو! اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو تو بیشک بُرا نقصان اٹھاؤ گے۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ الْمُنَافِقَةِ الْمُرْسَلِينَ - إِذْ قَالَ لَهُمُ
شُعَيْبٌ أَتِئْتُمُونَنَا ۚ (الشعراء آیات ۷۶ تا ۷۹)

اصحاب الایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اسپر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذریعہ ہے۔

گم لوگ پورا پورا ناپاکہ و اور نقصان نہ کیا کرو۔ اور سیدھی ترازو سے تولاد کرو۔ اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور زمین میں فساد نہ مچایا کرو۔ اور اُس (خدا) سے ڈرو جس نے تم کو تمام اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

وہ لوگ کہنے لگے (اے شعیب) تجھ پر تو کسی نے بڑا مہاری جادو کر دیا ہے۔ اور تو تو محض ہماری طرح ایک بشر ہے اور ہم تجھ کو صرف جھوٹے لوگوں میں خیال کرتے ہیں۔ سو اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔

شعیب نے کہا تمہارے اعمال کو میرا رب خوب جانتا ہے سو اُن لوگوں نے (شعیب) کو جھٹلادیا پھر اُنکو سائبان کے واقعہ نے آپکڑا بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔

اسمیں عبرت ہے، اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور بیشک تیرا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے۔“

آخری انجام | آخر وہی ہوا جو قانون الہی کا ابدی و سرمدی فیصلہ ہے۔ یعنی۔

حُجَّت و برہان کی روشنی آنے کے بعد بھی جب باطل پر اصرار ہو اور اُسکی صداقت کا مذاق اڑایا جائے اور اُسکی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالی جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب اُس مجرمانہ زندگی کا فیصلہ اور خاتمہ کر دیتا ہے اور آنے والی نسل کے لئے اسکو عبرت و مواعظت بنا دیا کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں قوم شعیب کو دو قسم کے عذاب سے دوچار کر دیا۔ ایک زلزلہ کا عذاب اور دوسرا آگ کی بارش کا عذاب۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

یعنی اُنکو سخت اور عظیم زلزلے نے آپکڑا۔

اَخَذَهُمْ عَذَابٌ يَوْمِ الظُّلُمَةِ۔

سایہ کے دن والے عذاب نے اُنہیں پکڑ لیا۔

جس کا مطلب یہ کہ میسے اُن پر گہرے بادل کا سایہ آیا جب سب اُسکے نیچے جمع ہو گئے تو اسی بادل سے اُن پر آگ برساتی گئی۔

”حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان دونوں آیتوں کی وضاحت

اس طرح فرمائی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر پہلے دن ایسی

سخت گرمی مسلط ہوئی گویا جہنم کا دروازہ ان کی طرف کھول دیا گیا ہو

جس سے ان کا دم گھٹنے لگانہ کسی سایہ میں چین آتا تھا نہ پانی میں یہ لوگ

گرمی سے گھبرا کر تہہ خانوں میں گھس گئے تو وہاں اوپر سے بھی زیادہ سخت

گرمی پائی، پریشان ہو کر شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔ وہاں اللہ تعالیٰ

نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جسکے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ سب لوگ

گرمی سے بدحواس تھے دوڑ دوڑ کر اُس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔

اُس وقت یہ سارا بادل آگ ہو کر اُن پر برس پڑا اور اسکے بعد زلزلہ

بھی آیا جس سے یہ پوری قوم راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔“ (بحر محیط)

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے قوم شعیب کے مختلف حصے ہوں بعض پر زلزلہ

آیا اور بعض عذابِ ظلمہ سے ہلاک کر دیئے گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

قرآن حکیم نے اس عذاب کی نوعیت کو اس طرح بیان کیا ہے :-

قرآنی مضمون | فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ

جَحِشِينَ ۱۰ (اعراف آیات ۹۱ تا ۹۳)

پس انہیں ایک دہلا دینے والی آفت نے آیا اور وہ

اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔

جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان

گھروں میں بے ہی نہ تھے شعیبؑ کو جھٹلانے والے ہی آخر کار

بہ باد ہو کر رہے۔

اور شعیبؑ یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے نکل گئے کہ اے میری

قوم کے لوگو میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے اور

تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اب میں اُس قوم پر کیسے افسوس کروں جو قبول حق سے انکار کرتی ہے۔“

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۚ الْخ۔ (ہود آیات ۹۴ تا ۹۵)

”اور جب ہمارے فیصلہ کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اُن کے ساتھی ایمان والوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا اُن کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے بے ہی نہ تھے۔ سنو! مدین کو رحمت سے دوری ہوئی جیسا ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے۔“

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ۚ الْخ۔

(حجر آیت ۷۷، ۷۸)

”اور ایکہ والے ظالم تھے تو دیکھ لو کہ ہم نے بھی اُن سے انتقام لیا، اور ان دونوں (قوم لوط و قوم شعیب) کے اُجڑے ہوئے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں۔“

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظَّلَاةِ ۚ الْخ۔

سو انھوں نے شعیب کو جھٹلایا آخر کار سائبان والے دن کا عذاب اُن کو آپکڑا بیشک وہ بڑے خوف ناک دن کا عذاب تھا۔ یقیناً اسمیں ایک نشانی ہے مگر ان میں اکثر ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

مدفن پاک | مین کے علاقہ حضرموت میں ایک قبر جو زیارت گاہ خاص و عام ہے وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر شریف ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اہل مدین کی ہلاکت کے بعد حضرت موت ہجرت کر آئے تھے اور وہاں ہی اُن کی وفات ہوئی۔

صاحب قصص الانبیاء علامہ عبد الوہاب بخاریؒ کی رائے ہے کہ یہ بات کچھ صحیح نہیں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ مکرمہ آگئے تھے اور وہاں ہی وفات ہوئی۔ وہ اور اُن کے ساتھیوں کی قبریں مکہ مکرمہ میں دارالندو کے قریب ہیں۔ دارالندو وہ زمانہ جاہلیت میں اہل مکہ کا مشورہ گاہ تھا، جہاں قوم کے فیصلے اور معاملات طے کئے جاتے تھے۔

نتائج و عبرت

عبرت ہی عبرت پچھلی امتوں اور قوموں کے واقعات صرف قصہ یا کہانیاں نہیں ہیں بلکہ عبرت و نصیحت کے لئے سرمایہ ہیں۔ ان میں جہاں تاریخ و سیرت پائی جاتی ہے وہاں نتائج و انجام کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ہاتھ آتا ہے جو قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے انبیاء سابقین کے مسلسل تذکرے کے بعد انجام و نتیجے کے طور پر خلاصہ کلام اس طرح بیان کیا ہے:-

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنۢ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا
وَمِنْهُمْ مَّنۢ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ
وَمِنْهُمْ مَّنۢ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ
وَمِنْهُمْ مَّنۢ أَغْرَقْنَا

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔

(العنکبوت آیت ۲۵)

آخر کار ہر ایک کو ہم نے اُسکے جرم میں پکڑ لیا۔

پھر اُن میں سے بعض پر ہم نے سخت طوفانی ہوا بھیجی، (جیسے قوم عاد)
اور اُن میں سے بعض کو زبردست دھماکے نے پکڑ لیا، (جیسے قوم ثمود)

اور اُن میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، (جیسے قارون)
 اور اُن میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا، (جیسے فرعون اور اُسکے لشکر)
 اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔
 یہ تمام واقعات جو یہاں تک بیان کئے گئے ہیں اُن کا روئے سخن دو طرف ہے:-
 ایک تو یہ کہ اہل ایمان کو اسمیں وعظ و تذکیر ہے کہ وہ پست ہمت اور دل شکستہ
 نہ ہوں، مشکلات اور مصائب میں صبر و استقلال قائم رکھیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ
 رکھیں۔ انجام حق و صداقت کا ہی ہوگا اور ظالموں کو شکست و رسوائی ہوگی۔

دوسرے اُن ظالموں کو بھی سنایا جا رہا ہے جو انبیاء کی تعلیمات و ہدایات کو
 اہمیت نہیں دے رہے ہیں اُنہیں جو مہلت دی جا رہی ہے وہ خدائی ڈھیل ہے جو قدیم
 زمانے سے مجرم قوموں میں اللہ کی سنت چلی آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس حلم و بردباری
 کا یہ مطلب نہیں کہ اگر بغاوت و سرکشی پر فوراً پکڑا نہیں جا رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ
 مجرموں پر کوئی انصاف کرنے والی طاقت نہیں ہے اور زمین پر جس کا جو جی چاہے بیخوف
 اختیار کرتا رہے؟

یہ غلط فہمی جس انجام سے دوچار کر کے رہے گی وہ وہی انجام ہے جو تم سے پہلے
 قوم نوح اور قوم ابراہیمؑ، قوم لوطؑ، عاد و ثمود، قوم شعیبؑ دیکھ چکی ہیں اور جیسے قارون فرعون
 ہامان نے بھی دیکھا ہے۔

اس ضمن میں جتنی قوموں کا بھی ذکر کیا گیا ہے وہ سب کی سب شرک میں مبتلا
 تھیں اور اپنے معبودوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ ہمارے حامی و مددگار اور
 نگران ہیں۔ ہماری قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ اوپر کے
 تاریخی واقعات ہیں اُن کے یہ تمام عقائد و اہام اس وقت بالکل بے بنیاد ثابت ہوئے
 جب اللہ کی طرف سے ان کی بربادی کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اس وقت نہ کوئی دیو، دیوتا، نہ کوئی
 اوتار، نہ کوئی ولی، نہ روح، نہ جن و فرشتہ جسے وہ پوجتے تھے ان کی مدد کو آیا نہ ہی کوئی
 سفارش کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نظام کائنات کا اعتراف کئے بغیر یہ سارے بے بنیاد
 سہاروں پر کبھی بھی اپنا نظام حیات تعمیر نہیں ہو سکتا۔ اس کائنات میں جملہ اختیارات کا مالک

صرف اور صرف ایک رب ہے۔ اُسی کا سہارا سہارا ہے۔ اُسی پر اعتماد قابل اعتماد ہے۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا (بقرہ آیت ۲۵۶)

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اُس نے

مضبوط سہارا اتھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

طاغوت کا صحیح ترجمہ اردو زبان میں مشکل ہے اس کے لئے قریب ترین ترجمہ شیطان سے کیا جاسکتا ہے۔ عربی زبان میں اس کا وسیع ترین مفہوم ہے۔ یعنی ہر معبود باطل اور سرکش و گمراہ کرنے والا۔

معیار دیانت | حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اس طرح نصیحت کرتے ہیں:-

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی واضح رہنمائی آگئی

ہے۔ لہذا اب وزن اور پیمانے امانت و دیانت سے پورے کرو، لوگوں

کو اُن کی چیزوں میں گھٹانہ دو، اس طرح زمین میں فساد برپا نہ کرو جیسا

کہ اسکی اصلاح ہو چکی ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے اگر واقعی تم مومن ہو۔

(اعراف آیت ۸۵)

حضرت شعیب علیہ السلام کے اس خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود مدعی ایمان تھے جیسا کہ بنی اسرائیل ابتدائاً مسلمان تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد چھ آٹھ سو برس تک مشرک اور بد اخلاق قوموں کے درمیان رہتے رہتے یہ لوگ بھی شرک اور بد اخلاقیوں میں مبتلا ہو گئے تھے مگر اس کے باوجود ایمان کا دعویٰ اور اس پر فخر برقرار تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی اس بگڑی قوم کو فہمائش کرتے ہیں کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارے نزدیک خیر و بھلائی، راست بازی و دیانت ہونی چاہیے۔ ناپ تول میں کمی زیادتی دین و دیانت کا تقاضہ نہیں اور یہ بات دیانت کے تقاضے سے بالکل مختلف ہے۔ ایمان کا دعویٰ ہو اور پھر اُس کے تقاضے کے خلاف عمل ہو یہ سراسر دھوکہ ہے۔

سنت اللہ | قرآن حکیم نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان سے پہلے کے انبیاء

کامیاب تہذیب کرنے کے معا بعد یہ جامع ضابطہ بیان کیا ہے :-

”کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو، اس خیال سے کہ شاید وہ نرم پڑیں۔ پھر ہم نے اُن کی بد حالی کو خوش حالی سے بدل دیا۔ یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واجداد پر بھی اچھے اور بُرے دن آتے رہے ہیں۔ آخر کار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔

اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انہوں نے (نبیوں کو) جھٹلایا۔ لہذا ہم نے اُس بُری کمائی کے عوض میں انہیں پکڑ لیا۔

پھر کیا اُن بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک اُن پر رات کے وقت نہ آئیگی جبکہ وہ سوتے پڑے ہوں؟ یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہماری پکڑ کبھی یکایک اُن پر دن کے وقت نہ آ پڑے جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی پکڑ سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہے۔

(اعراف آیت ۹۷ تا ۹۹)

تاریخ کا یہ احمقانہ تصور ہر دور میں دہرایا گیا کہ حالات کا اتار چڑھاؤ، قسمت کا بناؤ، بگاڑ، زمانے کے حوادث و انقلاب اللہ حکیم و داناکے تدبیر و انتظام پر نہیں بلکہ گردش زمانہ کا نتیجہ ہیں، کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں بڑی، اچھے اور بُرے دن اتفاقی حوادث ہیں۔ یہی وہ احمقانہ ذہنیت ہے جس کا نقشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھینچا ہے :-

لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ حَتَّىٰ يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنْهُ
ذُنُوبُهُ، وَالْمُنَافِقُ مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْحِمَارِ لَا يَدْرِي فِيهِم رِبْطَةُ أَهْلِهِ
وَلَا فِيهِمَ أَرْسُلُوكَ (المحدث)

آفات و حوادث مومن کی اصلاح کرتے جاتے ہیں یہاں
تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے۔ لیکن منافق کی حالت
بالکل گدھے کی سی ہوتی ہے جو یہ نہیں سمجھتا کہ اُسکے مالک نے اُسے کیوں
باندھا تھا اور کیوں اُسے چھوڑ دیا۔ (الحديث)

پس جب کسی قوم کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ نہ مصائب سے اُس کا دل خدا کے آگے جھکتا
ہے اور نہ نعمتوں پر وہ شکر گزار ہوتی ہے تو پھر اسکی بربادی اس طرح اسکے سر منڈلانے
لگتی ہے جس طرح چیل کوئے کسی مُردار پر منڈلانے لگتے ہیں اور کچھ دیر نہیں لگتی کہ اُسپر
جھپٹ پڑیں۔

زمانے کا اتار چڑھاؤ انبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے کچھ دنوں بعد مکہ
کے لوگوں نے آپ کی دعوت و تبلیغ کے خلاف سخت اور
تکلیف دہ رویہ اختیار کرنا شروع کر دیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی :-
اَللّٰہی ! حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں جیسا ہفت سالہ
قحط پڑا تھا ویسے ہی قحط سے مشرکین مکہ کے مقابلے میں میری

مدد فرما!

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپکی دُعا قبول فرمائی اور اہل مکہ کو سخت قحط میں مبتلا کر دیا نوبت یہاں
تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے مُردار کھانا شروع کر دیا۔ چمڑے اور ہڈیاں تک کھا گئے۔ آخر کار
مکہ کے لوگوں نے جن میں ابوسفیان پیش پیش تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست
کی کہ ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کیجئے۔ آپ نے دُعا فرمائی اَنَا فَا نَا قحط جاتا رہا۔ جب
اُن کے بھلے دن آئے تو لوگوں کی گردنیں پہلے سے زیادہ اکڑ گئیں اور جن لوگوں کے دل
کچھ نرم پڑے تھے اُن کو اشتراک قوم نے یہ کہہ کہہ کر ایمان لانے سے روک دیا کہ میاں یہ تو
زمانے کا اتار چڑھاؤ ہے۔ پہلے بھی قحط آتے رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے البتہ اس
مرتبہ ایک لمبا قحط پڑ گیا، دلائل و دلائل قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔

دین بیزاری مرض | حضرت شعیب علیہ السلام کی اس تبلیغ پر کہ اللہ کی عبادت

کمر و اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ کل تم پر ایسا دن آنے والا ہے جس کا عذاب سب کو گھیر لیگا۔ (ہود آیت ۷۷)

قوم کے لوگوں نے جواب دیا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جنکی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال و دولت میں اپنے منہ کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے؟ (ہود آیت ۷۷)

یہ طعن آمیز فقرہ جسکی روح آج بھی آپ اپنے موجودہ ماحول میں پائیں گے۔ جو بندے دین سے غافل فسق و فجور میں مبتلا ہیں وہ ایسے ہر موقع پر ایک دیندار کو یہ طعنہ دینے سے گریز نہیں کرتے کہ جناب انہیں ”دینداری کا مرض“ لگ گیا ہے۔ یہ بہت پاکیزہ آدمی ہیں انپر نماز کا دورہ پڑ گیا ہے، اب یہ وعظ و نصیحت کا درس دینے لگ گئے ہیں۔ دراصل دینداری کو فاسق و فاجر قسم کے لوگ ایک مستقل خطرہ خیال کرتے ہیں۔ چونکہ نماز دینداری سے سب سے پہلا اور نمایاں وصف ہے اس لئے جب کسی شخص کو اپنے میں نماز پڑھنا دیکھتے ہیں تو انہیں فوراً احساس ہو جاتا ہے کہ اس شخص پر ”مرض دینداری“ کا حملہ ہو گیا ہے۔ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم)

حضرت شعیب علیہ السلام کی سیرت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے ان کے رکوع و سجود بھی طویل طویل ہوتے تھے۔ قوم نے جو مرض ”خدا بیزاری“ میں مبتلا تھی یہ طعنہ دیا:-

”اے شعیب کیا تجھے تیری نماز حکم دیتی ہے کہ ہم لوگ اپنے

طور و طریقے چھوڑ دیں؟“

نئی روشنی نہیں، تاریک خیالی | حضرت شعیب علیہ السلام کو آنکی

قوم یہ جواب دیتی ہے:-

”ہم کو اپنے مالی و دولت میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف

کرنے کا پورا اختیار ہے۔ (ہود آیت ۷۷)

یہ اسلام اور جاہلیت کا اختلاف ہے۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا جو طریقہ بھی ہے غلط ہے۔ اور جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو طریقہ چلا آ رہا ہو انسان کو اسکی پیروی کرنی چاہیے اور اس تقلید کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔

علاوہ ازیں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ دین و مذہب اللہ کی بندگی ہی کے دائرے میں محدود نہیں بلکہ تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے۔ انسان کسی چیز پر بھی اللہ کی مرضی سے آزاد ہو کر خود مختار نہ تصرف کا حق نہیں رکھتا۔

جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ دین و مذہب کا متعلق صرف پوجا پاٹ مراسم کی حد تک ہے رہے زندگی کے دنیوی معاملات اسمیں انسان کو پوری آزادی ملنی چاہیے جس طرح چاہیں کام کریں۔ زندگی کو مذہبی اور دنیوی دائروں میں الگ الگ تقسیم کرنے کا تخیل آج کوئی نیا تخیل نہیں بلکہ آج سے تقریباً چار ہزار برس پہلے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اس تقسیم پر ویسا ہی اصرار تھا جیسا آج اہل مغرب اور ان کے مشرقی شاگردوں کو ہے۔

یہ فی الحقیقت کوئی ”نئی روشنی“ نہیں ہے بلکہ یہ وہی ”پرانی تاریک خیالی“ ہے جو ہزار ہا برس پہلے کی جاہلیت میں بھی اسی شان و آن سے پائی جاتی تھی۔

سنگ دلی نہیں رحم دلی | وعظ و تذکیر کے اختتام پر حضرت شعیب علیہ السلام

اپنی قوم کو ”دعوت استغفار“ دیتے ہیں:-

وَاسْتَغْفِرُوا لَكُمْ ثُمَّ تَرْجِعُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ رَبِّي سَرِيعٌ وَدُودٌ۔

(ہود آیت ۷۹)

”اپنے رب سے معافی مانگو اور اُسکی طرف پلٹ آؤ، بے شک

میرا رب رحیم ہے محبت کرنے والا ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے کوئی دشمنی عداوت نہیں کہ کسی کو خواہ مخواہ سزا

دینے ہی کو اس کا جی چاہے اور اپنے بندوں کو مار مار کر ہی اُس کا جی خوش ہو۔
 اللہ کے بندے جب سرکشوں سے باز نہیں آتے اور اُس حد سے بھی گزر جاتے
 ہیں جو بندگی کے حدود میں ہوتی ہے تو پھر وہ قانون انصاف کو حرکت میں لے آتا ہے
 اور بادل ناخواسۂ سزا دیتا ہے۔ ورنہ اُس کا حقیقی حال تو یہ ہی ہے کہ انسان خواہ
 کتنے ہی قصور کرے جب بھی اپنے افعال پر نادم ہو کر اُسکی طرف پلٹ آتا ہے تو اُسکی
 دامن رحمت کو اپنے لئے وسیع تر پاتا ہے، کیونکہ اُسکو اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق سے
 بے پایاں محبت و پیار ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسکی ایک نہایت بلیغ اور موثر مثال ارشاد فرماتے ہیں
 حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :-

”ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند
 قیدی گرفتار ہو کر آئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ
 کہیں چھوٹ گیا تھا اور وہ ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اپنی
 سینے سے چٹالیتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دیکھ کر ہم
 لوگوں سے پوچھا بتاؤ اگر اس کا اس کو بچہ مل جائے تو کیا اپنے بچے
 کو اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟
 ہم نے بلا توقف عرض کیا ہرگز نہیں۔

ارشاد فرمایا :-

اللَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بَوَّكِدَهَا.

(المحدث)

”اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ ہے جو

یہ عورت اپنے بچے کے لئے رکھتی ہے۔“

اور یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے
 بچوں کی پرورش کے لئے ماں باپ کے دل میں محبت پیدا کی ہے ورنہ
 حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس محبت کو دلوں میں پیدا نہ کرتا تو ماں باپ
 سے بڑھ کر بچوں کا کوئی دشمن نہ ہوتا، کیونکہ سب سے بڑھ کر وہ انہی کیلئے

تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

اب ہر شخص کے لئے یہ بات قابل غور ہے کہ جو خدا "محبت مادری" اور
"شفقت پدری" کا خالق ہے خود اس کے اندر اپنی مخلوق کے لئے کیسی کچھ محبت
نہ ہوگی؟

خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ وعظ آج کے انسانوں
کے لئے بھی دعوتِ عمل دے رہا ہے۔

وَأَسْتَغْفِرُكُمْ وَأُحِبُّ الْمُتُوبِينَ

سَاحِيْمَةُ دَوْدَ (سہود آیت ۹)

تذکرہ سیدنا موسیٰ و سیدنا ہارون اور قارون — فرعون — هامان

تعارف

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب چند واسطوں کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ان کے والد محترم کا اسم گرامی عمران اور والدہ محترمہ کا نام یو کا بد بیان کیا جاتا ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے :-
موسیٰ بن عمران بن قانت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔

حضرت ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بڑے بھائی ہیں جو عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین چار سال بڑے تھے۔
حضرت عمران کے گھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایسے زمانے میں ہوئی جبکہ فرعون مصر اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کا سلسلہ عملاً جاری تھا شہر میں جا بجا ایسے کارندے مامور تھے جو اسرائیلی خاندان کی عورتوں پر نگرانی کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور ان کے اہل خاندان ان کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ کس طرح بچے کو قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھا جائے؟ اور یہ بات تذکرہ سیدنا یعقوب علیہ السلام میں آچکی ہے کہ بنی اسرائیل (اولاد یعقوب علیہ السلام) حضرت یوسف علیہ السلام کے دور حکومت میں ملک مصر آچکے تھے اور وہیں آباد بھی ہو گئے تھے اس طرح بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درمیانی صدیوں میں ملک مصر ہی میں مقیم رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ سولہویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ اثری تحقیقات کے مطابق آپ کا سن ولادت ۱۵۲۰ء قبل مسیح اور سال وفات ۱۴۵۰ء قبل مسیح بیان

کیا جاتا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جس دور حکومت میں پیدا ہوئے اُس فرعون کا نام بعض مؤرخین ولید بن مصعب بن ریان اور دوسرے مصعب بن ریان بتاتے ہیں۔ اور بعض اہل تحقیق نے صرف ریان یا ریان ابا لکھا ہے۔ ابن کثیرؒ کی رائے ہے اُسکی کنیت ابو مرہ تھی۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ فرعون شاہان مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں۔ ان شاہان مصر کا سلسلہ تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر ۳۳۲ قبل مسیح تک اکتیس (۲۱) خاندان ملک مصر پر حکمراں رہے ہیں۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اُس فرعون مصر کے زمانے میں ہوئی جبکہ قتل اولاد کا قانون مصر میں سختی کے ساتھ نافذ تھا۔ جوں توں کر کے والدین نے تین ماہ تک معصوم موسیٰ (علیہ السلام) کو ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رکھا اور اُنکی پیدائش کی مطلق کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ لیکن جاسوسوں کی نگرانی اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ عرصے تک اس واقعہ کے پوشیدہ رہنے کی توقع کم ہوتی گئی۔ اس لئے ان کی والدہ محترمہ سخت پریشان رہنے لگیں۔

اس سخت و نازک وقت خداوند قدوس کی دستگیری ہوئی جسکی تفصیل ”حدیث الفتون“ کے نام سے سنن نسائی کتاب التفسیر میں موجود ہے۔

ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اس طویل حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس روایت کو مرفوعاً یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان قرار دیا ہے اور اسکے بعد اپنا یہ فیصلہ بھی درج کیا ہے :-
وَصَدَقَ ذَلِكَ عِنْدِي۔

یعنی اس حدیث کا مرفوع ہونا میرے نزدیک درست ہے۔

اسکے بعد یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اپنی اپنی تفسیروں میں یہ روایت نقل کی ہے مگر موقوفاً یعنی حضرت ابن عباسؓ کا اپنا کلام قرار دیا ہے۔ مگر ابن کثیر جیسے ناقد حدیث اور نسائی جیسے امام حدیث نے اسکو مرفوع تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں جن محدثین نے اسکو مرفوع تسلیم نہیں کیا انھوں نے بھی اسکے مضمون پر کوئی نکیر نہیں کی ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض پوری حدیث کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی ولادت اور اُس وقت کے حالات کا تفصیلی علم حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ لکھا گیا یہ حدیث حدیثُ الْفُتُونِ کے نام سے موسوم ہے۔ فتون کا لفظ آیت قرآنی سے لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات شمار کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:-

وَفْتَنَّاكَ فُتُونًا (طہ آیت ۷۵)

یعنی اے موسیٰ ہم نے آپ کو بار بار بتلائے آزمائش کیا۔

(قالہ الضحاک)

حَدِیْثُ الْفُتُوْنِ | قاسم بن ابی ایوب فرماتے ہیں کہ مجھ سے سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی:-

وَقَتَلْتُ نَفْسًا فَذَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا۔

اور تو نے (اے موسیٰ) ایک شخص کو مار ڈالا پھر بچا دیا ہم نے تجھ کو اُس غم سے اور ہم نے تجھ کو بار بار بتلائے آزمائش کیا (اور پھر اس سے خلاصی دی)

اسمیں لفظ فتون سے کیا مراد ہے؟ (کئی ایک آزمائش)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا واقعہ بڑا طویل ہے کل صبح سویرے آجانا بتا دوں گا، جب اگلا دن آیا میں سویرے ہی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تاکہ کل کا وعدہ یاد دلاؤں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سنو ایک روز فرعون اور اسکے ہمنشینوں میں اس بات کا ذکر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ انکی ذریت میں انبیاء اور بادشاہ پیدا فرماتے رہیں گے۔ بعض شرکار مجلس نے کہا ہاں بنی اسرائیل تو اسکے منتظر ہیں جس میں اُن کو ذرا بھی شک نہیں کہ اُن کے اندر کوئی نبی و رسول پیدا ہوگا اور پہلے ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ نبی حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام ہیں جب اُن کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا گیا تھا یہ اُس کے مصداق نہیں (کوئی اور نبی پیدا ہوگا جو اس وعدہ کو پورا کرے گا) فرعون نے جب یہ بات

سُنی تو فکر مند ہو گیا کہ اگر بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) میں جنگو اس نے غلام بنا رکھا ہو کوئی نبی و رسول پیدا ہو گیا تو وہ ان کو مجھ سے آزاد کرالے گا۔ اس لئے حاضرین مجلس سے دریافت کیا کہ اس آفت سے بچنے کا کیا راستہ ہے؟ حاضرین مجلس آپس میں مشورے کرتے رہے آخر سب کی رائے اس بات پر متفق ہو گئی کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اُسکو قتل کر دیا جائے تاکہ نبی کے پیدا ہونے اور قوم بنی اسرائیل کو آزاد کرانیکا امکان ہی ختم ہو جائے۔ چنانچہ ایسے آدمی مقرر کئے گئے جو بنی اسرائیل کے گھروں میں اچانک جا کر معائنہ کرتے جہاں کوئی لڑکا نظر آتا اسکو اٹھالے آتے اور ذبح کر کے دفن کر دیتے۔ قتلِ اولاد کا یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا لیکن دربار کے چند آدمیوں کو احساس ہوا کہ اب تو ہماری سب خدمتیں اور محنت و مشقت کے کام بنی اسرائیل ہی انجام دیتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ قتل جاری رہا تو اس قوم کے بوڑھے تو اپنی موت مر جائیں گے اور بچے ذبح ہوتے رہیں گے تو آئندہ بنی اسرائیل میں کوئی مرد نہ رہے گا جو ہماری اور ہمارے اولاد کی خدمت انجام دے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ مشقت کے سارے کام ہمیں خود انجام دینا پڑے گا۔ اس اندیشہ کے بعد اب یہ رائے قرار پائی کہ ایک سال میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو چھوڑ دیا جائے، دوسرے سال میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو ذبح کر دیا جائے۔ اس طرح بنی اسرائیل میں کچھ جوان بھی رہیں گے جو اپنے بوڑھوں کی جگہ لے سکیں اور پھر ان کی تعداد اتنی زیادہ بھی نہ ہوگی جس سے فرعون حکومت کو خطرہ ہو سکے، یہ بات سب کو پسند آئی اور یہی قانون نافذ کر دیا گیا۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک حمل ایسے وقت ہوا کہ جبکہ بچوں کو زندہ چھوڑ دینے کا سال تھا اسمیں حضرت ہارون پیدا ہوئے، فرعون کا قانون کی رُو سے انھیں کوئی خطرہ نہ تھا۔

دوسرا سال جو لڑکوں کے قتل کا تھا اسمیں حضرت موسیٰ بطین مادر میں آئے تو اُن کی والدہ پر غم و خوف طاری تھا کہ اب اگر لڑکا پیدا ہو گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے قصے کو یہاں تک پہنچا کر فرمایا کہ اے ابن حبیبہؓ فتون یعنی آزمائش کا یہ پہلا موقع تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی دنیا میں پیدا بھی نہیں ہوئے کہ اُن کے قتل کا منصوبہ موجود تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اُنکی والدہ کو بذریعہ وحی یہ تسلی دی :-
 فَإِذَا أَخْفَتِ عَلَيْهَا فَلْيَقِيْهِ فِي الْبَيْتِ وَلَا تَخَافُ وَلَا
 تَحْزَنِيْ إِنَّا سَرَّادُوكَ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ .

(سورہ قصص آیت ۲۸)

”جب تم کو اپنے بچے پر اندیشہ ہو تو اُسکو دریا میں ڈال دو اور تم کوئی خوف اور غم نہ کرو ہم اُسکو تمہارے پاس واپس کر دیں گے اور اُسکو رسول بنانے والے ہیں“

جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے والدہ کو حکم دیا کہ اسکو ایک تابوت (صندوق) میں رکھ کر دریا (نیل) میں ڈال دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حکم کی تعمیل کر دی۔

جب وہ تابوت کو دریا کے حوالہ کر چکی تو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ یہ تو نے کیا کام کیا؟ اگر بچہ تیرے پاس رہ کر ذبح بھی کر دیا جاتا تو اپنے ہاتھوں سے کفن دفن کر کے کچھ تسلی تو ہو جاتی اب تو اس کو دریا کے جانور کھا جائیگے۔

(موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی غم و فکر میں مبتلا تھیں کہ دریا کی موجوں نے تابوت کو ایک ایسی چٹان پر پھینک دیا جہاں فرعون کی باندیاں لونڈیاں نہانے دھونے کے لئے جایا کرتی تھیں اُنھوں نے جب یہ تابوت دیکھا تو اُٹھا لیا اور کھولنے کا ارادہ کیا تو اُن میں سے کسی نے کہا اگر اسیں سے کچھ رکھ لیا ہوگا اسکے بعد ہم کچھ بھی کہیں یقین نہ آئے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس تابوت کو اسی طرح اُٹھا کر فرعون کی بیوی کے آگے رکھ دینا چاہیئے۔

فرعون کی بیوی نے جب تابوت کھولا تو اسیں ایک ایسا لڑکا دیکھا جس کو دیکھتے ہی اُس کے دل میں اُسکی اتنی محبت پیدا ہو گئی جو اس سے پہلے کسی بچے سے نہیں ہوئی۔

دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بوسوسہ شیطانی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو بھول گئیں اور حالت یہ ہو گئی :-

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا . آلیہ (سورہ قصص)

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل ہر خوشی اور ہر خیال

خالی ہو گیا (صرف موسیٰ کی فکر غالب آگئی) ادھر جب لڑکوں کے قتل پر مامور پولیس والوں کو فرعون کے گھریں ایک لڑکا آجانے کی خبر ملی تو وہ چھڑیاں لیکر فرعون کی بیوی کے پاس پہنچ گئے کہ یہ لڑکا ہمیں دے دو تاکہ ذبح کر دیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے یہاں پہونچکر پھر ابن جبرؓ کو مخاطب کیا کہ اے ابن جبرؓ فتون یعنی آزمائش کا یہ (دوسرا) واقعہ ہے۔

فرعون کی بیوی نے ان لشکری لوگوں کو جواب دیا کہ ابھی ٹھیکہ صرف ایک لڑکے سے تو بنی اسرائیل کی قوت نہیں بڑھ جائیگی میں فرعون سے اس بچے کی جان بخشی کراتی ہوں۔

اگر فرعون نے بخش دیا تو یہ بہتر ہوگا ورنہ تمہارے معاملہ میں دخل نہ دوں گی اور یہ بچہ تمہارے حوالہ ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ فرعون کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ یہ بچہ میری اور آپکی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

فرعون نے کہا ہاں تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہونا تو معلوم ہے کیونکہ اس وقت تک کوئی اولاد نہ تھی، مگر مجھ کو اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسکے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسکی قسم کھائی جاسکتی ہے اگر فرعون اُس وقت بیوی کی طرح اپنے لئے بھی موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیتا تو اللہ تعالیٰ اُسکو بھی ہدایت عطا کر دیتا جیسا کہ اُسکی بیوی کو ہدایت ایمان عطا کی۔

(بہر حال بیوی کے کہنے پر فرعون نے اُس لڑکے کو قتل سے آزاد کر دیا) اب فرعون کی بیوی نے اسکو دودھ پلانے کے لئے اپنے آس پاس کی عورتوں کو بلایا، سب نے چاہا کہ موسیٰ کو دودھ پلانے کی خدمت انجام دیں مگر بچہ کسی کا دودھ پینے کو تیار نہیں تھا۔ اب فرعون کی بیوی کو یہ فکر ہو گئی کہ جب یہ کسی کا دودھ نہیں لیتا تو زندہ کیسے رہے گا۔ اس لئے اپنی کنیزوں کے سپرد کیا کہ اسکو بازار اور لوگوں کے مجمع میں لیجائیں شاید کسی عورت کا دودھ قبول کر لے۔

دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بے چین ہو کر اپنی بیٹی (موسیٰ کی بہن) کو کہا کہ ذرا باہر جا کر تلاش کر اور لوگوں سے دریافت کر کہ اُس نابوت اور بچہ کا

کیا انجام ہوا؟ وہ زندہ بھی ہے یا دریائی جانوروں کی غذا بن چکا ہے۔

اس وقت تک اُن کو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد نہیں آیا جو حالتِ حمل میں اُن سے بچے کی حفاظت اور چند روز مفارقت کے بعد واپسی کا کیا گیا تھا، حضرت موسیٰ کی بہن باہر نکلیں تو (اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کیا) فرعون کی کنیزیں اُس بچے کو لئے ہوئے دودھ پلانڈ والی عورتوں کی تلاش میں ہیں۔ جب بہن نے یہ معاملہ دیکھا کہ بچہ کسی کا دودھ نہیں لیتا اور یہ کنیزیں پریشان ہیں تو اُن سے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پستہ دیتی ہوں جہاں مجھے امید ہے کہ یہ اُن کا دودھ بھی پی لے گا اور وہ لوگ اس کو خیر خواہی و محبت کے ساتھ پرورش بھی کریں گے۔ یہ سُن کر کنیزوں نے اُس کو شبہ میں پکڑ لیا کہ یہ عورت شاید اس بچے کی ماں یا قریبی عزیز ہے جو اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ وہ گھر والے اسکے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں (اس وقت یہ بہن بھی پریشان ہو گئیں) حضرت ابن عباسؓ نے اس جگہ پہنچ کر پھر ابن جبیر کو خطاب کیا کہ یہ (تیسرا) واقعہ فُتُون یعنی آزمائش کا ہے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے بات بنائی اور کہا کہ میری مراد اس گھر والوں کے ہمدرد و خیر خواہ ہونے سے مراد یہی ہے کہ فرعون نے دربار تک اُس خاندان کی رسائی ہوگی جس سے اُنکو منافع ملنے کی امید ہوگی اس لئے وہ اس بچے کی محبت و خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں کریں گے۔ یہ سُن کر کنیزوں نے اُن کو چھوڑ دیا۔

یہ واپس آکر اپنی والدہ کو واقعہ کی خبر دی اور اپنے ساتھ لیکر اُس جگہ پہنچیں جہاں یہ کنیزیں جمع تھیں، کنیزوں کے کہنے پر اُنھوں نے بھی بچے کو گود میں لیا، موسیٰ فوراً اُنکے سینے سے چمٹ کر دودھ پینے لگے یہاں تک کہ سیر شکم ہو گئے، یہ خوشخبری فرعون کی بیوی کو پہنچی کہ اس بچے کے لئے دودھ پلانے والی مل گئی۔ فرعون کی بیوی نے اُن کو طلب کیا اُنھوں نے اگر حالات دیکھے اور یہ محسوس کیا کہ فرعون کی بیوی میری ضرورت محسوس کر رہی ہے تو ذرا خود داری سے کام لیا، فرعون کی بیوی نے کہا کہ آپ یہاں محل میں رہ کر اس بچے کو دودھ پلایا کریں کیونکہ مجھے اس بچے سے اتنی محبت ہے کہ میں اسکو اپنی نظروں سے غائب دیکھ نہیں سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا میں تو اپنے گھر اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں قیام نہیں کر سکتی۔

ہاں اگر آپ اس بات پر راضی ہوں کہ بچہ میرے سپرد کریں میں اپنے گھر رکھ کر

اسکو دودھ پلاؤں گی اور یہ وعدہ کرتی ہوں کہ بچے کی خیر خواہی اور حفاظت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کروں گی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اس وقت اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد آگیا جس میں کہا گیا تھا کہ چند روز کی جدائی کے بعد ہم موسیٰ کو تمہارے پاس واپس کر دینگے اس لئے وہ اپنی بات پر مزید اصرار کرنے لگیں۔ فرعون کی بیوی نے مجبور ہو کر ان کی بات مان لی، کیونکہ بچہ کسی طرح بھی کسی کا دودھ پینے کو تیار نہ تھا۔ اس طرح والدہ نے اُسی دن موسیٰ کو اپنے گھر لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا کہ اس بچے کو دریا میں ڈال دے اور تو نہ خوف کر نہ غم کر بیشک ہم اُس بچے کو تیرے پاس پہنچا دیں گے۔

کچھ عرصہ بعد فرعون کی بیوی نے اُن کی والدہ سے کہا کہ بچے کو لا کر دکھلا جاؤ۔ ادھر سب درباریوں کو حکم دیا کہ یہ بچہ آج ہمارے محل میں آ رہا ہے تم میں کوئی بھی ایسا نہ رہے جو اس کا اکرام نہ کرے اسکی نگرانی میں خود کرتی ہوں کہ تم لوگ اس معاملہ میں کیا کرتے ہو۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ گھر سے نکلے ہیں اُسی وقت سے اُن پر تحفوں کی بارش ہونے لگی۔ جب فرعون کی بیوی کے ہاں پہنچے تو اس نے بھی اپنے پاس سے خاص تحفے اور ہدایا پیش کئے۔ فرعون کی بیوی بچے کو دیکھ کر بیحد مسرور ہو رہی تھی اسکے بعد کہا کہ اب میں اس بچے کو فرعون کے پاس لے جاتی ہوں تاکہ وہ بھی خوش ہو۔ جب وہ لے کر فرعون کے پاس پہنچی تو فرعون نے فرط مسرت سے اُنکو گود میں لے لیا۔ موسیٰ نے غیر شعوری طور پر فرعون کی ڈاڑھی پکڑ کر زمین کی طرف جھکا دیا، اس وقت دربار کے لوگوں نے فرعون سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم (علیہ السلام) سے جو وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک رسول پیدا ہوگا جو آپ کے ملک و مال کا وارث ہوگا۔ آپ پر غالب آئے گا اور آپکو شکست دے گا۔

یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے (ویسے بھی اس بچے کی جان بخشی پر دربار میں سرگوشیاں چار می تھیں) اس اندیشہ پر فرعون متنبہ ہوا اور اُسی وقت جلاؤں کو طلب کیا تاکہ بچے کو ذبح کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباسؓ نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جبیرؓ کو خطاب کیا کہ یہ چوتھا واقعہ

فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ موت پھر منڈلانے لگی۔

فرعون کی بیوی نے یہ جو منظر دیکھا تو کہا کہ جناب والا! آپ یہ بچہ مجھے دے چکے

ہیں پھر اب یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟

فرعون نے کہا کہ تم یہ نہیں دیکھتیں کہ یہ لڑکا اپنے عمل سے گویا یہ دعویٰ کر رہا ہے

کہ وہ مجھ کو زمین پر پچھاڑ کر غالب آجائے۔

بیوی نے کہا کہ بچے نے یہ معاملہ بچپن کی عام عادت کے مطابق شوخی اور

غیر شعوری طور پر کیا ہے، تجربے کے طور پر آپ پھر اسکا امتحان لیں دو آگ کے انگارے

اور دو عدد دموتی منگوائیے اور دونوں اس بچے کے آگے رکھ دیجئے۔ اگر یہ موتیوں کی طرف

ہاتھ بڑھایا اور آگ کے انگاروں سے بچا تو آپ سمجھ لیں کہ اس بچے کے افعال عقل و شعور

کے ساتھ دیدہ و دانستہ ہیں۔ اور اگر یہ بچہ موتیوں کے بجائے آگ کے انگاروں کی

طرف ہاتھ بڑھائے تو یہ یقین ہو جائے گا کہ یہ کام کسی عقل و شعور سے نہیں کیا گیا کیونکہ کوئی

عقل والا انسان فطرۃً آگ کو ہاتھ میں نہیں لیتا (فرعون نے اس معقول تجویز کو پسند کیا)

دو انگارے اور دو عدد دموتی بچے کے سامنے رکھ دیئے گئے تو بچے نے انگارے اٹھائے

(اور منہ میں ڈال لئے) فرعون نے جب یہ دیکھا تو فوراً اُن کے ہاتھ سے انگارے چھین

لئے (بعض دوسری روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اولاً موتیوں کی طرف

ہاتھ بڑھانا چاہا کہ جبریل امین نے اُن کا ہاتھ انگاروں کی طرف پھیر دیا) (اس طرح فرعون

کی بیوی کی بات چل گئی) کہا دیکھا آپ نے بچے کا ڈاڑھی پکڑنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟

اس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر یہ موت بھی موسیٰ علیہ السلام سے ٹکادی کیونکہ اُن

سے آگے کام لینا تھا (اس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شاہانہ اعزاز و اکرام اور شاہانہ

خرچ پر اپنی والدہ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ جوان ہو گئے)

اُن کے شاہی اکرام و اعزاز کو دیکھ کر فرعون کے لوگوں کو بنی اسرائیل پر وہ ظلم

اور ستم کرنے کی ہمت کم ہوتی رہی جو اس لئے پہلے آل فرعون کی طرف سے ہمیشہ

بنی اسرائیل پر ہوتا رہتا تھا۔

ایک روز موسیٰ علیہ السلام شہر کے کسی گوشہ میں چلے جا رہے تھے کہ دیکھا

کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں جنہیں ایک فرعون (آل فرعون سے) تھا اور دوسرا

اسرائیلی (قوم موسیٰ سے) تھا۔

اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر امداد کے لئے پکارا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بے جا جسارت پر غصہ آگیا جبکہ وہ جانتا ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) اسرائیلیوں کی حفاظت و مدد کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کی والدہ محترمہ یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم کروادیا ہو کہ یہ دودھ پلانے والی عورت ہی تمہاری حقیقی والدہ ہیں اور یہ کہ موسیٰ بھی خود اسرائیلی ہیں۔ غرض موسیٰ علیہ السلام نے شدید غضب کی حالت میں اُس فرعون کے ایک مُکار سید کیا جسکو وہ برداشت نہ کر سکا اور وہیں مر گیا۔ اتفاق سے وہاں کوئی اور آدمی موجود نہ تھا جو فرعون تک مخبری کر دے جب یہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ مارا گیا تو انھوں نے استغفار کیا اور کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا ہے۔ پھر بارگاہِ الہی میں مغفرت طلب کی۔

اے میرے پروردگار میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے (کہ یہ خطا مجھ سے سرزد ہو گئی) مجھے معاف فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا کیونکہ وہ ہی معاف کرنے والا اور بہت رحمت والا ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد خوف و ہراس کے عالم میں یہ جاننے کی کوشش کرتے رہے کہ اس فرعون کے قتل پر آل فرعون کا رد عمل کیا ہوا؟ معلوم ہوا کہ فرعون تک یہ معاملہ اس عنوان سے پہنچا ہے کہ کسی اسرائیلی نے آل فرعون کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ لہذا اسرائیلیوں سے اس کا انتقام لیا جائے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی ڈھیل نہ دی جائے۔

فرعون نے اس کا یہ جواب دیا کہ اسکے قاتل کو تلاش کر کے مع شہادت پیش کیا جائے۔ میں اس کا انتقام ضرور لوں گا۔

آل فرعون یہ سن کر گلی کوچوں بازاروں میں گھومنے لگے کہ کہیں اس کا سراغ مل جائے مگر انھیں اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

اچانک ایک اور واقعہ پیش آگیا کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر سے نکلے ہی تھے کہ اُسی اسرائیلی کو دیکھا کہ کسی دوسرے فرعون شخص سے جھگڑ رہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اُس نے سابقہ کی طرح مدد کرنے پکارا مگر حضرت

موسیٰ علیہ السلام گزشتہ واقعہ پر نادوم و شرمندہ ہی ہو رہے تھے اور اس وقت اُسی اسرائیلی کو لڑتے دیکھ کر ایہ ناراض ہوئے کہ خطا و راصل اسی اسرائیلی کی معلوم ہوتی ہے یہ جھگڑا و قسم کا آدمی ہے ہر وقت جھگڑتا ہی رہتا ہے، مگر بطور تنبیہ اپنے قومی آدمی اسرائیلی کو غصہ سے کہا کہ تو نے کل بھی جھگڑا کیا تھا آج پھر لڑ رہا ہے؟

اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تنبیہ سے خوف زدہ ہو گیا اور اُن کے الفاظ سے اسکو یہ شبہ ہوا کہ یہ آج مجھے ہی قتل کر دیں گے تو فوراً بول پڑا اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے بھی قتل کر ڈالو جیسے کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا؟ یہ باتیں ہونے کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ مگر فرعونی شخص نے آل فرعون کے اُن لوگوں کو جو کل کے قاتل کی تلاش میں تھے جا کر خبر دے دی کہ خود اسرائیلی نے موسیٰ سے کہا ہے کہ تم نے کل ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر فرعون تک فوراً پہنچانی گئی۔ فرعون نے اپنے آدمی موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے روانہ کر دیئے۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیر خواہوں میں سے ایک شخص جو شہر کے کسی بعید حصے میں رہتا تھا کسی طرح اُسے یہ خبر ملی کہ فرعونی سپاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکل چکے ہیں اُس نے کسی طرح موسیٰ علیہ السلام تک پہنچ کر یہ خبر دے دی کہ موسیٰ آپ کی تلاش کے لئے ایک جماعت نکل چکی ہے تاکہ آپ کو اُس قتل کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے۔ لہذا میں آپ کی خیر خواہی کے لئے کہتا ہوں کہ آپ شہر سے نکل جائیے۔

یہاں پہنچ کر حضرت ابن عباسؓ نے پھر ابن جبیرؓ کو مخاطب کیا کہ اے ابن جبیرؓ یہ (پانچواں) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ موت سر پہ آچکی ہے اللہ نے نجات کا سامان پیدا فرما دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سُن کر شہر سے فوراً نکل گئے اور شہر مدین کی طرف رُخ کیا۔

یہ آج تک شاہی ناز و نعمت میں پلے تھے کبھی محنت و مشقت کا نام تک نہ جانتے تھے مصر سے نکل پڑے مگر راستہ بھی کہیں کا نہ جانتے تھے مگر اپنے رب پر بھروسہ تھا دل میں کہا مجھے اُمید ہے کہ میرا رب مجھے راستہ دکھا دے گا جب شہر

مدین کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر ایک کنویں پر لوگوں کا اجتماع دیکھا جو اپنی جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور کچھ دور دیکھا کہ دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو سمیٹے ہوئے الگ کھڑی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ تم الگ کیوں کھڑی ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ان سب لوگوں سے مزاحمت اور مقابلہ کریں اس لئے ہم انتظار میں ہیں کہ جب یہ سب لوگ فارغ ہو جائیں تو جو کچھ بچا پانی مل جائیگا اُس سے ہم اپنا کام نکال لیں گے۔ (اور ہمارے باپ تو بہت بوڑھے آدمی ہیں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی شرافت سے متاثر ہوئے اور خود آگے بڑھ کر کنویں سے پانی نکالنا شروع کیا اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت بخشی تھی بڑی جلدی ان کی بکریوں کو سیراب کر دیا۔

یہ عورتیں اپنی بکریوں کو لیکر گھر آگئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی ”میرے پروردگار میں محتاج ہوں اس نعمت کا جو آپ میری طرف بھیجیں“ (مطلب یہ تھا کہ طعام و قیام کا کوئی انتظام ہو جاوے) یہ لڑکیاں اپنے ہر روز کے وقت سے پہلے گھر پہنچیں تو اُن کے والد کو تعجب ہوا پوچھا کہ آج جلد کیسے آگئیں؟

لڑکیوں نے کسی اجنبی آدمی کے تعاون کرنے کا قصہ بیان کیا۔ والد نے ایک لڑکی کو کہا کہ اُس مرد کو بلاؤ جس نے یہ احسان کیا ہے۔ وہ آئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیکر گھر پہنچیں۔ والد نے اُن سے حالات دریافت کئے اور تسلی دی کہ تم نے ظالم قوم سے نجات پالی، ہم نہ فرعون کی سلطنت میں ہیں نہ اُسکا ہم پر کچھ حکم چل سکتا ہو۔ اس کے بعد ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے اپنے باپ کو مشورہ دیا اب جان ان کو آپ ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازمت کیلئے وہ بہتر آدمی ہیں قومی بھی ہیں اور امانتدار بھی۔ والد کو لڑکی کی بات سُن کر غیرت آئی پوچھا بیٹی تم کو اُن کے یہ صفات کیسے معلوم ہوئے؟ لڑکی نے عرض کیا اُن کی قوت و طاقت کا اندازہ تو اُن کے کنویں سے پانی کھینچنے پر ہوا کہ سب لوگوں سے پہلے اُنھوں نے اپنا کام تمام کر لیا دوسرا کوئی اُنکی برابری نہ کر سکا۔ اور امانت و دیانت کا حال اس طرح معلوم ہوا کہ جب میں اُن کو بلانے گئی ہوں تو پہلی نظر میں اُنھوں نے دیکھا کہ میں ایک عورت ہوں تو اپنا سر نیچا کر لیا اور اُس وقت تک اپنا

سر نہیں اٹھایا جب تک کہ میں نے اُن کو آپکا پیغام نہیں پہنچا دیا۔
 اسکے بعد اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو اور اپنے گھر کا راستہ
 پیچھے سے بتلاتی چلو۔ یہ بات صرف وہی مرد کر سکتا ہے جو امانتدار ہو اور مومنیندار ہو۔
 والد کو لڑکی کی اس دانشمندانہ بات پر مسرت ہوئی اور اسکی تصدیق فرمائی
 اور خود بھی انھیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام ایسے ہی بااخلاق انسان
 ہیں۔ اُس وقت لڑکیوں کے والد نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کو یہ بات پسند ہے
 کہ میں ان دونوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں؟ جسکی شرط یہ ہوگی کہ آپ
 آٹھ سال تک ہمارے ہاں مزدوری کریں؟ اور اگر آپ پورے دس سال تکمیل کر دیں
 تو آپ کا اختیار ہوگا۔ ہم آپ پر زیادہ مشقت ڈالنا نہیں چاہتے یہ حضرت شعیب
 علیہ السلام تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عقد کو منظور کر لیا جسکی رو سے حضرت موسیٰ
 علیہ السلام پر صرف آٹھ سال کی خدمت بطور معاہدہ لازم ہوگئی باقی دو سال کا وعدہ
 اختیاری رہا۔ یہ غالباً اُس زمانے کا مہر تھا۔
 حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک نصرانی عالم مجھے ملا اُس
 نے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میعادوں سے کون سی
 میعاد پوری کی؟

میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کیونکہ اُس وقت حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث الفتن
 مجھے معلوم نہ تھی۔ اسکے بعد میں حضرت ابن عباسؓ سے ملا اور یہ سوال اُن سے کیا۔ اُنھوں
 نے فرمایا کہ آٹھ سال کی مدت تو پورا کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھا ہی لیکن
 اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول (موسیٰ علیہ السلام) کا اختیاری وعدہ بھی پورا کروانا مقصود
 تھا اس لئے دس سال کی مدت پوری کی۔ اس کے بعد میں اُس نصرانی عالم سے ملا اور
 اُسکو یہ خبر دی تو اُس نے کہا کہ تم نے جس شخص سے یہ بات معلوم کی ہے کیا وہ تم سے زیادہ
 علم والے ہیں؟

میں نے کہا ہاں وہ بہت بڑے عالم اور ہم سب میں افضل ترین ہیں!
 (الغرض دس سال کی میعاد پوری کرنے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام

اپنی اہلیہ محترمہ کو لیکر حضرت شعیب علیہ السلام کو وطن شہر مدین سے رخصت ہوئے
(تاکہ اپنے وطن مصر چلیں) راستہ معلوم نہ تھا موسم سخت سرد تھا۔ راہ میں آگ کی ضرورت
پیش آئی کوہ طور پر آگ نظر آئی (جو حقیقت میں انوار الہی تھے) آگ لینے گئے وہاں
حیرت انگیز مناظر کے بعد معجزہ عصا اور ید بیضا اور اسکے ساتھ منصب نبوت و رسالت
عطا ہوئی اور یہ حکم دیا گیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے اللہ کا پیغام پہنچاؤ (جس کی
تفصیل قرآن میں موجود ہے)

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ میں فرعون کی دربار کا مفروض
ملزم قرار دیا گیا ہوں اور مجھ سے فرعون کا قصاص بھی لئے جانے کا حکم نافذ ہو چکا ہے۔
اب میں کس تدبیر کے ساتھ دعوت رسالت لے کر فرعون کے پاس جاؤں نیز اپنی لکنت زبان
کا غدر بھی سامنے تھا۔ اللہ کی جناب میں عرض معروض پیش کی، اللہ تعالیٰ نے اُن کی
خواہش پر اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو شریک رسالت بنا کر اُن کے
پاس وحی بھیج دی اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شہر مصر سے باہر استقبال
کریں، چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی
دونوں بھائی حسب الحکم فرعون کو دعوت حق دینے کے لئے اُس کے دربار میں پہنچے، کچھ
دیر تو انھیں دربار میں حاضری کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ پھر اجازت ملی دونوں بھائیوں نے
فرعون سے اپنا تعارف کروایا اور کہا:-

ہم دونوں تیرے رب کے پیغمبر ہیں!

فرعون نے پوچھا:-

تمہارا رب کون ہے؟

موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے وہ بات کہی جس کا قرآن نے خود ذکر کیا ہے۔
ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر
اُسکی رہنمائی کی۔

اس پر فرعون نے پوچھا کہ پھر تم دونوں کیا چاہتے ہو؟ اور ساتھ ہی اُس مقتول کا واقعہ
ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجرم ٹھہرایا (اور اپنے گھر میں اُن کی پرورش
پانے کا احسان بتلایا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں باتوں کا جواب دیا جو قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ (یعنی مقتول کے معاملہ میں اپنی خطا اور غیر ارادی قتل کا اعتراف کیا اور پرورش کے بارے میں کہا کہ یہ اللہ کا فیصلہ تھا جو کچھ اللہ کو منظور تھا وہ ہو گیا) اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خطاب کیا کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اُسکے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کر دو۔

فرعون نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ اگر تمہارے پاس رسول رب ہونکی کوئی دلیل ہو تو پیش کرو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ ایک زبردست اژدھا کی شکل میں منہ کھولے فرعون کی طرف لپکا، فرعون خوفزدہ ہو کر اپنے تخت کے نیچے چھپ گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے پناہ طلب کی کہ اسکو روک لیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکو پکڑ لیا۔

اسکے بعد اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ دسورج کی طرح، چمکنے لگا۔ یہ دوسرا معجزہ تھا جو فرعون کے سامنے آیا پھر دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

فرعون نے ہیبت زدہ ہو کر اپنے اہل دربار سے مشورہ کیا، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ درباریوں نے متفقہ طور پر کہا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اپنے جادو کے ذریعہ ہم کو اپنے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے دین و مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں۔ آپ ان کی کوئی بات نہ مانیں کیونکہ آپ کے ملک میں بڑے بڑے جادوگر ہیں۔ آپ ان کو بلا لیجئے وہ اپنے جادو سے انکے جادو پر غالب آجائیں گے۔

فرعون نے اپنی مملکت کے سب شہروں میں حکم دے دیا کہ جتنے آدمی جادوگری میں ماہر ہوں وہ سب کے سب دربار میں حاضر کر دیئے جائیں۔

ملک بھر کے جادوگر جمع ہو گئے تو اُنھوں نے فرعون سے پوچھا کہ جس جادوگر سے آپ ہمارا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں وہ کیا عمل کرتا ہے؟

فرعون نے جواب دیا کہ وہ اپنی لائٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے۔ جادوگروں نے بڑی بے فکری سے کہا یہ تو کوئی چیز نہیں۔ ہمیں خود لائٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنا دینے کا جو جادو حاصل ہے اسکا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر پہلے یہ طے کر دیجئے کہ اگر ہم اس پر

غالب آگئے تو کیا انعام ملے گا؟

فرعون نے کہا کہ تم میرے خاندان کا جرم اور مقربین خاص میں داخل ہو جاؤ گے اور تمہیں وہ سب کچھ مل جائیگا جو تم چاہو گے۔

اسکے بعد مقابلہ کا وقت اور جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طے کر کے اپنی عید کا دن اور صبح چاشت کا وقت مقرر کر دیا۔

ابن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے بیان فرمایا ان کا یومُ الذینتہ (یعنی عید کا دن) جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور جادو گروں پر فتح عطا فرمائی عاشوراء (مارمحرّم) کا دن تھا۔

جب سب لوگ ایک وسیع میدان میں مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تو فرعون کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ ہمیں یہاں ضرور رہنا چاہیے تاکہ یہ ساحر یعنی موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) اگر غالب آگئے تو ہم بھی ان پر ایمان لے آئیں ان لوگوں کی یہ گفتگو بطور مزاح و استہزاء تھی (کیونکہ انھیں یقین تھا کہ یہ ہماری جادو گروں پر ہرگز غالب نہ آئیں گے)۔

جب میدان میں سب جمع ہو گئے تو جادو گروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا پہلے آپ اپنا سحر دکھائیں یا ہم پہلے ڈال کر ابتدا کریں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی پہل کرو۔ انھوں نے اپنی لاشیوں اور رسیوں کو زمین پر یہ کہتے ہوئے پھینکا کہ قسم ہے فرعون کی ہم ہی غالب آئیں گے۔ دیکھتے دیکھتے یہ لاشیاں اور رسیاں سانپ بن کر چلنے لگیں۔ یہ منتظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک قسم کا خوف طاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اپنی عصا ڈال دو۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا ڈالی تو وہ ایک بڑا اژدھا بن گیا جس کا منہ کھلا ہوا تھا پھر اس اژدھا نے اُن تمام سانپوں کو نگلنا شروع کیا جو جادو گروں نے لاشیوں اور رسیوں سے بنائے تھے۔

جادو گر اپنے فن کے باہر تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر انھیں یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے معجزہ ہے اس پر اُسی وقت اعلان کر دیا کہ

ہم البتہ پر اور موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پچھلے عقائد سے توبہ کرتے ہیں۔

فرعون اور اُس کے ساتھی مغلوب ہو گئے اور ذلت اور رسوائی کے ساتھ اُس میدان سے پسا ہوئے۔ جس وقت یہ مقابلہ ہو رہا تھا فرعون کی بیوی آسیہ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر یہ دعا کر رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی مدد کرے اور آل فرعون یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ فرعون کی وجہ سے پریشان ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بھی کوئی معجزہ دکھاتے اور اللہ کی طرف سے اُس پر حجت پوری ہو جاتی تو وعدہ کر لیتا تھا کہ اب بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دوں گا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ خطرہ عذاب ٹل جاتا تو کہہ دیتا کہ کیا آپ کا رب اور کوئی نشانی دکھا سکتا ہے؟

یہ سلسلہ چلتا رہا بالآخر اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون پر طوفان، مٹی سی دل، کپڑوں میں جوئیں، برتنوں اور کھانوں میں مینڈک، خون وغیرہ کا عذاب یکے بعد دیگرے مسلط کئے جن کو قرآن حکیم میں ”آیَاتِ مُفَصَّلَات“ کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

اور فرعون کا یہ حال تھا کہ جب اُن میں سے کوئی عذاب آتا اور اُس سے وہ اور اُسکی قوم عاجز ہو جاتی تو موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتا کہ کسی طرح یہ عذاب ٹل جائے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ پھر جب وہ عذاب ٹل جاتا تو بدعہدی کرتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کر جائیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کو لے کر رات کے وقت شہر سے نکل گئے۔ فرعون کو جب اطلاع ملی کہ یہ سب لوگ چلے گئے ہیں تو اپنی فوج کو جمع کر کے اُن کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے اُس دریا کو حکم دیا جو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے درمیان حائل ہو گیا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر اپنی عصا یا رہیں تو تجھ میں بارہ رات بن جانے چاہیے، جن سے بنی اسرائیل کے بارہ قابل الگ الگ گزر سکیں اور جب یہ گزر جائیں تو اُن کے تعاقب میں آنے والوں پر یہ دریا کے بارہ حصے پھر مل جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے قریب پہنچے تو یہ یاد نہ رہا کہ لاکھوں سال

سے دریا میں راستے پیدا ہوں گے۔ اس پر اُن کی قوم نے اُن سے فریاد کی اے موسیٰ اب تو ہم پکڑے گئے۔ (کیونکہ پیچھے فرعون فوجوں کو آتا دیکھا اور سامنے یہ دریا حائل تھا۔) اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد آیا فوراً دریا پر اپنی لاٹھی مار دی۔ یہ وہ وقت تھا کہ بنی اسرائیل کے پچھلے حصوں سے فرعون فوج کے اگلے حصے تقریباً مل چکے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضرب عصا سے دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام بنی اسرائیل ان راستوں سے گزر گئے، فرعون فوج جو ان کے تعاقب میں تھی دریا کے ان راستوں میں اپنے گھوڑے اور پیادے ڈال دیئے تو دریا کے یہ مختلف راستے پھر آپس میں مل گئے۔

بنی اسرائیل جب دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گئے تو دیکھا کہ ساری فوج دریا میں ہلاک ہو گئی ہے اور فرعون کی لاش کو موجوں نے کنارے پر پھینک دیا ہے۔ فرعون کی ہلاکت کا مشاہدہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آگے چلے راستہ میں ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے بتوں کی عبادت و پرستش کر رہی تھی۔ بنی اسرائیل یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کرنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسا کہ انہوں نے معبود بنا رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم عجیب قوم ہو کہ ایسی جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ یہ لوگ جو بتوں کی عبادت میں مشغول ہیں انکی عبادت برباد ہونے والی ہے۔ تم اپنے رب کے اتنے معجزات اور انعامات دیکھ چکے ہو پھر بھی تمہارے یہ جاہلانہ خیالات نہیں بدلے۔

یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور ایک مقام پر پہنچ کر اُن سب کو ٹھیرا دیا اور فرمایا کہ تم سب یہاں ٹھیرو میں اپنے رب کے پاس جاتا ہوں۔ تین دن کے بعد واپس آؤں گا اور میرے پیچھے ہارون علیہ السلام میرے نائب رہیں گے ہر کام میں ان کی اطاعت کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن سے رخصت ہو کر کوہ طور تشریف لے گئے اور تین دن کا مسلسل روزہ رکھا مگر تین دن رات کے مسلسل روزے سے جو ایک قسم

کی بونہ میں پیدا ہو جاتی ہے یہ فکر ہوئی کہ اس بونہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نامناسب ہے سو اک کر کے منہ صاف کر لیا۔ جب تھلی گاہ پر حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم نے افطار کیوں کر لیا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے پروردگار مجھے خیال ہوا کہ آپ سے ہمکلامی کے لئے منہ کی بوندیں کر لوں، ارشاد ہوا موسیٰ! کیا تمہیں خبر نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بوندیں ہمارے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ اب آپ لوٹ جائیے اور دس دن مزید روزے رکھتے پھر ہمارے پاس آئیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔

ادھر جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے دیکھا کہ مقررہ مدت تیس دن گزر گئے اور وہ واپس نہیں آئے تو یہ بات اُن کو ناگوار معلوم ہوئی اور وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت سے نکل گئے۔

قوم میں سامری نامی ایک شخص جو گاؤ پرست ذہنیت رکھتا تھا اُس سے ایک عجیب واقعہ رونما ہوا اُس نے حضرت جبریل علیہ السلام کا ایک اثر دیکھا تھا (یعنی جہاں اُن کا قدم پڑتا اسمیں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے تھے) اُس نے خاص اُس جگہ سے ایک مشبہ خاک اٹھالی اور اُسکو ایک مصنوعی پھڑے کے منہ میں ڈال دیا جس میں کوئی روح نہ تھی مگر اس خاک کے اثر سے اسمیں حرکت اور آواز پیدا ہو گئی۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا واللہ وہ کوئی زندہ آواز نہ تھی بلکہ ہوائ کے پھلے حصہ سے داخل ہو کر منہ سے نکلتی تھی اُسی سے یہ آواز پیدا ہو جاتی تھی۔

یہ عجیب و غریب قصہ دیکھ کر بنی اسرائیل کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک جماعت نے سامری سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

اُس نے کہا یہی تمہارا خدا ہے! لیکن موسیٰ راستہ بھول کر دوسری طرف چلے گئے ہیں۔ دوسری جماعت نے یہ کہا کہ ہم سامری کی اس بات کی اُس وقت تک تکذیب نہیں کر سکتے جب تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حقیقت حال نہ بتائیں۔ ایک اور جماعت نے کہا کہ یہ سب شیطانی دھوکہ ہے۔ یہ ہمارا رب نہیں ہو سکتا۔

ہم اسپرایان نہیں لائیں گے۔ ایک جماعت کے دل میں سامری کی بات اتر گئی اور اُس نے سامری کی تصدیق کر کے اُسکو اپنا خدا تسلیم کر لیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ فسادِ کبیر دیکھا تو فرمایا اے قوم تم لوگ فتنہ میں پڑ گئے ہو تمہارا رب تو رحمن ہے تم لوگ میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ قوم نے کہا کہ پھر یہ بتلائیے موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا؟ ہم سے تیس دن کا وعدہ کر کے گئے تھے یہ وعدہ خلائی کیوں کی گئی اب چالیس دن پورے ہو رہے ہیں؟ قوم کے چند بیوقوفوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کا مقام بھول گئے ہیں اُن کی تلاش میں پھر رہے ہوں گے۔

اس طرح جب چالیس یوم پورے ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس فتنہ کی خبر دی جس میں اُن کی قوم مبتلا ہو گئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے غصہ اور افسوس کی حالت میں واپس آئے سکے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: واپس آکر موسیٰ علیہ السلام سے وہ امور سرزد ہوئے جو قرآن میں تم نے پڑھے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سر کے بال کپڑ کر اپنی طرف کھینچے اور تورات کی وہ تختیاں جو کوہِ طور سے لائے تھے نیچے لکھ دیا۔ پھر غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد بھائی ہارون علیہ السلام کا عذر قبول کیا اور اپنی ان یرشعوری حرکات پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ و استغفار کیا۔ اس کے بعد سامری کے پاس گئے اور اُس سے کہا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟

اُس نے جواب دیا میں نے رسول کے نشانِ قدم کی مٹی اٹھالی اور میں سمجھ یا تھا کہ اس سے آثارِ حیات پیدا ہو جائیں گے۔ پس میں نے اُسکو بچھڑے میں ڈال دیا اور لیے ہی میرے دل نے یہ بات سمجھائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو جھڑکا اور فرمایا جا اب تیری سزا یہ ہے کہ تو زندگی بھر یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی نہ چھوئے (ورنہ وہ بھی عذاب میں گرفتار ہو جائیگا)۔ تیرے لئے ایک مدت مقرر ہے جس کے خلاف نہ ہوگا۔ اور دیکھ تو اپنے اس معبود کو سکی تو نے پرستش کی ہے ہم آگ میں جلا دیں گے اور پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیں گے۔

اگر یہ خدا ہوتا تو ہم کو اس عمل پر قدرت نہ ہوتی۔

اس وقت بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ ہم فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں اور سب کو اُس جماعت پر رشک آنے لگا جسکی رائے حضرت ہارون علیہ السلام کے مطابق تھی۔

جب بنی اسرائیل کو اپنے گناہِ عظیم کا احساس ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی کہ اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے جس سے ہمارے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کام کے لئے بنی اسرائیل میں سے ستر نیک اور ممتاز لوگوں کا انتخاب کیا جو اُن کے علم میں گوسالہ پرستی سے بھی دور رہے تھے ان کو لے کر کوہ طور پر پہنچے تاکہ ان کی قبولِ توبہ کے بارے میں عرض کریں۔ جب یہ کوہ طور پر پہنچے ہیں زمین پر ایک زلزلہ آیا جس سے موسیٰ علیہ السلام کو بڑی شرمندگی ہوئی اللہ کی جناب میں عرض کیا:-

”اے میرے پروردگار اگر آپ ان کو ہلاک ہی کرنا چاہتے ہیں تو اس وفد کے آنے سے پہلے ہی اُن کو اور مجھ کو ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہم سب کو اس لئے ہلاک کرتے ہیں کہ ہم میں کچھ بیوقوفوں نے گناہ کیا ہے۔“

اس زلزلے کی وجہ یہ تھی کہ اس وفد میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحقیق و احتیاط کے باوجود کچھ ایسے بھی لوگ شامل ہو گئے تھے جو پہلے گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے اور اُن کے دلوں میں گوسالہ (بچھڑے) کی عظمت و بڑائی بیٹھی ہوئی تھی۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دُعا و فریاد کے جواب میں ارشاد ہوا:-

”میری رحمت تو سب کو شامل ہے اور میں عنقریب لکھ دوں گا اپنی رحمت کا پروانہ اُن لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اتباع کرتے ہیں اُس رسولِ مئی کا جس کا ذکر لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔“

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:-

”میرے پروردگار میں نے آپ سے اپنی قوم کی توبہ کے بارے میں عرض کیا تھا آپ نے جواب میں رحمت کی عطا میری قوم کے علاوہ دوسری قوم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے تو پھر آپ میری پیدائش کو اُس نبی اُمّی کی اُمت مرحومہ میں رکھ دیتے تو اچھا تھا۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہونے کا ایک طریقہ بیان کیا کہ ان میں سے ہر شخص اپنے متعلقین میں سے باپ، بیٹے جس سے ملے اُس کو تلوار سے قتل کر دے اُسی جگہ پر جہاں یہ گوسالہ پرستی کا گناہ کیا تھا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ ساتھی جن کا حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھا اور جن کو نیک اور صالح سمجھ کر ساتھ لے لیا تھا مگر حقیقت میں اُن کے دل میں گوسالہ پرستی کا جذبہ موجود تھا وہ بھی اپنے دل میں نادم ہو کر تائب ہو گئے اور اُس شدید حکم پر عمل کیا جو اُن کی توبہ قبول ہونے کیلئے بطور کفارہ نافذ کیا گیا تھا۔ اور جب سب نے عیمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے قاتل و مقتول دونوں کی خطا معاف فرمادی۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر ارض (شام) کی طرف چلے گئے وہاں ایک ایسے شہر پر پہنچے جس پر قوم جبّارین کا قبضہ تھا جن کی شکل و صورت اور قد و قامت بھی ہیبت ناک تھی۔ اُن کے ظلم و ستم اور طاقت و قوت کے عجیب و غریب قصے قوم کو معلوم ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر بنی اسرائیل کہنے لگے اے موسیٰ اس شہر میں تو بڑے ظالم لوگ ہیں جن کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں اور ہم تو اس شہر میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک یہ جبّارین وہاں موجود ہیں، ہاں وہ یہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم اس شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔

ایسے نازک وقت میں دو آدمیوں نے جن پر اللہ کا انعام ہوا تھا قوم سے کہنے لگے اے قوم اللہ کے نام پر شہر کے دروازے تک تو پہنچو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو غلبہ دے گا اور اللہ پر اعتماد کرو جب کہ تم ایمان لا چکے ہو۔

اس روایت کے راوی یزید بن ہارون سے پوچھا گیا ان دو آدمیوں سے مراد

کون ہیں؟

فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ انکو قوم جبّارین میں شمار کرتے تھے جو اُس شہرے
آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔

ان دونوں نے بنی اسرائیل پر اپنی قوم کا رعب طاری دیکھ کر کہا کہ ہم اپنی قوم
کے حالات سے خوب واقف ہیں تم ان کے ڈیل ڈول اور ان کی بڑی تعداد سے ڈر رہے
ہو حقیقت یہ ہے کہ ان میں دل کی قوت بالکل نہیں اور نہ مقابلہ کرنے کی ہمت ہے تم
ذرا شہر کے دروازے تک تو چلو تو خود دیکھ لینا کہ (وہ ہتھیار ڈال دیں گے) اور تم ہی
ان پر غالب آ جاؤ گے۔

یہ سنکر بھی بنی اسرائیل آمادہ نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہایت
کورا جواب اس بدتمیزی کے سامتھ دیا:-

”اے موسیٰ ہم تو اس شہر میں اُس وقت تک ہرگز داخل
نہ ہوں گے جب تک وہ جبّارین وہاں موجود ہیں، اگر آپ پھر بھی اُن
سے مقابلہ کرنا چاہتے ہوں تو آپ اور آپ کا رب جا کر اُن سے لڑ بھڑ
لیجئے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر قدم پر قوم کی سرکشی اور بیہودگی کا مشاہدہ کرتے آرہے تھے
مگر صبر و تحمل سے کام لیتے رہے کبھی اُن کے لئے بددعا نہیں کی لیکن اس وقت اُن کے اس
بیہودہ جواب سے بہت شکستہ اور غمگین ہو گئے اور اُن کے لئے بددعا کی اور اُن کے
حق میں فاسقین کے الفاظ استعمال فرمائے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی دُعا قبول فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اُس قوم کو فاسقین ہی کے نام سے یاد کیا، اور
اس ارض مقدسہ سے اُن لوگوں کو چالیس سال کے لئے محروم کر دیا اور ایک کھلے میدان
میں اُن کو ایسا قید کر دیا کہ صبح سے شام تک چلتے رہتے کہیں قرار نہ تھا (اسی زمانے
میں اُن کو سن و سلو سی بطور غذا کے ملا کرتا تھا۔ سخت گرمی میں بادلوں کا سایہ مہیا ہوا کرتا
تھا اور معجزانہ طور پر اُن کے کپڑے نہ میلے ہوتے تھے اور نہ پھٹتے تھے، اسی زمانے میں
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرتب پتھر دیا گیا تھا جس پر لاٹھی مارنے پر بارہ چشمے
پھوٹ پڑتے تھے جو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں متعین کر کے تقسیم کر دیئے گئے
تھے اور جب بھی یہ لوگ کسی مقام سے نقل مقام کرتے اور دوسری منزل پر قیام

کرتے تو معجزانہ طور پر اُس پتھر کو وہیں موجود پاتے۔ (قرطبی)

نقد و تبصرہ | جیسا کہ لکھا گیا اس طویل حدیث پر بعض مفسرین نے کلام بھی کیا ہے تاہم دوسرے مفسرین و محدثین نے اس روایت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ان میں نسائی جیسے امام حدیث اور ابن کثیر جیسے ناقد حدیث شامل ہیں۔

علاوہ ازیں جن اہل علم نے اس حدیث پر تنقید کی ہے وہ اس حدیث کے مضمون پر نہیں بلکہ اسکے موقوف و مرفوع (یعنی کلام رسول یا کلام راوی) پر کی ہے۔ روایت کا مضمون بے غبار ہے۔ اس کا اکثر حصہ تو خود قرآن کریم کی آیات میں موجود ہے اور بقیہ حصہ بھی آیات قرآنی سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے بھی اس روایت پر تنقید کی ہے مضمون حدیث پر کسی قسم کی نکیر نہیں ہے گویا ان حضرات نے بھی روایت کی معنویت کو درست سمجھا ہے۔ ورنہ جہاں سند اکلام کیا گیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ متن حدیث پر سکوت اختیار کیا جائے؛ جبکہ ناقدین حدیث دونوں پر کلام کیا کرتے ہیں۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت کا مضمون صحیح و درست ہے۔

حدیث مذکور اگر مرفوعاً ثابت بھی نہ ہو تو نفس حدیث پر کلام کے لئے تنقید ضروری ہے جو یہاں موجود نہیں۔

بالفرض اس حدیث کو موقوف ہی تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ بعض اہل علم کی تحقیق ہے تب بھی کوئی مخدور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اسکے راوی اس امت کے سب سے بڑے عالم حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں جن کا ہم قرآنی اور علم اکابر صحابہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ بنی اسرائیل کے واقعات کو حضرت ابن عباسؓ مشہور اسرائیلی عالم کعب احبارؓ سے سنا کرتے تھے اور بعض دفعہ اُن سے نقل بھی کر دیا کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جن اہل علم نے بھی اس قسم کی روایات پر تنقید کی ہے وہ اسی حیثیت سے کی ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ محققین نے جہاں اسرائیلی روایات پر تنقید کی ہے وہاں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے روایات نقل کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔

حَدَّثَنَا عَنْهُمَا وَلَا حَرَجَ (المحدث)

پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ جیسا ”جبر الائمۃ“ (امت کا سب سے بڑا عالم) اگر کعب احبارؓ سے کوئی روایت منقل کرتا ہو تو اس پر محض اس وجہ سے تنقید کرنا کہ وہ اسرائیلی روایت ہے کوئی معقول بات نہ ہوگی۔

اسرائیلی روایت قابلِ جرح وہاں سمجھی جائیگی جب کہ وہ بات قرآن و حدیث کے مفہوم و منشاء سے ٹکراتی ہو اور ”حدیث فتنون“ کا مضمون قرآنی مضمون کے مخالف تو کجا قرآنی تصریحات سے بہت حد تک مطابقت بھی رکھتا ہے اس لئے اس روایت کو منقل کرنے اور بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ جیسے ائمہ تفسیر نے بھی اس روایت کو اپنی اپنی تفسیروں میں منقل کیا ہے۔

ابن کثیرؒ نے جہاں اس روایت کو اپنی تفسیر میں منقل کیا ہے وہاں اُن کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ یہ پوری روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ ہے اور اپنے اس فیصلے پر ایک معقول دلیل بھی لکھتے ہیں :-

”جب حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ حدیث روایت کرتے سنا تو اس بات کو منکر اور غلط قرار دیا جو اس حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس قبیل (فرعونی) کو قتل کیا تھا تو اُس کی مخبری اُس دوسرے فرعونی نے کی جس سے دوسرے روز یہ اسرائیلی لڑ رہا تھا۔

وجہ یہ تھی کہ اس فرعونی کو تو کل کے واقعہ قتل کا علم نہ تھا وہ اسکی مخبری کیسے کر سکتا تھا؟ اسکی خبر تو صرف اُسی لڑنے والے اسرائیلی کو معلوم تھی (لہذا یہ بات غلط ہے کہ قتل کی مخبری فرعونی شخص نے کی)

جب حضرت معاویہؓ نے اُن کی حدیث کے اس جز کا انکار کیا تو حضرت ابن عباسؓ کو غصہ آیا اور حضرت معاویہؓ کا ہاتھ پکڑ کر سعد بن مالک زہریؓ کے پاس لے گئے اور اُن سے کہا اے ابواسحاقؓ کیا تمہیں یاد ہے جب ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتیل کو

کے بارے میں حدیث بیان فرمائی تھی اور اس راز کا افشاء کر دیا والا اور فرعون کے پاس منجبری کرنے والا اسرائیلی تھا یا فرعون بنی؟ سعد بن مالکؓ نے فرمایا فرعونؓ تھا۔ کیونکہ اُس نے اسرائیلی سے یہ کلام سُن لیا تھا کہ کل کا واقعہ قتل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا تھا، اسی بنا پر اُس نے اسکی شہادت فرعون کے پاس پہنچا دی۔“

حضرت ابن عباسؓ کا یہ واقعہ اس بات کا واضح ثبوت پیش کرتا ہے کہ اُنھوں نے یہ طویل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سُنی ہے۔ جسکی تائید حضرت سعد بن مالکؓ نے بھی فرمائی اور حضرت معاویہؓ نے بھی اسکو تسلیم کیا۔ اس ساری بحث سے ہٹ کر بھی قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کی تفسیر نہ اس طویل حدیث پر موقوف ہے اور نہ کوئی عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی حلال و حرام احکام کا تعلق ہے۔ ان تمام وجوہات کے باوجود بھی معلوم نہیں جدید مفسرین کو اس حدیث کے نقل کرنے میں کیوں خوف لگتا ہے؟ (واللہ اعلم وعلما تم)

جدید سانحہ

ملت اسلامیہ کا یہ بڑا سانحہ ہے کہ موجودہ دور میں بعض اہل علم مغربی مورخین اور مستشرقین کی جدید تحقیقات سے اس قدر مرعوب اور متاثر ہو جاتے ہیں کہ ان کی ہر جدید تحقیق قابل اعتماد نہ سہی قابل نقل و بیان ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسلامی مورخین کا تاریخی ذخیرہ جن میں بعض اکابر ملت بھی شامل ہیں قابل التفات تک نہیں۔ (ذوالی الشرائع)

ان ساری تفصیل کے بعد قرآن حکیم کا بیان کردہ مضمون پڑھا جائے جو تذکرہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی تذکرہ ہے۔ معلوم ہوگا کہ اس عظیم المرتبت رسول کا تذکرہ کس قدر اہمیت اور اپنے اندر کتنے بصائر و غیر اور مواعظ و حکمت کا نادر ذخیرہ رکھتا ہے۔ اسی حکمت کے پیش نظر قرآن حکیم نے حسب ضرورت اور حسب موقع محل جگہ جگہ اس قصے کے اجزاء کو کہیں مجملاً اور کہیں مفصلاً بیان کیا ہے۔

سیدنا موسیٰ و ہارون علیہم السلام | قرآن حکیم کی (۲۷) سورتوں کی ۵۱۴

آیات میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل اور فرعون کا واقعہ ملتا ہے جن کی تفصیل یہ ہے:-

- ۱۔ سورہ بقرہ — آیات ۶۱ تا ۶۳، ۷۳ تا ۷۵، ۸۳ تا ۸۷، ۹۲ تا ۹۳، ۱۰۸ تا ۱۳۶،
- ۲۔ سورہ نساء — ۱۵۳ تا ۱۵۶، ۱۶۴۔
- ۳۔ سورہ مائدہ — ۱۲، ۱۳، ۲۰ تا ۲۶، ۳۲، ۳۵، ۴۰، ۴۱، ۷۸، ۷۹۔
- ۴۔ سورہ انعام — ۸۳ تا ۹۰، ۱۴۶، ۱۵۳۔
- ۵۔ سورہ اعراف — ۱۰۳ تا ۱۵۷، ۱۵۹ تا ۱۷۱۔
- ۶۔ سورہ انفال — آیت ۵۴۔
- ۷۔ سورہ یونس — آیات ۷۴ تا ۹۳۔
- ۸۔ سورہ ہود — ۹۶ تا ۹۹، ۱۱۰۔
- ۹۔ سورہ ابراہیم — ۵، ۶، ۸۔
- ۱۰۔ سورہ نحل — آیت ۱۲۴۔
- ۱۱۔ بنی اسرائیل — آیات ۲ تا ۷، ۱۰ تا ۱۴۔
- ۱۲۔ سورہ کہف — ۶۰ تا ۸۲۔
- ۱۳۔ سورہ مریم — ۵۱ تا ۵۳۔
- ۱۴۔ سورہ طہ — ۹ تا ۹۸۔
- ۱۵۔ سورہ انبیاء — ۴۸، ۴۹۔
- ۱۶۔ سورہ مؤمنون — ۴۵ تا ۴۹۔
- ۱۷۔ سورہ فرقان — ۳۵، ۳۶۔
- ۱۸۔ سورہ شعراء — ۱۰ تا ۶۶۔
- ۱۹۔ سورہ نمل — ۷ تا ۱۴۔
- ۲۰۔ سورہ قصص — ۳ تا ۴۸۔
- ۲۱۔ سورہ عنکبوت — ۳۹، ۴۰۔
- ۲۲۔ سورہ سجدہ — ۲۳، ۲۴۔

- ۲۳ — سورۃ احزاب — آیات ۷، ۶۹۔
 ۲۴ — سورۃ الصفۃ — " ۱۱۳ تا ۱۲۲۔
 ۲۵ — سورۃ مومن — " ۲۳ تا ۴۵۔
 ۲۶ — سورۃ زخون — " ۴۶ تا ۵۶۔
 ۲۷ — سورۃ دخان — " ۱۷ تا ۳۲۔
 ۲۸ — سورۃ جاثیہ — " ۱۶، ۱۷۔
 ۲۹ — سورۃ الذاریہ — " ۳۸ تا ۴۰۔
 ۳۰ — سورۃ قمر — " ۴۱ تا ۵۵۔
 ۳۱ — سورۃ صف — آیت ۵۔
 ۳۲ — سورۃ جمعہ — آیات ۵، ۶۔
 ۳۳ — سورۃ یحییٰ — آیت ۱۱۔
 ۳۴ — سورۃ الحاقۃ — آیات ۹، ۱۰۔
 ۳۵ — سورۃ مزمل — " ۱۵، ۱۶۔
 ۳۶ — سورۃ النازعۃ — " ۱۵ تا ۲۵۔
 ۳۷ — سورۃ فجر — " ۱۰ تا ۱۳۔

مجلہ آیات ۵۱۴۔

اسی طرح حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اسمائے گرامی قرآن حکیم کی جن سورتوں میں مذکور ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم کی (۲۶) سورتوں میں (۱۰۷) جگہ ملتا ہے جسکی تفصیل یہ ہے:-

- ۱ — سورۃ بقرہ — میں ۱۲ مقام پر آیا ہے۔
 ۲ — سورۃ نساء — میں ۲ " "
 ۳ — سورۃ مائدہ — میں ۲ " "
 ۴ — سورۃ انعام — میں ۲ " "
 ۵ — سورۃ اعراف — میں ۱۶ " "

- ۶۔ سورۃ یونس۔ میں ۸ مقام پر آیا ہے
 ۷۔ سورۃ ہود۔ میں ۲
 ۸۔ سورۃ ابراہیم۔ میں ۳
 ۹۔ سورۃ بنی اسرائیل۔ میں ۳
 ۱۰۔ سورۃ کہف۔ میں ۲
 ۱۱۔ سورۃ مریم۔ میں ۱
 ۱۲۔ سورۃ طہ۔ میں ۱۴
 ۱۳۔ سورۃ انبیاء۔ میں ۱
 ۱۴۔ سورۃ مؤمنون۔ میں ۲
 ۱۵۔ سورۃ فرقان۔ میں ۱
 ۱۶۔ سورۃ شعراء۔ میں ۸
 ۱۷۔ سورۃ نمل۔ میں ۲
 ۱۸۔ سورۃ قصص۔ میں ۱۴
 ۱۹۔ سورۃ احزاب۔ میں ۱
 ۲۰۔ سورۃ سجدہ۔ میں ۱
 ۲۱۔ سورۃ صافات۔ میں ۲
 ۲۲۔ سورۃ مؤمنون۔ میں ۴
 ۲۳۔ سورۃ زخرف۔ میں ۱
 ۲۴۔ سورۃ ذاریات۔ میں ۱
 ۲۵۔ سورۃ صف۔ میں ۱
 ۲۶۔ سورۃ النازعات۔ میں ۱

جملہ (۱۰۷) مقامات پر اسم گرامی موجود ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم کی سورتوں میں

(۱۴) جگہ موجود ہے :-

۱۔	سورہ بقرہ	میں	۱	مقام پر آیا ہے
۲۔	سورہ نساء	میں	۱	"
۳۔	سورہ انعام	میں	۱	مقام پر آیا ہے
۴۔	سورہ اعراف	میں	۱	"
۵۔	سورہ یونس	میں	۱	"
۶۔	سورہ طہ	میں	۳	"
۷۔	سورہ انبیاء	میں	۱	"
۸۔	سورہ مومنون	میں	۱	"
۹۔	سورہ فرقان	میں	۱	"
۱۰۔	سورہ شعراء	میں	۲	"
۱۱۔	سورہ قصص	میں	۱	"

جملہ (۱۴) مقامات پر اسم گرامی موجود ہے۔

قرآنی مضمون

طَسَّمَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ . نَتْلُو عَلَيْكَ

مِنْ نَّبَأِ مُوسَى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ

يُؤْمِنُونَ . ۱۰۰ النجۃ (القصص آیات ۱۳۷-۱۳۸)

طسّم۔ یہ کھلی کتاب کی آیات ہیں۔

ہم آپکو موسیٰ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں۔
 اُن لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، بیشک فرعون سرزمین میں بہت
 بڑھ چڑھ گیا تھا اور اُس نے وہاں کے باشندوں کی مختلف جماعتیں
 کرہ کھا تھا کہ اُن میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا اُن کے
 بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا
 بیشک وہ بڑے مفسدوں میں سے تھا۔

اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم اُن پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور اُن کو مالک بنائیں اور اُن کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور اُنکے تابعین کو اُن کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔ اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم انکو دودھ پلاؤ، پھر جب تم کو اُن کی وجہ سے اندیشہ ہو تو اُن کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو اندیشہ کرنا اور نہ غم کرنا، ہم اُن کو پھر تمہارے ہی پاس ضرور واپس پہنچا دیں گے اور اُن کو پیغمبر بنا دیں گے۔

چنانچہ فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھالیا تاکہ وہ اُن لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا سبب بنیں۔ بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (اس بارے میں بہت) چوکنے والے تھے (کہ اپنی دشمن کو اپنے گھر میں پالام اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا کہ یہ (بچہ) میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسکو قتل نہ کرنا۔ عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اُسکو (اپنا) بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ بھتی۔

اور موسیٰ کی والدہ کا دل بیقرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتیں اگر ہم اُن کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے ہوتے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو۔

اور اُنھوں نے موسیٰ کی بہن (اپنی بیٹی سے) کہا ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا سو اُس نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ بھتی (کہ یہ اُن کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی (یعنی کسی کا دودھ نہ لیتے تھے) سو وہ (بہن) کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔

غرض ہم نے موسیٰ کو اُن کی والدہ کے پاس (اپنے وعدہ کے موافق) واپس پہنچا دیا تاکہ اُن کی آنکھیں مٹھنڈی ہوں اور تاکہ غم میں نہ رہیں اور تاکہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۖ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۖ (طہ آیات ۷۳ تا ۷۷)

اور (تجھے اے موسیٰ معلوم بھی ہے) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ احسان کر چکے ہیں؛ (ہم تجھے بتاتے ہیں اُس وقت کیا ہوا) جب ہم نے تیری ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ بچے کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے دریا اُسکو کنارے پر ڈال دے گا۔ پھر اسکو وہ اٹھالے گا جو میرا دشمن ہے نیز اُس بچے کا بھی دشمن ہے اور اے موسیٰ ہم نے اپنے فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا (کہ اجنبی بھی تجھ سے محبت کرنے لگے) اور یہ اس لئے کہ ہم چاہتے تھے تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے۔

تیری بہن جب وہاں سے گزری تو (یہ ہماری ہی کار فرمائی تھی کہ) اُس نے (فرعون والوں کو) کہا کیا میں تمہیں ایسی عورت بتا دوں جو اُس بچے کو پالے پوسے۔ اور اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اُسکی آنکھیں مٹھنڈی رہیں اور (بچہ کی جدائی سے) غمگین نہ ہو۔

غیر ارادی قتل | حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عرصہ تک شاہی محلات میں زندگی بسر کی جو غالباً آبادی سے دور شہر کے باہر تھے جیسا کہ بادشاہوں کے محل ہوا کرتے ہیں۔ فطری صلاحیتیں اور شاہی زندگی نے اُنہیں نہایت قوی اور مضبوط جو ان کی طرح بنا دیا۔ چہرے سے رعب ٹپکتا تھا اور جسم کی ساخت بھی پُر وقار با عظمت تھی۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں اور مصری خاندان سے ان کا کوئی رشتہ قرابت

نہیں اُنھوں نے یہ بھی بار بار دیکھا کہ بنی اسرائیل پر سخت مظالم ہو رہے ہیں اور وہ لوگ مصر میں ذلت و غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ دیکھ کر اُن کا خون جوش مارنے لگتا تھا اور موقع بہ موقع بنی اسرائیل کی حمایت و نصرت میں پیش پیش ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ شہری آبادی کے ایک کنارے جا رہے تھے کہ دیکھا ایک فرعونی ایک اسرائیلی کو بیگار کے لئے گھسیٹ رہا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو لگا فریاد کرنے اور مدد چاہنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی کی اس حرکت پر غصہ آیا اور اُسکو باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اُس فرعونی نے توجہ نہ دی اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں ایک گھونسا رسید کیا۔ فرعونی اس ضرب کو برداشت نہ کر سکا اور اُس وقت دم توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عمل پر بہت افسوس ہوا، اللہ سے فوری معافی طلب کی اللہ نے انھیں معاف بھی فرمادیا کیونکہ اس عمل میں نہ ارادہ تھا نہ نیت۔

دوسرے دن بھی ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ دیکھا کہ وہی کل والا اسرائیلی ایک اور فرعونی سے جھگڑ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر کل کی طرح آج بھی مدد کا طالب ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات ناگوار گزری کہ اس کا روز کا جھگڑا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا تو قسم کا آدمی ہے تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ :-

إِنَّكَ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔

تو بلاشبہ کھلا گمراہ آدمی ہے۔

وہ اسرائیلی سمجھا کہ کل تو فرعونی کو مارا تھا شاید آج میری خبر لیں فوراً بول پڑا :-

اے موسیٰ جس طرح کل تم نے ایک فرعونی کو مار ڈالا تھا کیا

آج مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو؟

فرعونی نے جب یہ بات سنی تو اُس قتل کار از فاش کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سگرفتاری کا حکم جاری ہوا۔ کسی خیر خواہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ آپ شہر چھوڑ دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مشورے کو قبول کیا اور ارض مدین کی جانب روانہ ہو گئے۔

قرآن حکیم نے اس خیر خواہ کا نام نہیں بیان کیا صرف دو وصف بیان کئے ہیں۔

اول یہ کہ وہ شخص شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا،
دوم یہ کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ایک بڑی جماعت آپ کے
قتل کا مشورہ کر رہی ہے۔

شہر کے آخری کنارے سے آیا تھا، اور عرب میں یہ مثل
معروف ہے الاطراف مسکنی الاشراف (شہر کے کنارے شرفاء
کے رہنے کی جگہ ہے) معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی شریف و معزز آدمی تھا۔
دوسرے یہ خبر دینا کہ ایک بڑی جماعت قتل کا مشورہ کر رہی ہے۔
یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ علم اُسی شخص کو ہو سکتا ہے جو فرعون اور اُس کے
ارکان کے درمیان نمایاں حیثیت رکھتا ہوگا۔
فرعون کے قتل کا واقعہ قرآن حکیم کی سورہ قصص میں اس طرح ملتا ہے :-

قرآنی مضمون

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا. النح

(قصص آیات ۱۲ تا ۱۴)

اور جب موسیٰ اپنی پوری جوانی کو پہنچے اور اُن کا نشو و نما
مکمل ہو گیا تو ہم نے اُن کو حکمت و علم عطا کیا (نبوت سے پہلے) اور ہم
نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

(ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جبکہ
اہل شہر غفلت میں تھے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا۔ ایک اُن کی
اپنی قوم کا تھا اور دوسرا اُن کی دشمن قوم کا تھا، سو اُن کی برادری کے
آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف مدد کے لئے پکارا، موسیٰ نے
اسکو ایک گولہ مارا اور اُس کا کام تمام کر دیا۔

موسیٰ نے کہا کہ یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی، بیشک شیطان
تو سخت دشمن کھلا گمراہ کن ہے (پھر نادوم ہو کر) موسیٰ نے کہا اے میرے
پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے پس میری مغفرت فرما دیجئے
چنانچہ اللہ نے ان کی مغفرت فرمادی کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

موسیٰ نے عہد کیا کہ اے میرے پروردگار یہ احسان جو تو نے مجھ پر کیا ہے اسکے بعد میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔

دوسرے روز موسیٰ صبح سویرے ڈرتے ہوئے اور ہر طرف سے خطرہ محسوس کرتے شہر میں جا رہے تھے کہ اچانک دیکھا کہ وہی شخص ہے جس نے کل موسیٰ سے مدد کے لئے پکارا تھا آج پھر پکار رہا ہے، موسیٰ نے کہا تو تو بڑا بہکا ہوا آدمی ہے۔

پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ فرعون کو پکڑے جو موسیٰ اور اسرائیلی کا دشمن تھا تو وہ اسرائیلی (غلط فہمی میں) کہا، اے موسیٰ کیا تم مجھے آج اُسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو؟ پس تم زمین میں اپنا زور بٹھانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے اس کلام سے شہر میں بات پھوٹ گئی (اسکے بعد) ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا اے موسیٰ! سزا رواں میں آپ کے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ لہذا یہاں سے جلد نکل جائیے میں آپ کا خیر خواہ ہوں (یہ خبر سنتے ہی) موسیٰ ڈرتے اور سمیتے نکل گئے اور دُعا کی اے میرے رب مجھے ظالموں سے بچا۔

ہجرت حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلنے کا ارادہ کئے تو شہر مدین کا انتخاب کیا۔ مدین ملک شام کا ایک شہر تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کے نام پر موسوم تھا۔ یہ علاقہ فرعون کی حکومت سے خارج تھا اور مصر سے آٹھ منزل (مساوی ۱۶۰ میل) کے فاصلہ پر واقع تھا۔ چونکہ یہ سفر اچانک حادثہ کے طور پر پیش آیا تھا اس لئے ساتھ کوئی رفیق سفر اور زاد راہ نہ تھا۔ تاریخ طبری میں سعید بن جبیر کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ اس تمام سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوراک درختوں کے پتوں کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ اس بے سرو سامانی کی حالت میں ارض مدین پہنچے۔

کارِ مدین دیکھا کہ ایک کنویں پر بھیڑ لگی ہوئی ہے اور جانوروں کو پانی پلایا جا رہا ہے۔

اس ہجوم سے کچھ دور دو لڑکیاں کھڑی ہیں اور اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روک رہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ یہاں بھی وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو دنیا کی ظالم طاقتوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیاں کمزور و غریب گھرانے سے متعلق رکھتی ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ جب یہ قومی و سرکش اپنے جانوروں کو سیراب کر چکیں تو بچا کھچا پانی اپنے جانوروں کو پلائیں، الغرض یہ حال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دیکھانہ گیا آگے بڑھ کر پوچھا:-

تمہاری کیا پریشانی ہے؟ اپنے جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟
دونوں لڑکیوں نے جواب دیا ہم مجبور ہیں اگر جانوروں کو آگے بڑھاتے ہیں تو یہ طاقتور زبردستی ہم کو پیچھے ہٹا دیتے ہیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں ان میں یہ طاقت نہیں کہ یہ خدمت انجام دیں۔ اور جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس ہو جاتے ہیں اس وقت ہم بچا کھچا پانی حاصل کرتے ہیں یہی ہمارا روز کا معاملہ ہے۔
یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی غیرت آئی۔ آگے بڑھ کر بھیڑ بھاڑ چیرنے ہوئے کنویں پر جا پہنچے اور کنویں کا بڑا ڈول اٹھایا اور تنہا کھینچ کر لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کر دیا۔ جب ان لڑکیوں کے جانوروں نے پانی پی لیا تو وہ گھر پہنچیں خلافِ عادت جلد واپسی پر ان کے والد کو تعجب ہوا پوچھا بیٹی آج کیا بات ہے جو تم جلد لوٹ آئی ہو؟ دونوں نے گزرا قصہ سنایا کہ کس طرح ایک اجنبی نے انکی مدد کی۔
باپ نے کہا جاؤ جلد اس اجنبی کو لے آؤ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیک بخت آدمی ہے؟

ادھر باپ بیٹی میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جانوروں کو سیراب کرنے کے بعد قریب ہی کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ مسافرت و غربت اور پھر بھوک پیاس سے نڈھال ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلائے۔
مناجات شروع کر دی:-

الہی میں بھوکا ہوں، حالت سفر میں ہوں، میری مدد فرما،
جو بھی میرے لئے بہتر ہو اپنے فضل سے نازل فرما۔ میں تیری ہر
نعمت کا محتاج ہوں۔

باپ کے مشورہ پر اُن دونوں میں کی ایک لڑکی تیزی سے وہاں پہنچی تو دیکھا کہ وہ نیک دل آدمی کنویں کے قریب ہی بیٹھا ہے۔ شرم و حیا کے ساتھ بیچی نظریں کئے لڑکی نے کہا:-

آپ ہمارے گھر چلے ہمارے والد آپ کو بلاتے ہیں،

تاکہ وہ آپ کو آپ کے اُس احسان کا بدلہ عنایت کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس غیر متوقع دعوت کو رد کرنا مناسب نہ سمجھا اُٹھ کھڑے ہوئے اور لڑکی کو ہدایت کی کہ وہ پیچھے پیچھے چلے اور اشارے سے گھر کی رہنمائی کرے۔ جب گھر پہنچے تو لڑکیوں کے والد بزرگوار نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استقبال کیا، اعزاز و اکرام کے ساتھ ملاقات کی۔ پہلے کھانا کھایا پھر حالات دریافت کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی ساری تفصیل بیان کی۔ فرعون کا ظلم، بنی اسرائیل کی حالت زار کا تذکرہ کیا اور بعد میں اپنے اُس غیر ارادی قتل کا بھی واقعہ بیان کیا۔ اس پر ان بزرگ نے تسلی دی اور فرمایا کہ اللہ کا شکر کرو اب تمہیں ظالم قوم سے نجات مل گئی۔

شیخ کبیر | یہ بزرگ کون تھے؟ اس موقع پر قرآن حکیم میں کوئی صراحت موجود نہیں، لڑکیوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بڑے بوڑھے آدمی تھے جو اپنی پیرا نہ سالی کے باعث اس قابل نہ تھے کہ گھر کی ضروریات خود اپنے ہاتھوں پورا کریں۔ اور غالباً گھر میں ان کے سوا اور کوئی مرد بھی نہ ہوگا تب ہی گھر کی عورتیں ضروری کام کے لئے باہر نکلتی تھیں۔

اس ساری صورت حال کو لڑکیوں نے ایک مختصر فقرے میں ادا کیا ہے:-

وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ (سورہ قصص آیت ۷۱)

ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔

اس فقرے کی ادائیگی میں لڑکیوں کی حیاداری کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک اجنبی سے غیر ضروری بات بھی نہ کرنا چاہتی تھیں، مگر یہ بھی پسند نہ تھا کہ یہ اجنبی ہمارے خاندان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کر لے اور اپنے ذہن میں یہ خیال کرے کہ یہ کیسے لوگ ہیں جن کے

مرد گھر بیٹھے رہیں اور عورتیں کام کریں ؟

بہر حال ان شیخ کبیر کے بارے میں قرآن حکیم نے کسی ایک جگہ بھی ان کا نام نہیں بتایا ہے اور نہ کوئی ایسی قوی روایت موجود ہے جو نام کو متعین کر دے۔ اسلئے مفسرین و مؤرخین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں جن میں مشہور و معروف اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ امام تفسیر ابن جریر طبریؒ نے یہی قول حضرت حسن بصریؒ کا نقل کیا ہے۔ محدث ابن ابی حاتم نے بھی یہی بات کہی ہے جو قرآنی سیاق و سباق کے مطابق بھی ہے۔

بعض مؤرخین نے اس شیخ کا نام یثرون لکھا ہے اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اور بعض نے ان کا نام یثری لکھا ہے۔ طبری نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ موسیٰ کو اجیر رکھنے والا دین کا شیخ ”یثری“ نامی تھا۔ توراۃ میں اسی سے ملتا جلتا نام ”یثرو“ بتایا گیا ہے۔ اور بعض نے ان کا نام ”حوباب“ لکھا ہے۔

مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت شعیب کا اسم گرامی حوباب تھا اور یثرو ایک اعزازی لقب تھا جسکے معنی کامل کے ہیں۔ جس طرح یہودیوں کے ہاں کاہن اور مسلمانوں کے ہاں امام کا لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے ان کا نام شعیب کہا ہے حوباب کی تصحیف ہے۔

حقیقت میں یہ سب ایک ہی نام ہیں جو زبان و لغت کے لحاظ سے مختلف تلفظ ہیں اور ادا کئے گئے ہیں۔ بہر حال نام کی تعین میں کوئی قطعی بات معلوم نہیں ہوتی جو کچھ بھی ہیں وہ قیاس و اندازے ہیں لیکن جن اہل علم نے ان بزرگ کا نام شعیب علیہ السلام بتایا ہے وہ زیادہ قابل ترجیح ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ ایک وجہ تو اسکی یہ ہے کہ عام طور پر حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ایک بیان کیا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ شہر مدین کی جانب جو رسول بھیجے گئے تھے وہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ ان کے علاوہ قرآن حکیم میں اس شہر کی جانب کسی اور مشہور و معروف رسول کے روانہ کئے جانے کا ذکر نہیں ملتا۔

وَالْمَدِينَةِ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا. (ہود آیت ۸۴)

مدین کی جانب اُنکے بھائی شعیبؑ کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔
اصحاب الایکہ بھی اہل مدین ہی کو کہا جاتا ہے جسکی تفصیل تذکرہ سیدنا شعیب
علیہ السلام میں آچکی ہے۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ. إِذْ قَالَ لَهُمُ

شُعَيْبٌ أَتَلْتَقُونَ. (شعرا آیت ۷۵)

تیسری وجہ یہ کہ سورہ ہود میں انبیاء کرام کے سلسلہ وار تذکروں میں حضرت
شعیب علیہ السلام کے تذکرے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کا
ایک زمانہ ہے۔ لہذا مدین کے پیشینچہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ واللہ اعلم۔
مار مدین کا تذکرہ آیات ذیل میں اس طرح موجود ہے :-

قرآنی مضمون وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي
أَن يَهْدِيَ بَيْنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ. الخ

(القصاص آیات ۲۲ تا ۲۵)

اور مصر سے نکل کر جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو اُنھوں
نے (دل میں) کہا اُمید ہے کہ میرا رب مجھے صحیح راستے کی رہنمائی
کرے گا۔

اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بہت
سے لوگ (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور دو عورتوں کو پایا
کہ وہ اُس بھیڑ کے پیچھے اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰ نے
کہا تمہیں کیا پریشانی ہے؟ کہنے لگی ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں
پلا سکتیں جب تک یہ چروا ہے اپنے جانور تکال نہ لے جائیں، اور ہمارے
والد ایک بوڑھے آدمی ہیں۔

(یہ سن کر) موسیٰ نے اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر

ایک سایہ کی جگہ جا بیٹھے، پھر کہا پروردگار جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کر دے
میں اُس کا محتاج ہوں۔

پس آئی موسیٰ کے پاس اُن دونوں میں سے ایک چلتی ہوئی
شرم و حیا سے، بولی میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ بدلہ دیں اُس
کام کا جو آپ نے ہمارے جانوروں کو سیراب کیا ہے۔

پھر جب موسیٰ اُن کے پاس پہنچے اور اُن سے (تمام) قصہ
بیان کیا (تو اُس شیخ کبیر نے) کہا اب اندیشہ نہ کرو، تم ظالم قوم سے
نجات پا گئے۔“

تورات میں شیخ کبیر کی لڑکیوں کی تعداد سات بیان کی گئی ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو
لیکن ابن کثیرؒ نے ان ہر دو اقوال میں اس طرح مطابقت پیدا کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ
مدین کے اس بزرگ کی سات لڑکیاں ہوں مگر بار مدین پر جو واقعہ پیش آیا اس میں
صرف دو لڑکیاں ہی موجود تھیں جیسا کہ قرآن حکیم کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔

شیخ کبیر اور دامادی رشتہ | حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مدین کے

اس بزرگ کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں
کہ اُس لڑکی نے جو موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی اپنے باپ سے کہا:-
اے ابا جان! آپ اس مہمان کو اپنے جانور چرانے اور
پانی مہیا کرنے کے لئے مقرر کر لیجئے کیونکہ یہ وہی اجیر بہتر اور مناسب
ہوتا ہے جو قوی اور امانتدار بھی ہو۔“

مفسرین لکھتے ہیں کہ باپ کو لڑکی کی یہ گفتگو عجیب سی معلوم ہوئی پوچھا بیٹی تجھ کو اس
مہمان کی قوت و امانت کا حال کیونکر معلوم ہوا؟

لڑکی نے جواب دیا قوت کا اندازہ تو اس سے معلوم ہوا کہ کنویں کا بڑا ڈول
اس نے تنہا بھر کر کھینچ لیا اور امانت کا حال اس طرح کہ جب میں اُنہیں بلانے
گئی تو اُس نے مجھے دیکھ کر اپنی نظریں نیچی کر لیں اور دوران گفتگو ایک مرتبہ بھی
نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اور جب چلنے لگا تو مجھ کو پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے آگے چلا

اور میں اُسکی صرف اشاروں سے رہنمائی کرتی رہی۔

بزرگ باپ نے بیٹی کی ان باتوں کو سنا تو بہت خوش ہوا، بیٹی کا مشورہ پسند آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اگر تم آٹھ سال میرے پاس رہو اور میری بکریاں چراؤ تو میں اپنی دونوں بیٹیوں سے ایک بیٹی کا نکاح تم سے کروں گا اور اگر تم اس مدت میں مزید دو سال اور بڑھا کر دس سال پورے کرو تو اور بھی زیادہ بہتر ہوگا اور یہی اس لڑکی کا مہر ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کر لیا اور کہا کہ یہ میری مرضی پر چھوڑیے کہ میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو چاہوں پورا کر دوں۔

طرفین کی اس باتھی رضا مندی کے بعد شیخ کبیر نے اس بیان کردہ مدت کو مہر قرار دے کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ایک لڑکی کا نکاح کر دیا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ختم مدت پر عقد نکاح عمل میں آیا اور عقد کے فوراً بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کے ساتھ جن کا نام ”صفورہ“ بیان کیا جاتا ہے مصر روانہ ہو گئے۔ عقد نکاح کی یہ گفتگو قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون قَالَتْ احْدَاثُهُمَا يَا اَبَتِ اسْتَاْجِرْكَ اِنَّ خَيْرَ مِّنْ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوٰى اَلْاَمِيْنُ۔ النح

(قصص آیات ۲۳ تا ۲۵)

ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا ابا جان! اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ نوکر رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔

باپ نے (موسیٰ سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کروں بشرطیکہ تم آٹھ

سال تک میرے ہاں ملازمت کرو۔ اور اگر دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری مرضی ہوگی۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا، تم انشاء اللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔

موسیٰ نے جواب دیا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور جو کچھ قول و قرار ہم کر رہے ہیں انشاء اللہ اس پر نگہبان ہو۔ قیام مدین کا تذکرہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے:-

فَلَبِثْتُ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتُ عَلَىٰ قَدَرٍ
يُوسُفُ النَّمِ (طہ آیت ۴۷)

پھر تم نے مدین میں چند سال قیام کیا۔ پھر اب ٹھیک اپنی وقت (مقررہ) پر اے موسیٰ تم آگے اور میں نے تم کو اپنے کام کا بنالیا ہے۔

از روئے معاہدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت آٹھ سال تھی لیکن اُنھوں نے پورے دس سال مکمل کئے۔ یہ بات انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا پتہ دیتی ہے۔ یہ حضرات اپنے اخلاق و کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت حسن بن علیؑ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ کے بجائے دس سال مکمل کئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی بات خود ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقل کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

قَضَىٰ مُوسَىٰ اَلْاَجَلَينِ وَاطْبِئَسَا عَشْرَ سِنِينَ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے وہ مدت پوری کی جو زیادہ کامل اور اپنے خسر کے لئے زیادہ خوشگوار تھی یعنی دس سال۔

تاج نبوت اور عطاءئے معجزہ | قرآن حکیم نے یہ نہیں بتایا کہ مدت پوری

ہونے کے بعد کتنے عرصے تک حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں قیام پذیر رہے؟
بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ختم مدت کے فوری بعد اپنی بیوی
کو لے کر مصر روانہ ہو گئے۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ الْأَيَّ.

پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر

چل پڑے۔

غالباً اس آیت سے یہ بات اخذ کی گئی ہو۔

لیکن معالم التنزیل میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدت
کے ختم ہونے پر فوراً روانہ نہ ہوئے بلکہ مزید دس سال اپنے خسر کے ہاں قیام کیا،
تورات میں بھی ایسی ہی تصریح موجود ہے۔

اور اس بات کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ جب حضرت موسیٰ
علیہ السلام گھر سے چلے تو وادی مقدس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں کہا گیا
کہ ظالم فرعون اور اسکی قوم کی طرف جاؤ اور ان کو اللہ کا پیام پہنچاؤ۔ اس پر حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے فرمایا:-

”پروردگار میں نے اُن فرعونوں میں سے ایک کو قتل کیا تھا

مجھے ڈر ہے کہ تمہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں؟

اس گفتگو کے وقت تک قتل والے معاملہ کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر
جائیکی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ مہلّا وہ مدت عقد کے فوری بعد کیسے روانہ ہوئے؟

بہر حال حقیقت حال کا علم اللہ علیم وخبیر ہی کے ہاں ہے اور یہ ہی مناسب
اور قابل احتیاط طرز ہے کہ ایسے امور میں جسکو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہم بھی
پوشیدہ سمجھیں۔

الغرض ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی سیدہ صفورہؓ اور توراۃ کی
تصریح کے مطابق اپنے دونوں بچوں سمیت شہر مدین سے اپنے وطن مصر کیلئے روانہ ہو گئے
رات ٹھنڈی تھی سردی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا، آگ جلانے کا ارادہ کیا لیکن
چقماق نے سخت جھنکی کی وجہ سے کام نہ دیا۔ قریب کی وادی میں نگاہ ڈالی تو ایک شعلہ

چمکتا نظر آیا۔ بیوی سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں آگ لے آؤں گا تاکہ تاپنے کا بھی انتظام ہو جائیگا۔ اور اگر وہاں کوئی رہبر مل گیا تو بھٹکی ہوئی راہ کا بھی کھوج لگ جائے گا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ عجیب و غریب منظر ہے درخت پر روشنی نظر آرہی ہے۔ مگر نہ درخت کو جلاتی ہے اور نہ ہی ٹگل ہوتی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھے۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھتے آگ دور ہوتی جاتی۔ اس صورت حال سے کچھ خوف سا پیدا ہوا۔ ارادہ کیا کہ واپس لوٹ جائیں۔ جوں ہی پلٹے آگ قریب ہو گئی اور اُس میں سے یہ آواز آئی:-

”اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں سارے جہان والوں کا۔“

یہ آواز سنکر حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے تو دوبارہ پکارا گیا:-

”اے موسیٰ میں ہوں تمہارا پروردگار یہاں اپنی جوتی اتار دو

تم یہاں طوسی کی مقدس وادی میں کھڑے ہو۔ اور دیکھو میں نے

تم کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے اب میں جو کچھ بھی وحی کروں

اسکو غور سے سنو۔“

شہر مدین سے روانگی اور درمیان راہ میں نبوت سے سرفرازی اور عصا وید بیضا کا معجزہ آیات ذیل میں وضاحت کے ساتھ ملتا ہے:-

قرآنی مضمون | فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ النَّاسِ
مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا ۚ إِنَّهُ (قصص آیات ۲۹ تا ۳۵)

”جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر چلے تو کوہ طور کی جانب ایک آگ نظر آئی۔ اپنے گھر والوں سے کہا ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا اُس آگ سے کوئی انگارہ ہی اُٹھالائوں تاکہ تم لوگ اُس سے تاپ سکو۔“

پھر جب وہ وہاں پہنچے تو وادی کے داہنے کنارے پر مبارک خط میں ایک درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں سارے جہان والوں کا پروردگار۔

اور یہ کہ پھینک دو اپنی لامٹھی کو پھر جب دیکھا اُس کو کہ وہ لامٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا (ارشاد ہوا) موسیٰ پلٹ آؤ اور خوف نہ کرو تم بالکل محفوظ ہو۔

اپنا ہاتھ گریباں میں ڈالو وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے اور خوف دور کرنے کے واسطے اپنا بازو پھر اپنے سے ملا لینا (جس سے ہاتھ اپنے اصلی رنگ پر لوٹ آئے گا) پس یہ دوست تمہارے رب کی طرف فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس جانے کیلئے ہیں بیشک وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب میں نے اُن میں سے ایک آدمی کا قتل کیا ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ خوش بیان ہے اُسکو میرے ساتھ مدد کیلئے روانہ فرماتا کہ وہ میری تصدیق کرے گا مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے۔

اللہ نے فرمایا ہم تیرے بھائی کے ذریعہ تیرے بازو کو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ پھر وہ لوگ تم دونوں تک (ہرگز) نہیں پہنچ پائیں گے۔ ہماری نشانیوں کے زور سے غلبہ تمہارا اور تمہاری پیروی کرنے والوں کا ہی ہوگا۔“

وَهَلْ آتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۖ إِذْ سَأَلَ نَارًا فَقَالَ

لَا هُدًى لَّيَّ ۖ مَكُتُونَا ۚ ثُمَّ دُلَّهُمْ نَارًا ۚ

اور تمہیں کچھ موسیٰ کی خبر بھی پہنچی ہے؟

جب کہ انھوں نے ایک آگ دکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا ذرا ٹھہرو میں نے ایک آگ دکھی ہے شاید تمہارے لئے ایک آدھا انگارہ لے آؤں یا اس آگ پر مجھے (راستے کے متعلق) کوئی رہنمائی ملجائے؟ جب وہاں آئے تو پکارا گیا اے موسیٰ! میں ہی تمہارا

رب ہوں اپنی جوتیاں اتار دو تم دادی مقدس طومی میں موجود ہو اور
میں نے تم کو چن لیا ہے۔ لہذا اب کان لگا کر سنو جو کچھ وحی کی جاتی ہے۔
میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری
بندگی کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ بیشک قیامت ضرور
آنے والی ہے۔ میں اُس کا وقت پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر
متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔

پس تجھ کو اُس قیامت کی فکر سے روک نہ دے وہ شخص جو
اُس قیامت پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کر لیا
ہے ورنہ تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔

اور اے موسیٰ! یہ تمہارے واسطے ہاتھ میں کیا ہے؟
موسیٰ نے جواب دیا یہ میری لامٹھی ہے اسپرٹیک لگا کر چلتا
ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور بھی بہت
سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں۔

ارشاد فرمایا اے موسیٰ ذرا اسکو (زمین پر) ڈال دو؛
پس موسیٰ نے اُسکو ڈال دیا اچانک وہ ایک سانپ تھا
جو دوڑنے لگا۔

فرمایا! (اے موسیٰ) اسکو پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اس کو
ویسا ہی کر دیں گے جیسا یہ (پہلے لامٹھی) تھی۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی
بغل میں دباؤ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے یہ دوسری نشانی
ہے۔ یہ اس لئے کہ ہم تم کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔
إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لَأَهْلِيهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۚ الْخ

(النمل آیات ۱۷ تا ۱۸)

(انھیں اس وقت کا قصہ سناؤ) جب موسیٰ نے اپنے گھر
والوں سے کہا مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے۔ میں ابھی یا تو وہاں سے
کوئی خبر لے آتا ہوں یا کوئی انگار اچن لاتا ہوں تاکہ تم لوگ گرم ہو سکو۔

پس جب وہ وہاں پہنچے تو پکارا گیا مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے
اور جو اسکے اطراف میں ہے پاک ہے اللہ سب جہانوں کا پروردگار۔
اے موسیٰ یہ میں ہوں اللہ زبردست اور حکمت والا۔ اور
اپنی لامٹھی ڈال دو۔ جوں ہی موسیٰ نے دیکھا لامٹھی سانپ کی طرح
بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مڑ کر بھی نہ
دیکھا۔ اے موسیٰ ڈرو نہیں میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے۔
البتہ جو ظلم کیا اور پھر اس بُرائی کے بعد بھلائی سے بدل لیا تو میں
معاف کرنے والا مہربان ہوں۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان
میں داخل کر لو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ یہ (دو نشانیاں)
نوٹا نیوں میں سے ہیں فرعون اور اُسکی قوم کی طرف (لے جاؤ کھیلے)
بیشک وہ لوگ بدکردار قوم ہیں۔

شرف ہمکلامی | قرآن حکیم کی آیات سابقہ کے پیش نظر دو باتیں کتب تفسیر میں زیر بحث آتی ہیں۔

اول موسیٰ علیہ السلام نے جس روشنی کو دیکھا وہ آگ نہ تھی بلکہ تجلی الہی کا
نور تھا۔ لیکن جو آواز اس پردہ نور سے سنی گئی وہ فرشتے کی آواز تھی یا خود رب العالمین
کی ندا تھی؟

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ فرشتے کی آواز تھی جسکے ذریعہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔

بعض دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ براہ راست ندا تھی الہی اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے اس ندا کو بغیر کسی واسطہ یا ذریعہ کے سنا، یہ اس طرح جیسا کہ
پیغمبران خدا وحی الہی کو سنا کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے کلام عظیم کے لئے خود یہ اپنا قانون بیان
کिया ہے کہ عام فطری قوانین بشری اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست
عزت ہمکلامی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی کے صرف تین طریقے ہیں :-

وحی، و راز حجاب، فرشتے کے ذریعہ (شوری آیت ۵۱)
 وحی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بغیر کسی اسباب کے قلب میں کوئی بات ڈال دی جائے۔
 و راز حجاب کا مطلب یہ کہ غیبی نداء جو رسولوں کو کی جاتی ہے۔
 فرشتوں کے ذریعہ کلام کا مطلب یہ کہ اللہ کا کلام فرشتہ پڑھ کر سنائے۔
 اب ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر جو کلام کیا گیا وہ ان ہی تینوں
 صورتوں میں سے ایک ہو سکتا ہے۔ وحی اور فرشتے کا ذریعہ یہاں موجود نہیں۔ لہذا ایک
 ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ و راز حجاب کی ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کو پکارا گیا۔

قرآن حکیم نے جہاں جہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کا ذکر
 کیا ہے وہاں وحی یا فرشتے کا ذریعہ موجود نہیں ہے۔

سورہ طہ کی آیت ۸۱ سے یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ یہ کلام پس پر وہ تھا۔

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ بِمُوسَىٰ رَآئِي أَنَا رَبُّكَ الْآيَةُ

پس جب موسیٰ اس آگ کے قریب آئے تو پکارے گئے اے

موسیٰ میں ہوں تمہارا پروردگار۔

اس لحاظ سے جن مفسرین کرام نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ کلام براہ راست ندا کے
 طور پر تھا قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے۔

وادی مقدس | طوبی کی وادی مقدس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا

گیا کہ آپ اس مقدس وادی میں کھڑے ہیں لہذا اپنی جوتیاں
 اتار دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ خود ارشاد فرمائی ہے:-
 كَانَتْ مِنْ جِلْدٍ حَمَاطٍ مَقِيتٍ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں مردہ گدھے کی کھال

سے بنائی گئی تھیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

(یعنی غیر دبوغ تھیں) لہذا وہ چمڑا پاک نہ تھا۔ اگرچہ خشک تھا۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ آواز سنی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں

اپنے کلام و پیام کے لئے منتخب فرمایا ہے اور انبیاء سابقین کی طرح سچے دین کی تلقین اور فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کی رہائی کی اہم خدمات انجام دینے کے لئے پسند فرمایا ہے تو انتہائی مسرت میں حیران کھڑے رہ گئے۔ آخر پھر اسی جانب سے ابتدا ہوئی پوچھا گیا اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ بس کلام شروع ہو گیا بولے یہ میری لامٹھی ہے۔ اسپر سہارا لیتا ہوں اور بکریوں کے لئے پتے وغیرہ جھاڑ لیتا ہوں۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مقاصد پورے کرتا ہوں۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو عظیم معجزے عنایت کئے گئے۔

عَصَا، يَدُ بَيْضَا.

اور فرمایا گیا یہ ہماری جانب سے تمہاری نبوت و رسالت کے دو بڑے نشان ہیں تمہاری دعوت و پیغام کی تائید و نصرت میں تم کو دیئے جاتے ہیں ضرورت پر ان کے کام لیا جائے۔ اور ارشاد ہوا کہ اب فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت دکھاؤ انھوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے غرور و تکبر میں بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو ان کو غلامی سے نجات دلانی جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عرض کیا پروردگار میرے ہاتھ سے ایک مصری کا قتل ہو گیا تھا اس لئے مجھے خوف ہے کہ تمہیں وہ مجھے پا کر قتل نہ کر دیں۔ علاوہ ازیں مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ میری شدت کے ساتھ تکذیب کر دیں گے اور مجھے جھٹلائیں گے۔ لہذا جب آپ نے یہ منصب عالی عطا کی ہے تو میرے سینے کو فراخ اور نور سے معمور کر دیجئے اور اس خلافت کو آسان بنا دیجئے اور میری زبان میں پڑی ہوئی گرہ کو کھول دیجئے تاکہ لوگوں کو میری بات سننے سمجھنے میں آسانی ہو اور چونکہ میری گفتگو میں روانی نہیں ہے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اس لئے اُس کو بھی اپنی اس نعمت نبوت سے نواز کہ میرا شریک کار بنا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان دلایا کہ تم ہمارا پیغام لے کر ضرور جاؤ اور ان لوگوں کو حق کی راہ دکھاؤ۔ وہ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے۔ ہماری مدد تمہارے ساتھ رہے گی اور جو نشانات ہم نے تم کو دیئے ہیں وہ تمہاری کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوں گے اور انجام کار تم ہی غالب ہو گے۔ ہم تمہارے

بھائی ہارون کو تمہارا شریک کار بناتے ہیں تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو صحیح راہ دکھاؤ۔

داخلہ مصر | مورخ سدّی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب رسالت سے سرفراز ہو کر وادی مقدس سے اترے تو اپنی بیوی کے پاس پہنچے جو وادی کے سامنے والے جنگل میں منتظر تھیں اُن کو ساتھ لیا اور یہیں تعمیل حکم الہی میں مصروف رہے۔ منزل بمنزل طے کرتے ہوئے رات کے وقت مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے والدہ صاحبہ کے آگے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ یہ مکان مہمان نواز گھر تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر مدارات کی گئی اسی دوران اُن کے بڑے بھائی حضرت ہارون آپہنچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر پہنچنے سے قبل اُنھیں نبوت سے سرفراز کیا جا چکا تھا اور اُنھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کی اطلاع بھی دی جا چکی تھی وہ بھائی کو دیکھ کر لپٹ گئے اور پھر ان کے اہل عیال کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ صاحبہ کو سارا حال سنایا۔ تب سارے خاندان نے خوشیاں منائیں۔

شرف ہمکلامی، عطاے نبوت، معجزات، وادی مقدس کا ذکر اور مصر میں داخلہ کا مفصل تذکرہ آیات ذیل میں ترتیب وار مذکور ہے۔

قرآنی مضمون | وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ (طہ آیات ۱۷ تا ۲۲)
(اور ندائے غیبی نے پوچھا) اے موسیٰ تمہارے داہنے

ہاتھ میں کیا ہے؟

عرض کیا میری لاکھڑی ہے چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں،
اسی سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، اور میرے لئے اسمیں اور
بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔

حکم ہوا اے موسیٰ اے زمین پر ڈال دو۔

پس موسیٰ نے ڈال دیا تو وہ اچانک سانپ تھا جو دوڑ

رہا ہے۔
حکم ہوا اسکو پکڑ لو اور خوف نہ کرو ہم اُسے پھر اسکی اصلی حالت پر کئے دیتے ہیں۔ (اور نیز حکم ہوا) اپنا داہنا ہاتھ اپنے پہلو میں رکھ لو اور پھر نکالو تو وہ چمکتا ہوا بغیر کسی عیب کے نکلے گا۔ یہ (تمہارے لئے دوسری نشانی ہے۔) اور یہ دونوں نشانیاں اس لئے (دی گئی ہیں) کہ آئندہ تم کو اپنی قدرت سے ہم بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں گے۔“

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغُرْبِ إِذْ قَضَيْنَا لِيُؤْتِيَ الْأَمْرَ
وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔ (قصص آیات ۴۷ تا ۴۹)

(اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس وقت مغربی گوشے میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو یہ فرمان شریعت عطا کیا ہے اور نہ آپ شاہدین میں شامل تھے۔ بلکہ اسکے بعد (آپ کے زمانے تک) ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں اور اُن پر بہت زمانہ گزر چکا ہے اور نہ آپ اہل مدین کے درمیان موجود تھے کہ ان کو ہماری آیات سنارہے ہوتے مگر (اس وقت کی یہ خبریں) بھیجنے والے ہم ہیں۔ اور آپ طور کے دامن میں بھی اُس وقت موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ یہ معلومات آپ کو دی جا رہی ہیں) تاکہ آپ اُن لوگوں کو خبردار کریں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا شاید کہ وہ نصیحت قبول کریں۔“

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۖ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالنَّوَارِ

الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ (النارعات آیات ۵۱ تا ۵۲)

”کیا آپ تک موسیٰ کا قصہ پہنچا؟“

جب کہ اُس کے رب نے اُسکو طوًی کی وادی مقدس میں پکارا (اے موسیٰ) جاؤ تم فرعون کی طرف بیشک اُس نے سرکشی کی ہے۔ پھر اُسکو کہو کیا تجھ کو رغبت ہے اس بات کی کہ تو سنور جائے؟ اور میں تجھکو سیدھی راہ دکھاؤں تیرے رب کی طرف تاکہ تجھ کو ڈر ہو۔“

إِذْ هَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ. قَالَ رَبِّ اشْدُدْ

لِي صَدْرِي. ۱۰۶ (ظہ آیات ۲۲ تا ۲۳)

(حکم ہوا) اب تم فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ سرکش ہو گیا ہو
موسیٰ نے عرض کیا پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے اور میرا
کام میرے لئے آسان کر دیجئے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ
وہ لوگ میری بات (اچھی طرح) سمجھ سکیں اور میرے لئے میرے خاندان
سے ایک وزیر مقرر کر دیجئے۔ ہارون جو میرا بھائی ہے اُسکے ذریعہ میرا
ہاتھ مضبوط فرما۔ اور اُسکو میرے کام میں شریک فرماتا کہ ہم آپکی خوب
پاکی بیان کر سکیں اور آپ کا ذکر کثرت سے کریں۔ اور آپ ہمارے حال
پر ہمیشہ نگرہاں رہے ہیں۔

ارشاد ہوا دیا گیا جو تو نے مانگا اے موسیٰ۔

إِذْ هَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي. ۱۰۷

(ظہ آیات ۲۴ تا ۲۵)

اے موسیٰ جاؤ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ
اور دیکھو میری یاد میں تقصیر نہ کرنا۔ جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ
سرکش ہو گیا ہے۔

پس اُسے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے
یا ڈر جائے۔

دونوں نے عرض کیا پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر
زیادتی کر بیٹھے یا پل پڑے گا۔

ارشاد ہوا ڈرو نہیں میں تم دونوں کے ساتھ ہوں دسب
کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

لہذا تم دونوں اُسکے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے
پروردگار کے فرستادہ ہیں۔ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کیلئے
چھوڑ دے اور انہیں تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی

نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اُس کے لئے جو راہِ راست
کی پیروی کرے۔

بیشک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ عذاب ہے اُس شخص
کے لئے جو جھٹلائے اور منہ موڑے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ
هَارُونَ وَزِيئًا ۝۱۶ (فرقان آیات ۲۵ تا ۲۶)

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُسکے ساتھ اُن کے بھائی
ہارون کو مددگار بنایا۔ اور اُن سے کہا تم دونوں جاؤ اُس قوم کی طرف
جس نے ہماری آیات کو جھٹلادیا ہے۔ آخر کار اُن لوگوں کو ہم نے تباہ
کر کے رکھ دیا۔“

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ آيِنِ امْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۱۷

(الشعراء آیات ۱۷ تا ۱۸)

(اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان اہل مکہ کو اس وقت کا قصہ
سناؤ، جبکہ تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ (اے موسیٰ) ظالم قوم کے
پاس جائے (جو) فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہیں ڈرتے؟

عرض کیا اے میرے رب مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ مجھے
جھٹلا دیں گے اور میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی سو آپ
ہارون کی طرف رسالت بھیجیں۔ اور مجھ پر اُن کے ہاں ایک جرم کا الزام
بھی ہے۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

ارشاد ہوا ہرگز نہیں تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر
بیشک ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے۔ فرعون کے پاس جاؤ
اور اُس سے کہو ہم کو رب العالمین نے اس لئے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل
کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا
وَلَمْ يُعَقِّبْ يَمُوسَىٰ لَا تَخَفْ ۝۱۸ (النمل آیات ۱۷ تا ۱۸)

اور اپنی لاکھٹی ذرا پھینک دے جو نہی دیکھا تو وہ لاکھٹی گویا سانپ مٹی بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ ڈرو نہیں میرے حضور پیغمبرِ ذرا نہیں گرتے۔ الا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو پھر اگر بُرائی کے بعد اُس نے بھلائی سے (اپنے فعل کو) بدل لیا تو میں معاف کرنے والا مہربان ہوں۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے، یہ (دونوں نشانیاں اُن) نوشتانیوں میں سے ہیں۔ فرعون اور اُسکی قوم کی طرف (لے جانے کیلئے) بلاشبہ وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں۔“

الغرض ان آیات میں عصائے موسیٰ کے معجزہ یا آیت اللہ ہونے کو مختلف تعبیرات سے ادا کیا گیا ہے۔

سورہ طہ میں حَیَّةٌ تَسْعٰی (دوڑتا بل کھاتا سانپ) کہا گیا۔ اور سورہ نمل اور سورہ قصص میں جَانٌّ (پتلا پھرتیلا سانپ) کہا گیا۔ اور سورہ شعراء میں ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (واضح موٹا اڑوہا) بیان کیا گیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عصائے موسیٰ کی اگرچہ یہ تعبیرات لفظی اعتبار سے مختلف ہیں لیکن حقیقت اور معنی کے لحاظ سے مختلف نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف کو ادا کیا گیا ہے۔ یعنی ذات کے لحاظ سے وہ حقیقی حَیَّةٌ سانپ تھا اور تیز روی کے لحاظ سے جَانٌّ تیز و پھرتیلا سانپ تھا اور جسامت کے پیش نظر وہ ثُعْبَانٌ موٹا اڑوہا تھا یعنی بیک وقت اسمیں یہ مختلف اوصاف تھے۔ سورہ قصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دونوں معجزوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا:-

وَاضْمَعْنَا لَیْلًا جَنَاحَهُ مِنَ الزَّهَبِ۔

(آیت ۲۲ سورہ قصص)

اور خوف سے بچنے کے لئے اپنا بازو اپنی طرف بھینچ لے۔ اس آیت میں کس قسم کے خوف کا ذکر ہے؟ مفسرین نے مختلف قسم کے خوف کی تعیین کی ہے۔ بعض نے کہا کہ سانپ کا ڈر مراد ہے اور بعض نے کہا فرعون کے دربار کا خوف مراد ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے ہر قسم کے خوف کے وقت اپنا ہاتھ اپنے بازو میں دبایا جائے تو خوف جاتا رہے گا۔ یعنی جب کبھی بھی کوئی خطرناک موقع ایسا آجائے جس سے دل میں خوف و اندیشہ پیدا ہو تو اپنا بازو بھینچ لیا کرو اس سے تمہارا دل قوی ہو جائیگا اور رعب و دہشت کی کوئی کیفیت باقی نہ رہے گی۔ اس بھینچ لینے کی دو شکلیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ ہاتھ کو پہلو کے ساتھ لگا کر دبایا جائے۔

دوسری شکل یہ کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کی بغل میں رکھ کر دبایا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تدبیر اس لئے بتلائی گئی کہ وہ ایک ظالم بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے بغیر کسی لاؤ لشکر اور ساز و سامان کے بھیجے جا رہے تھے یقیناً ایسے خوفناک مواقع پیش آنے والے تھے جن میں فطری طور پر ہراساں اور خوفزدہ ہونا ممکن تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے تحفظ کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت کی جس سے خوف و اندیشہ جاتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عمل سے فائدہ اٹھایا اور بے خوف و اندیشہ دربار فرعون میں جا پہنچے اور دو بدو کلام اور بحث و مناظرہ کیا۔

یہ دراصل کوئی تیسری نشانی نہ تھی بلکہ خوف اور ڈر کو دور کرنے کا ایک علاج تھا۔ واللہ اعلم۔

فرعون اور دعوت حق | مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام او

حضرت ہارون علیہ السلام بے خوف و خطر فرعون کے دربار میں داخل ہو گئے۔ فرعون نے اس اچانک آنی کی غرض پوچھی؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ نے ہم دونوں کو اپنا پیام و رسالت دیکر تیرے پاس بھیجا ہے۔ ہم تجھ سے دو باتوں کا مطالبہ کرنے آئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ اُس خدا پر ایمان لا جو ساری کائنات کا خالق ہے۔ دوسری بات یہ کہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنے سے باز آ اور اُن کو اپنی غلامی سے

نجات دے۔

فرعون نے جب یہ سنا تو غضبناک ہو گیا کہنے لگا اے موسیٰ آج تو میرے آگے

بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے وہ دن بھول گیا جب کہ تو نے میرے گھر پرورش پائی اور بچپن کی زندگی گزاری ہے اور کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا تھا اور پھر یہاں سے فرار ہو گیا تھا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساری باتوں کا اعتراف کیا اور قتل کے بارے میں یہ وضاحت کی کہ میں نے دانستہ کوئی قتل نہیں کیا البتہ اُس ظالم مصری کو دھمکانے کے لئے ایک گھونسا رسید کیا تھا جس پر اُس نے دم توڑ دیا۔ اس سے زیادہ میرا اور کوئی قصور نہیں۔

پھر جب میں نے یہاں سے کوچ کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری خطا معاف کر دی اور مجھ کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا ہے۔ میں تجھ کو خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں، اُسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ رب العالمین ہے۔

یہ سنکر فرعون حیرت و تعجب سے کہنے لگا موسیٰ کیا بیرے علاوہ اور بھی کوئی رب ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اسکی حقیقت بیان کر؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہمارا رب وہی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اُس ساری مخلوق کو بھی جو ان کے درمیان ہے۔ فرعون اس کا جواب نہ دے سکا اور درباریوں سے کہنے لگا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے یہ مجنوں اور پاگل انسان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم لوگ ذرا اسی بھی عقل سے کام لو تو اس حقیقت کو پا سکتے ہو۔ فرعون کے دربار میں دعوت حق کا تذکرہ قرآن حکیم کی مختلف سورتوں میں اس طرح موجود ہے:-

قرآنی مضمون وَقَالَ مُوسَىٰ يُفْرِعُونَ لِيَ رَسُولَ اللَّهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ الخ (اعراف آیات ۱۴۵، ۱۴۶)

اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔

میرے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر حق اور سچ کے علاوہ کچھ
اور کہوں۔ بلاشبہ میں تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور
نشان لایا ہوں۔ لہذا میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔“
فَأَتَيْنَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ الخ

(الشعراء ۶۱ تا ۶۳)

سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو ہم کو
رب العالمین نے اس لئے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ
جانے دے۔

فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا
تھا؟ تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے۔
اور اسکے بعد تو کر گیا جو کچھ کر گیا (یعنی ایک شہری کا قتل بھی
کیا) اور تو (اے موسیٰ) بڑا احسان فراموش آدمی ہے۔
موسیٰ نے جواب دیا اس وقت وہ کام میں نے ناوانستگی
میں کر دیا تھا۔

پھر میں تمہارے خوف سے مھاگ گیا اسکے بعد میرے رب نے
مجھ کو حکمت (نبوت) عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں شامل فرمایا۔
اور میری پرورش کا یہ احسان جسکو تو مجھ سے جتا رہا ہے کیا
ایسا احسان ہے کہ تو بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھے؟
فرعون نے کہا اور یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟
موسیٰ نے جواب دیا آسمانوں اور زمین کا رب، اور اُن
سب چیزوں کا رب جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اگر تم یقین
لانے والے ہو۔

فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا کیا تم
لوگ نہیں سنتے ہو؟
موسیٰ نے کہنا تمہارا رب بھی اور تمہارے اُن آباء و اجداد

کارب بھی جو گزر چکے ہیں۔

فرعون نے حاضرین سے کہا تمہارے یہ رسول صاحب جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں پاگل معلوم ہوتے ہیں۔

موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کارب اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو۔

فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو تجھے بھی اُن لوگوں میں شامل کر دوں گا جو قید خانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے سامنے ایک واضح دلیل بھی لے آؤں؟

فرعون نے کہا اچھا تو لے آ اگر تو سچا ہے۔

موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ایک نمایاں اثر دیا تھا اور (پھر) اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا تو وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ
وَتَوَلَّىٰ ۚ ۝۱۰

(ظہ آیات ۴۷ تا ۵۶)

ہم کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اُس شخص کیلئے عذاب ہے جو جھٹلاتے اور منہ موڑے۔

فرعون نے کہا تو پھر تم دونوں کارب کون ہے اے موسیٰ؟

موسیٰ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو

اُسکی ساخت بخشی پھر اسکو راستہ بتایا۔

فرعون بولا اور پہلے جو نسلیں گزر چکیں ہیں انکا کیا انجام تھا؟

موسیٰ نے کہا اُسکا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں

محفوظ ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

وہی جس نے زمین کا فرش بچھایا اور اُس میں تمہارے چلنے

کے لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کے نباتات کے جوڑے نکالے۔
 کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ یقیناً اسیں بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی میں سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

اور ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلائے چلا گیا اور نہ مانا۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى ۖ
 (القصص آیات ۲۶ تا ۲۷)

پھر جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے آکر آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے سوائے بناوٹی جادو، اور یہ باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی نہیں سنی ہیں۔

اور موسیٰ نے کہا میرا رب اُس شخص کے حال سے خوب واقف ہے جو اُسکی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ آخری انجام کس کا اچھا ہونا ہے۔ حق یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔

اور فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں نے تو اپنے سوا تمہارے کسی خدا کو نہیں جانتا۔ پس اے ہامان ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لئے ایک اونچی عمارت تیار کر شاید میں اُسپر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں اور میں تو اسے یقیناً جھوٹوں میں سمجھتا ہوں۔

اور اُس نے اور اُس کے شکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور گمان کیا کہ انہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔

آخر کار ہم نے اُسے اور اُسکے شکروں کو پکڑا پھر سمندر میں پھینک دیا سواب دیکھو اُن ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

ہم نے انہیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیش رو بنادیا اور قیامت کے دن وہ کہیں سے کوئی مدد نہ پاسکیں گے۔

اور ہم نے اس دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بُری قباحت میں مبتلا ہوں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَٰمَانُ ابْنِ لِی صَرْحًا لَّعَلِّیْ أَبْلُغُ

الْأَسْبَاطَ اِنَّہِ (المومن آیت ۳ تا ۵)

”فرعون نے کہا اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کر تاکہ میں آسمانوں کی بلندیوں اور اُن کے ذرائع تک قدرت حاصل کر سکوں۔ اس طرح موسیٰ کے خدا کا حال (بھی) معلوم کر سکوں اور میں تو اُس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اسی طرح فرعون کے لئے اُس کی بد عملی کو خوبصورت کر دیا گیا اور وہ راہِ حق سے روک دیا گیا اور فرعون کے مکر کا آخری انجام ہلاکت ہے۔“

شاہ عبدالقادر صاحب نے موضح القرآن میں لکھا ہے کہ آیت مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ (فرعون نے کہا اے درباریوں میں تمہارے لئے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون دہری تھا اور تفسیر و تاریخ کے کتب میں جو مصر قدیم کے تاریخی حوالجات منقل کئے گئے ہیں اُن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اہل مصر دیوتاؤں کے پرستار تھے۔ اور ان کا سب سے بڑا دیوتا ”امن راع“ (سورج دیوتا) تھا۔ یہ لوگ خدا کے واحد کے قائل نہ تھے بلکہ کائنات کی تخلیق اور اُن کے ہر معاملات اور حوادث کا متعلق ستاروں اور دیوی دیوتاؤں ہی سے متعلق سمجھا کرتے تھے۔ یہ ایسے ہی جیسا کہ ہندوستان کے جین مت قوم کا عقیدہ ہے۔ یہ قوم بھی خدائے واحد کی منکر اور دیوتاؤں کی پرستش کرتی ہے بلکہ کائنات کی تخلیق اور اُن کے ہر معاملات اور حوادث کا متعلق ستاروں اور دیوی دیوتاؤں ہی سے متعلق سمجھا کرتے تھے۔ یہ ایسے ہی جیسا کہ ہندوستان کے جین مت قوم کا عقیدہ ہے۔ یہ قوم بھی خدائے واحد کی منکر اور دیوتاؤں کی پرستش کرتی ہے۔

ہامان | ہامان کے متعلق قرآن کریم نے کوئی تصریح نہیں کی کہ یہ کسی شخصیت کا نام ہے

یا عہدہ اور منصب کا نام ہے۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرعون کے کسی با اعتماد آدمی کا ہی نام ہے جو فرعون کے احکام اور مرضیات کو نافذ کرتا ہوگا۔ فرعون کا یہ کہنا کہ اے ہامان ایک بلند عمارت تعمیر کر، شخصی خطاب معلوم ہوتا ہے جو عموماً با اعتماد افراد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح عمارت کے متعلق سے بھی قرآن حکیم میں ایسی کوئی وضاحت نہیں ملتی کہ ہامان نے فرعون کے اس حکم کی تعمیل میں کوئی عمارت تعمیر کی یا نہیں؟

یہاں بھی قرآن حکیم نے فرعون کا صرف حکم نقل کیا ہے لیکن تاریخی روایات میں موجود ہے کہ ہامان نے اس محل کی تعمیر کیلئے پچاس ہزار معمار جمع کئے اور محل کو اتنا اونچا کیا کہ اُس زمانے میں اس سے بلند کوئی عمارت نہ تھی، پھر جب تعمیر مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل امین نے ایک ضرب میں اس کے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا جس سے فرعون فوج کے ہزاروں آدمی دب کر مر گئے۔ (قرطبی)

بہر حال واقعہ کا انحصار اس پر نہیں کہ ہامان کی شخصیت کیا تھی؟ اور محل تعمیر ہوا تھا یا نہیں؟ مقصود تو یہ تھا کہ فرعونؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی شکست کو چھپانے کے لئے اگرچہ مذکورہ بالا طریقہ اختیار کیا مگر وہ خود بھی سمجھتا تھا کہ یہ ایک دھوکہ دہ اور بس۔

آغازِ مقابلہ | فرعون کا خدشہ بڑھتا ہی رہا اس کو حق و باطل کی اس کشمکش میں اپنے لئے سخت خطرہ نظر آ رہا تھا۔ بقول شخصے تنگ آمد بجنگ آمد، اُس نے

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے خلاف طاقت و قوت کا فیصلہ کر لیا اور یہ دھمکی دی کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود قرار دیا تو میں تجھ کو قید میں ڈال دوں گا اور بنی اسرائیل پر اپنی گرفت مضبوط کر دوں گا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت ستانت سے جواب دیا۔

اگرچہ میں تیرے پاس اللہ واحد کی جانب سے ایک واضح دلیل

لیکر آیا ہوں تب بھی تیرے غلط راستے کو اختیار کر لوں؟

فرعون نے کہا اگر واقعی تو سچا ہے تو پھر وہ نشان دکھا؟

جلد اول

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں اپنا عصا زمین پر ڈالا وہ اچانک ایک اژدھا کی شکل اختیار کر لیا اور یہ حقیقت تھی، منظر کا دھوکہ نہ تھا۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر لے جا کر باہر نکالا تو وہ ایک روشن ستارے کی طرح چمکتا ہوا نظر آیا۔ یہ دوسری نشانی تھی جو پہلی مرتبہ فرعون اور اہل دربار کے آگے پیش کی گئی۔

فرعون کے درباریوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں اپنی قوم اور اپنے بادشاہ کی شکست ہو رہی ہے تو وہ بمقرر ہو کر کہنے لگے، بلاشبہ موسیٰ بڑا جادوگر ہے اور اس کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو سرزمین مصر سے باہر کر دے اور تخت مصر پر قابض ہو جائے۔

باہمی مشورہ سے طے پایا کہ فی الحال موسیٰ اور ہارون کو مہلت دی جائے اور اس دوران مملکت کے ماہر جادو گروں کو دار السلطنت میں جمع کیا جائے اور پھر مقابلہ کرایا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہتر ہے ایسا کوئی انتظام ہو جائے اور اس کے لئے ملک کے قومی دن کا انتظار کیا جائے تاکہ اس مقابلہ کا انجام ہر شخص دیکھ سکے۔ یہ نبوت و رسالت کے عزم و ارادہ کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ وہ حق کے اظہار کیلئے بڑے بڑا خطرہ مول لیتا ہے۔ انبیاء و رسل کو اللہ کی ذات پر کس قدر اعتماد ہوتا ہے وہ اس واقعہ سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔

الغرض یوم النزینہ (جشن کا یوم) مقابلہ کے لئے طے پایا، فرعون نے اپنے ارکان دولت کے نام احکام جاری کر دیئے کہ مملکت میں جس قدر بھی ماہر جادوگر ہوں انہیں جلد جلد جمع کر لیا جائے۔

بہر حال جشن کا دن آیا سب لوگ میدان میں جمع ہو گئے۔ فرعون اپنے ارکان دولت کے ساتھ میدان میں تخت نشین ہوا۔ لاکھوں افراد حق و باطل کا یہ مقابلہ دیکھنے جمع ہیں۔ ایک جانب مصر کے تمام نامی گرامی جادوگر جمع ہیں دوسری طرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام حق و صداقت کے اظہار کیلئے کھڑے ہیں۔ آپس میں گفتگو کے بعد طے پایا کہ مقابلہ کا آغاز جادوگر کریں گے۔

چنانچہ یہ ساری تفصیل آیات ذیل میں اس طرح مذکور ہے :-

قرآنی مضمون | قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝۱۰

(الشعراء آیات ۲ تا ۳۳)

فرعون نے کہا اور یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟
موسیٰ نے جواب دیا آسمانوں اور زمین کا رب اور اُن سب
چیزوں کا رب جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اگر تم یقین کرنے والے
ہو؟ فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا سنتے ہو؟
موسیٰ نے کہا تمہارا رب بھی اور تمہارے اُن آباء و اجداد
کا رب بھی جو گزر چکے ہیں!

فرعون نے (حاضرین سے) کہا تمہارے یہ رسول صاحب جو
تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں بالکل پاگل ہیں۔
موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے
سب کا رب اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو۔

فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو
تجھ کو یقیناً قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے آگے ایک کھلی دلیل لے آؤں؟
فرعون نے کہا اچھا تو لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے۔
پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو میکا یک وہ حقیقی اثر دھا
تھا اور (اسکے بعد) انھوں نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا تو وہ سب
دیکھنے والوں کے آگے چمک رہا تھا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ يُفِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۰

(اعراف آیات ۱۱ تا ۱۲)

موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا فرستادہ
رسول ہوں۔ میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے

سوانہ کہوں میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل لے کر آیا ہوں۔ لہذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسکو پیش کر اگر تو سچا ہے۔

موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ حقیقی اثر دہا تھا۔ (اور پھر) اپنا ہاتھ (اپنی گریبان سے) نکالا تو حورہ دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

(اسپر) فرعون کے قوم کے سرداروں نے کہا کہ یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تمہیں تمہاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے اب کیا حکم کرتے ہو؟

(پھر اُن سب نے فرعون کو مشورہ دیا) کہا اسکو اور اسکے بھائی (ہارون کو) مہلت دیجئے اور تمام شہروں میں ہر کارے بھیج دیجئے کہ ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ
فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا فَجُورِينَ ۝۱۰
(یونس آیات ۷۵ تا ۷۹)

پھر اُن (ذبیوں) کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا مگر انھوں نے بڑائی کا گھنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

پس جب ہمارے پاس سے حق اُن کے سامنے آیا تو انھوں نے کہہ دیا یقیناً یہ تو کھلا جادو ہے۔

موسیٰ نے کہا تم لوگ حق کو ایسا کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے سامنے آگیا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کبھی فلاح نہیں پاتے۔

انھوں نے جواب دیا (اے موسیٰ) کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اُس طریقے سے پھیر دے جیسر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا

ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہو جائے تمہاری بات تو ہم ماننے والے نہیں ہیں۔ اور فرعون نے کہا (اپنے سرداروں سے) ہر ماہر فن جادوگر کو میرے پاس حاضر کرو۔
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَآبَىٰ ۖ

(طہ آیات ۵۷ تا ۵۹)

فرعون نے کہا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرے۔ اچھا تو ہم بھی تیرے مقابلے میں ویسا ہی جادو لاتے ہیں۔ لہذا طے کر لے اپنے اور ہمارے درمیان ایک دن (مقابلہ کا) نہ ہم اس سے پھریں گے نہ تو پھرنا کھلے میدان میں۔ موسیٰ نے کہا جشن کا دن تمہارے لئے طے ہوا اور یہ کہ دن چڑھے لوگ جمع ہوں۔ پس فرعون پلٹا اور اپنے داؤ پیچ جمع کئے پھر مقابلہ کے لئے آیا۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلَيْهِمْ ۖ

(اعراف آیات ۱۱۹ تا ۱۲۱)

فرعون کی قوم کے سرداروں نے آپس میں کہا کہ یقیناً یہ شخص (موسیٰ) بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے اب کیا کرنا چاہتے ہو؟

اُن سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اسکو اور اسکے بھائی (ہارون) کو انتظار میں رکھئے اور شہروں میں ہر کارے روانہ کر دیجئے کہ ہر ماہر فن جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔

(چنانچہ) جادوگر فرعون کے پاس آگئے انھوں نے کہا اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اس کا صلہ تو ضرور ملے گا؟

فرعون نے کہا ہاں! اور تم مقرب دربار ہو جاؤ گے۔ جادوگروں نے کہا اے موسیٰ تم اپنا جادو ڈالو گے یا ہم

ڈالیں؟

موسیٰ نے جواب دیا تم ہی ڈالو۔ بس جادوگروں نے اپنا جادو پیش کیا تو لوگوں کی نگاہوں کو مسحور کر دیا اور دلوں کو خوفزدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست جادو لے آئے۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا ڈال دے! (بس اُس کا پھیکنا تھا کہ اُن کی آن میں) وہ ان جادوگروں کے جھوٹے کرتبوں کو منگلتا چلا گیا۔ (اس طرح جو حق تھا) پس وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ اُن جادوگروں نے بنایا تھا باطل ہو کر رہ گیا)

پس فرعون اور اُسکے جادوگر مقابلہ میں ہار گئے اور ذلیل و خوار ہو کر لوٹ گئے۔ اور جادوگر (اللہ واحد کے لئے) سجدے میں گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

فرعون نے کہا تم موسیٰ پر ایمان لائے قبل اسکے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم نے اس شہر میں کی تاکہ اسکے باشندوں کو شہر بدر کرو۔ اچھا اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

میں تمہارے ہاتھ پیر مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا۔ پھر اسکے بعد تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

انھوں نے جواب دیا بہر حال ہمیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے۔ اور تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے اُنھیں مان لیا، اے رب ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اُٹھا تو اس حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔“

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ. ۱۸۰

(یونس آیات ۷۴ تا ۷۷)

پھر جب جادوگر آگے تو موسیٰ نے اُن سے کہا جو کچھ تم کو پھینکنا ہو پھینکو۔ پھر جب انہوں نے اپنے جادو کی رسیاں وغیرہ پھینک دیں تو موسیٰ نے کہا یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے اللہ تعالیٰ ابھی اسے باطل کئے دیتا ہے۔ یقیناً اللہ مفسدوں کے کام کو سدھرنے نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے احکام کے مطابق ضرور ثابت کر دکھائیگا اگرچہ مجرموں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے۔

ظہور حق | جادوگر جو اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے جب عصا موسیٰ (علیہ السلام) کا یہ معجزہ دیکھا تو وہ حقیقت حال کو سمجھ گئے اور جس بات کو اس وقت تک فرعون اور اُس کے درباری پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے وہ اس کو چھپا نہ سکے اور جادوگروں نے برسرِ عام اعتراف کر لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر اللہ کا معجزہ ہے۔ اسکو جادو سے کوئی نسبت نہیں اور پھر فوراً اللہ کی عظمت کے آگے سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے وہی رب العالمین ہے۔

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کی جو آخری صورت تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور حضرت موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو اس نے مکر و فریب کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ساحروں سے کہنے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا استاذ ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی تھی تب ہی تو تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔

اب میں تمہیں عبرتناک سزا دوں گا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی بے وفائی کی جرأت نہ ہو۔ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے جانب سے کٹواؤں گا اسکے بعد سولی پر چڑھا دوں گا۔

قرآنی مضمون | جادوگروں کا اعتراف شکست اور فرعون کا غیض و غضب

آیات ذیل میں ظاہر کیا گیا ہے :-

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَنَا قَبْلَ اَنْ اُذِنَ لَكُمْۙ اَلَمْ

(طہ آیات ۷۷ تا ۷۹)

قرآنی مضمون

فرعون نے کہا تم میرے حکم کے بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے یقیناً یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا، میں تمہارے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کٹواؤں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا پھر تمہیں پتہ چلے گا ہم دونوں میں کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیر پا ہے؟

جادوگروں نے کہا ہم یہ سمجھی نہیں کر سکتے کہ سچائی کی جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آگئی ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اُس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزر تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کر دے۔ ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے خصوصاً جادوگری کی خطا کہ جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔ ہمارے لئے اللہ ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا وہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا اُس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ نہ جائے گا اور نہ مرے گا۔

اور جو اُس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا کہ نیک عمل کئے ہوں ایسے سب لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں۔ جنت عدن کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ جزا ہے اُس شخص کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اَمَنْتُمْ بِهَا قَبْلَ اَنْ اُذِنَ لَكُمْۙ اِنَّ هٰذَا

(اعراف آیات ۱۲۳ تا ۱۲۷)

لَمَكْرٌ مِّمَّكَرُتِكُمْۙ اَلَمْ

فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اسکے کہ میں تمہیں اجازت دیتا؟ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس

دار السلطنت میں کی تاکہ تم اسکے رہنے والوں کو نکال باہر کرو اچھا تو اب اسکا نتیجہ تم کو معلوم ہو جائے گا۔
 میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کٹوا دوں گا اسکے بعد تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔
 جادوگروں نے جواب دیا بہر حال ہمیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے۔

تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے انہیں مان لیا۔

اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔
 فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سُجُودًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ
 (الشعر آیت ۲۶ تا ۲۷)

پس سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔
 کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

فرعون نے کہا تم نے موسیٰ کی بات مان لی قبل اسکے کہ میں تمہیں اجازت دیتا! ضرور یہ تمہارا بڑا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تم جان لو گے میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو ضرور سولی پر چڑھا دوں گا۔
 جادوگروں نے جواب دیا کچھ پروا نہیں ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے۔ اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دیگا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔

انتقامی کارروائی | تاریخی روایات میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جادوگروں

کے ایمان لانے کے بعد قوم فرعون کے چھ لاکھ آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اس طرح اس مقابلہ سے پہلے تو صرف دو فرد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے مخالف تھے۔ اب ایک بہت بڑی جمعیت فرعون کی مخالف ہو گئی اور یہ صورت حال ایسی نہ تھی کہ اسپر سکوت اختیار کیا جائے۔ دربار میں مشورے ہوئے اور یہ طے پایا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہوا اسکو قتل کر دیا جائے۔ قتل اولاد کا یہ حکم اس لئے دیا گیا تاکہ بنی اسرائیل میں اس سے سراسیمگی اور خوف و دہشت پیدا ہو جائے اور لوگ اپنے سابقہ دین پر لوٹ آئیں اور ان کی طاقت و قوت بڑھنے نہ پائے۔ قتل اولاد کا یہ حکم دوسری مرتبہ جاری کیا گیا، پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کیا گیا تھا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے دور میں جاری ہوا۔ فرعون کی جانب سے بڑے پیمانے پر انتقامی کارروائی کا تذکرہ آیات ذیل میں اس طرح موجود ہے:-

قرآنی مضمون وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَنْذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلَتَكَ ۚ

(اعراف آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹)

اور فرعون کی قوم میں سے ایک جماعت نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ اور اسکی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ وہ زمین مصر میں فساد کرتے پھریں اور تجھکو اور تیرے معبودوں کو ٹھکرائیں، فرعون نے کہا ہم اُن کے لڑکوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی لڑکیوں کو (باندیاں بنانے کے لئے) زندہ رکھیں گے اور ہم ان پر ہر طرح غالب ہیں۔

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ بلاشبہ زمین اللہ کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے وارث بنادیتا ہے اور اچھا انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہی ہوتا ہے۔

قوم نے جواب دیا اے موسیٰ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم مصیبت میں تھے اور آپ کے پیغام لانے کے بعد بھی مصیبت ہی

میں گرفتار ہیں، موسیٰ نے کہا وہ وقت قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو برباد کر دے گا اور تم کو زمین کا خلیفہ بنا دے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝۱۸

(المومن آیت ۲۲ تا ۲۷)

”اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور واضح دلیل دیکر بھیجا فرعون اور ہامان اور قارون کی جانب تو انہوں نے کہا (موسیٰ) ساحر، کذاب ہے۔ پھر جب موسیٰ ہماری طرف سے حق اُن کے سامنے لے آئے تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ موسیٰ کے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو (مگر) کافروں کی چال اکارت ہی گئی۔“

(اور ایک روز) فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا چھوڑو مجھے، میں موسیٰ کو قتل کئے دیتا ہوں اور اسکو چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے مجھکو اندیشہ ہے کہ وہ کہیں تمہارے دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی خرابی پھیلانے۔

موسیٰ نے کہا میں نے ہر اُس متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے۔“
وَاَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰی وَاٰخِیْہٖ اَنْ تَبۡتَوۡا لِقَوۡمِکُمَا بِمِصۡرَ
مِیۡمَتًا وَاَجْعَلُوۡا بَیۡوتَکُمۡ قِبَلَتًا وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۝۱۹

(یونس آیات ۷۷ تا ۸۱)

اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے اُن لوگوں کے لئے (بدستور) مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انہیں گھروں میں نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو۔ اور نماز کے پابند رہو اور (اے موسیٰ) آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں۔ اور موسیٰ نے (دُعائیں) عرض کیا کہ اے ہمارے رب اپنے

فرعون کو اور اُس کے سرداروں کو سامانِ زینت اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں، اے ہمارے رب اُن کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیجئے۔ سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔

اللہ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم مستقیم رہو اور اُن لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں ہے۔

مرد مومن | فرعون نے اگرچہ اپنے سرداروں اور اہل دربار کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون (علیہما السلام) سے تمہیں کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ان کی اولاد کا سلسلہ چلنے والا نہیں اور انجام کار بنی اسرائیل خود بخود اقلیت میں آجائیں گے اور ہمیشہ کی طرح ہماری غلامی کی خدمت انجام دیا کریں گے۔ لیکن فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ اور تسلط کا خوف دل ہی دل میں پریشان کتے ہوئے تھا۔ قتلِ اولاد کے حکم سے بھی اُس کو سکون نہ تھا، آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو قتل کر دیا جائے تاکہ اندیشہ کا خاتمہ ہی ہو جائے۔

ایک روز اپنے اہل دربار سے کہا اگر موسیٰ کو ہم نے یوں ہی چھوڑ دیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارے دین کو بھی آہستہ آہستہ بدل ڈالے اور ملک مصر میں فساد مچا دے۔ لہذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا جائے۔ اہل دربار نے اسکی رائے سے اتفاق کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اس کاروائی کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں ایسے متکبر و مغرور سے کیا خوف کروں جو اللہ کے یومِ حساب سے نہیں ڈرتا۔ میرا سہارا تو میرا پروردگار ہے میں اُسی کی پناہ میں ہوں۔

فرعون اور اس کے اہل دربار کی اس گفتگو میں ایک مصری ”مرد مومن“ بھی موجود تھا جس نے ابھی تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا اُس نے جب یہ سنا تو اپنا

ایمان ظاہر کئے بغیر اہل دربار سے یوں مخاطب ہوا:-

”اے لوگو! تم اُسکو قتل کر نیکی رائے ظاہر کرتے ہو اس سے پہلے کہ تم اپنے ارادے کو پورا کر و ایک بات پر پھر غور کر لو، اُس شخص (موسیٰ) نے تمہیں ایسی کھلی کھلی نشانیاں دکھادی ہیں جس سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکی ہے کہ وہ تمہارے رب کا فرستادہ ہے۔ اگر ایسی صریح نشانیاں کے باوجود تم اُس کو جھوٹا سمجھتے ہو تب بھی تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ اُسکو قتل کر دو بلکہ اُسکے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ دوسرا قومی احتمال یہ بھی ہے کہ اگر وہ سچا ہے تو پھر تم اس کو قتل کر کے اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔“

ائمہ تفسیر میں حضرت مقاتلؒ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ مرد مومن فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اور یہ وہی شخص تھا جو شہر کے کنارے سے دوڑ کر آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی تھی کہ اے موسیٰ قبلی کے قتل کے مقدمہ میں اہل دربار نے تم کو قصاصاً قتل کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ لہذا میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوری ملک مصر سے ہجرت کر جاؤ۔

بعض مفسرین نے اس مرد مومن کا نام حبیب بیان کیا ہے اور بعض نے شمعان لکھا ہے۔ اور مشہور مؤرخ شعلبی نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا نام حسن قیل منقل کیا ہے۔

مؤرخ سہیلی نے دوسرے نام شمعان کو ترجیح دی ہے کیونکہ حبیب اُس شخص کا نام ہے جس کا واقعہ سورہ یسین میں آیا ہے۔

قرطبی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیقین صرف چند ایک ہیں، ایک حبیب نجار جن کا قصہ سورہ یسین میں موجود ہے۔ دوسرے آل فرعون کا ”رجل مومن“ تیسرے ابو بکر صدیقؓ اور یہ ان سب میں افضل ہیں۔“

آیات ذیل میں اسی رجل مومن کا خطاب نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے یہ تاریخ بنی اسرائیل کا ایک اہم ترین واقعہ ہے جسکو خود بنی اسرائیل فراموش کر گئے ہیں۔ یہ

قصہ انبیاء کرام کی دعوت و تبلیغ کے ضمن میں بڑی اہمیت اور قدر و قیمت رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں جہاں فرعون، ہامان، قارون جیسے متکبر اور مغرور انسان منظر آتے ہیں وہاں حق و صداقت کی تائید و نصرت کرنے والے، پہاڑوں سے زیادہ سخت و بلند تر حوصلہ رکھنے والے افراد بھی انبیاء کی دعوت و تبلیغ سے پیدا ہوئے ہیں۔ فرعون کے بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والا مردِ مومن اس طرح مخاطب ہے :-

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانًا ۖ

(المومن آیات ۲۵ تا ۲۷)

قرآنی مضمون

ایک مومن شخص جو فرعون کے خاندان سے تھا (اور اب تک) اپنا ایمان پوشیدہ رکھا تھا، کہنے لگا کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینات لے کر آیا ہے اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اُسی پر پلٹ پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے اُس میں سے کچھ تو تم پر ضرور ہی واقع ہوگا۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو۔

اے میری قوم کے لوگو! آج تمہیں بادشاہی حاصل ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آگیا تو پھر کون ہے جو ہماری مدد کر سکے گا، فرعون نے کہا میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دے رہا ہوں جو مجھے مناسب معلوم ہوتی ہے اور میں اُسی راستے کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں جو بالکل ٹھیک ہے۔

لا بہر حال وہ شخص جو ایمان لایا تھا اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ دن نہ آجائے جو اس سے پہلے بہت سی جماعتوں پر آپکا ہے۔ جیسا دن قوم نوح اور عاد اور ثمود اور اُنکے بعد والوں پر آیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا کوئی

ارادہ نہیں رکھتا۔

اور اے قوم مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر فریاد و فغاں کا دن نہ آجائے (یعنی قیامت کا دن) جس دن تم پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہو گے مگر اُس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور سچ یہ ہے کہ جسے اللہ بھٹکا دے اُسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے۔

اور اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) بھی تمہارے پاس بینات لیکر آئے تھے مگر تم اُن کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہے پھر جب اُن کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہا اب اُن کے بعد اللہ کوئی رسول ہرگز نہیں بھیجے گا، اسی طرح اللہ اُن سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے (اور) شکی ہوتے ہیں۔ اور جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر اسکے کہ اُن کے پاس کوئی دلیل آئی ہو۔ یہ روئے اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک سخت مبغوض ہے۔ اس طرح اللہ ہر متکبر جبار کے دل پر مٹھپہ لگا دیتا ہے۔

فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کر تاکہ میں آسمان پر جانیکی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر (وہاں سے) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں۔ اور میں تو دراصل موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اس طرے فرعون کے لئے اسکی بد عملی خوشنما بنا دی گئی اور وہ راہِ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کی ساری چال بازی (اُس کی اپنی) تباہی کے راستے میں ہی کام آئی۔

اور اُس مومن شخص نے کہا اے میری قوم کے لوگو میری بات مانو میں تمہیں صحیح راستہ بتاتا ہوں۔ اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے اور ہمیشہ قیام کی جگہ آخرت ہی ہے۔ جو بُرائی کرے گا اُس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اُس نے بُرائی کی ہے اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن۔ ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں اُن کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔

اور اے میری قوم کے لوگو! آخر یہ کیا بات ہے کہ میں تو تم لوگوں کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو۔ تم لوگ مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اُسکے ساتھ ان ہستیوں کو شریک ٹھیراؤں جنہیں میں نہیں جانتا حالانکہ میں تمہیں اُس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔

حق یہ ہے اور اُسکے خلاف نہیں ہو سکتا کہ جن کی طرف تم مجھے بلارہے ہو وہ نہ دنیا ہی میں کوئی پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت ہی میں، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ کے پاس جانا ہے اور حد سے گزرنے والے ہی اہل جہنم ہیں۔

پس آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں عنقریب وہ وقت آئے گا جب تم اُسے یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ ہی کے سپرد کرتا ہوں بیشک وہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔“

مردِ مومن اور انجام خیر | آل فرعون کے اس حق پرست انسان کی تقریر کا آخری جملہ :-

”آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں عنقریب وہ وقت آئے گا جب تم اُسے یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ تو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔“

اس آخر جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں کہتے وقت اُس مردِ مومن کو پورا یقین تھا کہ اس حق گوئی کی پاداش میں پوری قوم کا عتاب اس پر ٹوٹ پڑے گا اور اسی پر بس نہیں ہوگا بلکہ اپنے اعزازات و مفادات کے علاوہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا، مگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی محض اُس نے اللہ کے مہر و سے پر اپنا وہ فرض انجام دیدیا جو دنیا میں صرف اُدلوالعزم انسان ہی دیا کرتے ہیں۔

امام تفسیر حضرت مقاتلؒ لکھتے ہیں کہ اس مردِ مومن کے پیچھے قوم فرعون ٹوٹ پڑی اور یہ کسی طرح ایک پہاڑ کی طرف بھاگ نکلے اور اُن کی گرفت میں نہ آ سکے۔ اللہ تعالیٰ

نے قوم فرعون کی بُری تدبیروں سے اُن کو بچا لیا مگر خود قوم فرعون سخت عذاب میں پکڑی گئی جسکا انجام غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوا اور آخرت کا عذاب اسکے علاوہ، مردِ مومن کے انجام کے سلسلے میں یہ آیات آئی ہیں۔ اسی طرح آل فرعون کے انجام کے بارے،

قرآنی مضمون

فَوَقَّعْنَا اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ
سُوءُ الْعَذَابِ. المومن آیات ۴۵ تا ۴۸

آخر کار اُس مردِ مومن کو اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی بُری چالوں سے جو اُنھوں نے اُسکے خلاف چلیں بچا لیا اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے چکر میں آگئے۔

دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔ پھر ذرا خیال کرو اُس وقت کا جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ دُنیا میں جو لوگ کم درجہ تھے وہ بڑے درجے والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ہی تابع تھے اب کیا یہاں تم نارِ جہنم کی تکلیف کے کچھ حصے سے ہم کو بچا لو گے؟ وہ بڑے درجے والے جواب دیں گے۔ ہم سب یہاں ایک حال میں ہیں بلاشبہ اللہ بندوں کے درمیان قطعی فیصلہ کر چکا ہے۔

پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے پہرہ داروں سے کہیں گے اے فرشتو! اپنے رب سے دُعا کرو کہ وہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن ہی کی تخفیف کر دے۔

وہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس رسولِ مینات لیکر نہیں آئے تھے؟ جواب دیں گے ہاں کیوں نہیں! جہنم کے پہرہ دار کہیں گے مچھرتو تم ہی دُعا کرو اور کافروں کی دُعا کا رت ہی جانے والی ہے۔
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا کہ آل فرعون کی روہیں سیاہ جانوروں کی شکل میں

ہر روز صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور انھیں جہنم دکھلا کر کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

تسع آیات (نومعجزے) | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ مسلسل کا فرعون

اور اسکے سرداروں پر مطلقاً اثر نہیں ہوا، سوائے معدودے چند سب نے مخالفت و بغاوت اختیار کر لی۔ پھر بنی اسرائیل کی ذبح اولاد کا قانون چل پڑا جسکے نتیجے میں مظلوم بنی اسرائیل کی اولاد زریہ ذبح ہونے لگی اور فرعون کی پرستش کا زور شور سے رواج شروع ہوا۔

اس درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ فرعون اور فرعونوں کو خبردار کر دیا جائے کہ اگر یہ ہی طور و طریقہ جاری رہا تو عنقریب اللہ کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ اس آگاہی پر بھی کوئی توجہ نہ دی گئی تو تب یکے بعد دیگر عذاب الہی آنے شروع ہوئے۔ جب کسی عذاب سے پریشان ہو جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے کہ یہ عذاب اپنے رب سے دُعا کر کے دور کر دیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے پھر جب وہ عذاب جاتا رہتا تو پھر وہی روش اختیار کر لیتے۔ اسی طرح خدا کی طرف سے انھیں ہر بار مہلت دی جاتی رہی لیکن ہر بار پہلے سے زیادہ ہی سرکشی اختیار کر لیتے، جب انھوں نے اسکو ایک مذاق بنالیا تو پھر اللہ کا وہ آخری عذاب آیا جسکے نتیجے میں فرعون اور اہل فرعون غرق کر دیئے گئے۔ وہ عذاب جس کو قرآن حکیم نے ”آیات بینات“ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے کس قسم کے تھے اور ان کی تعداد کتنی تھی؟ اسکی کوئی واضح تحدید متعین نہیں کی جاسکتی۔ سورہ بنی اسرائیل میں نو نشانیوں کا ذکر ملتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ (آیت ۱۰۱)

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانات دیئے۔

اور سورہ طہ، نمل، زخرف، التازعات میں تعداد کی وضاحت کے بغیر صرف ”آیات“ کہہ کر ذکر کیا گیا کہیں ”آیات بینات“ اور کہیں ”آیات مفصلات“ اور ایک موقع پر الایۃ الکبریٰ اور کہیں آیاتنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ان تفصیلی اور اجمالی تعبیرات کے علاوہ مذکورہ بالا سورتوں میں علیحدہ علیحدہ

نشانات کا بھی ذکر موجود ہے۔ اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے تو حسب ذیل فہرست مرتب ہو سکتی ہے :-

عصا، ید بیضا، سین (قحط سالی) منقص ثمرات (بچلوں کا نقصان) طوفان، جراد (مٹی وال) قتل (جوں) صفادع (مینڈک) دم (خور) فلق بحر (دوریا کا پھٹ جانا) من سلوی (حلو اور بٹیر) غمام (بادل کا سایہ) انفجار عیون (پتھر سے چشموں کا بہہ پڑنا) نشق جبل (پہاڑ کا اکھڑ کر سروں پر آجانا) نزول تورات۔

یہ پندرہ آیات تو ایسی ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ کتب حدیث میں مزید تشریح بھی ملتی ہے۔

ترمذی شریف جلد دوم کتاب التفسیر میں حضرت صفوان بن عسالؓ کی ایک حدیث جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کا امتحان لینا چاہیے۔ مشورہ کے بعد وہ آپ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو جو تسع آیات (نو آیات) دیئے تھے ان کی تشریح کیجئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ نو آیات یہ ہیں :-

”شُرک نہ کرنا، زنا نہ کرنا، کسی کا ناحق قتل نہ کرنا، چوری نہ کرنا، جادو نہ کرنا، سود نہ کھانا، پاک دامن کو تنہمت نہ لگانا، میدان جنگ سے فرار نہ ہونا اور اے یہود تمہارے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ یوم السبت (ہفتہ کے دن) کی خلاف ورزی نہ کرنا۔“

یہ سنکر وہ یہودی آپ کے ہاتھ چومے اور واپس چلے گئے۔

(ترمذی)

اس طرح تسع آیات کی ایک تشریح یہ بھی ملتی ہے، لیکن یہ تشریح قرآنی تشریح سے بالکل مختلف ہے۔ قرآن میں جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک بھی اسمیں شامل نہیں ہے۔ اس لئے مفسرین کرام نے اس حدیث کا مختلف طور پر جواب دیا ہے جو علم حدیث سے تعلق رکھتا ہے جس کا یہاں موقع نہیں۔

تسع آیات کی ایک اور تشریح حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ تسع آیات سے مراد حسب ذیل نشانیاں ہیں :-

عَصَا، یَدُ بَیضَا، سَتِّینَ، نَقْصُ ثَمَرَاتٍ، طُوفَانٌ، جُرَادٌ، قُلُوبٌ، ضَفَادِعٌ، دُمٌ۔
اگر تفسیر حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت قتادہؒ نے بھی اس تشریح کی تائید کی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو قابل ترجیح قرار دیا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ آیات کا لفظ قرآن حکیم میں معجزے اور احکام الہیہ دونوں معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسی لئے مفسرین کی ایک جماعت نے تسع آیات سے معجزے مراد لئے ہیں اور نوؓ کے عدد سے حصر مراد نہیں ہے معنی یہ ضروری نہیں کہ جملہ معجزات نوؓ سے زائد نہ ہوں۔ آیت مذکورہ میں کسی خاص اہمیت کے پیش نظر نوؓ عدد کی تصریح کی گئی ہے اور جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے ایک صحیح حدیث میں ان نوؓ آیات سے احکام الہیہ مراد ہیں۔ اس لئے بعض دیگر مفسرین نے تسع آیات سے احکام الہیہ مراد لیا ہے۔
الغرض حضرت ابن عباسؓ نے تسع آیات کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اُس کی وضاحت مفسرین کرام نے اس طرح بیان کی ہے:-

(۱) عَصَا۔ اُس لکڑی کا نام ہے جو عام طور پر چلتے پھرتے سہارے کا کام دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خاص لکڑی جو جنت سے اُتاری گئی تھی اسکی خاصیت یہ تھی کہ اگر اسکو پتھر پر مارا جائے تو اسکے ضرب سے پتھر میں پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے تھے۔ یہ لکڑی حسب ضرورت دراز بھی ہو جاتی تھی جسکے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جانوروں کے لئے اونچے درختوں سے پتے جھاڑ لیا کرتے تھے۔ اس لکڑی کو سحر کے مقابلہ میں ڈال دیا جاتا تو وہ اثر دہا بنکر جادو کے سارے کرتبوں کو ہضم کر جاتا تھا۔ فرعونؒ جادو گروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی لکڑی کو پھینک کر وہ عظیم الشان مظاہرہ کیا کہ جادوگر حیران رہ گئے اور اپنے جادو سے توبہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے جسکا تذکرہ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے آچکا ہے۔

(۲) یَدُ بَیضَا۔ جسکا ترجمہ روشن ہاتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ داہنا ہاتھ تھا جو معجزے ظاہر کرنے کے کام میں آتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ نصف النہار کے

سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ اس وقت ہاتھ کو دیکھنے کی تاب نہ رہ سکتی تھی۔ پھر جب اسکو دوبارہ گریبان میں ڈال لیتے تو وہ عام ہاتھ کی طرح ہو جاتا تھا۔ اس معجزے سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی۔ اور فرعون کے دربار میں بھی اس کا کئی بار مظاہرہ فرمایا تھا۔

(۳) **سین (قحط سالی)** فرعون اور اہل فرعون کی مسلسل بغاوت و سرکشی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ایک ہولناک قحط سالی کی پیشین گوئی فرمائی جسکو قوم نے مزاح اور دھمکی سے تعبیر کیا لیکن جب وہ شروع ہوا تو بلبللا اٹھتے تفسیری روایات کے مطابق یہ قحط ان کے شہروں پر مسلسل سات سال تک رہا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؓ کی روایت کے مطابق قحط اور خشک سالی کا عذاب گاؤں کے لئے تھا اور پھلوں کی کمی کا عذاب شہروں پر مسلط تھا۔ اس طرح غلہ اور پھلوں کی کمی کے باعث پوری قوم کا عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔

(۴) **منقص ثمرات** (یعنی پھلوں کی کمی کا عذاب) جیسا کہ بیان کیا گیا قحط سالی میں جہاں ہر قسم کی پیداوار بند ہو گئی اسی طرح ایک عذاب پھلوں کی کمی کا بھی آیا جس کی وجہ سے شہر کے باغات اُجڑ گئے اور پورا ملک ویران سا ہو گیا۔ دراصل کسی بھی شہر کی خوبصورتی کے لئے درخت اور باغات ضروری ہیں۔ کوہستانوں میں اس لئے وحشت برستی ہے کہ وہاں سرسبزی کا نام و نشان نہیں ہوتا اور اگر یہی کیفیت شہروں میں قصبوں میں پیدا ہو جائے تو انسانی آبادی کے لئے بدترین مصیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل فرعون کی مسلسل نافرمانی و ظلم کے نتیجے میں ایک عذاب اس قسم کا آیا۔

(۵) **طوفان** اکثر مفسرین کرام نے اس طوفان سے پانی کا طوفان مراد لیا ہے جس میں ازلے بھی برستے تھے۔ اگرچہ طوفان دوسری چیزوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ قوم فرعون کے سب گھروں اور زمینوں کو پانی کے طوفان نے گھیر لیا نہ کہیں بیٹھنے لیٹنے کی جگہ رہی نہ زمین میں کاشت کرنے کا موقعہ رہا۔

(۶) جِراو۔ (ٹڈیوں کا عذاب) اس سے مراد ٹڈی دل ہے جو غول بیابانی کی شکل میں کھیتوں اور باغات پر ٹوٹ پڑتا ہے اور آٹا فانا میلوں لمبے چوڑے کھیتوں کو چٹ کر جاتا ہے، اگر یہ ایک مرتبہ بھی آجائے تو پوری فصل تباہ ہو جاتی ہے جبکہ یہ بطور عذاب اُن پر مسلط کر دیا گیا تھا جب کبھی کھیت اور باغات سرسبز ہوئے یہ دل ٹوٹ پڑتا اور سب چٹ کر جاتا تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ یہ ٹڈیاں لکڑی کے دروازوں اور چھتوں اور گھریلو سامان سب کو کھا گئیں۔

(۷) قتل۔ جسکے معنی جُوں کے ہیں۔ اس کا اطلاق جُوں، چھوٹی مکھی، مچھر، سرسری وغیرہ پر کیا جاتا ہے۔ قتل کا یہ عذاب بھی وبائی شکل میں آیا۔ اناج اور غلے میں بھی یہ اتنی کثرت سے پیدا ہو گئے کہ کسی محفوظ ذخیرہ کو بھی تباہ کئے بغیر نہ چھوڑا۔ ملک کے سارے گودام بھوس کی طرح مغز سے خالی ہو گئے۔ دوسری طرف انسانی سروں اور کپڑوں میں بھی بکثرت پیدا ہو گئے، سروں کے بال اکھڑ گئے اور چہرے بے رونق ہو گئے۔ اس عذاب نے بھی ساری زندگی تلخ کر دی۔

(۸) ضفادغ۔ (مینڈکوں کا عذاب) مینڈک کی پیدائش اور رہائش عموماً پانی میں ہوا کرتی ہے اور یہ مخلوق دراصل پانی کے جانوروں میں شمار ہوتا ہے لیکن جب اللہ کے عذاب کے طور پر مسلط ہو جائے تو ان مینڈکوں نے انسانی گھروں کا رُخ کیا۔ اس کثرت سے گھروں میں پیدا ہونے لگے کہ کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی جہاں مینڈکوں نے اپنا ٹھکانہ نہ بنالیا ہو۔ بستروں میں، کپڑوں میں، کھانے پینے کے برتنوں میں۔ حتیٰ کہ پکی ہوئی غذاؤں تک میں پیدا ہو گئے۔

اس حیرتناک عذاب سے سب روپڑے اور ہر دفعہ کی طرح وعدہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کریں گے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب دور ہوا تو پھر وہی مخالفت و سرکشی شروع کر دی۔

(۹) دم۔ (خون کا عذاب) اس سے مراد ایسا عذاب تھا جو ہر کھانے پینے کی چیزوں کو خون میں تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ جب کوئی غذا تیار کی جاتی تو تیار ہونے کے بعد معاً خون بن جاتی۔ کنویں، حوض، نہر کسی بھی ذریعہ سے پانی نکالا جائے

تو وہ خون کی شکل میں برآمد ہوتا۔ بھوک و پیاس سے عاجز و درماندہ ہو گئے۔ نجات کی کوئی صورت نہ تھی جو انہیں میسر آتی اور مفسرین کرام یہ عجیب و غریب بات بھی منقل کرتے ہیں کہ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر ایک اسرائیلی (قوم موسیٰ) اور ایک فرعونی کھانا کھاتے تو جو لقمہ اسرائیلی اٹھاتا وہ اپنی حالت پر کھانا ہوتا تھا اور جو لقمہ یا پانی کا گھونٹ فرعونی اُسی دسترخوان سے منہ میں لیتا، خون بن جاتا۔ یہ عذاب بھی بدستور سات دن تک باقی رہا۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہوا لیکن قوم پھر وہی بغاوت پر اُتر آئی۔

قرآن حکیم نے ان سارے عذاب کے تذکرے کے بعد یہ خصوصی نوٹ بھی بیان کیا ہے۔

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کرو جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (یعنی اپنے رب سے دعا کرنے کے بعد) تو ہم ضرور بالضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ہم اُن سے اُس عذاب کو اُسی مدت کے لئے ہٹا دیتے جس تک اُنھیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگتے۔

(اعراف آیت ۱۳۴، ۱۳۵)

ابن منذر نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ان میں سے ہر عذاب قوم فرعون پر سات روز تک مسلط رہتا تھا۔ ہفتہ کے دن شروع ہوتا پھر دوسرے ہفتے کو دور ہو جاتا پھر تین ہفتے کی انھیں مہلت دی جاتی تھی تاکہ وہ توبہ کر لیں لیکن جو وہی وہ عذاب رفع ہوتا سرکشی و بغاوت پر اُتر آتے۔

امام بغویؒ نے ان ہی حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ جب پہلی مرتبہ قوم فرعون پر قحط کا عذاب آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہو گیا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگار یہ ایسے سرکش لوگ ہیں کہ عذاب قحط سے بھی متاثر نہیں ہوئے اور معاہدہ کر کے پھر گئے۔ اب ان پر کوئی ایسا عذاب مسلط فرما دیجئے جو ان کے لئے دردناک ہو

اور میری قوم کے لئے وعظ کا کام بھی دے اور بعد میں آنے والوں کے لئے درس عبرت بنے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر یکے بعد دیگرے عذاب کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ تسع سنین کی تفصیلات اور فرعون اور قوم فرعون کا ظلم و نافرمانی آیات ذیل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

قرآنی مضمون

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ
غَيْرِ سُوِّهِ فِي تِسْعِ اَيَّاتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ اَلَمْ

(نمل آیت ۱۷)

اور داخل کر تو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں وہ نکلے گا روشن ہو کر بغیر کسی مرض و عیب کے (یہ اُن) نو آیات میں سے ایک ہے جو فرعون اور اسکی قوم کے لئے بھیجی گئیں بلاشبہ وہ نافرمان قوم تھی۔

فَاَسْرَاهُ الْاَيَّاتُ الْكُبْرٰى فَكَذَّبَ وَعَصٰى الْاٰیَہ

(النازعات آیت ۱۷)

پس دکھایا اُس فرعون کو ایک بڑا نشان (یعنی عصا کا نشان) پھر اُس نے جھٹلادیا اور نافرمانی کی۔

فَاَلْقٰٓهُ عَصَاہُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ وَنَزَعْنَا يَدَہٗ فَاِذَا

ہی بَیْضًا لِلنَّظْرِیْنَ۔ (اعراف آیت ۱۷، ۱۸)

پس ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو وہ اچانک ایک واضح اڑدھا تھا۔ اور گریبان سے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دیکھنے والوں کے آگے روشن تر تھا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقَصْنَا

الشَّمٰتِیْنَ لَعَلَّهُمْ یَذْكُرُوْنَ الْاٰیَہ (اعراف آیت ۱۳ تا ۱۵)

اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پھلوں کی کمی (کے عذاب) میں پکڑ لیا کہ شاید ان کو ہوش آجائے۔

مگر اُن کا یہ حال تھا کہ جب اچھا زمانہ آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے

مستحق ہیں اور جب بُرا زمانہ آتا تو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کو اپنے لئے فال بد بٹھیراتے۔ حالانکہ اُنکی فال بد تو درحقیقت اللہ کے پاس تھی مگر ان میں اکثر بے علم تھے۔

انہوں نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ تو ہمیں مسحور کرنے کے لئے خواہ کوئی نشانی لے آئے ہم تیری بات ماننے والے نہیں ہیں۔ آخر کار ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈی دل، جُونیں، پینڈک اور خون (کے عذاب) بھیجے۔ یہ سب نشانیاں علیحدہ علیحدہ تھیں مگر وہ سرکشی کئے چلے گئے اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔ جب کبھی بھی اُن پر کوئی بلا نازل ہوتی تو کہتے اے موسیٰ تجھے اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے اس کی بنا پر ہمارے حق میں دُعا کر، اگر اب کے تو ہم پر سے یہ بلا ٹلوا دے تو ہم تیری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔

پھر جب ہم اُن پر سے وہ عذاب ایک وقت مقرر تک کے لئے جکڑا وہ بہر حال پہنچنے والے تھے ہٹا لیتے تو وہ یکسخت اپنے عہد سے پھر جاتے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَنَسِيَ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ
(بنی اسرائیل آیت ۷۸)

اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں عطا کیں۔ اب تم خود بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ سامنے آئیں تو فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ میں سمجھتا ہوں کہ تو ایک سحر زدہ آدمی ہے۔
قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ الْقَوْمَ مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝۱۰

(الشعراء آیات ۷۸ تا ۸۴)

موسیٰ نے کہا (اے جادوگر و پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے؟) انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے عزتِ فرعون کی قسم ہے ہم ہی غالب ہوں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا

ڈال دیا تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہرپ کر تا چلا گیا۔ اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ. الخ (الرؤف آیات ۱۰ تا ۱۴)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اسکے اعیان سلطنت کے پاس بھیجا تو اُس نے جا کر کہا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

پھر جب اُس نے ہماری نشانیاں اُن کے سامنے پیش کیں تو وہ ٹھٹھے مارنے لگے۔

ہم یکے بعد دیگر اُن کو ایسی نشانی دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی اور ہم نے اُن کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ اپنی روش سے باز آئیں۔

تعاقب اور فلق بحر اسورہ اعراف میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطلاع کے مطابق کوئی عذاب عام مصر پر نازل ہوتا تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتا تھا کہ اے موسیٰ تم اللہ سے دعا کر کے اس عذاب کو دور کروادو، پھر جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہم مان لیں گے۔ مگر جب وہ بلا ٹل جاتی تھی تو فرعون اپنی اُسی ہٹ دھرمی پر تل جاتا تھا۔ عذاب کا یکے بعد دیگر اور وہ بھی قبل از قبل پیش گوئی کے بعد آجانا۔ یہ ایک ایسا کھلا معجزہ تھا جسکو دیکھ کر ایک معمولی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی یہ فیصلہ کر سکتا تھا کہ ایک سچے آدمی کے کہنے پر ایسی ملک گیر بلاؤں کا آنا اور پھر اسکے کہنے پر اُن کا دور ہو جانا صرف رب العالمین ہی کے تصرف کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے صاف صاف کہہ دیا تھا:-

لَقَدْ عَلِمْتُمَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبَّ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ . (بنی اسرائیل آیت ۱۲۱)

تو خوب جان چکا ہے کہ یہ نشانیاں زمین و آسمانوں کے مالک کے سوا کسی اور نے نازل نہیں کی ہیں۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ

(النمل آیت ۱۱۱)

اور ان لوگوں نے معجزات کا انکار صرف ظلم اور تکبر کی وجہ سے

کیا حالانکہ ان کے قلوب اس کا یقین کر چکے تھے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ انکار بغض و عداوت کی حد تک پہنچ گیا۔ جا بجا مذاق اڑایا جانے لگا، دھمکیاں دی جانے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اب تم بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے فلسطین ہجرت کر جاؤ۔

مصر سے فلسطین یا ارض کنعان جانے کے دو راستے ہیں ایک خشکی کا راستہ جو قریب تر تھا دوسرا بحر قلزم (بحر احمر) کا راستہ جسکو عبور کر کے وادی سینا کی راہ اختیار کی جائے۔ یہ دور کی راہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کی مصلحت کا یہی تقاضہ ہوا کہ وہ خشکی کی راہ چھوڑ کر دور کی راہ اختیار کریں اور دریائے قلزم کو پار کر کے جائیں۔ بظاہر اس میں یہ مصلحت پوشیدہ معلوم ہوتی ہے کہ خشکی کی راہ اختیار کرنے میں فرعون اور اس کی فوج سے جنگ ضروری ہو جاتی۔ کیونکہ انھوں نے بنی اسرائیل کو قریب ہی آلیا تھا اور اگر دریا کا معجزہ پیش نہ آتا تو فرعون بنی اسرائیل کو واپس مصر لیجانے میں کامیاب ہو جاتا۔ الغرض حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحر احمر کی راہ ہوئے اور روانہ ہونے سے پہلے مصری عورتوں کے زیورات اور قیمتی ملبوسات جو ایک تہوار میں مستعار لئے تھے وہ بھی واپس نہ کر سکے کہ کہیں اہل مصر پر اصل حال واضح نہ ہو جائے۔

ادھر بعض نے فرعون کو اطلاع دی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے ہیں۔ فرعون اسی وقت ایک زبردست لشکر لیکر ان کے تعاقب کے لئے نکل پڑا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے ان کے سروں پر جا پہنچا۔

بنی اسرائیل کی تعداد مقبول تورات اس وقت چھ لاکھ تھی، پوچھنے کے وقت جب انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرعون کو سر پر پایا گھبرا کر کہنے لگے (یہاں تورات

کی روایت بڑی دلچسپ ہے)

”اے موسیٰ! کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لئے

بیابان میں لے آیا؟ (خروج باب ۳ آیات ۱۷، ۱۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں تسلی دی اور فرمایا خوف نہ کر و میرا رب میرے ساتھ ہے وہ تم کو نجات دے گا اور تم ہی کامیاب ہو گے۔ پھر بارگاہ الہی میں دست بدعا ہوئے وحی الہی نے حکم دیا کہ اپنی لامٹھی کو پانی پر مار دو پانی پھٹ کر بیچ میں راستہ نکل آئے گا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا دریا کے قلعزم پر اپنی لامٹھی کا مارنا ہی تھا کہ پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا اور بیچ میں راستہ نکل آیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اُس میں اتر گئے اور خشک زمین کی طرح اس سے پار ہو گئے۔

فرعون نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنی قوم کو آواز دی کہ یہ وقت بہت مناسب ہے آگے بڑھو اور بنی اسرائیل کو جا پکڑو۔ چنانچہ فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے اُسی راستے پر جا پڑا۔ لیکن اللہ کی قدرت آگے آئی جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دوسرے کنارے پر سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا تو پانی کو حکم دیا کہ وہ اپنی اصلی حالت پر آجائے بس آٹا فانا دریا کے دونوں پاٹ پھر مل گئے اور فرعون اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا غرق آب ہو گیا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا انکشاف ہے جس کا واحد ذریعہ وحی الہی کے سوا کچھ نہیں۔ جب فرعون غرق ہونے لگا اور ملائکہ العذاب سامنے نظر آنے لگے تو پکار کر کہنے لگا:-

میں اُسی ایک وحدہ لا شریک لہ ہستی پر ایمان لاتا ہوں جس

پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں اطاعت کرنے والوں میں سے

ایک ہوں۔ (یونس آیت ۹)

مگر یہ ایمان چونکہ حقیقی ایمان نہ تھا بلکہ گزشتہ فریب کاریوں کی طرح نجات حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ایک مضطربانہ بات تھی اس لئے اللہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

اَلَاِنَّ رَقَدَ عَصِيَّتَ قَبْلُ وَ كُنْتُمْ مِّنَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (یونس آیت ۱۰)

اب یہ کہہ رہا ہے حالانکہ اس سے پہلے جو اقرار کا وقت تھا
اس میں انکار اور خلاف ہی کرتا رہا اور درحقیقت تو مفسدوں میں سے تھا۔
یعنی اللہ کو خوب معلوم تھا کہ وہ مسلمین میں سے نہیں بلکہ مفسدین میں تھا۔
حقیقت یہ ہے کہ فرعون کی یہ پکار ایمان لانے اور یقین کرنے کے لئے نہ تھی
بلکہ عذاب الہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اضطرابی اور بے اختیاری کی حالت میں نکلتی ہے۔
ایسی دُعا و پکار موت کے وقت ناقابل قبول ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس کے لئے ایک
عام قاعدہ بیان فرمایا ہے :-

فَلَمْ يَلِكْ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا آذَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ
اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِنَا (المومن آیت ۸۵)

پس انکو نفع نہ دے گا اُن کا اپنا ایمان جبکہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ
لیا یہ اللہ کا مقرر کردہ ضابطہ ہے جو ہمیشہ اسکے بندوں میں جاری رہا ہے۔
توبہ اور ایمان بس اُسی وقت تک نفع دیتے ہیں جب تک آدمی اللہ کے عذاب یا
موت کی گرفت میں نہ آجائے۔ عذاب آجانے یا موت کے آثار شروع ہو جانے کے بعد
ایمان لانا یا توبہ کرنا اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

اس موقع پر اللہ کی جانب سے یہ بھی جواب دیا گیا۔
آج کے دن ہم تیرے جسم کو اُن لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے
آنے والے ہیں نجات دیں گے کہ وہ عبرت کا نشان بنے۔

(یونس آیت ۹۲)

جدید تحقیقات کی روشنی میں قاہرہ کے عجائب خانہ میں درمیں ثانی، فرعون موسیٰ کی نعش
موجود ہے۔ یہ سمندر میں تھوڑی دیر غرق رہنے کی وجہ سے اس کے ناک کے کچھ حصہ کو مچھلی
نے کھا لیا تھا آج بھی تماشا گاہ خاص و عام ہے۔

فرعون کا تعاقب اور سمندر کا مچھٹ جانا اور بنی اسرائیل کا نجات پا جانا اور
فرعون کا غرق ہونا قرآن حکیم کی مندرجہ آیات میں تفصیلاً و اختصاراً اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون | وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ

فَأَضْرَبَ لَٰمُوسَ الْهَرُونَ (طہ آیات ۷۷ تا ۷۹)

اور پھر دیکھو ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ اب میرے بندوں کو راتوں رات مصر سے نکال لیجا پھر سمندر میں اُن کے گزرنے کے لئے خشکی کی راہ نکال لے تجھ کو نہ تعاقب کرنے والوں سے اندیشہ ہوگا نہ اور کسی طرح کا خطرہ۔

پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا پس پانی کا ریلہ جیسا کچھ اُن پر چھانے والا تھا چھا گیا۔ (یعنی جو کچھ اُن پر گزرنی تھی) گزر گئی) اور فرعون نے اپنی قوم پر راہ نجات گم کر دی انھیں سیدھی راہ نہیں دکھائی۔

وَإِذْ حِينَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنَّ أَصْرَٰ بَعَادَىٰ إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ (طہ)

(الشعر آیات ۷۷ تا ۷۹)

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

پھر فرعون نے (فوج جمع کرنے کے لئے) شہروں میں منقیب بھیج دیئے۔ (اور کہلا بھیجا) کہ یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انھوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے۔ اور ہم سب کو ان لوگوں سے خطرہ ہے۔

اس طرح ہم نے انھیں ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال باہر کیا۔

یہ تو ہوا اُن کے ساتھ، اور (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب چیزوں کا وارث کر دیا۔ صبح ہوتے ہی یہ لوگ اُن کے تعاقب میں چل پڑے۔

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے بیشک ہم تو پکڑے گئے۔

موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔

پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو
یہ ایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح
ہو گیا۔ اور اُس جگہ ہم دوسری جماعت کو بھی قریب لائے۔ موسیٰ اور اُن
سب لوگوں کو جو اُس کے ساتھ تھے ہم نے بچا لیا۔ پھر دوسروں کو غرق
کر دیا۔ بیشک اس واقعہ میں ایک نشانی ہے مگر ان لوگوں میں اکثر
ماننے والے نہیں ہیں۔ اور درحقیقت تیرا رب زبردست بھی ہے حیم
بھی ہے۔

فَأَنقَضْنَا مِنْهُمْ فَاغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ (اعراف آیات ۱۳۶ تا ۱۳۷)

تب ہم نے اُن سے انتقام لیا اور اُنہیں سمندر میں غرق
کر دیا کیونکہ اُنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور اُن سے بے پُر
ہو گئے تھے۔

اور اُن کی جگہ ہم نے اُن لوگوں کو جو کمزور بنا کے رکھے گئے تھے
اُس زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال
کر رکھا تھا، اور اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدہ خیر
پورا ہوا۔ کیونکہ اُنہوں نے صبر سے کام لیا تھا اور جو کچھ فرعون اور اُسکی
قوم نے تیار کیا تھا اور جو جو اونچی عمارتیں بنائی تھیں اُن سب کو ہم نے
میا میٹ کر دیا۔

وَجَاءَ زُنَافِرُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ الْبَحْرَ فَاَتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ
وَجُنُودُهُ بَغِيًّا وَعَدَدًا ۚ (یونس آیات ۹۱ تا ۹۲)

اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا۔
یہ دیکھ کر فرعون اور اُس کے لشکر نے پیچھا کیا۔ مقصود یہ تھا کہ ظلم و شرارت
کریں، لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے
لگا تو اُس وقت پکار اُٹھا، میں یقین کرتا ہوں کہ اُس ہستی کے سوا کوئی معبود
نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی اُنہی فرمانبرداروں

اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو۔
آخر کار موسیٰ نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔ (جواب
دیا گیا) اچھا تو راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑو، تم لوگوں کا
پیچھا کیا جائے گا۔

اور سمندر کو اُسکے حال پر کھٹا چھوڑ دو یہ سارا شکر غرق ہونے
والا ہے۔ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے جو وہ
چھوڑ گئے اور کتنے ہی عیش کے سرو سامان جن میں وہ مزے کر رہے
تھے اُن کے پیچھے دھرے رہ گئے۔

یہ ہوا اُن کا انجام اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا
وارث بنادیا۔ پھر نہ آسمان اُن پر رویا نہ زمین اور نہ اُنھیں ذرا سی
بھی مہلت دی گئی۔

اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی۔
فرعون سے نجات دی جو حد سے گزر جانے والوں میں فی الواقع بڑے اونچے
درجے کا آدمی تھا۔

فَأَرَادَ أَنْ يَنْتَفِذَهُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ
مَعَهُ جَمِيعًا ۖ (بنی اسرائیل آیات ۲۸ تا ۳۰)

آخر کار فرعون نے ارادہ کیا کہ موسیٰ اور بنی اسرائیل کو زمین سے
اکھاڑ پھینکے مگر ہم نے اُسکو اور اُسکے ساتھیوں کو اکٹھا غرق کر دیا۔
اور اُسکے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم زمین میں رہو سو پھر
جب آخرت کے وعدے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو ایک ساتھ لا کھڑا
کریں گے۔

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۖ (الذاریات آیات ۲۰ تا ۲۲)

(اور تمہارے لئے نشانی ہے) موسیٰ کے قصے میں جب ہم نے اُنھیں کھلی
وسیل دیکر فرعون کے پاس بھیجا۔ تو وہ اپنے بل بوتے پر آکر گیا اور بولا

یہ جادوگر ہے یا مجنوں ہے۔

آخر کار ہم نے اُسے اور اُسکے لشکروں کو پکڑا اور سب کو
سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گیا۔“

عبرتِ ناک انجام | فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ کوئی تاریخی داستان
نہیں بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں ایک عظیم الشان قابلِ عبرت
معرکہ ہے۔ ایک جانب غرور و نخوت، جبر و ظلم ہے دوسری طرف صبر و استقامت، مظلومیت
اور خدا پرستی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور قوم فرعون کی ہلاکت کے بعد عبرت
و بصیرت کے لئے اس جانب خصوصی توجہ دلائی ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے آخرت
کی ابدی و سرمدی زندگی میں کس قدر سخت عذاب اور خدا کی پھٹکار کے کیسے کیسے عبرتِ ناک
سامان مہیا ہیں تاکہ سلیم و نیک نہاد فطرت لوگ اس کا مطالعہ کریں اور اُن جیسے اعمال سے
خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور اسکی ترغیب دیں۔
فرعون اور قوم فرعون کا عبرتِ ناک انجام آیات ذیل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون | وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝۱۰

(دہود آیات ۱۰ تا ۱۱)

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون
اور اُسکے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا۔

آخر کار قوم نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم
راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا اور انہیں
دوزخ کی طرف لے جائیگا اور وہ کسی بدتر جائے ورود ہے جس پر کوئی پہنچے۔
اور ان لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے دن بھی پڑے گی
کیسا بُرا بدلہ ہے یہ جو کسی کو ملے۔

یہ چند بستیوں کی سرگزشت ہے جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں ان
میں سے بعض اب بھی کھڑی ہیں اور بعض کی فصل کٹ چکی ہے۔

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن اُنھوں نے آپ ہی اپنے اوپر ستم ڈھایا ہے اور جب اللہ کا حکم آگیا تو ان کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آ سکے اور اُنھوں نے ہلاکت و بربادی کے سوا انھیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اسکی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ فی الواقع اسکی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسمیں ایک نشانی ہے ہر اُس شخص کے لئے جو عذاب آخرت کا خوف کرے۔ وہ ایک دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اُس روز ہوگا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ ہم اسکے لانے میں بہت زیادہ تاخیر نہیں کر رہے ہیں بس ایک مختصر گنی چنی مدت اسکے لئے مقرر ہے۔ جب وہ دن آئے گا تو کسی کی بات کرنے کی مجال نہ ہوگی الا یہ کہ خدا کی اجازت سے۔ پھر کچھ لوگ اُس روز بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔

پس جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے (جہاں گرمی اور پیاس کی شدت سے) وہ ہانپیں گے اور پھینکارے ماریں گے۔ اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں۔ الا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے بے شک تیرا رب جو کچھ چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے تو وہ جنت میں جائیں گے۔ اسمیں ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں۔ الا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش اُن کو ملے گی جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَدْعُونَ إِلَى الْتَارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ۝ ۱۰ (قصص آیات ۱۰، ۱۱)

اور ہم نے انھیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنا دیا اور قیامت کے دن کوئی مدد نہ پاسکیں گے۔

اور ہم نے اس دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے روز وہ بڑی بُرائی میں مبتلا ہوں گے۔

فَوَقَّعَ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝۱۰ (مومن آیات ۴۵ تا ۴۷)

آخر کار اُن لوگوں نے جو بُری چالیں اُس رجلِ مومن کے خلاف چلیں اللہ نے اُن سب سے اُسکو بچالیا اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے پھیر میں آگئے۔

دوزخ کی آگ ہے جسکے سامنے صبح و شام وہ پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت کی گھڑی آجائیگی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو شدید عذاب میں داخل کرو۔

پھر ذرا خیال کرو اُس وقت کا جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ دنیا میں جو لوگ کم درجہ تھے وہ بڑے درجے والوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے اب کیا یہاں تم نارِ جہنم کی تکلیف کے کچھ حصے سے ہم کو بچالو گے؟

وہ بڑے درجے والے جواب دیں گے ہم سب یہاں ایک حال میں ہیں بیشک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کرچکا ہے۔ اور (پھر) یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے پہرہ داروں سے کہیں گے۔ اپنے زب سے دُعا کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک آدھے دن کی تخفیف کر دے۔

وہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسولِ نشانیاں لیکر نہیں آتے رہے؟ وہ کہیں گے ہاں! جہنم کے پہرہ دار بولیں گے پھر تو تم ہی دُعا کرو اور کافروں کی دُعا کا رت ہی جانے والی ہے۔

إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامٌ لِّلْآثِمِينَ ۝۱۱

(دُفان آیات ۴۷ تا ۴۹)

بلاشبہ زَقُّوم کا درخت گنہگار کی غذا ہوگی۔ تیل کی تلچھٹ جیسا

پیٹ میں اس طرح جوش کھائے گا۔ جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔
 (اے فرشتو) پکڑو اسے اور دھکیلتے ہوئے لے جاؤ اسکو جہنم کے بیچوں
 بیچ۔ پھر انڈیل دو اسکے سر پر کھولتے پانی کا عذاب۔ چکھ اس کا مزہ
 بڑا زبردست عزت دار آدمی ہے تو۔
 یہ وہی چیز ہے جسکے آنے میں تم لوگ شک رکھتے تھے۔

پہلا مطالبہ | بحر قلزم کو پار کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے فرعون اور
 اُسکی فوج کو غرق ہوتے دیکھا پھر اُن کی بیشمار نعشوں کو سمندر کی موجوں
 نے اپنی غیض و غضب کے ساتھ ساحل پر لا پھینکا۔

یہ سارا منظر اُن کے سامنے تھا اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت آنکھوں سے دیکھ رہے
 تھے، لیکن اُن کی ذہنیت کو اہل مصر کی ہر سہا برس کی غلامی نے کچھ اس قدر بگاڑ دیا تھا
 کہ اس کا اندازہ اس بات سے باسانی کیا جاسکتا ہے کہ یہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کی چالیس سالہ زندگی کی تربیت و رہنمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی اپنے اندر سے
 اُن مشرکانہ اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنہ مصر کی بندگی کے دور میں پیدا ہو گئے تھے
 درمیان راہ میں ایک بت خانہ نظر آیا جہاں بہت سارے انسان بتوں کی پرستش میں
 مصروف تھے۔ بنی اسرائیل کو نقشِ باطل بہت پسند آیا۔ اس منظر کو دیکھ کر ان بگڑے
 ہوئے مسلمانوں میں سے بہتوں کی پیشانیاں اس آستانے پر سجدہ کرنے کے لئے بیتاب
 ہو گئیں جیسو وہ اپنے بڑوں کو سجدہ کرتے ناک رگڑتے دیکھا تھا۔ جاہلیت کا پوشیدہ جذبہ
 بھڑک اُٹھا، کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کر دیجئے جیسا
 کہ ان کا معبود ہے۔

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم بڑی جاہل قوم ہو، یہ لوگ جن کے
 طریقے کو تم پسند کر رہے ہو ان سب کے اعمال ضائع جانے والے ہیں۔ یہ باطل کی
 پیروی کر رہے ہیں تم کو اس کی حرص نکرنا چاہیئے کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کسی
 اور کو معبود بنادوں؟ جبکہ وہی سب کا معبود ہے۔

دوسرا مطالبہ | بنی اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کرنے کے بعد جس سرزمین پر قیام کیا

وہ عرب کی زمین تھی جو قلزم کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ لوق وودق میدان بے آب و دانہ جو تورات کی زبان میں بیابان شور وادی سینا کے نام سے مشہور ہے جس کا سلسلہ کوہ طور تک پہنچتا ہے۔ جب اس قطعہ میں پہنچے تو بھوک و پیاس کی وجہ سے گھبرا اٹھے یہاں دور دور تک سبزہ اور پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے آپ ہم کو کہاں لے آئے؟ کیا یہاں ہم بھوک و پیاس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں اچھا تو یہی ہی تھا کہ بحر قلزم میں ڈوب مرتے۔

قوم کی بے صبری اور بے اعتما دی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں التجا کی وحی الہی نے انھیں حکم دیا کہ اپنا عصا زمین پر ماریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل کی تو فوراً بارہ چشمے پھوٹ پڑے اس وقت بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے سب کے لئے ایک ایک چشمہ مقرر ہو گیا، بنی اسرائیل کو جب پانی سے اطمینان ہو گیا تو کہنے لگے پانی کا انتظام تو ہو گیا لیکن زندگی کے لئے صرف پانی تو کافی نہیں ہمیں بھوک لگی ہے کھائیں کہاں سے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر رب العالمین کی بارگاہ میں دُعا کی اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی، اے موسیٰ تمہاری دُعا قبول ہوئی پریشان نہ ہو اب ہم غیب سے سب انتظام کر دیتے ہیں۔ پھر ایسا ہوا کہ جب رات ختم ہوئی صبح صبح بنی اسرائیل نے دیکھا کہ زمین اور خشک درختوں پر جگہ جگہ سپید آلوں کے دانوں کی طرح شبنم کی صورت میں آسمان سے کوئی چیز برس کر گری پڑی ہے۔ کھایا تو نہایت شیریں حلوے کی مانند تھا۔ یہ قرآنی الفاظ میں ”مَنَّ“ تھا۔ پھر دن میں تیز ہوا چلی اور کچھ دیر کے بعد بیروں کے غول درغول آکر زمین پر بیٹھ گئے۔ بنی اسرائیل نے انھیں آسانی سے پکڑا اور تل بھون کر کھانے لگے۔ ”یہ سلوسی“ تھا۔

اسی طرح روزانہ بغیر کسی زحمت و مشقت کے یہ دونوں نعمتیں مفت مہیا ہو گئیں۔ لیکن چونکہ ہر نعمت اپنے میں کچھ نہ کچھ آزمائش بھی رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو یہ بھی آگاہی دی کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق من و سلوسی کو کام میں لائیں۔ دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہ کریں، ہم ان کو ہر صبح یہ نعمت فراہم کرتے رہیں گے۔ لیکن یہ بگڑے انسان کب سکون و اطمینان سے بیٹھتے مزاج

وعادات میں ٹیڑھا پن تھا۔ اللہ اور اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام پر غیر متزلزل یقین نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُس آگاہی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ رزق فردا کے اندیشے میں مبتلا ہو گئے اور ہر روز دوسرے دن کی غذا کا ذخیرہ کرنے لگے۔ اگرچہ انہیں ہر روز نبی امن و سلومی ملا کرتا تھا، کسی بھی قوم میں جب اللہ و رسول پر بے اعتمادی کا مرض پیدا ہو جاتا ہے اُس کے آثار ایسی ہی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فہمائش کچھ مفید ثابت نہ ہوئی۔ آخر کار ایک مدت کے بعد اُس آسمانی دسترخوان سے بھی محروم ہو گئے۔ نعمتوں کا حق ادا کرنے پر ایسے ہی نتائج سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

تیسرا مطالبہ | کھانے پینے کی ضروریات سے جب اطمینان ہو گیا تو اب بنی اسرائیل نے اُسی وادی میں تیسرا مطالبہ شروع کر دیا۔ گرمی کی شدت ہے،

سایہ دار درختوں اور مکانات کی راحت میسر نہیں، ہم بہت پریشان ہیں ایسا نہ ہو کہ گرمی کی تپش اور سورج کی تمازت ہماری زندگی کا خاتمہ کر دے۔ ہم اب زیادہ صبر نہیں کر سکتے؟ ہمارے لئے ہمارا ملک مصر ہی اچھا تھا اگرچہ وہاں ہم غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے لیکن رہنے سہنے کا تو انتظام تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تلقین کی کہ اللہ پر اعتماد رکھو، اُس کے فیصلوں پر شکایت و حکایت بڑے سخت نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ تم لوگ اللہ سے ڈرو اُس نے تمہاری آزادی کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور نجات دے گا اور سب انتظام اپنے وقت مقررہ پر پورا ہو گا۔ لیکن جب اللہ و رسول پر یقین ہی متزلزل تھا ایسی اہم اور زرین نصیحت کیسے مفید ہو سکتی تھی۔ ہر روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے لگے۔

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی اس بے صبری کا استغاثہ بارگاہ الہی میں پیش کر دیا اور اُس کے فضل و کرم کی التجا کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سنی گئی اُنّا فانا بادلوں کے جھنڈ بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہو گئے اور بنی اسرائیل جہاں بھی سفر کرتے بادلوں کا یہ سائبان اُن پر محفوظ چھتر یوں کا کام دیتا۔

اس طرح بنی اسرائیل کی مسلسل بے صبری اور بے اعتمادی کے باوجود وادی تیر بطور آزمائش ”جنت نشان“ بن گیا۔

چوتھا مطالبہ | یہ ”خدائی نشانات“ اللہ و رسول پر اعتماد کرنے کے لئے کیا کچھ کم تھے؟ مگر جب فطرت میں سلامتی باقی نہیں رہتی اور توکل و اعتماد علی اللہ سے دل خالی ہو جاتا ہے تو ایسے بڑے بڑے معجزات بھی انسان کو مطمئن نہیں کرتے۔ بنی اسرائیل پر وادی تہ میں اللہ کے یہ انعامات اور پیغمبر کی موجودگی جو سب سے بڑی نعمت ہے مہیا ہیں۔ ان خصوصی حالات میں انھوں نے ایک عجیب و غریب مطالبہ پیش کر دیا ایک مرتبہ سب جمع ہو کر کہنے لگے:-

”اے موسیٰ ہم روز روز ایک طرح کی غذا کھاتے رہنے سے اکتا گئے ہیں اب ہم کو اس ”من و سلویٰ“ کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے زمین سے سبزی، کھیر، گیہوں والی مسور، پیاز جیسی چیزیں اگائے تاکہ ہم خوب کھائیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس یہودگی پر بہت غصہ آیا فرمانے لگے:-
”تم بھی کمسقدراحق ہو کہ ایک عمدہ و بہترین غذا کو چھوڑ کر ایک معمولی اور گھٹیا قسم کی چیزوں کے خواہشمند ہو؟ اس طرح اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے خلاف اپنی پسند کو اختیار کرنا صریح کفرانِ نعمت ہے اللہ سے ڈرو ایسے بے جا مطالبات سے باز آؤ۔“

لیکن قوم کے بگڑے ذہنوں کو یہ بات پسند نہ آئی اپنے مطالبہ پر اصرار کرنے لگے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وحی الہی سے اشارہ پا کر قوم سے کہا، اچھا قریب کی بستی میں چلے جاؤ وہاں تم کو یہ سب چیزیں وافر مقدار میں مل جائیں گی۔

اس طرح خود اپنی ذاتی تجویز سے ایک ایک نعمت سے محروم ہوتے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا احسانات کا جواب یہ لوگ کیسی کیسی مجرمانہ بے باکیوں کیساتھ دیتے رہے اور پھر کس طرح مسلسل تباہی کے گڑھے میں گرتے چلے گئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ چاروں نعمتیں پانی، مٹن و سلویٰ، بادلوں کا سایہ، چالیس برس تک اُس مسافرت کے زمانے میں بنی اسرائیل کو ملتی رہیں، چھ لاکھ سے زائد انسانی قافلہ بغیر کسی مشقت اور فاقہ کشی کے اس وادی میں کھاتا پیتا رہا۔

وادی تیبہ کی یہ صحرا نوروسی ایک بڑے مقصد کے لئے کرائی جا رہی تھی جس کے بعد ایک آسمانی اور قانون شریعت کا نفاذ کا مقصد پورا ہونا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل اسکی تعلیم و تربیت کے ہر مرحلہ پر ناکام ثابت ہوئے۔ قرآن حکیم نے ان چاروں مطالبات کی تفصیل اور اس کا انجام آیات ذیل میں بیان کیا ہے:-

قرآنی مضمون

لَمَّا كَسَا لَهْمُ الْهَيْتَةِ الْخَمْرَ دَاعِرَاتِ آيَاتِ ۱۴۱

اور بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے پار کر دیا پھر وہ ایک ایسی قوم پر گزرے جو اپنے بتوں سے چمٹی بیٹھی تھیں، کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود مقرر کر دے جیسا کہ ان لوگوں کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا افسوس تم پر بلاشبہ تم جاہل قوم ہو۔ لاریب ان لوگوں کا طریقہ تو ہلاکت کا طریقہ ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں باطل ہے۔ باوجود اسکے کہ اللہ نے تم کو تمام کائنات پر فضیلت دی ہے پھر بھی میں تمہارے لئے اللہ واحد کے سوا اور معبود تلاش کروں؟

وَإِذَا اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضِيبًا ۚ (البقرہ آیت ۶۱)

اور پھر وہ واقعہ بھی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تھا اور ہم نے حکم دیا تھا اپنی لاٹھی سے فلاں چٹان پر ضرب لگاؤ (موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی) چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ معلوم کر لی (اس وقت تم لوگوں سے کہا گیا تھا کہ اس بے آب و گیہاہ بیابان میں تمہارے لئے زندگی کی تمام ضرورتیں مہیا ہو گئی ہیں بس) کھاؤ پیو خدا کی بخشش سے فائدہ اٹھاؤ

اور ایسا نہ کرو کہ ملک میں فتنہ و فساد پھیلاؤ (یعنی ضروریات معیشت کے لئے لڑائی جھگڑا کرو یا ہر طرف لوٹ مار مچاتے پھرو)
وَزَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاتِ
وَالسَّلْوٰی ۱۰۱ (بقرہ آیت ۵۵)

اور (پھر جب ایسا ہوا تھا کہ صحرا سینا کی بے آب و گیاہ زمین میں دھوپ کی شدت اور غذا کے نہ ملنے سے تم ہلاک ہو جانے والے تھے) تو ہم نے تمہارے سروں پر بادل کا سایہ پھیلا دیا اور منّ و سلویٰ کی غذا فراہم کر دی (تم سے کہا گیا) اللہ نے تمہاری غذا کے لئے جو اچھی چیزیں مہیا کر دی ہیں انہیں بغراغت کھاؤ (اور کسی طرح کی تنگی و قلت محسوس نہ کرو لیکن اس پر بھی تم اپنی بد عملیوں سے باز نہ آئے، غور کرو) تم نے ناشکریوں سے ہمارا کیا بگاڑا خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسٰی اُمَّةٍ يَّهْدُوْنَ بِآٰیٰتِ حَتّٰی وَاِیْہِ
یَعْدِلُوْنَ ۱۰۲ (اعراف آیات ۵۹ تا ۶۱)

اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو لوگوں کو سچائی کی راہ چلاتا ہے اور سچائی کے ساتھ (ان کے معاملات میں) انصاف بھی کرتا ہے۔

اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں کے بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور جب لوگوں نے موسیٰ سے پانی مانگا تو ہم نے وحی کی کہ اپنی لامٹی (ایک خاص) چٹان پر مارو چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر جماعت نے اپنی اپنی جگہ پانی کی معلوم کر لی اور ہم نے بنی اسرائیل پر بادل کا سایہ کر دیا تھا اور ان کی غذا کے لئے منّ و سلویٰ اتارا تھا، ہم نے کہا تھا یہ پسندیدہ غذا کھاؤ جو ہم نے عطا کی ہے (اور) فتنہ و فساد میں نہ پڑو) انہوں نے نافرمانی کر کے ہمارا تو کچھ نہ بگاڑا خود اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

یٰۤاٰیُّہَا اِسْرَآئِیْلُ قَدْ اَنْجٰیْنٰکُمْ مِنْ عَدُوِّکُمْ ۱۰۳ (طہ آیت ۸۷)

اے بنی اسرائیل میں نے تمہارے دشمن سے تم کو نجات دی اور تم سے (برکتوں اور کامرانیوں) کا وعدہ کیا جو کوہ طور کے دہنی جانب ظہور میں آیا تھا، تمہارے لئے صحرائے سینا میں سن و سلویٰ مہیا کیا۔ تمہیں کہا گیا یہ پاک غذا مہیا کر دی گئی ہے شوق سے کھاؤ (مگر اس بارے میں نافرمانی نہ کرو) کرو گے تو میرا غضب نازل ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ بس ہلاکت میں گرا اور بیشک میں بڑا ہی بخشنے والا ہوں جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور سیدھی راہ پر قائم رہے۔“

(علامہ عبد الوہاب بخاری نے اپنی کتاب ”قصص الانبیاء“ میں لکھا ہے کہ پانی کے وہ چشمے جن کا ذکر بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہے۔ بحر احمر کے مشرقی بیابان میں مہر سونز سے زیادہ دور نہیں ہیں اور اب بھی ”عمیون موسیٰ“ (موسیٰ کے چشمے) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان چشموں کا پانی اب بہت کچھ سوکھ گیا ہے اور بعض کے تو آثار بھی قریب قریب معدوم ہو گئے ہیں اور انہیں کہیں ان چشموں پر اب کھجور کے باغات نظر آتے ہیں) والترمذی۔
وَلَا ذُقْتُمْ مَوْسٰی لَنْ تَصْبِرَ عَلٰی طَعَامِہٖ وَ اَحَدِہٖ قَادَحٌ
لَنَا رَیْلَہٗ یُخْرِجُ لَنَا مِمَّا تُنْبِئُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِہَا وَ قِثَآہَا
وَفُومِہَا وَ عَدَسِہَا وَ بَصَلِہَا۔ الخ (بقرہ آیت ۶۱)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم اب ایک قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے پس اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دُعا کرو کہ وہ زمین سے ہمارے لئے سبزی، ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز (جیسی چیزیں) اُگائے، موسیٰ نے کہا کیا تم بہتر اور عمدہ چیز کے بدلے میں گھٹیا چیز کے خواہشمند ہو؟ کسی شہر میں جا کر قیام کرو بلاشبہ وہاں یہ سب چیزیں مل جائیں گی۔

کوہ طور اور اعتکاف | حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ

تھا کہ جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو انہیں ایک مستقل کتاب و شریعت دی جائیگی۔

مصر سے نکلنے کے بعد جب انہیں خود مختار قوم کی حیثیت حاصل ہو گئی تو حکم خداوندی کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر طلب کیا گیا تاکہ انہیں بنی اسرائیل کے لئے شریعت عطا کی جائے۔

اس سلسلے کی یہ پہلی طلبی تھی اور اس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن کا اعتکاف پورا کرنا طے کیا گیا تاکہ چالیس دن روزے رکھ کر شب و روز عبادت و ریاضت کر کے اللہ تعالیٰ کے اُس کلام کو اخذ کرنے کی اپنے میں استعداد پیدا کریں جو اُن پر نازل ہونے والا تھا۔ دراصل اس اعتکاف کی مدت صرف تیس دن تھی بعد میں دس دن اور بڑھا کر چالیس دن کر دیئے گئے۔

علامہ دلمی نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت منقل کی ہے لیکن دلمی ”محققین کی نظر میں مجروح ہیں“

”جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ماہ کا اعتکاف جب ختم ہو گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کی فکر میں مسواک کیا چونکہ مسلسل یک ماہ روزوں کی حالت میں گزر گیا تھا اس لئے منہ میں بو محسوس کرتے تھے۔ لہذا انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ رب العالمین سے اس حالت میں ہمکلام ہوں، اس کے لئے انہوں نے ایک خوشبودار گھاس کو چبا لیا اور کچھ کھا بھی لیا۔

وحی الہی نے آگاہ کیا، اے موسیٰ تم نے ہمکلامی سے پہلے روزہ کیوں افطار کر لیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکی وجہ بیان کی، ارشاد ہوا کہ اس مدت کو دس دن بڑھا کر پورے چالیس دن کر لیا جائے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے ہاں روزہ دار کے منہ کی بوشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عزیز ہے۔“ (تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۳۷۳)

قرآن حکیم نے صرف اسی مقدار پر اکتفا کیا ہے کہ یہ مدت پہلے تیس دن تھی اور پھر بڑھا کر چالیس دن کر دی گئی اس اضافہ کی کوئی وجہ مذکور نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر جانے لگے (اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو جو عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے لیکن کارِ نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماتحت اور مددگار تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے اپنے وزیر کی حیثیت سے مانگا تھا اور اللہ نے انھیں نبوت کے لئے منتخب بھی فرمایا تھا)

ایسے وقت میں حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم میں اپنا جانشین بنایا اور ہدایت فرمائی کہ بنی اسرائیل کو راہِ حق پر قائم رکھیں اور ان کی ہر طرح نگرانی کریں۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کیا کلام فرمایا؟ قرآن حکیم اس کی تفصیل سے ساکت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کلام کی لذت و کیفیت سرور سے شاد کام ہو کر مشاہدہ و دیدار کے خواہشمند ہوئے عرض کیا الہی اپنی لذت دیدار سے سرفراز فرما! جواب ملا اے موسیٰ! تم ہمارے مشاہدہ کی تاب نہ لا سکو گے۔ البتہ ہم اپنی ذات کی تجلی کا ظہور اس پہاڑ پر کریں گے اگر یہ پہاڑ اس تجلی کو برداشت کر گیا تو پھر تم یہ سوال کرنا؟

اسکے بعد طور پر ذاتِ حق کی تجلی نے ظہور کیا تو پہاڑ کا وہ حصہ معاً ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس نظارہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے اور گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو اللہ عز و جل کی حمد و ثنا کی اور اپنے سوال پر نادم ہوئے اور اقرار کیا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ تو دیکھے جانے سے بہت بالا و برتر ہے۔ قرآن حکیم کی آیات ذیل اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

قرآنی مضمون وَاعِدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمْنَاهَا
بِعَشْرٍ فَلَمْ يَعْلَمْ بِمِيقَاتِ رَبِّهِمْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ

(اعراف آیات ۱۳۳ تا ۱۳۴)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا (کہ کوہ طور پر آکر اعتکاف کریں) اور مزید دس راتوں کو ان تیس راتوں کا تتمہ بنا دیا

اس طرح اُن کے پروردگار کا (مقرر کیا ہوا) وقت (سب ملکر پوری چالیس راتیں ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام) نے (چلتے وقت) اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا تھا کہ میرے پیچھے تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کے طریقے پر نہ چلنا۔

جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور اُس کے رب نے اُس سے لطف و عنایت کا کلام کیا تو موسیٰ نے التجا کی اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں، اللہ نے فرمایا تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ البتہ ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تب تو مجھے دیکھ سکو گے پھر جب اُس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو کہا پاک ہے تیری ذات میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔“

نزول تورات | اس گفتگو کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تختیاں

عنایت کی گئیں اور تاکید کی گئی کہ اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور اسکے احکام کو قائم کرو اور قوم کو بھی اس پر عمل کر سکی تلقین کرو۔ میں نے اس کتاب میں دینی و دنیوی فلاح کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ حلال و حرام، خیر و شر، امر و نہی کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

اس مقام پر دو باتیں قابل توجہ ہیں :-

(۱) علماء اسلام کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں جن احکام کا نزول ہوا وہ کتاب تورات ہے جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھیں۔

(۲) علماء نصاریٰ کی ایک جماعت کا ادعا ہے کہ اس سے مراد وہ احکام عشرہ ہیں جو مذہب موسوی کی شریعت یا احکام عہد کے نام سے موسوم ہیں یعنی خدا کے سوا کسی کو نہ پوجنا، زنا نہ کرنا، چوری نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن قرآن حکیم اور تورات کے بعض قدیم نسخوں سے جسکی نشان دہی شیخ رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”اظہار الحق“ میں درج کی ہے۔ احکام سے مراد کتاب تورات ہی لی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں نزول احکام کے تذکرے میں اسکو کتاب اور فرقان کے الفاظ سے یاد کیا گیا جو کتاب کی صفات ہیں۔

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر جو الواح (تختیاں) دی گئیں وہ تورات کی تختیاں تھیں احکام عشرہ یا احکام عہد نہیں تھیں۔ انہی تختیوں میں جہاں احکام و مواظبت تھے وہاں ایک پیشگوئی بھی موجود ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (اعراف آیت ۱۴۵)

عنقریب میں تم کو نافرمانوں کا گھرو کھاؤں گا۔

(۱) اس وارے مراد کون سا مقام ہے؟ اہل علم نے مختلف نام لکھے ہیں۔
(۱) بعض نے کہا اس وارے راد و نمود کے کھنڈر مراد ہیں جسکو دیکھ کر عبرت

و نصیحت لی جاسکے۔

(۲) بعض نے شہر مصر مراد لیا ہے کہ بنی اسرائیل نکالے جانے کے بعد دوبارہ اس میں عزت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

(۳) امام تفسیر قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس سے ملک شام کی مقدس سرزمین مراد ہو جہاں اُس زمانے میں قوم عمالقہ کے ظالم و جابر بادشاہوں کی حکومت تھی اور جہاں اب بنی اسرائیل کو داخل ہونا تھا۔

یہ بات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُس وقت کے بوڑھے ان بستیوں میں داخل نہ ہو سکے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ارض مقدس میں داخل ہونے سے پہلے ہی وادی تیبہ میں ہو گیا تھا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے بوڑھوں پر بھی آگے کی تفصیل کے مطابق اس کا داخلہ حرام کر دیا گیا تھا۔ تو آیت کی یا تو یہ مراد ہے کہ بنی اسرائیل کے جوانوں کے داخلے سے (جسکی اکثریت تھی) سب کا داخلہ مراد لیا گیا ہے۔ یا پھر یہ مراد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اپنے مددگار یوشع بن نون اور کالب بن یوسف اور چند بنی اسرائیل کے بہادروں کو ارض مقدس میں اس لئے بھیجا تھا کہ وہ وہاں کے مفصل حالات معلوم کر آئیں کہ ہم کس طرح طاقتور دشمن کو شکست دے کر ارض مقدس

میں داخل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اُس کا مشاہدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس طرح محدودے چند افراد کا ارض مقدس میں داخل ہو کر اسکو دیکھ آنا اور پھر سب کو وہاں کے حالات سے آگاہ کرنا گویا سب کا دیکھ آنا مراد ہو سکتا ہے۔ آیت مذکورہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت قتادہؒ کے قول کے مقابلہ میں پہلا قول اس لئے ضعیف ہے کہ اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل کبھی قومی یا جماعتی حیثیت سے مصر میں داخل نہیں ہوئے۔ دوسرا قول بھی اس لئے قابل اعتناء نہیں کہ اگرچہ ثمود کے آثار وادی سینا کے قریب ضرور تھے مگر قوم عاد کے آثار و کھنڈر تو عرب کے مغربی حصہ میں واقع تھے جو وادی سینا سے مہینوں کی راہ تھی تو ایسی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بنی اسرائیل کو صرف ان محوشہ آثار و کھنڈرات دکھانے کے لئے بھیجا جاتا اور اس کے لئے اللہ کا وعدہ اس شان کے ساتھ بیان ہوتا۔

ایک تیسرا قول یہ بھی ہے دار الفاسقین سے مراد جہنم ہے کافروں کے لئے تہدیداً کہا گیا ہے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی اور ساتھ ہی یہ بھی فہمائش کر دی گئی کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم کو ہدایت پہنچ جاتی ہے اور اُسپر نجات پوری ہو جاتی ہے پھر وہ قوم سمجھ سے کام نہیں لیتی۔ مگر ابی اور باپ دادا کی بُری راہ و رسم پر ہی قائم رہنے پر اصرار کرتی ہے تو پھر ہم بھی اُس کو گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں اور ہمارے پیغام حق میں اُن کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا اس لئے کہ اُنھوں نے قبول حق کی استعداد اپنی بغاوت و سرکشی سے زائل کر دی۔ ان ساری تفصیلات کو قرآن حکیم نے اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:-

قرآنی مضمون قَالَ يٰمُوسٰى اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسَالَتِیْ

وَبِكَلَامِیْ فَاخْذُ مَا اَتٰیْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِیْنَ۔ الخ

داعراف آیات ۱۴ تا ۱۷

فرمایا اے موسیٰ میں نے لوگوں پر تم کو اپنی پیغمبری اور ہمکلامی

سے ممتاز کیا ہے۔ تو اب جو کچھ میں تم کو عطا کیا ہے اُسکو لے لو اور شکر کرنے والوں میں ہو جاؤ۔

اور ہم نے اس کے لئے تورات کی تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور احکام ہیں (ہر شئی کی تفصیل لکھ دی ہے۔ لہذا اُسکو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے اچھے احکام کو لازم کر لیں۔ عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانی کا مقام دکھا دوں گا۔

میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ ہی رکھوں گا جو روئے زمین پر تکبر کرتے ہیں بغیر کسی حق کے، اور اگر یہ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں جب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر یہ ہدایت کا راستہ دیکھ پائیں تو اسے اپنا راستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ پائیں تو اُسے اپنا راستہ بنالیں۔ یہ ساری شامت اس سبب سے ہے کہ اُنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن کی طرف سے اپنے کو غافل رکھا۔

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا اُن کے اعمال اکارت گئے اور اُن کو بدلہ اُسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں۔“

وَلَا ذُوَا عَدُوٍّ لَّنَا مُوسَىٰ اَدْبَعَيْنَ لَيْلَتًا ثَمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

مِنْ بَعْدِكُمْ وَاَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ ۝۱۰ (بقرہ آیات ۵۷ تا ۵۹)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا پھر تم نے اُن کے پیچھے گو سالہ کو اختیار کر لیا اور تم سخت ظالم بن گئے۔ (مراد بچھڑے کی پوجا پاٹ ہے) پھر ہم نے تم کو اس کے بعد بھی معاف کر دیا کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزہ دیا تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ۔“

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُولٰٓئِیَ بِصَآئِرٍ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّعَالَمٍ

يَتَذَكَّرُونَ . (قصص آیت ۴۳)

اور بیشک ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لئے بصیرتیں مہیا کرنے والی اور ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ۔

مصنوعی خدا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت میں رہنے والی قوم کی ذہنی و فکری حالت کا اندازہ گزشتہ واقعات سے کیا جاسکتا ہے ۔ اس پر مزید ایک اور شہادت جو تعجب خیز ہی نہیں افسوسناک و عبرت ناک بھی ہے فراہم ہوتی ہے ۔

کوہ طور پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار کی طلب پر مقیم تھے نیچے وادی میں بنی اسرائیل نے سامری کی قیادت میں خود ہی اپنا معبود منتخب کر کے اسکی پرستش شروع کر دی ۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تورات کے لینے کے لئے تشریف لے جانے لگے تو اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ لوگو میری اعتکاف کی مدت تیش یوم ہے ۔ ختم مدت پر میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا ۔ ہارون علیہ السلام تمہارے نگران رہیں گے انکی پیروی کرنا اور ان کو اپنا امیر جاننا ۔

کوہ طور پر جانے کے بعد وہ مدت تیش کے بجائے چالیس دن ہو گئی ۔ اس تاخیر سے ایک شخص سامری نامی نے فائدہ اٹھایا ، اُس نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاخیر سے مضطرب ہو رہے ہیں تو اُس نے قوم سے کہا کہ تم اپنے وہ تمام زیورات میرے پاس لے آؤ جو تم نے مصریوں سے مستعار لئے تھے اور پھر ہجرت کی وجہ سے واپس نہ کر سکے ۔ میں تمہارے لئے فائدے کی ایک بات پیدا کر دوں گا ، سامری گویا ظاہر میں مسلمان تھا مگر اُسکے دل میں کفر و شرک کی نجاست پوشیدہ تھی ۔ جب بنی اسرائیل نے تمام زیورات لا کر اسکے حوالے کر دیئے تو اس نے اُن کو بھٹی میں ڈال کر گلا دیا اور اُس سے ایک بچھڑے کا جسم تیار کیا اور اپنے پاس سے ایک ”مُشْتِ خَاک“ اسکے اندر ڈال دی ۔ اس کا ڈالنا تھا کہ بچھڑے میں حیات کے

ہدایت کے چراغ
جلد اول
آثار پیدا ہو گئے اور وہ بھائیں بھائیں کی آواز کرنے لگا۔ اب سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے غلطی اور بھول ہو گئی کہ وہ اللہ کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں تمہارا معبود تو یہ موجود ہے۔

گزشتہ واقعات سے یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ صدیوں تک مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل میں مشرکانہ رسوم اور عقائد کو محبوب بنا دیا تھا اور وہ اس ماحول میں کافی حد تک متاثر ہو چکے تھے اور گوسالہ پرستی جو قوم مصر کا قدیم عقیدہ تھا اور ان کے مذہب میں اسکو بہت اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ ان کے ایک بڑے دیوتا "خورس" کا منہ گائے کی شکل کا تھا اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کرۂ زمین گائے کے سر پر قائم ہے۔ سامری نے جب بنی اسرائیل کو ترغیب دی کہ وہ اس کے بنائے ہوئے گوسالہ کو اپنا معبود سمجھیں اور اسکی پوجا کریں تو انھوں نے بغیر کسی تردد اسکو قبول کر لیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دیکھا تو قوم کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو یہ تو گمراہی کا راستہ ہے مگر انھوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی بات نہ مانی اور کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ نہ آجائیں ہم اس سے باز آنے والے نہیں۔ نوبت جب یہاں تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ کی مصلحت کا متقاضی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی جائے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا، موسیٰ تم نے قوم کو چھوڑ کر یہاں آنے میں اسقدر عجلت کیوں کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خدا یا! اس لئے کہ آپ کے پاس اگر قوم کے لئے ہدایت حاصل کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ جس ہدایت کے لئے تم اس قدر مضطرب ہو وہ تو اس گمراہی میں مبتلا ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سنا تو ان کو سخت رنج و صدمہ ہوا اور ہدایت کے ساتھ قوم کی طرف واپس ہونے اور قوم سے یوں مخاطب ہونے۔ اے قوم تم نے یہ کیا کیا؟ مجھ سے ایسی کون سی تاخیر ہو گئی تھی جو تم نے یہ آفت برپا کی؟ یہ فرماتے ہوئے غیض و غضب میں کانپ رہے تھے حتیٰ کہ ہاتھ سے تورات کی الواح بھی گم گئیں۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارا کوئی قصور نہیں، مصریوں کے زیورات کا جو بوجھ ہم ساتھ لئے پھر رہے تھے وہ سامری نے ہم سے مانگ لیا اور اس طرح ہم کو مبتلا کیا۔

قوم کا یہ شرک ایک ناقابل برداشت جرم تھا۔ خاص کر منصب نبوت کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام ویسے بھی اشد فی امر اللہ کا مزاج رکھتے تھے۔ بھائی ہارون علیہ السلام کی گردن پکڑ لی اور دائرہ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ حضرت ہارون نے فرمایا برادر میری اسمیں کوئی خطا نہیں ہے۔ میں فی انہیں ہر چند سمجھایا مگر انھوں نے کسی طرح نہ مانا اور اصرار کرنے لگے کہ جب تک موسیٰ نہ آجائیں ہم تمہاری بات سننے والے نہیں۔ بلکہ انھوں نے مجھ کو کمزور پاکر میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو خیال کیا کہ اب اگر ان سے لڑائی کی جائے اور اسکے بعد مومنین کا ملین اور ان میں جھگڑا برپا ہو تو کہیں مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میری پیچھے تم نے تفرقہ ڈالا۔ اس لئے میں خاموش رہا۔ میرے بھائی میرے سر کے بال نہ کھینچتے اور نہ میری دائرہ پر ہاتھ چلائے اس طرح دوسروں کو سننے کا موقع ملے گا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ معقول بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا، اسکے بعد سامری کی جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا :-
اے سامری تو نے یہ کیا ڈھونگ مچایا ہے ؟

جواب دیا میں نے ایک ایسی بات دیکھی جو ان اسرائیلیوں میں سے کسی نے نہیں دیکھی ممتی ! یعنی غرق فرعون کے وقت جبریل علیہ السلام کو میں نے گھوڑے پر سوار دیکھا تھا اور ان کا گھوڑا جس جگہ بھی قدم رکھتا تھا اُس حصہ خاک میں حیات و زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے تھے اور خشک زمین پر سبزہ اُگ آتا تھا تو میں نے اُس خاک کی ایک ٹھٹی بھری ممتی اور پھر اسکو اس بچڑے میں ڈال دیا۔ معاً اسمیں زندگی پیدا ہو گئی اور وہ جہاں جہاں گرنے لگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ اس وقت حالت تحمل میں تھے ورنہ معلوم نہیں اس کا کیا حشر کر دیتے ؟ عتاب آمیز لہجے میں فرمایا اب تیرے لئے دنیا میں یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ تو پاگلوں کی طرح مارا مارا پھرے گا اور جب کوئی انسان تیرے قریب آئے تو اُس سے بھاگتے ہوئے یہ کہے گا، دیکھو مجھے ہاتھ نہ لگانا، پھر اُس کے بدن کو ایسا ہلکا کر دیا گیا کہ کسی بھی انسان کے چھو نے سے ہلاکت خیز تکلیف ہو جاتی تھی۔

فرمایا یہ تو تیرا دیوی غدا ہے اور قیامت کے دن ایسے نافرمانوں کے لئے

جو عذاب مقرر ہے وہ تیرے لئے وعدہ الہی کی صورت میں پورا ہونے والا ہے اور جس گوسالہ کو تو نے معبود بنایا ہے اُسکو آگ میں ڈال کر خاک کر دیا جائے گا تاکہ تجھکو اور تیرے ان بیوقوف پیروی کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے معبود اور خدا کی قدر و قیمت کیا ہے؟

وہ دوسروں پر تو کیا کرم و عنایت کرتا خود اپنے آپ کو نہ بچا سکا۔
علاوہ ازیں دنیاوی زندگی میں ان لوگوں کو جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی یہ سزا ملی کہ انھیں ارض مقدس (فلسطین) میں موت تک داخل نہ ہو سکا اور ان کی توبہ یہ قرار دی گئی کہ ایک اندھیری رات میں ایک دوسرے کو قتل کریں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا تقریباً ستر ہزار آدمی مارے گئے اور تورات کی روایت کے مطابق تین ہزار آدمی مارے گئے۔
جب نوبت یہاں تک پہنچی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام درگاہ الہی میں سجدہ ریز ہوئے اور عرض کیا بار الہا اب ان پر رحم فرما اور ان کی خطاؤں کو بخش دے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔
یہ ساری تفصیل قرآن حکیم کی آیات ذیل میں اس طرح موجود ہیں:-

قرآنی مضمون | وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ
يَا اتَّخَذَ كُفْرًا لِّعَجَلٍ فَنُتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا

الْفُؤْسَكُمُ ۚ (بقرہ آیت ۵۴)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے قوم بلاشبہ تم نے گوسالہ بنانے میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے۔ پس اپنے خالق کی طرف رجوع کرو اور اپنی جانوں کو قربان کرو۔ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر وہ تم پر رجوع بہ رحمت ہو گا۔ بلاشبہ وہ بڑا رحمت والا رحم کرنے والا ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ

بَعْدِهِ ۚ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۚ (بقرہ آیت ۵۵، ۵۶)

اور یقیناً موسیٰ تمہارے پاس کھلے ہوئے نشان لیکر آئے، اس پر

بھی تم نے اُن کے پیچھے بچھڑے کو اختیار کر لیا اور تم تو ظالم ہی لوگ تھے۔
اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا
اور تمہارے اوپر کوہ طور کو اٹھا دیا تھا کہ اسکو مضبوطی کے ساتھ پکڑو جو کچھ
ہم نے تمہیں دیا تھا اور غور سے سنو، تم نے کہا ہاں ہم نے سن لیا مگر ہم
نے مانا نہیں اور اُن کے دلوں میں گوسالہ اُن کے کفر کے سبب پیوست
ہو گیا تھا، آپ کہہ دیجئے بری ہے وہ بات جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں
دے رہا ہے اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔“

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُلَيْيْتٍ سَمْعًا جَسَدًا
لَهُمْ خَوَامٌ ۚ أَلَمْ (اعراف آیات ۱۴۷ تا ۱۵۱)

اور موسیٰ کی قوم نے اُن کے طور پر جانے کے بعد ایک بچھڑا اپنے
زیوروں سے بنا لیا یعنی ایک جسم جس کے اندر ایک آواز تھی۔ کیا اُن کو یہ تک
نہ سوجھا کہ وہ نہ تو اُن سے بات کر سکتا تھا اور نہ انھیں کوئی راہ بتلا سکتا تھا
اسکو انھوں نے معبود بنا لیا اور وہ بڑا ہی ظلم کرنے والے تھے۔

اور جب وہ نادم ہوئے اور محسوس کیا کہ وہ تو بڑی گمراہی میں
پڑ گئے تو بولے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری مغفرت
نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والے ہوں گے۔

اور جب موسیٰ رنج و غصے سے بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس
واپس آئے تو بولے تم لوگوں نے میرے پیچھے بہت ہی بری حرکت کی، کیا
تم نے اپنے پروردگار کے حکم آنے سے پہلے ہی جلد بازی کر دی۔ اور
تورات کی تختیاں تو ایک طرف ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے
بال پکڑ کر لگے انھیں اپنی طرف گھسیٹنے، ہارون نے کہا اے میرے پیارے
بھائی مجھے تو لوگوں نے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل ہی
کر ڈالیں، سو میرے اوپر دشمنوں کو نہ ہنسوائیے اور مجھے اُن ظالم لوگوں
کے زمرے میں داخل نہ کر لیجئے۔

موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار مجھ سے اور میری بھائی

سے درگزر فرما اور ہم دونوں کو اپنی رحمت خاص میں داخل فرمالے اور تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا ہے اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے غضب اور ذلت بہت جلد پڑے گی اسی دنیا کی زندگی میں اور ہم تہمت گھڑنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اور جن لوگوں نے گناہوں کے کام کئے پھر اسکے بعد اُنھوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو بیشک تمہارا رب اسکے بعد ان کے حق میں بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو اُنھوں نے تختیوں کو اٹھالیا اور اُس نسخہ توریت میں ہدایت اور رحمت تھی اُن لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔

وَمَا أَجْعَلْكَ عَنْ تَوَمِّلِكَ يَمُوسٰی قَالَ هُمْ اَوْلَآءِ عَلٰی اَثَرٰی وَعَیْجَلْتُ اَلِیْلَیْكَ رَبِّیْ لِتَرْضٰی۔ الخ (ط آیات ۱۷ تا ۱۹)

(اور جب موسیٰ طور پر حاضر ہوئے تو ہم نے پوچھا) اے موسیٰ کس بات نے تم کو جلدی کرنے پر ابھارا؟ اور تم قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ موسیٰ نے عرض کیا وہ بس میرے پیچھے آہی رہے ہیں، میں جلدی کر کے تیرے حضور آگیا، تاکہ اے میرے رب تو مجھ سے خوش ہو جائے۔

فرمایا اچھا سنو ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے انھیں گمراہ کر ڈالا۔ موسیٰ سخت غصے اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پلٹے، کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھے وعدے نہیں کئے تھے؟ پھر کیا ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدت گزر گئی (اور تم یاد نہ رکھ سکے) یا تم اپنے رب کا غضب ہی اپنے اوپر لانا چاہتے تھے کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟

اُنھوں نے جواب دیا ہم نے آپ سے وعدہ خلافی کچھ اپنے

اختیار میں نہیں کی لیکن معاملہ یہ ہو کہ لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لد گئے تھے اور ہم نے بس اُن کو پھینک دیا تھا۔ پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا اور اُن کے لئے ایک بچہ کی مورتنی بنا کر نکال لایا۔ جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی، لوگ پکار اُٹھے یہی ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا، موسیٰ اے بھول گئے۔

کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ نہ وہ اُن کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ اُن کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ ہارون موسیٰ کے آنے سے پہلے ہی ان سے کہہ چکے تھے کہ لوگو! تم اسکی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے ہو تمہارا رب تو رحمن ہے پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔

مگر انھوں نے ہارون سے کہہ دیا کہ ہم تو اسی کی پرستش کرتے رہیں گے جب تک کہ موسیٰ واپس نہ آجائے؟ موسیٰ اقوام کو ڈانٹنے کے بعد ہارون کی طرف متوجہ ہوئے (بولے اے ہارون تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کس چیز نے تم کو رد کا کہ میرے پاس چلے آتے تو کیا تم نے بھی میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔

ہارون نے جواب دیا اے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی نہ پکڑ نہ میرے سر کے بال، مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ تم آکر یہ نہ کہو کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔ موسیٰ نے کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟

اُس نے جواب دیا میں نے وہ چیز دیکھی ہے جو اُن لوگوں نے نہیں دیکھی ہے۔ پس میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک سُٹھی اُٹھالی اور اُسکو ڈال دیا، میرے نفس نے مجھے کچھ ایسا ہی سمجھایا۔

موسیٰ نے کہا اچھا تو جا، اب زندگی بھر تجھے یہی پکارتے رہنا ہے کہ مجھے نہ چھوٹا اور تیرے باز پرس کا ایک وقت مقرر ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ملے گا اور دیکھ اپنے اس خدا کو جس پر تو رہ بھجا ہوا ہے اب ہم اے

ضرور جلا دیں گے اور ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے۔
لوگو! تمہارا خدا تو بس ایک ہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی
معبود نہیں ہر چیز پر اس کا علم حاوی ہے۔

خیانت اور ہلاکت

جب بنی اسرائیل کا جرم معاف کر دیا گیا اور توبہ کے ضمن
میں مقتولین کو شہید کا درجہ اور جو زندہ رہ گئے انہیں
معافی کا درجہ دے دیا گیا۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے اللہ تعالیٰ کی وہ
فہمائش بھی سنائی کہ اس کتاب کو مضبوطی سے متھام لو اور اسکے مطابق عمل کرو اس میں
تمہاری ہدایت و فلاح کے طور و طریقے ہیں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اس کتاب پر ایمان
لاؤ اور اس کے احکام کی تعمیل کرو، بنی اسرائیل بہر حال بنی اسرائیل ہی تھے کہنے لگے
اے موسیٰ ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ ہم اتنی بڑی بات صرف آپ کے کہنے
سے کیسے قبول کریں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بغیر دیکھے ایک بات کی تصدیق کر لیں؟ ہم
اسپر اسوقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور اپنے
کانوں سے یہ سن لیں کہ یہ ہماری کتاب ہے اس پر ایمان لاؤ؟
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ یہ بے جا سوال ہے ان آنکھوں
سے خدا کو کس نے دیکھا ہے جو تم لوگ دیکھنا چاہتے ہو؟ یہ بڑی جرات کی بات ہے اور
سخت گستاخی بھی۔

لیکن بنی اسرائیل کا اصرار بدستور قائم رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب
باری میں عرض کی الٰہی اس قوم پر رحم فرما، اور اپنے کتاب پر عمل کرنے کی انہیں توفیق دے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی وحی آئی کہ قوم کے شر ذمہ دار افراد کا انتخاب
کر لو اور انہیں کوہ طور پر لے آؤ ہم اسکی تصدیق کروادیں گے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل
میں سے شر سرداروں کا انتخاب کیا اور ان سے عہد لیا کہ وہ واپس
آکر شہادت دیں۔ قوم نے بھی اس انتخاب سے اتفاق کیا، اس طرح
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام قبائل سے شر سرداروں کو چن

لیا اور طور پر لے آئے۔ کوہ طور پر ایک سفید بادل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھیر لیا اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی شروع ہوئی، ان سرداروں نے بھی اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام سنا جب بات ختم ہوئی اور وہ سفید بادل دور ہوا تو ان ضدی سرداروں نے اپنا پہلا اصرار قائم رکھا کہ کیا معلوم کس کا کلام تھا؟ ہم نے تو صرف کانوں سے سنا، کلام کرنے والا تو ہمیں نظر نہیں آیا مہلا اے موسیٰ ہم اپنی قوم کو کس طرح شہادت دیں کہ یہ کلام اللہ ہی کا تھا۔

لہذا ہم اب بھی وہی کہتے ہیں کہ جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔ اس احمقانہ اصرار پر غضب الہی ٹوٹ پڑا۔ ایک ہیبت ناک چمک و کرک و زلزلے نے اُن کو پکڑ لیا اور سب ہلاک ہو گئے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ یہ لوگ حقیقتاً مر گئے۔

(روح المعانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا تو بارگاہ الہی میں عاجزی کیساتھ دعا مانگی الہی اگر یہ چند بیوقوف بیوقوفی کر بیٹھیں تو کیا ہم سب کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ اے اللہ انہیں اپنی رحمت سے معاف فرما۔

اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا و پکار پسند آئی ان سب کو دوبارہ زندگی عطا کر دی گئی۔ اس طرح ان لوگوں نے اللہ کے کلام کے ساتھ موت کا مزہ بھی چکھا۔ اس واقعہ کی تفصیل قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے:-

قرآنی مضمون | وَ اخْتَارَ مُوسَىٰ سَبْعِينَ رَجُلًا يَشْفَعُونَ عِندَ رَبِّهِ

(اعراف آیات ۱۵۵ تا ۱۵۷)

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے شہرمد کا انتخاب کیا ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت کے لئے، پھر جب انھیں زلزلے نے آپکڑا تو موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار اگر تجھے یہی منظور ہے تو تو نے اس کے قبل ہی اُنکو اور مجھکو ہلاک کر دیا ہوتا، کیا تو ہمیں اُس حرکت پر ہلاک کر دے گا جو ہم میں

ان چند بے وقوفوں نے کی ہے، یہ تو بس تیری طرف سے آزمائش ہے۔ ان آزمائشوں سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم کر دے، تو ہمارا کارساز ہے ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی بہترین مغفرت کرنے والا ہے

اور ہمارے حق میں بھلائی لازم کر دے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہم تو تیرے آگے جھک گئے ہیں، اللہ نے فرمایا اپنا عذاب میں اُس پر واقع کرتا ہوں جس کے لئے چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ سو اسکو ان لوگوں کے لئے تو ضرور ہی لازم کر دوں گا جو خوفِ خدا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

جو لوگ اس نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں جسکو وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تو رات اور انجیل میں انھیں وہ نیک کرداری کا حکم دیتا ہے اور انھیں بد کرداری سے روکتا ہے اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز بتاتا ہے اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں جو اُن پر اب تک تھیں اتار دیتا ہے۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور اُس کا ساتھ دیا اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُس کے ساتھ اتارا گیا ہے سو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

وَمَا ذُقْتُمْ يُوسَىٰ لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ
جَهَنَّمَ فَاَخَذْنَاكَ مِنَ الصُّعِقَةِ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ

(بقرہ آیت ۵۵، ۵۶)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تجھ پر اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ کو بے حجاب اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں، پس آنکھوں دیکھتے تم کو بجلی کی کڑک نے آپکڑا۔ پھر ہم نے تم کو موت کے بعد زندہ کیا تاکہ تم شکر گزار رہو۔

رفع طور | الغرض جب یہ شر سردار دوبارہ زندگی پا کر قوم کی جانب واپس ہوئے اور

قوم سے سارا قصہ کہہ سنایا اور بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ حق ہے اور بلاشبہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں۔ اس آنکھوں دیکھی شہادت کے بعد اب کوئی گنجائش ہی نہ تھی جو تسلیم و اطاعت کے لئے ضروری ہوتی، لیکن قوم کی کجروسی بدستور باقی رہی اور قبول حق میں وہی معاندانہ رویہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر توجہ نہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ناگفتہ بہ حالت کا تذکرہ جناب الہی میں کیا اور مدد چاہی۔ بارگاہ الہی سے جواب دیا گیا کہ اب ان نافرمانوں کے لئے ایک اور رحمت عطا کرتا ہوں اب اسی ذریعہ سے یہ لوگ تورات کو قبول کر لیں گے۔ چنانچہ ایک دن زبردست زلزلے کے ذریعہ پورا کوہ طور سروں پر معلق ہو گیا۔ اس طرح گویا وہ چھتری ہے جس کا سایہ سروں اور جسموں پر پڑتا ہے۔ اس ہیبت ناک منظر میں آواز آئی، کتاب تورات کو قبول کر لو اور اسکو مضبوطی سے عمل کے لئے تھام لو۔

اس عظیم الشان نشانی کو دیکھ کر سارے بنی اسرائیل نے احکام کی تعمیل کا وعدہ کیا اور اقرار کیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اس اقرار کے بعد کوہ طور سروں سے دور ہوا اور اپنی جگہ آ بیٹھا، روایات میں ہے کہ ایک فرشتے نے اللہ کے حکم سے یہ عمل انجام دیا۔

چند دن تو بنی اسرائیل پر اس کا خوف مسلط رہا پھر وہی بے راہ روی غود کر آئی زیادہ عرصہ تک اس عہد پر قائم نہ رہ سکے اور پھر خلافت ورزی شروع کر دی۔ رفع طور کا یہ واقعہ قرآن حکیم میں آیات ذیل میں مختصر مگر نہایت صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہے :-

قرآنی مضمون | وَلَاذُ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ الْخُ

(بقرہ آیت ۶۳)

اور جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا۔ قبول کرو جو کتاب کہ ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اسمیں ہیں، جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔

پھر تم اس قول و قرار کے بعد بھی پھر گئے، سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل و رحم نہ ہوتا تو ضرور تباہ ہو جاتے۔
 وَلَاذُنْتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّا ظُلُمَاءٌ لَّيْلٍ وَظَنُّوا أَنَّهُ
 وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ (اعراف آیت ۱۷۱)

”اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر
 چھت کی طرح اُن کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب اپر
 گرا، اور کہا کہ قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ
 اور یاد رکھو جو احکام اسمیں ہیں جن سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔“

ارض مقدس | سینا کے جس مقام میں اس وقت بنی اسرائیل تھے یہ فلسطین سے
 قریب تھا۔ بنی اسرائیل کے باپ دادا حضرت ابراہیم اور اسحق
 اور یعقوب علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ایک زمانہ بعد تمہاری اولاد کو پھر
 سے اس ارض مقدس کا مالک بنا دیا جائے گا جو دوسروں کے قبضے میں چلا گیا تھا تاریخی
 روایات میں مشہور بات یہی ہے کہ ملک شام اور بیت المقدس پر عمالقہ قوم کا قبضہ
 تھا جو قوم عاد کی نسل سے تعلق رکھتے تھے بڑے بڑے ڈیل ڈول اور ہیبت ناک
 قد و قامت کے لوگ تھے۔

فرعون سے نجات پانے اور کوہ طور پر کتاب و شریعت ملنے کے بعد حضرت موسیٰ
 علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنی قوم کو لے کر بیت المقدس فتح کریں اور اس کے لئے ارض مقدس
 پر جہاد کریں اور وہاں کے ظالم و جابر حکمرانوں کو نکال کر عدل و انصاف قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ
 نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی وعدہ فرمایا کہ فتح تمہاری ہوگی اور ظالم دشمن شکست
 کھا جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل حکم میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر ملک شام
 کا رخ کیا جانا تو بیت المقدس پر تھا جب مہر آردن سے پار ہو کر دنیا کے قدیم ترین شہر ”آریحا“
 پر پہنچے جسکی خوشحالی اور سرسبزی ضرب المثل تھی۔ یہاں کچھ دن قیام کیا اور بنی اسرائیل
 کے بارہ سرداروں کو (جن کا ذکر گزشتہ آیات میں آچکا ہے) محاذ جنگ کی صورت حال اور

دشمن کی طاقت و قوت کا اندازہ لگانے آگے روانہ کیا۔ جب یہ لوگ شہر کے قریب ہی پہنچے تھے کہ قوم عمالقہ کا ایک آدمی انھیں مل گیا اور وہ صرف اکیلا ان بارہ کو گرفتار کر کے اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا کہ یہ لوگ جنگ کے ارادے سے آئے ہیں، بعضوں نے مشورہ دیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے، بعض نے کہا انھیں جیل بھیج دیا جائے۔ آخر یہ طے ہوا کہ انھیں قوم کی قوت و طاقت کا مشاہدہ کر کے آزاد کر دیا جائے تاکہ یہ اپنی قوم میں جا کر عمالقہ کی شان و شوکت کا ذکر کریں تاکہ انھیں کبھی جنگ کرنے کا خیال تک نہ آئے۔ چنانچہ انھیں آزاد کر دیا گیا۔ یہ رہا ہو کر اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس مقام آریحا پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عجیب و غریب قوم کی ناقابل قیاس قوت و شوکت کا ذکر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قلب تو مطمئن تھا کیونکہ انھیں فتح کی پیشگوئی مل چکی تھی لیکن قوم پر اندیشہ ہوا کہ اگر انھیں یہ تفصیلات معلوم ہو جائیں تو ہمت ہار بیٹھیں گے۔ ان بارہ سرداروں کو ہدایت کی کہ یہ حالات پوشیدہ رکھے جائیں کسی پر ظاہر نہ ہوں مگر ان میں سے دس سرداروں نے اسکو فاش کر دیا صرف دو سردار جن کے نام یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے موسیٰ ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ بہر حال بنی اسرائیل میں جب یہ تفصیلات پھیل گئیں تو وہ رونے پینے لگے اور کہنے لگے کہ اچھا تو یہی تھا کہ ہم بھی قوم فرعون کی طرح دریا میں ڈوب مرتے یا پھر مصر ہی میں غلام بنے پڑے رہتے یہاں تو سوائے موت کے اور کیا ہے؟ بھلا ایسی بڑی قوت و طاقت سے کہیں مقابلہ بھی ہو سکتا ہے؟ یہ سنکر ان دو بزرگوں نے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے نصیحت کے لہجے میں کہا اے قوم ذرا ہمت کرو چند قدم اٹھا کر شہر کی طرف چلو اللہ کی مدد و نصرت آئے گی یقیناً تمہاری ہی فتح ہوگی۔ جوں ہی تم بیت المقدس کے دروازے پر داخل ہو گے دشمن بھاگ کھڑا ہوگا۔ اللہ پر اعتماد کرو، کامیابی ہم کو ہی ہوگی۔

مگر بنی اسرائیل جب اپنے پیغمبر کی بات ماننے کو تیار نہ تھے تو ان دونوں بزرگوں کی بات کا کیا لحاظ رکھتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہایت ذلیل و شرمناک جواب دیا:-

اے موسیٰ بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم یہاں

بیٹھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ بیہودہ جواب سنا تو بہت افسردہ خاطر ہوئے اور

انتہائی رنج و ملال کی حالت میں درگاہ الہی عرض کیا الہی میں اپنے اور ہارون کے سوا کسی پر قابو نہیں رکھتا سو ہم دونوں حاضر ہیں اب تو ہمارے اور ان نافرمانوں کے درمیان جدائی کر دے، ان سے اب کسی خیر کی توقع نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی تم غمگین نہ ہو ان کی نافرمانی کا تم پر کوئی بوجھ نہیں۔ اب ہم نے ان کے لئے یہ سزا تجویز کر دی ہے کہ یہ چالیس سال اسی میدان میں بھٹکتے پھریں گے اور ان کو ان کے آبا و اجداد کے قدیم شہر ارض مقدس میں جانا نصیب نہ ہو گا۔ ہم نے اُن پر ارض مقدس حرام کر دیا ہے۔ چنانچہ اس صحرا نوروی کی شکل اس طرح شروع ہوئی، بطور سزا انھیں چالیس سال تک ایک محدود علاقہ میں محصور و مقید ہونا پڑا، ظاہری طور پر ان کے اطراف کوئی حصار نہ تھا نہ اُن کے ہاتھ پر کسی قید و بند میں جکڑے ہوئے تھے بلکہ یہ سب کھلے میدان میں تھے اور اپنے وطن مصر کی طرف جانے کے لئے ہر روز صبح سے شام تک سفر کرتے مگر شام کو پھر وہیں نظر آتے جہاں سے صبح کو چلے تھے۔ یہ اللہ کی طرف سے عذاب تھا جو اُن پر مسلط ہو گیا تھا۔ ناقابل فہم طور پر یہ صحرا نوروی مسلسل چالیس سال تک جاری رہی لیکن انھیں اس وادی سے نکلنے اور اپنے وطن مصر پہنچنے کی کوئی شکل پیدا نہ ہوئی۔ اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال بھی ہو گیا اور یہ بے باپ کی اولاد کی طرح اس وادی تیبہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے پیغمبران کی ہدایت کے لئے بھیجے۔

اللہ کی سزاؤں کے لئے نہ پولس اور نہ اُن ہتھکڑیوں کی ضرورت ہے جس سے قیدیوں کو مقید کیا جاتا ہے۔ نہ جیل خانے کی مضبوط دیواروں اور آہنی دروازوں کی ضرورت ہے۔ جب وہ کسی کو محصور اور نظر بند کرنا چاہتے ہیں تو کھلے میدان میں بھی قید کر سکتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ساری کائنات اُس کی مخلوق اور محکوم ہے۔ جب کائنات کو کسی کے قید کرنے کا حکم ہو جاتا ہے تو پھر اُسکی ساری ہوا، اور فضا، زمین و مکان اس کے لئے جیل خانہ بن جاتی ہے۔

چنانچہ یہ سارا میدان جو مصر اور بیت المقدس کے درمیان ہے جس کا طول و عرض حضرت مقاتلؒ کی تفسیر کے مطابق تیس فرسخ لمبائی اور نو فرسخ چوڑائی کا ایک فرسخ

کم و بیش تین میل کا قرار دیا جائے تو کل نوٹھے میل کا طول اور ستائیس میل کے عرض کا رقبہ ہو جاتا ہے، اور بعض روایات کے مطابق صرف ۱۸×۳ میل کا رقبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پوری قوم کو جسکی تعداد حضرت مقاتلؓ کے بیان کے مطابق چھ لاکھ نفوس مشتمل تھی مقید کر کے رکھ دیا۔ اس میدان کے اندر اس عرصہ میں اس قوم کے جوان اور بوڑھے فوت ہو گئے۔ صحیح روایات کے مطابق اس چالیس سالہ دور میں پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا پھر اس کے چھ ماہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وفات پا گئے۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر مامور فرمایا۔ چالیس سالہ دور قید ختم ہونے کے بعد قوم کے نوجوانوں کو لیکر حضرت یوشع علیہ السلام بیت المقدس کی فتح کے لئے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ملک شام ان کے ہاتھوں فتح ہوا اور ملک کی ناقابل قیاس دولت ان کے ہاتھ آئی۔

اہل تفسیر نے ایک نکتہ یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جو بھی سزا دیتے ہیں وہ انکو اعمال بد کی ہم شکل ہوتی ہے، اس نافرمان قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال پر یہ گستاخانہ جواب تھا،

إِنَّا هُمْ نَأْتِيكَ بِكَرْبٍ عَظِيمٍ (ہم تو یہیں بیٹھتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے انھیں چالیس سال تک یہیں بٹھا دیا۔ نعوذ باللہ من غضبہ وعقابہ۔ ارض مقدس کا تذکرہ آیات ذیل میں موجود ہے۔

قرآنی مضمون وَلَا ذُكِرَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ، يَقَوْمٍ أَذْكَرُوا نِعْمَتِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ لَا ذُجِّلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءٌ. (مائدہ آیات ۲۴ تا ۲۵)

اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے کہا اے میری قوم اللہ کا وہ احسان تم اپنے اوپر یاد کرو جب اُس نے تمہارے اندر نبی پیدا کئے اور تمہیں خود مختار کیا اور تمہیں وہ دیاجو دنیا میں کسی قوم کو بھی نہیں دیا گیا۔

اے میری قوم کے لوگو! اس زمین مقدس میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور پچھلے پیر واپس نہ ہونا ورنہ

بالکل ہی خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔

وہ بولے اے موسیٰ اُس ہرزہ میں پرتو بڑی زبردست قوم آباد ہے، اور ہم تو وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں البتہ وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو بلاشبہ داخل ہونے کو تیار ہیں۔ اُس پر وہ دو آدمی جو اللہ سے ڈرنے والوں میں تھے اور اُن دونوں پر اللہ کا فضل تھا بولے تم اُن پر چڑھانی کر کے شہر کے دروازے تک تو چلو، سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اُسی وقت غالب آ جاؤ گے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

وہ لوگ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں کبھی بھی نہ داخل ہونگے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ سو آپ خود اور آپ کا خدا چلا جائے اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں ہم تو یہاں سے ٹلتے نہیں۔

موسیٰ نے عرض کی اے میرے پروردگار میں تو سوائے اپنے اور اپنے بھائی ہارون کے کسی اور پر اختیار نہیں رکھتا۔ لہذا تو ہی ہمارے اور اس بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔

ارشاد ہوا اچھا تو وہ ملک اُن پر چالیس سال کے لئے حرام کر دیا گیا۔ یہ لوگ اسی زمین پر بھٹکتے پھریں گے۔ سو آپ اس بے حکم قوم پر ذرا بھی غم نہ کیجئے۔

ذبح بقرہ | بنی اسرائیل کے واقعات میں ذبح گائے کا واقعہ بھی خاصی شہرت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو بھی خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اُسکے نتائج سے بھی آگاہ کیا ہے۔ یہ واقعہ غالباً نزولِ تورات سے قبل کا ہے۔ بنی اسرائیل اپنی ہمسایہ قوم سے جہاں عادات و اطوار میں ہمیشگی ہو گئے تھے وہاں عبادات و اعتقادات میں بھی کافی حد تک متاثر ہو گئے تھے۔ قدیم زمانے سے مصر میں گائے کی تقدیس اور اُسکی پوجا چلی آرہی تھی۔ بنی اسرائیل کو بھی اس مرض کی چھوت لگ گئی تھی انکو ایک واقعہ میں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا جو دراصل ان کے ایمان کا امتحان تھا کہ اگر وہ واقعی اب

اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تو یہ عقیدہ اختیار کرنے سے پہلے جس بُت کو معبود سمجھتے رہے ہیں اُس سے اپنے ہاتھ اٹھالیں۔ یہ امتحان بڑا سخت تھا۔ جن قلوب میں گائے پرستی موجود تھی وہ اس کو کسی طرح بھی کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ لیکن اللہ کو یہی منظور تھا کہ ایک دفعہ عملاً اس ”معبود بقری“ کو خود عابدوں کے ہاتھ ذبح ہوتا دیکھے اور موسیٰ کافر سے ممتاز ہو جائے اور معبود باطل کی بے چارگی اور بے بسی بھی عیاں ہو جائے۔

ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے کسی گھڑ شادی کا پیام دیا لیکن گھر والوں نے اس کو قبول نہ کیا اس شخص نے خفیہ طور پر اُس لڑکی کے باپ کو قتل کر دیا، اسکے بعد وہ لاپتہ ہو گیا، آخر کار شبہ کی تہمت نے بہت سے خانوادوں میں باہمی اختلاف اور کشمکش کی صورت اختیار کر لی۔ کسی طرح قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس نزاع کا حل تلاش کیا جائے ورنہ قبائلی جنگ کے چھڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں دُعا کی اور بدو چاہی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور قاتل کی نشان دہی کے لئے یہ نسخہ تجویز فرمایا، قوم سے کہا جائے کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اُسکے گوشت کے ایک حصے کو مقتول کے جسم سے لگایا جائے، مقتول زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام و نشان بتلا دے گا۔ اس طرح یہ معاملہ واضح ہو جائے گا۔

مسئلہ کا حل بھی ضروری تھا ادھر گائے کا ذبح کرنا دگویا اپنے معبود کو ذبح کرنا، بھی بڑا سخت امتحان تھا، بنی اسرائیل نے اسکو ٹالنے کی کوشش کی اور کچھ بحثی شروع کر دی کہ اے موسیٰ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ قاتل کی نشان دہی سے گائے کو کیا تعلق ہے؟ بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیر خواہی سے کہا کہ نعوذ باللہ میں مذاق یا جھوٹ کیوں کروں۔ یہ تو جاہلوں کا طریقہ ہے۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفائی سے مطمئن ہو گئے تو پوچھنے لگے اچھا اگر یہ واقعی اللہ کا حکم ہے تو یہ بتایا جائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اُس کا رنگ کیسا ہو؟ اُس کی عمر کیا ہو؟ کن کن صفات کی حامل ہو وغیرہ وغیرہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر سوال کا جواب اللہ تعالیٰ سے معلوم کر کے بتلایا کرتے تھے آخر کار جب سب سوالات ختم ہو گئے اور حیلہ جوئی کا کوئی موقع باقی نہ رہا تو بادل ناخواستہ

گائے کو ذبح کیا اور گائے کے گوشت سے مقتول کی لاش پر ضرب لگائی گئی، ایک بیک مقتول میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اٹھ بیٹھا، اپنے قاتل کا نام و نشان بیان کر کے پھر ڈھیر ہو گیا۔ تاریخی روایت میں اس کا نام عامیل بیان کیا گیا ہے اور اس کا قاتل خود اس کا بھتیجہ تھا۔ اس طرح بیک کرشمہ سہ کار ہوئے :-

اول اللہ کی قدرت کا ایک نشان ظاہر ہوا۔

دوم قاتل کا نام و نشان ملا۔

سوم گائے کی تقدیس و عظمت پر بھی کاری ضرب لگی کہ اس نام نہاد معبود کے پاس اگر کچھ بھی طاقت ہوتی تو اسے ذبح کرنے سے ایک آفت ٹوٹ پڑتی۔

اس واقعہ سے جہاں یہ نتائج ظاہر ہوئے وہاں اس سے ایک بڑی حقیقت کا بھی اظہار کیا گیا، وہ یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس مردے کو زندہ کر کے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح وہ قیامت کے دن بھی اسی طرح مردوں کو دوبارہ زندگی عطا کریگا۔ الغرض یہ واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشان ہے بنی اسرائیل (قوم موسیٰ) کو جتنی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نشان (معجزات) دکھائے ہیں اگر واقعی دوسری قوم کے سامنے یہ مظاہرے کئے جاتے تو وہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بن جاتی اور اُس کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی نافرمانی کا خطرہ نہ گزرتا۔ لیکن ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہو گئے تھے۔ پتھر میں سختی ہوتے ہوئے بھی اُس سے مخلوق خدا کو بہت سے فائدے ہیں مگر ان کی زندگی میں سوائے خسارہ اور نقصان کے کچھ باقی نہ رہا۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کے بعد ان کے قلوب کی حالت کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے :-

اِسْکَ بَعْدَانِ کَے دِل سَخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا پتھر سے

سُیادہ سَخت، (کیونکہ) بعض پتھروں سے پانی نکل کر نہریں بہتی ہیں اور کوئی

پتھر ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلتا ہے،

اور کوئی ان میں سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے آگرتا ہے،

اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔ (بقرہ آیت ۷۷)

مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قلوب کی سختی اور حق کے قبول کرنے میں بے اثری کا یہ عالم ہے کہ اگر محاورہ اور بول چال کے مطابق یوں کہا جائے کہ اُن کا دل پتھر

کی چٹان بن گیا ہے تب بھی اُسکی شدت و صلابت کی صحیح تصویر نہیں بنتی اس لئے کہ پتھر اگرچہ سخت ترین ہے مگر ناکارہ نہیں کیونکہ ہم پہاڑوں کا مشاہدہ کرتے ہیں ان ہی سخت چٹانوں سے دریا بہہ رہے ہیں اور اُن سے شیریں و ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری ہیں، اور اگر ان پہاڑوں میں کوئی زلزلہ آجائے یا اللہ کی مشیت کا کوئی اور فیصلہ ہو جائے تو پہاڑوں کی یہ بلند و بالا چٹانیں روئی کے گالوں کی طرح اڑ کر سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ کے خوف و خشیت کا زبان حال سے اعتراف کرتی ہیں، مگر قوم بنی اسرائیل پر نہ آیت اللہ کا اثر ہوتا ہے نہ پیغمبر کی سراپا خیر و نصیحت کا اور نہ نافرمانی کرتے وقت اللہ کا خوف اُن کے دلوں پر طاری ہوتا ہے۔

اہل سنت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خشیت الہی کا یہ اثر پتھروں میں اپنے حقیقی و لفظی معنوں میں ہے۔

یعنی بعض پتھروں میں گداز کا جزر ہوتا ہے گو اُن کے مرتبہ جمادیت کے مطابق سہی اور ان میں فہم و ادراک کی قوتیں ہوتی ہیں گو جبری سطح کے مطابق ہی۔ جیسے طور کہ آخر پہاڑ ہی تھا لیکن تجلی الہی کے وقت جلالت ربانی سے چور چور ہو گیا۔ قرآن حکیم اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے :-

تُسَبِّحُ لِلَّهِ السَّمَوَاتِ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ
وَمَنْ شَيْءٌ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ
(اسراء آیت ۴۴)

”اُسکی پاکی بیان کر رہی ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور وہ سب چیزیں جو اُن کے درمیان ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے ہو حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بُردبار و درگزر کرنے والا ہے۔“

ذبح بقرہ کا یہ عجیب و غریب واقعہ قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے۔

قرآنی مضمون وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَنْتَخِذْهَا هَبْرًا قَالِ أَعُوذُ

يَا لَللّٰہِ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الْجٰہِلِیۡنَ ۝۱۰ (بقرہ آیات ۶۷ تا ۷۳)

اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تمہیں اللہ حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، وہ بولے آپ ہم سے نہیں کر رہے ہیں؟ موسیٰ نے کہا اللہ مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں میں ہو جاؤں۔ وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو، موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بن بیاہی بلکہ دونوں عمروں کے درمیان ہو، سواب کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم ملا ہے۔

وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اُس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہو دیکھنے والوں کو بھی اچھی معلوم ہوتی ہو۔

وہ بولے اپنے پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ اور کیسی ہو؟ اس لئے کہ گائے میں ہمیں اشتباہ پڑ گیا ہے اور خدا نے چاہا تو ہم ضرور راہ پا جائیں گے۔ موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو۔ سالم ہو اس میں کوئی داغ دھبہ نہ ہو، وہ بولے اب آپ ٹھیک پتہ لائے۔ پھر اُنھوں نے اُسے ذبح کر دیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کریں گے۔

(اور وہ گائے ایک ایسے نوجوان کی تھی جو اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اس سے وہ گائے خرید لی گئی اتنے مال میں جتنا اس گنی کھال میں سونا آسکتا تھا۔)

اور وہ وقت یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا پھر تم اس باب میں لڑنے جھگڑنے لگے (یعنی ایک دوسرے پر الزام دینے لگے) اور اللہ تعالیٰ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے (یعنی قاتل کو ظاہر کرنا تھا)

تو ہم نے کہا کہ اس میت پر اس گائے کا کوئی ٹکڑا مارو، یوں ہی اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اسپر بھی تمہارے دل اسکے بعد سخت رہے۔ چنانچہ وہ پتھر جیسے ہیں بلکہ سختی میں اس سے بھی بڑھ کر اور پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی خشیت سے نیچے آگرتا ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔“

قارون | حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن مخالف طاقتوں سے سابقہ پڑا انہیں قارون کا نام بھی شہرت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے ایک مستقل رکوع میں اس کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس قصہ کا آغاز ہی اس نسبت سے کیا گیا کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تعلق رکھتا تھا۔

حضرت ابن عباس کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی چچا زاد بھائی تھا (قد طبی)۔

روح المعانی نے محمد بن اسحاق کی ایک روایت نقل کی ہے کہ قارون توریت کا حافظ اور عالم تھا مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جن ستر افراد کو کلام الہی سنانے کوہ طور پر لے گئے تھے ان میں یہ بھی شامل تھا۔ جس کا مفصل واقعہ گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔

حضرت عطارؒ سے روایت ہے کہ اسکو حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا جسکی وجہ سے دولت کے انبار حاصل ہو گئے تھے اور وہ اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم و ستم کیا کرتا تھا، اسکے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ ان کی کنجیاں اتنی تعداد میں تھیں کہ ایک طاقتور جماعت بھی اسکو اٹھائے تو بوجھ سے جھک جاتے، اور ظاہر ہے قفل کی کنجی بہت ہلکے وزن کی ہوتی ہے جسکا اٹھانا اور پاس رکھنا مشکل نہیں مگر کثرت عدد کے سبب اتنی ہونگئیں تھیں کہ ان کا وزن ایک طاقتور جماعت کے لئے بھی بھاری تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم نے ایک مرتبہ اسکو نصیحت کی کہ اللہ نے تجھے بے شمار دولت و ثروت بخشی ہے۔ لہذا اس کا شکر ادا کر اور مال کا حق زکوٰۃ و صدقات دے کر غرباء و مساکین کی مدد کر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی لوگوں پر احسان کر، اپنا وہ حصہ جو تو دنیا سے لے جائے گا فراموش نہ کر (یعنی صرف کفن) مگر اسکو یہ نصیحت پسند نہ آئی نہایت متکبرانہ لہجہ میں جواب دیا:-

”میری یہ دولت و ثروت اللہ کی عطا کردہ نہیں ہے یہ تو میری محنت و قابلیت اور عقل و ہنر کا نتیجہ ہے۔ یہ کوئی فضل و کرم نہیں جو

استحقاق کے بجائے احسان کے طور پر دیا جاتا ہو۔“

اسکے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اسکو براہِ نصیحت کرتے اور راہِ ہدایت کی تلقین کرتے رہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرح باز نہیں آتے تو اُن کو اور اُن کی قوم کو مرعوب کرنے کے لئے ایک دن بڑے کڑو فرے نکلا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں پیغامِ الہی سنا رہے تھے کہ قارون ایک بڑی جماعت اور خاص شان و شوکت اور غزانوں کی نمائش کے ساتھ سامنے سے گزرا۔

بنی اسرائیل نے جب قارون کی اس شان و شوکت کو دیکھا تو اُن میں سے کچھ آدمیوں کے دلوں کو انسانی کمزوری کا یہ جذبہ بے چین کر دیا، ان کی زبانوں سے یہ الفاظ نکل گئے،

”اے کاش! یہ دولت و ثروت، شان و شوکت ہم کو بھی

نصیب ہوتی۔“

اسی وقت قوم کے بعض اہل علم افراد نے مداخلت کی اور ان سے کہا،

”خبردار خبردار! اس دنیوی زیب و زینت پر نہ جانا اور اسکے حرص میں نہ گرنا تم عنقریب دیکھو گے کہ اس غرور و نخوت کا کیا انجام ہونے

والا ہے۔ تمہارے لئے ایمان و عمل صالح ہی بہترین ذخیرہ ہیں۔“

قارون کی اس شان و شوکت کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان کیا ہے:-

بنی اسرائیل کا ایک شخص (قارون) اپنے لباس کی شان و شوکت

کے ساتھ اکڑتا چلا جا رہا تھا اچانک زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت

تک اسی طرح دھنسا جائے گا۔ (بخاری)

ابن عباسؓ کی ایک روایت سے اسکے دھنسائے جانے کی یہ کیفیت ملتی ہے :-

ایک دفعہ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام اور ذلیل کرنے کے لئے ایک بدکار عورت کو کثرت سے مال دیا اور اسکو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگائے۔ اس بدکار عورت نے ایسا ہی کیا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مجمع کو خطاب کر رہے تھے، اس الزام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع سے علیحدہ ہوئے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد اُس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے عورت تو اس بات پر اللہ کی قسم کھا اور اللہ سے ڈر۔ عورت پر اس خطاب سے کچھ ایسی ہیبت طاری ہو گئی کہ اُس نے اعتراف کیا کہ قارون نے اسکو اس بات پر آمادہ کیا ہے اور اب وہ اللہ کی جناب میں توبہ کرتی ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ ریز ہو گئے اور بارگاہِ الہی میں فریاد کی، اللہ نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ میں نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قارون اور اسکے ساز و سامان کو ننگل لے، زمین نے نکلنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ اور اُس کا مکان زمین میں دھنس گیا۔ (قصص الانبیاء، ابن کثیر)

یہ سارا واقعہ بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے ہوا اس پر جن لوگوں نے کل تک حسرت و تمنتا ظاہر کی تھیں اُن لوگوں نے اس ہولناک منظر کو دیکھ کر توبہ کی کہنے لگے اے بربادی اگر ہم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہم بھی ایسے ہی دھنسائے جاتے اور بیشک ناشکری کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔

قارون کا یہ واقعہ قرآن حکیم کی ان آیات میں موجود ہے :-

قرآنی مضمون | اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسٰی فَبَغٰ عَلَيْهِمْ ۝۱۰

(قصص آیات ۹ تا ۱۸)

یہ ایک واقعہ ہے کہ قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا پھر اُن پر تکبر کرنے لگا اور ہم نے اسکو اس قدر خزانے دیے تھے کہ اُن کی کنجیاں کتنی کمئی زور آور شخصوں کو گراں بار کر دیتی تھیں، جبکہ اُسکو اسکی برادری نے کہا تو اس مال پر نہ اتر واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا پھر اُن پر تکبر کرنے لگا اور ہم نے اسکو اس قدر خزانے دیے تھے کہ اُن کی کنجیاں کتنی کمئی زور آور شخصوں کو گراں بار کر دیتی تھیں، جبکہ اُسکو اسکی برادری نے کہا تو اس مال پر نہ اتر واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مجھ کو اللہ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی بندوں کے ساتھ احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

قارون کہنے لگا کہ مجھ کو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے، کیا اُس (قارون) نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس سے بھی کم ہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع بھی اُن کا اس سے زیادہ تھا اور مجرموں سے تو اُن کے گناہ پوچھے نہیں جاتے (الا تو بیخاً او تثبیتاً) ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے پورے ٹھاٹھ باٹ سے نکلا، جو لوگ حیاتِ دنیا کے طالب تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑا نصیب والا ہے۔

اور جو لوگ علم رکھنے والے تھے وہ کہنے لگے افسوس تمہارے حال پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اُس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور یہ دولت نہیں ملتی سوائے صبر کرنے والوں کو۔

آخر کار ہم نے اسے اور اُسکے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر کوئی اُسکو حامیوں کا گروہ نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اُسکی مدد کو آتا اور نہ خود وہ اپنی

مدد آپ کر سکا۔

اب وہی لوگ جو کل اُسکی منزلت کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہو کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اندازہ سے دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ افسوس ہم کو یاد نہ رہا کہ کافر فلاح نہیں پایا کرتے۔ وہ آخرت کا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لئے خاص کر دیتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد چاہتے ہیں۔ اور اچھا انجام تو صرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔ جو کوئی بھلائی لے کر آئے گا اُس کے لئے اُس سے بہتر بھلائی ہے اور جو بُرائی لے کر آئے تو برائیاں کرنے والوں کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے وہ عمل کرتے تھے۔“

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ۖ (مومن آیت ۲۴، ۲۵)
”اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور کھلی حجت دیکر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا۔ پس ان سب نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے بڑا جھوٹا۔“

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ۖ (عنکبوت آیت ۲۹، ۳۰)
(اور قارون اور فرعون اور ہامان کو ہم نے ہلاک کیا اور موسیٰ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے مگر انھوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا حالانکہ وہ سبقت لے جانے والے نہ تھے۔)

آخر کار ہم نے ہر ایک کو اُسکے گناہ میں پکڑا پھر اُن میں سے کسی پر ہم نے پتھر اُوکرنے والی ہوا بھیجی اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آیا اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو غرق کر دیا

اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

بے وفا الزام تراشیاں | بنی اسرائیل روزِ اقول ہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بُت پرستی کی فرمائش، گوسالہ پرستی، قبولِ تورات سے انکار، ارضِ مقدس میں داخلے سے گریز، من و سلویٰ پر ناشکری۔ یہ اور اس قسم کے تمام واقعات اسکی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کس قدر بے وفا ثابت رہے ہیں اسکے علاوہ ذہنی و فکری طور پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثرت سے ایذا دیتے رہے اور گندی تہمتوں سے بھی باز نہ آئے۔ احادیث میں ایسی ایذا رسانیوں اور تہمتوں کے چند ایک واقعات مذکور ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس اولوالعزم رسول نے اپنی قوم سے کیا کچھ نہیں برداشت کیا ہے۔

ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی ایذا دہی پر اس طرح اظہارِ حقیقت فرما کر تسکین حاصل کی، موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمتیں ہوں ان کو اللہ کی راہ میں اس سے زیادہ ایذا دے گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فہمائش کی کہ اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا میں دیں پھر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان سب باتوں سے بری کر دیا جو وہ کہا کرتے تھے۔

ان واقعات میں ایک مشہور واقعہ بخاری و مسلم میں مذکور ہے جسکے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

حضرت موسیٰ علیہ السلام عام نبیوں کی طرح شرم و حیا زیادہ رکھتے تھے حتیٰ کہ وہ اپنے برہنہ بدن کے کسی حصہ پر بھی اپنی نگاہ پڑنے نہیں دیتے تھے اسکے برعکس بنی اسرائیل مجمع عام میں برہنہ ہو کر غسل کرنے کے عادی تھے اس لئے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اکثر وقت تنگ کرتے تھے اور اُن کا مذاق اڑایا کرتے تھے کبھی کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام،

کے خاص حصہ جسم پر برص کے داغ ہیں، کبھی کہتے تھے کہ ان کو اُورہ (شرم گاہ کا ستورم ہو جانا) کا مرض ہے یا کوئی اور قسم کا مرض ہے تب ہی تو چھپ کر علیحدہ غسل کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام سنتے اور خاموش رہتے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی ہوئی کہ ان کو اُس تہمت سے پاک اور بری کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام علیحدہ آڑ میں غسل کر رہے تھے اور کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے تھے۔ پتھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن کے کپڑے لے بھاگا اور ایسی جگہ جا کر رکھا جہاں بنی اسرائیل موجود تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام انتہائی گھبراہٹ اور غصے کی حالت میں اُس پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے تو بڑی حجرِ ثوبی حجرِ اے پتھر میرے کپڑے! اے پتھر میرے کپڑے! پتھر جب مجمع کے سامنے ٹھہر گیا تو سب نے اچانک دیکھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو مختلف الزامات لگائے جاتے ہیں وہ سب غلط ہیں اور وہ ہر عیب سے پاک صاف ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس اچانک واقعہ کا ایسا اثر پڑا کہ غصے میں جھنجھلا کر پتھر پر لاٹھی سے ضرب لگانا شروع کیا جس سے اُس پر نشان پڑ گئے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

اس طرح غیر شعوری طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفائی کرا دی اور انہیں اس ذہنی کوفت سے نجات دی جو قوم کی طرف سے مسلسل دی جا رہی تھی۔ ایک اور واقعہ بھی محدث ابن ابی حاتم نے حضرت علیؑ سے روایت کیا ہے کہ جب جس زمانے میں بنی اسرائیل وادی تیبہ میں مقید تھے اُن دنوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پہاڑ (ہور) پر مصروف عبادت تھے انہی دنوں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکی تجہیز و تکفین کی اور نیچے اتر کر قوم کو اطلاع دی۔ بنی اسرائیل نے اسپر یہ شہور کر دیا کہ موسیٰ نے ہارون کو قتل کر دیا ہے۔ اس تہمت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت صدمہ پہنچا، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ وہ ہارون علیہ السلام کی نعش کو مجمع میں

پیش کر دے جب انھوں نے یہ دیکھا تو اطمینان ہوا کہ واقعی ہارون علیہ السلام پر قتل کا کوئی نشان نہیں ہے۔

تورات میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک تیسرا واقعہ حضرت ابن عباسؓ سے کتب تفاسیر میں منقول ہے کہ

جب قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت بہت ناگوار گزرنے لگی تو ایک دن اُس نے ایک پیشہ ور عورت کو کچھ روپے دیے اس پر آمادہ کیا کہ جس وقت حضرت موسیٰ وعظ و نصیحت میں مشغول ہوں اس وقت آپر الزام لگانا کہ شیخ مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔ (معوذ باللہ) چنانچہ ایک دن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے اس بدکار عورت نے آپ پر یہ الزام دھر دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سنکر سجدہ میں گر پڑے اور پھر سر اٹھا کر اُس عورت کی جانب مخاطب ہوئے کہ تو نے جو کچھ ابھی کہا ہے کیا اللہ کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہے؟ یہ سنکر عورت پر ریشہ طاری ہو گیا اور اُس نے اعتراف کیا کہ قارون نے مجھے روپیہ پیسہ دے کر اس الزام پر آمادہ کیا ہے ورنہ آپ اس سے بری اور پاک ہیں۔

تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کے لئے بددعا کی

اور وہ اللہ کے حکم سے زمین میں دھنسا دیا گیا۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ کسی آیت کے شان نزول کے لئے کسی ایک واقعہ کا مخصوص ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ شان نزول کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ”زمانہ نبوت“ میں پیش آنے والے وہ تمام واقعات جو کسی آیت کا مصداق بن سکتے ہوں، اس آیت کے لئے یکساں طور پر شان نزول کہے جاسکتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ایذا ربنی اسرائیل کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے جو ایذا رسانی میں تو واضح ہے لیکن ”نوعیت ایذا“ میں مجمل ہے اور بقول شاہ ولی اللہؒ ہر واقعہ کا شان نزول ہو سکتا ہے۔ وہ عظیم آیت یہ عجب

قرآنی مضمون | یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذَا مَوْسَىٰ

فَبَرَأَ لَهُ اللَّهُ صَمًا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا. (احزاب آیت ۶۹)
 اے ایمان والو تم اُن بنی اسرائیل کی طرح نہ ہونا جنہوں نے
 موسیٰ کو ایذا پہنچائی پھر اللہ نے اُن کو اُس بات سے بری کر دیا جو وہ اُنکو
 متعلق کہا کرتے تھے اور موسیٰ تو اللہ کے ہاں عزت والے ہیں۔
 وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ لِمَ تَقُولُونَ لِشُعْتْرِ بْنِ مَرْيَمَ الَّذِي كَانَ نَذِيْرًا لِّكُمْ
 اِنِّي رَسُوْلٌ مِّنْ اللّٰهِ اَلَيْسَ لَكُمْ تَقْوٰی (صافات آیت ۷۵)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا اے قوم
 تو کس لئے مجھکو ایذا پہنچاتی ہے جبکہ تمہکو معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب
 اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، پھر جب وہ کجی پر اڑ بیٹھے تو اللہ نے بھی
 اُن کے دلوں پر کجی مسلط کر دی اور اللہ نافرمان قوم کو راہ یاب نہیں کیا۔

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ایک اہم واقعہ
 اُس ملاقات کا بھی ہے جو اُن کے اور ایک بزرگ (عبد
 صالح) کے درمیان پیش آیا۔ سورہ کہف میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے اور بخاری
 و مسلم میں بھی یہ واقعہ تفصیلاً آیا ہے۔

قرآن حکیم نے اس واقعہ میں جس بزرگ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے اُن کے نام کی
 کوئی وضاحت نہیں کی کہ وہ کون بزرگ تھے؟ صرف عبد اُمتن عبداً کہا کر ذکر کیا ہے۔
 (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) احادیث میں خاص طور پر بخاری و مسلم کی روایات میں
 اس بندے کا نام خضر بتایا گیا ہے۔ اور عام شہرت بھی اسی نام کی ہے۔ اکثر مفسرین اسی
 نام سے یہ واقعہ منقل کرتے ہیں۔ بحث یہاں اُن کے نام یا لقب کی نہیں ہے جو بھی نام
 ہو بہر حال واقعہ ضرور پیش آیا۔ یہاں بخاری کی روایت کے مطابق اس واقعہ کی
 تفصیل لکھی جاتی ہے:-

سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے عرض کیا کہ
 نون بنگالی (یہودی عالم) کہتا ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ جن موسیٰ
 کا واقعہ پیش آیا وہ مشہور و معروف موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ

اور شخص ہیں جن کا نام بھی موسیٰ تھا۔ کیا یہ بات درست ہے ؟
 حضرت ابن عباسؓ نے نہایت برہمی لہجہ میں فرمایا اللہ کا دشمن
 جھوٹ کہتا ہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعبؓ نے خود یہ حدیث
 بیان کی ہے کہ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ نے
 ارشاد فرمایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل میں
 وعظ فرما رہے تھے (غالباً وعظ علمی اور تحقیقی قسم کا تھا) کسی نے پوچھا اے
 موسیٰ اس زمانے میں سب سے بڑا عالم کون ہے ؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام
 نے اپنی جانب اشارہ کر کے کہا کہ ”میں ہوں“ اللہ تعالیٰ کو اُنکی یہ بات پسند
 نہ آئی اور اُن پر اُسی وقت اللہ کی جانب سے عتاب ہوا کہ تمہارا منصب
 تو یہ تھا کہ اس جواب کو علم الہی کے سپرد کرتے اور کہتے ”اللہ اعلم“ (یعنی اللہ
 زیادہ بہتر جانتا ہے یا یہ کہ اللہ زیادہ علم والا ہے) اسکے بعد اللہ نے حضرت
 موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا
 ایک بندہ ہے جو تم بھی زیادہ علم والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار تیرے اُس
 بندے تک رسائی کا کیا طریقہ ہے تاکہ میں اُس سے ملاقات کروں ؟ اللہ تم
 نے وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ ایک مچھلی اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور
 سفر شروع کر دو جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے اُسی جگہ وہ شخص ملیگا۔ (بعض
 مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بھنی ہوئی مچھلی تھی اور بعض نے کہا کہ زندہ
 مچھلی تھی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی اپنے توشہ دان میں رکھ
 لی اور اپنے ایک شاگرد کو جن کا نام یوشع بن نون تھا رفیق سفر بنایا اور اُس
 مروجہ صانع کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ (مجمع البحرین دو سمندروں کا سنگم جس کی
 نشان دہی کی گئی تھی کہاں تھے اور ان سے کون سے دریا مراد ہیں قرآن
 حکیم اور احادیث صحیحہ میں کوئی وضاحت نہیں ملتی قیاس کا تقاضہ یہی ہے
 کہ یہ اُس زمانے میں کوئی مشہور و معروف سنگم رہا ہو جسکے لئے نام اُپ

محل وقوع کی صراحت نہ سمجھی گئی ہو، واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے بحرِ روم اور بحرِ قلزم کا سنگم مراد لیا ہے اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ سوڈان کے پایہ تخت خرطوم کے قریب بحرِ الابيض اور بحرِ الازرق مراد ہوں جیسا کہ بعض کا خیال ہے) یہ سفر سمندر کے کنارے کنارے تھا۔ الغرض سفر کرتے کرتے ایک مقام پر پہنچے یہاں آرام لینے کی خاطر کچھ دیر کے لئے ایک چٹان پر دونوں سو گئے۔

یوشع بن نون نے دیکھا کہ توشہ دان کی مچھلی میں اچانک حرکت پیدا ہوئی اور وہ زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی، مچھلی پانی کے جس حصے پر بہتی ہوئی گئی اور جہاں تک گئی وہاں پانی کے اندر ایک لکیر جیسی بن گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر میں ایک سرنگ سی بن گئی (یہ واقعہ حضرت یوشع کے لئے حیرت انگیز ضرور تھا لیکن کوئی نیا یا پہلا قسم کا نہ تھا کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کثرت سے معجزات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے سفر کی تیاری میں اس واقعہ کو بیان کرنا بھول گئے اور جیسا کہ قرآن حکیم کی تصریح ہے اس بات کو یاد دلانا شیطان نے بھلا دیا۔ اس طرح آگے سفر جاری رہا ایک دن رات مسلسل چلتے رہے دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آج غیر معمولی تھکن اور پستی محسوس ہو رہی ہے اچھا وہ مچھلی لاؤ تاکہ بھوک رفع کریں۔

اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی بتائی ہوئی منزل مقصود تک پہنچنے میں کوئی تھکان نہیں ہوا تھا مگر منزل سے آگے غلطی سے نکل گئے تو اب تھکان بھی محسوس ہونے لگا، یوشع بن نون نے کہا ہاں مجھے کہنا یاد نہ رہا جو وقت ہم پتھر کی چٹان پر تھے وہیں مچھلی کا یہ تعجب خیز واقعہ پیش آیا اس میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ توشہ دان سے نکل کر سمندر میں چلی گئی اور اُسکی رفتار پر سمندر میں بھی راستہ بنتا چلا گیا۔ واقعی شیطان نے یہ بات آپ سے

ذکر کرنا بھلا دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جس مقام کی تلاش ہم کو ہے وہ وہی مقام تھا یہ کہہ کر پھر دونوں نشانات قدم پر واپس لوٹے اور اُس چٹان تک جا پہنچے، وہاں دیکھا کہ عمدہ لباس میں ایک آدمی بیٹھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُنہیں سلام کیا۔ اُس شخص نے کہا تمہاری سرزمین میں سلام کہاں؟ (یعنی اس سرزمین میں تو مسلمان نہیں رہتے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خضر علیہ السلام تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا میرا نام موسیٰ ہے۔ خضر علیہ السلام نے پوچھا موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ نے کہا ہاں، میں آپ سے وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے صرف آپ ہی کو عنایت کیا ہے! خضر علیہ السلام نے فرمایا تم میرے ساتھ رہ کر اُن معاملات پر صبر نہ کر سکو گے جو میرے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسی مخفی چیزوں کا علم عطا کیا ہے جو تم کو نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والا ضبط کرنے والا پائیں گے۔ اور میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا تو پھر شرط یہ رہے گی کہ جب آپ میرے ساتھ رہیں تو کسی معاملہ کے متعلق بھی جسکو آپ کی نگاہیں دیکھ رہی ہوں مجھ سے کوئی سوال نہ کریں، میں خود آپ کو اُسکی حقیقت بتا دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ شرط منظور کر لی اور دونوں ایک جانب روانہ ہو گئے (یہاں اسکی صراحت نہیں ملتی کہ یوشع بن نون بھی ساتھ رہے یا انہیں واپس کر دیا گیا) جب سمندر کے ایک کنارے پہنچے تو سامنے ایک کشتی نظر آئی حضرت خضر علیہ السلام نے ملاحوں سے کیرایہ پوچھا وہ لوگ غالباً خضر علیہ السلام کو جانتے تھے لہذا کیرایہ لینے سے انکار کیا اور اصرار کر کے دونوں کو کشتی پر سوار کر لیا اور کشتی روانہ ہو گئی۔

ابھی کچھ دُور بھی نہ چلے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر کشتی میں سوراخ کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ضبط نہ ہو سکا کہنے لگے جناب کشتی والوں نے تو ہم پر احسان کیا اور ہمیں مفت سوار کر لیا اور آپ نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ اُن کی کشتی خراب کر دی! اس طرح تو سب لوگ ڈوب جائیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میری باتوں پر صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے بھول ہو گئی براہِ کرم آپ اس پر گرفت نہ کریں اور میرے معاملہ میں سخت گیری سے کام نہ لیں۔

اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پہلا سوال حقیقتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھول کی وجہ سے تھا۔ اس اشارہ میں ایک چٹریا کشتی کے کنارے آ بیٹھی اور سمندر سے ایک قطرہ پانی پی لیا، حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے موسیٰ علم الہی کے مقابلہ میں میرا اور آپ کا علم اس قدر بے حقیقت ہو جیسا کہ سمندر کے سامنے یہ قطرہ۔

الغرض کشتی کنارے لگی دونوں حضرات اُتر کر ایک جانب روانہ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے پیچھے چل رہے تھے کچھ دُور چند بچے کھیلنے نظر آئے، حضرت خضر علیہ السلام اُن کی جانب بڑھے اور ایک بچے کو قتل کر دیا۔ اس اچانک اور غیر متوقع بلا و جہ قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قطعاً ضبط نہ ہو سکا کہنے لگے حضرت آپ نے یہ کیا کیا؟ ایک بے گناہ معصوم جان کو یوں ہی قتل کر دیا؟ یہ تو بہت بُرا کام کیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں نے تو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر و ضبط سے کام نہ لے سکیں گے۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چونکہ یہ بات پہلی بات سے بھی سخت تھی اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کرنے میں معذور تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خیر اس مرتبہ اور نظر انداز

کر دیجئے۔ اسکے بعد اگر میں کوئی سوال کروں تو پھر عذر خواہی کا کوئی موقع نہیں رہے گا اور اسکے بعد آپ کو اختیار ہوگا کہ مجھے جد اکرویں۔

اس طرح حضرت خضر علیہ السلام نے دوسری مرتبہ بھی درگزر کر دیا اسکے بعد آگے روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ ایک بستی پر گزر ہوا جہاں کے باشندے خوشحال معلوم ہو رہے تھے دونوں مسافر بزرگوں نے ان لوگوں سے مہمان داری کی درخواست کی لیکن یہ اس قدر بخیل ثابت ہوئے کہ ایک وقت کی ضیافت کا بھی انتظام نہ کیا اور صاف انکار کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام آگے جانے کے لئے چل پڑے ابھی اسی بستی سے گزر رہے تھے کہ ایک مکان ایسا بوسیدہ نظر پڑا جسکی دیوار جھکی ہوئی تھی اور وہ گرنے کے قریب تھا حضرت خضر علیہ السلام نے اسکی مرمت کر دی اور اسکو درست کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے ساختہ پھر ٹوک دیا اور کہنے لگے جناب ہم اس بستی میں مہو کے پیاسے مسافرانہ حالت میں پہنچے مگر ان ناقدر شناسوں نے نہ ہماری مہمان داری کی نہ رہنے کو جگہ دی اور آپ نے مفت میں ایک شخص کے مکان کو درست کر دیا، اگر کرنا ہی تھا تو کچھ اجرت لے لیتے، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا بس اب میری اور آپکی جدائی کا وقت آگیا لہذا اب آپ کا میرے ساتھ رہنا ممکن نہیں۔ خدا حافظ۔

اسکے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت ان تینوں معاملات کی حقیقت بیان کی اور سمجھا دیا کہ یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے تھیں جن پر آپ صبر نہ کر سکتے۔

یہ واقعہ نقل فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا متوجہ یہ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بخوڑا اور صبر کرتے تو ہم کو اللہ تعالیٰ کے رموز و اسرار کی مزید معلومات حاصل ہوتیں۔

الغرض ان تینوں واقعات کی حقیقت حضرت خضر علیہ السلام نے جو بیان کی ہے وہ درج ذیل ہے :-

(۱) جس کشتی کو خراب کیا گیا دراصل یہ کشتی چند ایسے غریبوں کی تھی جن کے متعلق مشہور اسرائیلی عالم کعب احبارؑ نے لکھا ہے کہ وہ جملہ دس بھائی تھے جن میں پانچ اپانچ اور معذور تھے بقیہ پانچ بھائی محنت مزدوری کر کے اپنے اور پانچ معذور بھائیوں کی روزی کا انتظام کرتے تھے۔ ان کی مزدوری یہ تھی کہ دریا میں کشتی چلاتے تھے اور اس کا کرایہ حاصل کرتے تھے۔

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ یہ کشتی جس سمت جا رہی تھی وہاں ایک ظالم بادشاہ کی حکمرانی تھی وہ ہر اچھی اور نئی کشتی کو زبردستی چھین لیا کرتا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس کے تحفظ کے لئے کشتی کو عیب دار بنا دیا تاکہ وہ ظالم بادشاہ اس پر توجہ نہ کرے اور یہ غریب و شریف لوگ اس مصیبت سے محفوظ ہو جائیں۔ چنانچہ آگے چل کر ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہ کشتی چھوڑ دی گئی۔

(۲) اور وہ لڑکا جس کو قتل کیا گیا تھا اسکی حقیقت یہ ہے کہ اس لڑکے کی طبیعت میں کفر و سرکشی اور والدین کے خلاف بغاوت تھی اور علم الہی میں یہ طے تھا کہ اگر یہ بالغ ہوگا تو کافر ہوگا جس سے دوسرے انسانوں کو بھی گمراہ کرے گا اور والدین کے لئے بھی مصیبت بن جائیگا، اس لڑکے کے والدین نیک اور بزرگ انسان تھے اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ یہ لڑکے کی مصیبت سے محفوظ رہیں اس لئے اسکو بالغ ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔

ابن ابی شیبہؒ اور ابن المنذرؒ اور ابن ابی حاتم نے ایک روایت نقل کی ہے کہ مقتول لڑکے کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ ایک لڑکی عطا کی جس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق اس لڑکی کے بطن سے دو نبی پیدا ہوئے اور بعض دیگر روایات میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ اس لڑکی

کے بطن سے پیدا ہونے والے نبی علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی امت کو ہدایت دی۔ (تفسیر مظہری و قرطبی)

(۳) اور جس گرتی دیوار کو درست کر کے سیدھا کر دیا گیا اُس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کے ایک مقبول بندے کا مکان تھا جسکے دو چھوٹے بچے تھے اس نے مرنے سے پہلے اپنے ان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک خزانہ دیوار کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ ترمذی اور حاکم میں ایک روایت درج ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ وہ سونے اور چاندی کا ذخیرہ تھا۔ اور اس نیک بندے کی نیت یہ تھی کہ جب یہ بچے بڑے ہو کر اپنا مکان درست کریں گے انہیں یہ خزانہ مل جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی نیت کے مطابق ان یتیم بچوں کے لئے مدفون خزانے کی حفاظت کا اس طرح انتظام فرمایا کہ اُس گرتے مکان کو کچھ عرصہ کے لئے مضبوط کر دیا، اسکے لئے حضرت خضر علیہ السلام سے اُس کی مرمت کرا دی۔ انتہی

محمد بن مسکدرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک بندے کی نیکی و صلاحیت کی وجہ سے اُس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اُس کے خاندان کی اور اُس کے آس پاس کے مکانات کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔ (مظہری)

مشہور صوفی حضرت شبلیؒ (ایک دفن اپنی غیر اختیاری حالت میں) نے فرمایا تھا کہ میں اس شہر اور پورے علاقے کے لئے اللہ کی امان ہوں، جب اُن کی وفات ہو گئی تدفین کے کچھ دیر بعد کفارِ دہلی نے دریائے دجلہ کو عبور کر کے بغداد پر قبضہ کر لیا، اس وقت عام لوگوں کی زبان پر یہ کلمہ تھا کہ ہم پر دوہری مصیبت ٹوٹ پڑی ہے یعنی حضرت شبلیؒ کی موت اور کفار کا قبضہ۔ (قرطبی ج ۱۱ صفحہ ۲۹)

الغرض یہ حقائق ہیں جو ان واقعات میں پوشیدہ تھے جس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی

کو ممکن نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو ان حقائق پر بذریعہ وحی مطلع فرمادیا جسکو انھوں نے اللہ کے حکم و منشاء کے مطابق انجام دیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا یہ مفصل تذکرہ قرآن حکیم کی آیات ذیل میں موجود ہے :-

قرآنی مضمون

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ
الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا۔ الخ (کہف آیات ۶۱ تا ۶۷)

(ذرا ان کو وہ قصہ سناؤ جو موسیٰ کو پیش آیا تھا، جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا تھا کہ میں اپنا سفر ختم نہ کروں گا جب تک کہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچ نہ جاؤں یا پھر ایک زمانے تک چلتا ہی رہوں گا۔ پس جب وہ دونوں اُن کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو وہ بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چل دی۔ پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے (اور دور نکل گئے) تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو تو اس سفر میں بڑی تکلیف پہنچی ہے۔

خادم نے کہا آپ نے دیکھا یہ کیا ہوا؟ جب ہم اُس چٹان کے پاس ٹھیرے ہوئے تھے اس وقت مچھلی کا خیال نہ رہا اور شیطان نے مجھ کو ایسا عاقل کر دیا کہ میں اس کا ذکر آپ سے کرنا بھول گیا، مچھلی تو عجیب طریقے سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔

موسیٰ نے کہا اسی جگہ کی تو ہمیں تلاش تھی چنانچہ وہ دونوں اپنے نقش قدم پر پھر واپس ہوئے اور وہاں انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔

موسیٰ نے اُس بندے سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ تاکہ آپ مجھے بھی اُس مفید علم کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔

اُس بندے نے جواب دیا آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔
اور جس چیز کا علم آپ کو نہ ہو آخر آپ اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں۔
موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی
معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔

اُس بندے نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھے
کوئی بات نہ پوچھیں جب تک میں خود اُس کا آپ سے ذکر نہ کر دوں۔
پس وہ دونوں روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی
میں سوار ہوئے تو اُس بندے نے اُس کشتی میں شگاف ڈال دیا، موسیٰ
نے کہا آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا تاکہ سب کشتی والوں کو ڈبو دیں؟
یہ تو آپ نے ایک سخت حرکت کر ڈالی؟
اُس بندے نے کہا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ
صبر نہیں کر سکو گے۔

موسیٰ نے کہا آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور نہ
میرے معاملہ میں سختی سے کام لیجئے۔
پھر وہ دونوں آگے چلے یہاں تک کہ اُنکو ایک لڑکا ملا اُس بندے
نے اس لڑکے کو اچانک قتل کر دیا۔
موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی حالانکہ
اُس نے کسی کا خون نہیں کیا تھا یہ کام تو آپ نے بہت ہی بُرا کیا؟
اُس بندے نے کہا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ
ہرگز صبر نہ کر سکو گے؟

موسیٰ نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ
مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، اب تو آپ کو میری جانب سے عذر مل گیا ہے۔
پھر وہ دونوں آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچے اور
وہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا مگر اُن لوگوں نے ضیافت سے انکار
کر دیا، پھر وہاں انھوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی اُس بندے

نے اس دیوار کو پھر قائم کر دیا، موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی ہجرت لے سکتے تھے۔

اُس بندے نے کہا بس یہ وقت ہماری اور آپکی علیحدگی کا ہے اب میں اُن واقعات کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ اُس کشتی کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے میں نے چاہا کہ اُسے عیب دار کر دوں کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

رہا وہ لڑکا تو اُس کے والدین مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے اُن کو تنگ کرے گا۔ اس لئے ہم نے چاہا کہ اُنکا رب اُسکے بدلے اُن کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اُس سے بہتر ہو اور جس سے صابری بھی زیادہ متوقع ہو۔

اب اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یقیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے ان بچوں کے لئے ایک خزانہ مدفون ہے اور اُن کا باپ ایک نیک آدمی تھا اس لئے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ تمہارے رب کی رحمت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ اور میں نے اپنے اختیار سے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

وفات موسیٰ علیہ السلام | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری زندگی اپنی قوم کے ساتھ بڑے صبر آزمائے حالات و واقعات

میں بسر ہوئی حتیٰ کہ موت بھی غربت و مسافرت کی حالت میں جبکہ قوم کے ساتھ وادی تیبہ میں مقیم تھے پیش آئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم رسول کی طرح رشد و ہدایت میں مشغول رہے اور ہر قسم کی ایذا برداشت کی۔

بخاری و مسلم میں ایک روایت حضرت ابن مسعود رضی عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے

ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام نے مال غنیمت میں سے کچھ مال لوگوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ایک شخص (منافق) کہنے لگا کہ اس تقسیم میں اللہ کی رضا جوئی کا لحاظ نہ رکھا گیا، کسی مسلمان نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دی تو آپ کا چہرہ مبارک غصے و غضب سے سرخ ہو گیا ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے اُن کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچانی تھی اور انہوں نے صبر کیا، باوجود قوم کی مسلسل عہد شکنی اور شرارت کے آخر وقت تک نصیحت و خیر خواہی جاری رکھی اور اُن کی اصلاح میں مشغول رہے یہاں تک کہ زندگی کا آخری وقت آگیا اور اسی وادی تیبہ میں داعی اہل کولبیک کہا۔

بخاری و مسلم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُن کے پاس فرشتہ حاضر ہوا (یہاں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھنی چاہیے کہ موت کے وقت انبیاء کرام کے بارے میں اللہ کا قانون عام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے نبی کی وفات سے قبل ان کو اسکی اطلاع دی جاتی ہے اور انکی رضامندی حاصل کی جاتی ہے) فرشتہ موت نے حضرت موسیٰ سے کہا اُچھٹ سہ تَبَلَقْ اپنے پرور و نگار کی جانب سے پیغام اجل قبول کیجئے (چونکہ فرشتہ انسانی شکل میں تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام جان نہ سکے) اور اسکے ایک طمانچہ رسید کر دیا جس سے اُسکی آنکھ مچوٹ گئی، وہ فوری روانہ ہو گیا اور بارگاہ الہی میں شکایت کی کہ تیرا بندہ موت نہیں چاہتا، اور یہ کہ اُس نے طمانچہ رسید کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسکی آنکھ درست کر دی گئی اور حکم دیا گیا کہ موسیٰ کے پاس پھر جاؤ اور کہو کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر دنیا میں مزید رہنا چاہتے ہو تو کسی بیل کی کمر پر تم اپنا ہاتھ رکھ دو جس قدر بال تمہاری ٹٹھی میں آجائیں گے ہم ہر بال کے عوض تمہاری حیاتِ دنیوی میں ایک ایک سال کا اضافہ کر دیں گے۔

فرشتے نے دوبارہ حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا، حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اسکے بعد کیا ہوگا؟ فرشتے نے جواب دیا کہ آخر پھر موت ہوگی۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر حیات طویل کے بعد پھر وہی موت ہے تو تاخیر کی کیا ضرورت لقار رب ہی بہتر ہے۔ دعا کی اے اللہ اس آخری وقت مجھکو ارض مقدس سے قریب کر دے۔

(اللہ نے حضرت موسیٰ کی خواہش پوری فرمادی غیبی طور پر اٹھیں ارض مقدس (فلسطین) سے قریب کر دیا گیا اور کشیب احمر (سرخ ٹیلہ) کے قریب موت آئی اور وہیں دفن کئے گئے)

مشہور مؤرخ ضیاء مقدسی کہتے ہیں کہ مقام اریحار میں سرخ ٹیلہ کے قریب ایک قبر ہے جسکو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بتایا جاتا ہے دوسرے تاریخی اقوال کے مقابلہ میں یہ قول زیادہ قرین قیاس ہے اسلئے کہ وادی تہ کے سب سے قریب وادی مقدس کا علاقہ اریحار کی بستی ہے اور اسی جگہ وہ کشیب احمر واقع ہے جسکا ذکر حدیث میں آیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۲)

ایک عمدہ تشریح وفات موسیٰ علیہ السلام کا جو واقعہ بخاری و مسلم میں موجود ہے اس میں چند امور وضاحت طلب ہیں۔

یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اگر نبوت و رسالت جیسے عظیم الشان الہی منصب پر بھی فائز ہو تب بھی بشریت سے خارج نہیں ہوتا اور نہ تقاضائے بشریت سے خالی۔ موت اپنی ظاہری شکل میں کسی بھی بشر کو مطلوب نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے گریز کرتا ہے۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر موت کی حقیقت منکشف کر دیتا ہے تو اسکے مقرب بندوں کے لئے وہی موت سب سے زیادہ محبوب شئی بن جاتی ہے اور اس کے لئے وہ بیقرار ہو جاتا ہے۔

موت کسی کے نزدیک خواہ محبوب شئی ہو یا غیر محبوب بہر حال ایک نہ ملنے والا حکم ہوتا ہے جن سے کسی کو بھی مفر نہیں، اس لئے تمنا یہ نہ ہونی چاہیے کہ عمر دراز

حاصل ہو جائے بلکہ یہ آرزو ہونی چاہیے کہ زندگی کا لمحہ جو بھی میسر ہو جائے وہ پاکی و نیکی میں گزرے تاکہ جب موت آئے تو یہ حقیقی وابدی زندگی بن جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ موت میں فرشتہ موت کو طمانچہ رسید کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جسکو بخاری و مسلم نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ کوئی امر محال یا ناممکن بات نہیں ہے۔ انبیاء کرام کی سیرتوں میں اس سے بھی عجیب تر واقعات رونما ہوتے ہیں جنکو بکثرت تذکرے انہی صفحات میں آچکے ہیں۔ گفتگو صرف اسمیں ہونی چاہیے کہ آیا یہ واقعہ سند صحیح کے ساتھ نقل ہوتا آیا ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات ثابت ہے تو پھر روایت کو من و عن طریقہ پر قبول کرنا چاہیے یا اسمیں تاویل و تمثیل کا پہلو اختیار کرنا چاہیے؟ یہ ایک علمی و اصولی بحث ہے۔ بعض اہل علم نے ایسی صورتوں میں تاویل و تمثیل کا پہلو اختیار کیا ہے جیسا کہ محدث ابن قتیبہؒ نے اس واقعہ میں اختیار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کا یہ واقعہ حقیقت کے ساتھ وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ تخیلی و تخیلی واقعہ ہے۔ بہر حال یہ حضرات کا احترام اپنے مقام پر، لیکن اکثر اہل علم جن میں اہل تحقیق کی کثرت ہے پہلے مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ کسی واقعہ کا عجیب تر ہونا یا عقل و قیاس سے ماوراء ہونا اسکے قبول یا عدم قبول کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ ثبوت یا عدم ثبوت کا محتاج ہے تو اب حدیث کے الفاظ کی تعبیر اس طرح ہونی چاہیے اور یہ ممکن بھی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں فرشتہ پیغام اہل لیکر آیا تو وہ بشری شکل و صورت میں تھا جیسا کہ عام طور پر انبیاء کرام کی زندگیوں میں سابقہ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس فرشتے کو اس حالت میں اس طرح پہچان نہ سکے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام عذاب کے فرشتوں کو ابستدائاً نہ پہچان سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ناگوار گزرا کہ ایک اجنبی شخص اچانک اُنکے خلوت کدہ میں گھس آیا اور موت کا پیغام دینے لگا بشری تقاضہ ابھر آیا طیش میں ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ چونکہ فرشتہ بھی بشری شکل میں تھا بشری اثرات مرتب ہو گئے اور اُنکے مجروح ہو گئے، مگر اصل عذاب کے فرشتوں نے آہستہ آہستہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ و حضرت لوط علیہم السلام کو اپنی اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا، موت کے فرشتے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ نہ کیا اور فوراً غائب ہو گیا اور بلاگاہ الہی میں فریادیں ہوا۔

حدیث کے یہ الفاظ بڑے ہی دلچسپ ہیں۔

أَرْسَلْتَنِي إِلَىٰ عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ. (بخاری)
 ”اے رب آپ نے مجھے ایسے بندے کی جانب بھیجا جو موت

نہیں چاہتا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے اُس فرشتے کو ملکوتی ہیئت پر واپس کر دیا اور اس طرح وہ اس عیب کے بری ہو گیا جو بشری شکل میں آنکھ مجروح ہونے سے پیدا ہو گیا تھا۔

موت کے فرشتے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیالات سے واقف ہوئے بغیر خود ہی یہ سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موت کے نام سے خفا ہو گئے اور وہ موت نہیں چاہتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کی اس غلط فہمی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالتِ شان دونوں کے اظہار کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا حکم دیا کہ دوبارہ جاؤ اور حضرت موسیٰ کو ہمارا پیغام پہنچاؤ۔

ادھر فرشتہ پیغام حاصل کر رہا تھا اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجنبی شخص کے غائب ہو جانے پر فوراً یہ محسوس کر لیا کہ درحقیقت یہ معاملہ انسانی معاملات سے جُدا دوسرے عالم کا ہے۔ چنانچہ جب فرشتہ اجل نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغام الہی سنایا تو ان کا لہجہ اور طرز گفتگو دوسرا ہو گیا اور پھر انجام کار وہ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ فصلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

تورات اور بعض کتب تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف اکیسویں سال ہوئی اور آپ کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تقریباً ڈھائی سو سال کا عرصہ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

رُتَبہ جسے دُنیا میں خُدا دیتا ہے | گزشتہ صفحات میں تفصیل سے یہ

حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام بھی انبیاء و رسل کی فہرست میں خصوصی شان رکھتے ہیں جن نبیوں کی زندگی دعوت و تبلیغ میں سرگرم عمل رہی ہے اور جنہوں نے اپنی اپنی قوم سے سخت ترین دکھ و رنج اٹھائے ہیں اُن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی بھی سرِ فہرست ہے۔

قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اُنکی جلالتِ شان و عظمت کا بکثرت ذکر آیا ہے۔ اس حیثیت سے حضرت ختم المرسلین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوالانبیاء ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا اسم گرامی عام طور پر لیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان کئے ہیں۔ تذکرہ انبیاء میں شاید کسی اور نبی کے واقعات اتنی کثرت سے بار بار دہرائے گئے ہوں۔

حسب ذیل آیات میں خصوصیت کے ساتھ اُن کی ثنا و منقبت کا اظہار کیا گیا ہے۔

وَ اذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مُوسٰی اِذَا کَانَ مُخْلِصًا وَّ کَانَ

رَسُوْلًا نَّبِیًّا۔ النح (مریم آیت ۵۱)

اور یاد کر موسیٰ کو قرآن میں کہ بے شک وہ تھے اللہ کے خاص بندے اور رسول تھے نبی تھے۔ اور ہم نے اُن کو طور کی واسنی جا ب سے آواز دی اور اُن کو قریب کر کے اُن سے راز کی گفتگو کی۔ اور ہم نے اپنی عنایت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔

قَالَ یٰمُوسٰی اِنِّیْ اَصْطَفٰیْکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسَالٰتِیْ

وَبِکَلَامِیْ۔ راعف آیت ۱۲۳

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بلا شک میں نے تم کو لوگوں پر فضیلت دی اپنی پیغامبری اور اپنی ہمکلامی سے۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰی تَخْلِیْمًا۔ (نار آیت ۱۶۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا جیسا کہ حقیقتاً کلام ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَّا عَلٰی مُوسٰی وَ هَارُوْنَ۔ الخ

(صافات آیت ۱۲۷ تا ۱۲۸)

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔ اور اُن دونوں کو اور اُن کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور ہم نے اُن کی مدد کی کہ وہ فرعون اور قوم فرعون پر غالب رہے۔ اور ہم نے اُن دونوں کو روشن کتاب دی۔ اور ہم نے اُن دونوں کو راہِ مستقیم کی ہدایت بخشی۔ اور اُن کا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں باقی چھوڑا۔ سلاستی ہو موسیٰ

اور ہارون پر۔

بے شک ہم اس طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى
فَبَرَأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا۔ (اعزاب آیت ۶۹)

اے ایمان والو تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ایذا پہنچائی پھر اللہ نے اُن کو اس بات سے بری کر دیا۔ جس کو اُن کی زبانیں کہہ رہی تھیں اور موسیٰ تو اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔

بخاری و مسلم کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول کیا گیا ہے :-

”مجھ کو موسیٰ پر فضیلت نہ دو، اس لئے کہ جب قیامت کے دن لوگوں پر دہشت سے غشی طاری ہو جائیگی تو سب سے پہلا شخص جس کو ہوش آئے گا وہ میں ہوں گا، دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش الہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں، اب میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو مجھ سے پہلے غشی سے ہوش آیا تھا یا یہ آج مدہوشی سے بری کر دیئے گئے ہیں۔“

ابن کثیرؒ نے اس روایت پر تعلق کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ازراہ تواضع و انکسار ہے ورنہ ایک اور حدیث صحیح میں آپؐ کا یہ ارشاد خود منقول کیا گیا ہے :-

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ (المحدث)

”میں نکل اولاد بنی آدم کا سردار ہوں اور یہ بات فخر کے طور

پر نہیں کہہ رہا ہوں۔“

خود قرآن حکیم میں آپؐ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے جو آپؐ کی برتری کی واضح دلیل ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت قدر اور عظمت کا اظہار کرتی ہے نیز حدیث معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مکالمات منقول ہیں اُن سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت و شان کا نمایاں اظہار ہوتا ہے۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن اولو العزم انبیاء و رسل میں شمار ہوتے ہیں جن کا تذکرہ قرآن حکیم فی نہایت اہتمام کیساتھ کیا ہے اور جلد بالذکر کیا ہے جیسا کہ آپؐ گزشتہ صفحات میں تفصیل پڑھی ہے۔

فصلوات اللہ و سلامہ علیہ۔

نتائج و عبرت

روحِ تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل، فرعون اور قوم فرعون کی یہ طویل تاریخ ایک داستانِ یحکایت نہیں ہے بلکہ حق و باطل کا معرکہ، ظلم و انصاف کی جنگ، غلامی و آزادی کی کشمکش، مظلوم کی سربلندی، ظالم و سرکش کی ذلت و پستی، حق کی فتح باطل کی شکست، صبر کا امتحان، ناشکری و بے صبری کا انجام، قوموں کے عروج و زوال کی دستاویز، نبیوں کی دعوت و تبلیغ کی تاریخ اور اُسکے عواقب و نتائج کا مستند ذخیرہ ہے۔

حق کا اعجاز

حق اور سچائی کو جس نے بھی دل سے قبول کر لیا سچائی اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتی اُسکے دل و دماغ پر اسی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اُسکی زبان سے وہی صدائے حق نکلتی ہے جسکو اُس نے کچھ دیر پہلے قبول کیا تھا، یہی حق کا اعجاز ہے اور اُسکی سچی علامت بھی۔
ساحرانِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ سے پہلے یہ نعرہ بلند کیا تھا:-

وَقَالُوا بَعْدَۃٍ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ۔

(شعراء آیت ۱۲۴)

فرعون کے جاہ و جلال کی قسم آج ہم ہی غالب ہوں گے۔
لیکن جب مقابلہ ہوا اور ساحری کرشمے "تاتار ہو گئے جادو گروں پر اپنی سحری طاقت کی نیچے بسی کا انکشاف ہوا تو فوری اعتراف کر لیا اور سجدے میں گر پڑے اور دولتِ ایمان سے سرشار ہو کر فرعون کی دھمکی کا اس طرح جواب دیا:-

قَالُوا لَنْ نُؤْمِرَكَ عَلٰی مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي

فَطَرْنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ، إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
إِنَّا أُمَّتًا يَكُونُ بَيْنَنَا وَالْآيَةِ (طہ آیت ۷۷)

صاحبوں نے کہا ہم یہ کبھی نہیں کر سکتے کہ روشن دلائل سے
منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں اور اُس خدا سے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے جو
توفیصلہ کیا ہے وہ گزر، تو زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ
دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کر دے، ہم تو ایمان لا چکے ہیں۔

صبر کی یونجی

مشہور مقولہ ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ یہ بات حقیقتاً قرآن حکیم کے
واقعات سے لی گئی ہے۔ بنی اسرائیل مصر میں عرصہ دراز تک محکومی، بیپارگی، غربت
و افلاس میں بسر کرتے رہے، قتلِ اولاد کی مصیبت سے بھی دوچار رہے، عورتوں کی
باندیاں بننے کی ذلت و رسوائی بھی اُٹھاتے رہے، اور خود بھی فرعونوں کے ظلم و ستم
سے عاجز و بے بس ہو گئے، مگر وہ وقت آ ہی گیا جو صبر کا نتیجہ کہلاتا ہے۔ ظلم کو کبھی بھی بقا
نہیں رہی مظلوم کی آہ نے اسی دنیا میں ظالم کو مزہ چکھایا ہے۔ فرعون کی تباہی اور اُن کی
غرقابی نے اُنھیں ہر قسم کے مصائب سے نجات بخشا۔

قرآن حکیم نے اس حقیقت کو صبر کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ بِمَا

صَبَرُوا. (آیۃ د اعراف آیت ۷۳)

اور بنی اسرائیل پر تیرے رب کا نیک وعدہ پورا ہوا اس

وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا۔

باطل کی طاقت کتنی ہی زبردست اور پُرشوکت ہوا انجام اس کا نامِ آدمی اور شکست کے سوا
کچھ نہیں۔ یہ وعدہ اللہ ہمیشہ سے جاری رہی ہے کہ جن قوموں کو ذلیل و حقیر سمجھا گیا ایک دن
ایسا بھی آیا ہے کہ وہی ضعیف و کمزور قومیں زمین کی وارث بنی ہیں اور حکومت و اقتدار اُن کے
ہاتھ میں آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظالم حکمران کا اقتدار ناپائیدار رہا ہے۔

کسی قوم پر کافر و ظالم حکمران کا مسلط ہونا اُس حکمران کی عند اللہ مقبولیت کی علامت

نہیں بلکہ وہ ایک طرح کا عذاب ہے جو محکوم قوم کی بد عملیوں کے باعث پاداشِ عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

أَعْمَأَلْكُمْ غَمًّا لَّكُمْ (الحديث)

تمہارے اعمال خود تمہارے حاکم ہوتے ہیں۔

اخلاقی کمزوری

جب فرعون اور اہل فرعون کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں دُعا کی ”الہاب انھیں سزا دے یہ کسی طرح راہِ راست پر نہیں آتے۔ عذاب کا سلسلہ شروع ہوا یکے بعد دیگرے پانچ عذاب آئے پانی کا طوفان، مڈمی دل، جڑوں کی کثرت، بینڈک کی کثرت، پانی کا خون ہو جانا۔

ہر عذاب کے وقت فرعون اور اسکی قوم درخواست گزار ہوتی اے موسیٰ اگر یہ عذاب ہم پر سے دفع ہو گیا تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور جب وہ دفع ہو جاتا پھر وہی تہرور اور سرکشی کرنے لگتے۔ اس طرح ایک مدت تک انھیں مہلت ملتی رہی اور جب کسی طرح باز نہ آئے آخر کار عذابِ الہی سے غرق کر دیئے گئے۔

یہ ایک انسانی کمزوری ہے جو ازل سے چلی آرہی ہے۔ مصیبت کے وقت انسان پکارنے لگتا ہے کہ اگر یہ ٹل جائے تو وہ پھر اس گناہ کے قریب بھی نہ جائیگا لیکن بہت کم ایسا ہوا ہے کہ انسان اپنے عہد پر قائم رہا ہو، لیکن اسکے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی ڈھیل بڑی دراز ہوتی ہے جس سے انسان دھوکہ میں پڑ جاتا ہے اور جب وہ اُس آخری حد کو پہنچ جاتا ہے جو علمِ الہی میں اُسکی آخری مہلت تھی تو پھر اللہ کی گرفت اُس کا خاتمہ کر دیتی ہے یا پھر اُس نعمت کو ہمیشہ کے لئے چھین لیتی ہے جس کا وہ ناشکر گزار رہا ہے۔ قوم فرعون کی یہ حالت آنے والے انسانوں کے لئے عبرتناک درس ہے۔

عزم و ہمت کی موت

مسلمانوں کے لئے ”غلامی“ یا ”محکومانہ زندگی“ ایک بڑی لعنت اور عذاب ہے اور اس پر قانع ہو کر مطمئن ہو جانا اور اصل عذابِ الہی اور لعنتِ الہی پر قناعت کر لینے کے مرادف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوتِ حق دیتے ہوئے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر اور اُن کو میرے ساتھ کر دے تاکہ میں انہیں یہاں سے نکال لے جاؤں۔

غلامی اور محکومانہ زندگی کے اثرات بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمت و عزم کی روح پست اور مجروح ہو جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہی انسان اس ذلت آمیز زندگی کو نعمت سمجھنے لگتا ہے۔ اس طرح اسکی قوتِ عمل مضاعف ہو جاتی ہے اور وہ قدم قدم پر دوسروں کا سہارا ڈھونڈنے لگتا ہے۔ بنی اسرائیل کی مسلسل غلامانہ زندگی نے انہیں اس قدر پست اور کم ہمت کر دیا تھا کہ اپنے ارضِ مقدس (اصلی وطن) میں داخلہ اور وعدہ نصرت کے باوجود انہوں نے وہ تاریخی جملے کہہ دیے جو صرف غلام قوم ہی کہہ سکتی ہیں۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُمْنَا قَاعِدُونَ۔

اے موسیٰ تم اور تمہارا رب دونوں جا کر اُن سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھتے ہیں۔

در اصل یہی عزم و ہمت کی موت ہے جو اُسی غلامانہ زندگی کا نتیجہ ہے جو محکوم قوموں کا نصیب بن جاتی ہے۔

کمالِ دانائی

سورۃ طہ میں فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ اس طرح درج ہے:-

ہم تیرے رب تیرے رب کی نشانی لے کر آتے ہیں اور سلامتی ہے اُس شخص پر جو راہِ راست کی پیروی کرے۔

ہم کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ عذاب ہے اُس کے لئے جو جھٹلائے اور منہ موڑے۔

فرعون نے کہا اچھا تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟

موسیٰ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو

اُسکی ساخت بخشی ہے پھر اسکو ہدایت کی۔

فرعون نے کہا تو پھر پہلے جو نسلیں گزر چکی ہیں اُن کا کیا

انجام ہوا؟

موسیٰ نے جواب دیا اس کا علم میرے رب کے پاس ایک
نوشتے میں محفوظ ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

(طہ آیات ۵۱ تا ۵۲)

فرعون کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر بات یہی ہے کہ اُس رب کے سوا کوئی دوسرا رب
نہیں تو یہ ہم سب کے باپ و ادا جو نسل در نسل دوسرے ارباب کی بندگی کرتے چلے آئے
ہیں آخر انکے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ سب گمراہ تھے؟ کیا وہ سب
عذاب کے مستحق تھے؟

یہ ایک ایسا جاہلانہ سوال تھا جس کا جواب بروقت دینا کچھ آسان نہ تھا،
اہل حق کی تبلیغ کے خلاف یہ ہتھکنڈہ ہمیشہ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ یہ طرز جاہلوں کو
مشتعل کرنے اور اپنے لئے راہ فراہم کرنے کے لئے بڑا موثر ثابت ہوا ہے۔ اگر حضرت
موسیٰ علیہ السلام کہتے کہ ہاں وہ سب کے سب جاہل گمراہ تھے اور جہنم کا ایندھن
ہوں گے تو چاہے یہ حق گوئی کا بڑا زبردست نمونہ ہوتا مگر یہ جواب اپنی حقانیت کے
باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بجائے فرعون کے مقصد کی تقویت کا سبب بن جاتا
اور قوم بدک کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کٹ جاتی۔ لیکن آنجناب نے کمال دانائی
سے ایسا حکیمانہ جواب دیا جو بجائے خود حق بھی تھا اور فرعون کے جاہلانہ ہتھکنڈے
کا جواب بھی۔

فرمایا وہ لوگ جیسے کچھ بھی تھے اپنا کام کر کے اللہ کے
ہاں جا چکے ہیں، میرے پاس انکے اعمال اور نیتوں کو جاننے کا کوئی
ذریعہ نہیں ہے کہ ان کے بارے میں کوئی حکم لگا دوں، ان کا پورا عمل
اللہ کے ہاں محفوظ ہے اللہ کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور نہ
وہ کسی بات کو بھولتا ہے۔ ان کے ساتھ جو بھی معاملہ خدا کو کرنا ہے اسکو
وہی جانتا ہے۔ (طہ آیت ۶۲)

یہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمال دانائی کہ ایک سوال جاہلانہ کا ایسا جواب حکیمانہ
دیا کہ بجائے خود حق بھی تھا اور ساتھ ساتھ اس نے فرعون کے اُس زہریلے ہتھکنڈے

کو بھی تاتار کر دیا۔ انبیاء کرام کے کلام کا یہی اعجاز ہے جو انہیں اللہ کی جانب سے بہتیا کیا جاتا ہے۔

ظلم کی اعانت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے نادانستہ ایک قبطی (فرعون) کا قتل ہو گیا تھا جس پر انہوں نے اپنے رب سے اس طرح معذرت کی تھی :-
اے میرے رب میں نے اپنے آپ پر ظلم کر ڈالا ہے میری مغفرت فرما دے، اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔ (قصص آیت ۷۱)
(اس معافی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عہد کیا کہ اے میرے رب یہ احسان جو تو نے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ (قصص آیت ۷۱)

یعنی اب میں کسی ظالم کی اعانت نہیں کروں گا اور نہ اس کی پشت پناہی۔
علماء سلف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کو ظالم کی پشت پناہی یا اعانت سے کامل طور پر اجتناب کرنا چاہیے ظالم خواہ فرد ہو یا گروہ ہو یا حکومت و سلطنت۔

مشہور تابعی عطاء بن ابی رباحؒ سے کسی نے عرض کیا کہ میرا بھائی بنی امیہ کی حکومت میں کوفہ کے امیر کا کاتب (سکرٹری) ہے۔ معاملات کے فیصلے کرنا اس کا کام نہیں ہے البتہ جو فیصلے امیر کرتا ہے وہ اس کے قلم سے جاری ہوتے ہیں۔ یہ نوکری وہ نہ کرے تو مفلس ہو جائے گا (مقصد یہ تھا کہ سلاطین بنو امیہ کے امر اور عموماً غلط سلط فیصلے کر دیا کرتے تھے اس سے بعض حقداروں کی حق تلفی ہو جایا کرتی تھی) حضرت عطاءؒ نے جواب میں یہی آیت پڑھی جو عہد موسیٰؑ کہلاتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تیرے بھائی کو چاہیے کہ اپنا قلم پھینک دے رزق دینے والا اللہ ہے۔

اسی طرح ایک اور کاتب نے عامر شعبیؒ سے پوچھا تھا کہ جناب میں احکام لکھ کر جاری کرنے کا ذمہ دار ہوں فیصلے کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوں کیا یہ رزق میرے لئے حلال ہے؟

حضرت عامر شعبیؓ نے جواب دیا کہ اگر حاکم نے کسی بے گناہ کے قتل کا فیصلہ کیا ہو یا کسی کا مال ناحق ضبط کیا ہو؟ یا کسی کے گھر گرانے کا حکم دیا ہو اور وہ تمہارے قلم سے جاری ہو جائے تو کیا یہ درست ہے؟
اسکے بعد امام موصوف نے مذکورہ بالا آیت پڑھی جسے سنتے ہی کاتب نے کہا میں توبہ کرتا ہوں آج کے بعد میرا قلم امراء بنو امیہ کے احکام جاری کرنے میں استعمال نہ ہوگا۔

اسپر حضرت عامرؓ نے فرمایا پھر اللہ بھی تمہیں رزق سے محروم نہ کرے گا۔
روح المعانی میں ایک اور واقعہ درج ہے کہ امیر عبد الرحمن بن مسلم نے حضرت ضحاکؓ کو صرف اس خدمت کے لئے مقرر کرنا چاہا کہ وہ شہر بخارا کے ملازمین کی تنخواہیں جا کر تقسیم کر دیا کریں۔ مگر انھوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ ان کے دوست نے کہا ضحاک تم کو کیا ہو گیا آخر اسمیں کیا حرج ہے؟ حضرت ضحاکؓ نے جواب دیا کہ میں ظالموں کے کسی کام میں بھی مددگار بننا نہیں چاہتا۔

آمام ابو ضیفہؓ کا یہ واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے کہ انھوں نے عباسی دور کے خلیفہ منصور عباسی کے ایک فوجی انصر حسن بن قحطبہؓ کو ملازمت چھوڑ دینے کی تلقین کی تھی جسپر حسنؓ نے یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا تھا کہ امیر المومنین آج تک میں نے آپ کی حکومت کی حمایت میں جو کچھ بھی کیا ہے یہ اگر اللہ کی راہ میں تھا تو میری بجات کے لئے اتنا کافی ہے لیکن اگر یہ ظلم کی راہ میں صرف ہوا تو میں اپنے نامہ اعمال میں مزید گناہ کا اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر ملازمت سے علیحدہ ہو گئے۔ خلیفہ منصور کے بعض احکام غیر صحیح ہوا کرتے تھے ظلم کی حمایت خواہ کسی بھی شکل میں ہو آخرت کا بڑا خسارہ پیدا کر دیتی ہو۔
اللہم احفظنا منہ۔

حیادار لڑکیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہر مدین کی جن دو لڑکیوں کی خدمت انجام دی تھی اور پھر ان لڑکیوں نے اپنے باپ سے سارا واقعہ بیان کیا، بوڑھے باپ نے اپنی لڑکی کو دوبارہ بھیجا کہ اس اجنبی مسافر کو لے آؤ۔

لڑکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بوڑھے باپ کا جو پیغام پہنچایا
قرآن حکیم نے اُسکی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے:-

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَتَشَتَّى عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ
إِنَّ أَبْنَىٰ يَدْعُوكَ لِجُزْءٍ أَجْدَمَ مَا سَقَيْتَ لَنَا. الخ

(قصص آیت ۷۵)

دکچھ دیر نہ گزری کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک
شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اُن کے پاس آئی کہنے لگی میرے والد
آپ کو بلارہے ہیں تاکہ آپ کو بدلہ دیں اُس خدمت کا جو آپ نے ہمارے
بکریوں کو سیراب کیا ہے۔

بات شرم و حیا کی اس لئے تھی کہ ایک اجنبی مرد کے پاس اکیلے آئی تھی اگر گھر میں کوئی
خادم ہوتا تو اسکی نوبت ہی نہ آتی۔

حضرت عمرؓ نے اس آیت کی تفسیر بیان کی ہے:-

جَاءَتْ تَتَشَتَّى عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ بِشَوْبِهَا عَلَى
وَجْهِهَا لَيْسَتْ بِسَلَمٍ مِنَ النِّسَاءِ دَلَاجَةً وَلَا جَةً خَرَجَةً.

(ابن جریر، ابن ابی حاتم)

وہ شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اپنا چہرہ گھونگھٹ میں
چھپائے ہوئے آئی، اُن بیباک عورتوں کی طرح دندنا تے چلی نہیں آئی
جو ہر طرف نکل جاتی اور ہر جگہ گھس جاتی ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حیا داری کا تصور کتنا قدیم اور شرفار کی خاص علامت
رہا ہے۔ صحابہ کرام کے عہد میں بھی یہ تصور جو قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی تعلیم و تربیت سے ان بزرگوں نے جو سمجھا تھا وہ یہی تھا کہ عورتوں کو اجنبیوں کے
سامنے کھلے پھرنا اور گھر سے باہر بے باکانہ چلت پھرت اسلامی حیا داری کے بالکل خلاف
ہے۔ حضرت سیدنا عمرؓ اپنے صاف الفاظ میں چہرہ ڈھانکنے کو حیا کی علامت اور اسے
اجنبی مردوں کے سامنے کھولنے کو بے حیائی قرار دے رہے ہیں۔

شہر مدین کے سردار حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کی یہ غیرت

وحیاداری اونچی اونچی شریف زاویوں کے لئے کتنی سبق آموز ہے۔

اسلامی تہذیب اور فقہی نزاکت

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے جب شہر مدین کے شیخ کبیر

کے ہاں مہمان ہوئے، کچھ دن بعد شیخ کبیر (حضرت شعیب علیہ السلام) نے ان کو اپنا داماد بنانا چاہا اور اسکے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس طرح خطاب کیا:-
 قَالَ إِنِّي دُيِّرُ أَنْ تُكَلِّحَكَ إِحْدَا ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ ۚ

(نقص آیت ۲۷)

باپ نے (موسیٰ سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کروں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کریں۔

آیت بالا کے تحت فقہاء نے لکھا ہے کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہیے کہ اگر کوئی مرد صالح مل جائے تو اس کا انتظار نہ کرے کہ مرد کی طرف سے نکاح کی تحریک ہو بلکہ خود ہی تحریک کر دینا انبیاء کی سنت رہی ہے۔

نیز سیدنا عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد از خود ہی حضرت صدیق اکبرؓ اور اسکے بعد سیدنا عثمانؓ غنیؓ سے ان کے نکاح کی پیش کش کی تھی۔ پھر بعد میں ہر دو صاحبین کی رائے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد (نکاح) میں آئی۔ (قرطبی)

نیز آیت مذکورہ میں لفظ اُنْكِحَكَ جس کا ترجمہ میں آپ کا نکاح کرنا چاہتا ہوں، فقہاء کرام نے ایک لطیف نکتہ بیان کیا ہے کہ لڑکی کے ولی کو نکاح کی معاملت کرنی چاہیے، لڑکی خود معاملت نہ کرے، جیسا کہ مغربی تہذیب کی لڑکیاں خود اپنا معاملہ طے کر لیتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کہیں کسی ضرورت یا مجبوری سے کسی بالغ لڑکی نے اپنا نکاح خود کر لیا تو آیا وہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ کی تحقیق ہے کہ ایسا نکاح درست ہو جاتا ہے۔

بہر حال آیت سے یہ مسئلہ غیر متعلق ہے لیکن اسلامی تہذیب کی نشان دہی

آخرت کی نعمتیں اور زحمتیں

ایک نادر تفسیر

فرعون اور اہل فرعون کو قرآن حکیم نے
”آئمہ جہنم“ قرار دیا ہے۔
وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ

وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنصَرُونَ۔ (قصص آیت ۴۱)

اور ہم نے انہیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنادیا

اور قیامت کے روز وہ کہیں سے مدد نہیں پاسکیں گے۔“

فرعون اور اسکے ارکان سلطنت تو اپنی دانست میں صلاح و فلاح کی طرف دعوت دے رہے تھے لیکن قرآن حکیم نے انہیں ”داعی الی النار“ قرار دیا ہے۔

اکثر مفسرین کرام نے آیت میں استعارہ اور مجاز قرار دیا ہے۔ یعنی النار سے مراد اعمال کفر و شرک ہیں جن کا نتیجہ جہنم کی آگ (النار) ہے، لیکن صوفیہ کے سرخیل محی الدین ابن عربی نے اس کا ایک معنی خیر مطلب بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آخرت کی جزا و سزا (نعمتیں اور زحمتیں) حقیقتاً اعمال ہی ہیں۔ انسان جو عمل دنیا میں کرتا ہے یہاں اُس کا کوئی ٹھوس جسم نہیں ہوتا صرف شکل و صورت ہی ہے لیکن یہی شکل و صورت عالم آخرت میں اپنا جسم اختیار کر لے گا۔ نیک و صالح اعمال جنت کی نعمتیں بن جائیں گے اور بد اعمال کفر و شرک جہنم کے عذاب بن جائیں گے۔

جنت کی نعمتیں اور جہنم کے یہ عذاب دراصل وہی اعمال ہیں جو دنیا میں انسان نے کئے تھے۔ اسلئے جو شخص اس دنیا میں کسی کو کفر و شرک کی دعوت دے رہا ہو وہ حقیقتاً نار جہنم کی دعوت دے رہا ہے۔ اگرچہ اس دنیا میں اُسکی شکل آگ کی نہیں ہے مگر اُسکی حقیقت آگ ہی ہے۔

اس تفسیر پر فرعون اور اعیان فرعون کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ”آئمہ جہنم“

ہیں حقیقت پر محمول ہے مجاز یا استعارہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

ابن عربیؒ کی یہ وضاحت قرآن حکیم کی دیگر آیات سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔

سورہ کہف کی آیت وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۖ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (۲۹)

اور اُن لوگوں نے جو بھی عمل کیا تھا اسکو آخرت میں موجود پایا۔
 يَوْمَ يَبْيَضُ الْوَجْهُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّیُرَدَّ أَعْمَالُهُمْ فَمَنْ
 یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا
 یَرَهُ۔ (الزلزال آیت ۷، ۸، ۹)

اُس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس ہوں گے تاکہ اپنے
 اعمال کو دیکھ لیں (میدان حشر میں ہر ایک کے اعمال دکھلا دیئے جائیں گے)
 سو جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اُسکو دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ
 برابر بدی کی وہ اُسکو دیکھ لے گا۔

یہ آیات بھی اس حقیقت کی طرف نشان دہی کرتی ہیں کہ آخرت میں دنیا کے اپنے اعمال
 کو لوگ دیکھ لیں گے۔ یقیناً اس دنیا میں وہ اعمال اپنا کوئی جسم نہیں رکھتے ہیں لیکن
 آخرت میں وہ ایسے ہو جائیں گے کہ ہر شخص اپنا عمل خود دیکھ سکے گا۔

فیصلہ کن بات

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں جب پہلی مرتبہ
 دعوت رسالت لیکر پہنچے ہیں اس وقت انھیں دو نشانیاں
 دی گئیں جنکو قرآنی زبان میں ”آیات“ اور علم کلام کی زبان میں ”معجزات“ کہا جاتا ہے۔ یہ
 دو نشانیاں اس بات کے ثبوت میں دی گئیں تھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندہ اور
 فرستادہ ہیں جو کائنات کا خالق اور فرماں روا ہے۔

انبیاء کرام نے جب کبھی اپنے گورنر العالمین کا رسول کہہ کر قوم کو دعوت دی ہے
 تو لوگوں نے ان سے یہی مطالبہ کیا ہے کہ اگر وہ سچے ہوں تو کوئی نشانی پیش کریں۔
 فرعون اور اہل فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی مطالبہ کیا تھا
 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکے لئے دو نشان پیش کئے جس کا تذکرہ اس آیت میں
 آیا ہے:-

فَالْقَصَصُ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ وَنَزَعْنَا يَدَ إِدْرِيسَ
 بِصُفَاهِ النَّظِيرِينَ۔ (اعراف آیت ۱۰۷، ۱۰۸)

پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک جیتا جاگتا اڑ دیا

تھا۔ اور اپنی گریباں سے ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

ایسے نشانات یا معجزات عام قوانین فطرت کے خلاف تو ہوتے ہیں لیکن فطرت کے خلاف نہیں ہوتے۔ البتہ خارقِ عادت ہوتی ہیں یعنی عام واقعات سے اس کا تعلق نہیں ہوتا جو لوگ معجزات کے قائل نہیں ہیں اُن کی خدمت میں فیصلہ کن سوال صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کو ایک قانون کے مطابق چلا دینے کے بعد کیا معطل ہو چکا ہے اور کیا اب اس چلتے ہوئے نظام میں کبھی کسی موقع پر کوئی مداخلت یا تبدیلی نہیں کر سکتا؟ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ ہاں وہ معطل ہو چکا ہے تو پھر ایسے لوگوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ وہ کائنات کے قادرِ مطلق کے علاوہ کس اور خدا کا تصور رکھتے ہیں ان سے ہماری بحث نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایک ایسے فعال، مقتدر، مدبر اللہ کا اعتقاد رکھتے ہیں جس کا تعارف قرآن حکیم کی بے شمار آیات پیش کرتی ہیں تو پھر اُن کے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل نہیں ہے کہ جو اللہ نظام کائنات کو ایک قانون پر چلانے کے بعد ہر آن اُس پر باخبر ہے اور ہر وقت اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اشیاء کی شکلوں اور واقعات کی مقررہ رفتار میں جزئی طور پر یا کلی طور پر جیسا چاہے تغیر کر دے تو ایسے حضرات کے لئے معجزات کو سمجھنا اور تسلیم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ظاہر ہے جب آپ کا یہ اعتقاد ہو گا کہ اثر دے جس طرح پیدا ہوا کرتے ہیں وہ اُسی طرح پیدا ہو سکتے ہیں اُس کے سوا کسی اور ڈھنگ پر کوئی اثر دھا پیدا کر دینا اللہ کی قدرت سے باہر ہے تو پھر آپ نے ایک ایسے خدا کا تصور اپنے ذہن میں رکھا ہے جو ایک حد پر عاجز و بے بس بھی ہو جاتا ہے۔ یقیناً یہ تصور رب العالمین کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔

لیکن اس کے برعکس آپ کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ وہ ہے جو بے جان مادے میں زندگی پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہے جب چاہے جیسی چاہے صورت عطا کر سکتا ہے تو ایسے اللہ کے حکم سے لامٹی کا اثر دھا بن جانا کیا مشکل

اور ناقابل فہم ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ معجزات کا تعلق ”خدائی اقتدار“ سے متعلق ہے
بحث معجزات کے تسلیم کرنے نہ کرنے میں نہیں ہے بلکہ اللہ عظیم کی
صفت اقتدار کے ماننے یا نہ ماننے سے متعلق ہے۔

عظیم انقلاب اور دلیل راہ | حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونی ساحروں کے مقابلہ کا انجام قرآن حکیم نے

یہ ظاہر کیا ہے :- وَأُلْقِيَ التَّحَرَّةُ سَاجِدِينَ . قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ
الْعَالَمِينَ . رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ . الخ

(اعراف آیت ۱۲۰ تا ۱۲۶)

اور جادو گر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے ہم رب العالمین

پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

ساحروں کا ایمان لانا کسی سازش کا نہیں بلکہ سچے اعتراف کا نتیجہ تھا۔ فرعون نے اس کو
مکر و فریب اور سازش قرار دے کر یہ دھمکی دی کہ میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف
سمتوں سے کٹوا دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

ساحروں نے جواب دیا بہر حال ہمیں لوٹنا تو اپنے رب ہی کی طرف ہے (اپنی
طبعی موت نہ سہی اس طرح حضور رب میں پہنچ جائیں گے) تو جس بات پر ہم سے انتقام
لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے
آئیں تو ہم نے انہیں مان لیا۔

اے رب ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دُنیا سے اٹھا تو اس

حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔“

یہ تھا جواب ساحروں کا جو ابھی چند لمحوں پہلے اپنے آقا و مولیٰ فرعون کے عزت و جلال
کی قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ ہم ہی غالب ہوں گے اور سرکاری مذہب کی نصرت و حمایت
کے صلہ میں فرعون سے پوچھ رہے تھے کہ سرکار! اگر ہم آپ کے دین کو موسیٰ کے حملہ
سے بچالے جائیں تو ہمیں کیا انعام ملے گا ؟

ان ہی لمحات میں ایمان کی جو روشنی ملی تو جاوگروں کی سیرت میں کتنا عظیم انقلاب آگیا، نعمتِ ایمان نصیب ہوئی انکی حق پرستی اور اولوالعزمی اس حد کو پہنچ گئی کہ فرعون کی جھوٹی کبریائی کو ٹھوکر مارتے ہوئے اُس کے بدترین سزاؤں کو بھگتنے کے لئے تیار ہیں جسکی وہ دھکی دے رہا تھا مگر اُس حق کو چھوڑنے کے لئے قطعاً تیار نہیں جس کی صداقت ان پر کھل چکی ہے۔

ان ساحروں کا مندرجہ ذیل کلمہ قیامت تک کے لئے حق پرستوں کا وسیلہ را قرار پایا :-

فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

(طہ آیت ۷۲)

تجھ کو جو کرنا ہے وہ کر گزر تو زیادہ سے زیادہ بس اسی دنیا کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے۔

قبر کی زندگی | فرعون اور آل فرعون کا آخری انجام اس طرح بیان کیا گیا :-

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ

أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ - (المومن آیت ۴۶)

”دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔“

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت کی تفسیر یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ آل فرعون کی رو میں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا اصلی ٹھکانہ یہی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق مظہری)

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے :- جب تم میں کوئی مر جاتا ہے تو عالم برزخ (قبر کی زندگی) میں صبح و شام اُس کو وہ مقام دکھایا جاتا ہے جہاں قیامت کے حساب کے

بعد اُس کو پہنچنا ہے اور یہ مقام دکھلا کر اُس سے کہا جاتا ہے کہ آخر کار تجھے یہاں پہنچنا ہے۔ اگر یہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو اس کا مقام جنت اسکو دکھلایا جائے گا اور اگر اہل جہنم میں سے ہے تو اُس کا مقام جہنم اسکو دکھلایا جائے گا۔“

آیت مذکورہ بھی عذاب قبر کا واضح ثبوت ہے جس کا بکثرت ذکر احادیث میں آیا ہے اس لئے اس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ قبر کی زندگی بھی ایک حقیقت ہے ایسے ہی جیسا کہ عالم حشر، جنت، جہنم وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ یہاں واضح الفاظ میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہے ہیں ایک ایسا عذاب جو قیامت آنے سے پہلے فرعون اور آل فرعون کو دیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُنہیں صبح و شام دو زخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ دیکھ کر وہ سخت کرب و بے چینی میں مبتلا ہیں اور جن کا وہ دائمی ٹھکانہ قرار پائے گا۔ عذاب کا دوسرا مرحلہ وہ ہوگا جب قیامت آجائیگی تو اُنہیں اور مجرموں کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا جو اُن کی اصلی اور دائمی بدترین زندگی ہوگی۔ قرآن حکیم نے اس درمیانی زندگی کو جو موت کے بعد حشر سے پہلے ہوگی ”برزخ“ کے نام سے یاد کیا ہے اسی کو قبر کی زندگی بھی کہا جاتا ہے جسکی مزید وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے :-

قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے

گڑھوں میں کا ایک گڑھا۔ (المحدث)

وَمِنْ ذَرَأِهِمْ بَرَزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔ (مومنون آیت ۱۰۰)

اور اُن کے پیچھے ایک پردہ (آڑ) ہے اُس دن تک جس دن

وہ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔ (اس آڑ سے یہی قبر کی زندگی (برزخ)

مراد ہے۔

جہنم کے رہنما

فرعون کے اخروی تذکرے میں خصوصیت کے ساتھ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی

قیامت میں اپنے مریدوں کو جہنم کی جانب لیتا جائے گا۔

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْدَحَهُمُ الشَّعْرَ وَ
يُسَّ الْيُزْدُ الْمَوْرُودُ ۝۱۰ (ہود آیت ۹۸، ۹۹)

قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر اپنی پیشوائی میں، اُن کو دوزخ میں جا اُتارے گا اور بُری ہے وہ جگہ اُترنے کی جہاں یہ اُتارے جائیں گے۔

اور اس دنیا میں بھی لعنت اُن کے ساتھ رہی اور قیامت کے

دن بھی پڑے گی۔ کیسا بُرا صلہ ہے یہ جو ان کو دیا گیا۔

قرآن حکیم کی اس آیت اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کسی قوم یا جماعت کے رہنما ہوتے ہیں وہی قیامت کے دن بھی اُن کے رہنما ہوں گے۔

جن لوگوں نے دنیا میں حق کی دعوت دی اور اُسی کی رہنمائی کرتے رہے تو جن جن لوگوں نے اُن کی پیروی کی اور اُن کا ساتھ دیا وہ آخرت میں بھی انہی کے ساتھ ہوں گے اور اُن کے یہ رہنما آخرت کے بھی رہنما ہوں گے اور اپنے ان رہنماؤں کی سرکردگی میں جنت کی طرف رواں دواں ہوں گے۔

اور جو لوگ دنیا کی زندگی میں کفر و شرک، فسق و فجور یا گمراہی کی طرف لوگوں کو ترغیب دیا کرتے تھے اور اُسی کی رہنمائی میں زندگی بسر کرتے تھے تو جو لوگ یہاں ان کی پیروی کر رہے ہیں وہ آخرت میں بھی اُن کے پیچھے ہوں گے اور انہی کی سرپرستی میں جہنم رسید ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے اس حقیقت کی مزید توضیح ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا

”قیامت کے دن جاہلیت کی شاعری کا جھنڈا عرب جاہلیت کے

مشہور شاعر امرؤ القیس کے ہاتھ میں ہوگا اور عرب جاہلیت کے تمام

شعرا اسی کی پیشوائی میں جہنم کی راہ لیں گے۔“

اور یہ ظاہر ہے کہ جن رہنماؤں نے دنیا میں لوگوں کو گمراہ کیا اور حق کی راہ سے ہٹایا اُن کے پیرو جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ یہ ظالم ہم کو کس خوفناک انجام کی طرف کھینچ لائے

ہیں تو وہ اپنی ساری مصیبتوں کا ذمہ دار انہی کو قرار دیں گے اور اُن کا یہ جلوس اس شان سے دوزخ کی جانب رواں ہو گا کہ آگے آگے تو وہ گمراہ رہنا ہوں گے اور پیچھے پیچھے اُن کے ان مریدوں کا ہجوم ہو گا جو ان پر لعنتیں برساتا ہوا جا رہا ہو گا۔
قرآن حکیم نے سچائی پر چلنے والوں اور حق کا ساتھ دینے والوں کا تذکرہ بھی بڑی شان سے کیا ہے :-

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأُورِثْكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسَنَ أَجَلٍ لَّكَ سَافِقًا. (سورہ نساء آیت ۶۹)

”اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے لوگ بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔“

حقیقت یا تاویل

بنی اسرائیل نے جب تورات کو قبول کرنے میں پس و پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سروں پر کوہ طور کو اٹھوا کر معلق کر دیا اور اُن سے کہا گیا کہ تورات کو قبول کرو ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائیگا۔ بنی اسرائیل اس وقت مارے دہشت کے سجدے میں گر پڑے اور قبولیت کا اعتراف کیا۔

سورہ بقرہ اور سورہ اعراف کی دونوں آیات سے یہ واقعہ ثابت ہے۔

کسی پہاڑ کا جڑ سے اکھڑ کر فضا میں معلق ہو جانا نہ عقلاً محال ہے نہ قانون قدرت کے منافی ہے البتہ عجیب و حیرت زدہ ضرور ہے۔ خاص طور پر جب بطور معجزہ کے ایسا عمل واقع ہو تو اس پر تعجب و حیرت بھی غلط ہے کیونکہ آیت اللہ کے معنی یہی ہیں کہ وہ عام اسباب سے ہٹ کر امر الہی کے تحت صادر ہوتا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ آیات کے ظاہری معنی کو بغیر کسی مجبوری کے تاویل کے ذریعہ تمثیلی قرار دیا جائے۔

وَاِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَفَعْنَا قَوْلَكُمُ الطُّورَ

(بقرہ آیت ۶۲)

اور جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا کہ تورات پر عمل

کریں گے، اور ہم نے کوہ طور کو اٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا۔ اَلَمْ
وَلَاذُنْتُنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّا ظِلَّةٌۢ اَلَمْ

(اعراف آیت ۱۷۱)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر
چھت کی طرح اُن کے اوپر معلق کر دیا اور اُن کو یقین ہو گیا کہ وہ پہاڑ
اُن پر اب گرنے والا ہے۔

پہلی آیت میں رفع کے معنی بلند ہونا، اونچا ہونا کے ہیں لیکن اس کے بعد لفظ فوق (اوپر) کا
لفظ اس کے ساتھ محض تاکید کے لئے تو نہیں آتا بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ پہاڑ واقعی طور پر اُن کے
اوپر آگیا تھا۔ اسی طرح نثاق کے معنی حرکت میں آنا، زلزلہ آنا، جڑے اکھڑنا، تینوں معنی میں
آتا ہے اسکے بعد بھی فَوْقَهُمْ فوق کا لفظ آیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پہاڑ جڑے
اکھڑ کر اُن کے اوپر آگیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے نَثَقْنَا کی تفسیر رَفَعْنَا سے ادا کی ہے۔
الغرض قدیم مفسرین نے اس واقعہ کو حقیقت پر محمول کیا ہے مجاز یا تمثیل نہیں
جیسا کہ بعض کو شبہ ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں جبر و اکراہ کے کام لیا گیا جو
دین میں جائز نہیں ہے اور غالباً اسی شبہ کی وجہ سے بعض اہل علم نے یہاں حقیقی رفع مراد
نہیں لیا ہے۔

لیکن یہ شبہ کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتا اگر غور سے کام لیا جائے تو اکراہ اور تثبیت
میں فرق ہے۔

اکراہ جبر و زیادتی کو کہا جاتا ہے اور تثبیت ثابت قدمی اور مضبوطی کے معنی میں
آتا ہے۔ کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر کبھی مجبور نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ یہ اکراہ ہے لیکن
جو شخص مسلمان ہو کر اسلامی عہد و پیمان کا پابند ہو گیا اسکے بعد اگر وہ احکام اسلامی کی خلاف
ورزی کرنے لگے تو اس پر یقیناً جبر کیا جائیگا۔ کیونکہ یہ ثابت قدمی و خلاف ہے اور خلاف ورزی
کی صورت میں سخت سے سخت سزا بھی دی جائیگی جیسا کہ اسلامی تعزیرات میں بہت سی
سزائیں مقرر ہیں۔

اطاعت قبول کرنے کے بعد بغاوت کرنا برداشت نہیں کیا جاتا جیسا کہ باغیوں
کی سزا قتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں بھی مرتد کی سزا قتل تجویز کی گئی ہے اور کافر

کی سزا قتل نہیں ہے۔ الغرض لَا كُذَّاهُ فِي الْيَذِينَ کا تعلق غیر مسلموں سے ہے کہ ان کو جبر و طاقت سے مسلمان نہیں بنایا جائیگا اور بنی اسرائیل کے اس واقعہ میں اُنپر پہاڑ کو معلق کر کے اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ لوگ مسلمان تھے عہد و پیمان کر چکے تھے اسکے باوجود تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے اس لئے اُنپر جبر و اکراہ سے کام لیا گیا جسکی ضرورت تھی۔ لہذا جن اہل علم نے رفع طور کو محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کیا ہے ہم اس تاویل کو صحیح نہیں سمجھتے۔ قرآن اور حدیث دونوں اسکو بالکل ایک واقعہ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اسکو محض ایک تمثیلی واقعہ قرار دیا جائے بلکہ یہ واقعہ بالکل اُسی طرح پیش آیا جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آتے ہیں۔ اور یہی کیا ہے؟ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ ایسے بہت سے حوادث رکھتی ہے۔ کس کس کی تاویل کی جائیگی؟ حقیقت یہ ہے کہ قوانین فطرت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایسے اشکال پیدا ہو جاتے ہیں اور معجزات تو قوانین فطرت ہی کی ایک خاص قسم ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اس کو بھی بعید از امکان قرار دیتا ہے تو یہ اس کے دائرہ فکر کی تنگی کا ثبوت ہے یا پھر الحاد و بے دینی کے مرض کا شکار ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَّشَاءُ۔

حیاتِ حضر اور مسائلِ گانہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مجمع البحرین پر جس بندے سے ملاقات ہوئی قرآن حکیم نے اُن کا اسم گرامی ظاہر نہیں کیا ہے بلکہ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کہا ہے۔ البتہ صحیح بخاری کی تفصیل حدیث میں اُن کا نام حضرت ظاہر کیا گیا ہے (حضرت

کے معنی سرسبز و شاداب کے ہیں) اہل تفسیر جن میں امام بخاری بھی شامل ہیں۔ (قصص الانبیاء ابن کثیرؒ) نے اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ جس جگہ بیٹھ جاتے تو وہاں سرسبز گھاس اُگ جاتی تھی اور زمین سرسبز ہو جاتی۔ قرآن حکیم نے یہ بھی واضح نہیں کیا ہے کہ وہ دیگر انبیاء کرام کی طرح کوئی نبی تھے یا رسول؟

اس سلسلہ میں تین باتیں تفصیل طلب ہیں:-

(۱) حضرت نام ہے یا لقب (۲) وہ ولی ہیں یا نبی و رسول (۳) انہیں حیات ابدی

حاصل ہے یا وفات یا جحکے؟

اہل تفسیر کی کتابوں میں ان سوالات کے جوابات میں بہت سے اقوال ہیں اور اس بارے میں چھوٹی بڑی کتابیں اور مضامین کثرت سے لکھے گئے ہیں جن کا خلاصہ تقریباً یہی ہے کہ

(۱) پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ خضر نام ہے لیکن اکثر اہل علم نے اسکو اُن کا لقب بتایا ہے اور نام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بلیا بن ملکان، ایلیا بن ملکان، خضر بن یونس، الیسع میں سے کوئی ایک نام تھا۔

تکملہ محدث ابن عساکر اور امام دارقطنی کی رائے ہے کہ وہ قابیل بن آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ابن قتیبہ نے وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اور بعض دیگر مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اور جن لوگوں نے انہیں فرشتہ کہا ہے نہایت ضعیف قول ہے جسکی تائید نہ مروی روایات کرتی ہیں نہ تاریخ و سیرت کی کتابیں۔ جس قدر بھی روایات ہیں وہ سب کی سب اولاد آدم ہی قرار دیتی ہیں البتہ سلسلہ نسب میں مختلف ہیں۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ فقط عبد صالح (نیک بندے) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے۔ مگر اکثر اہل تفسیر نے انکو ہی قرار دیا ہے۔

(۳) تیسرے سوال کے جواب میں بعض علماء کا خیال ہے کہ اُن کو حیات ابدی

حاصل ہے اور وہ اب تک زندہ ہیں۔ اس بارے میں کثرت سے حکایات اور روایات بھی نقل کی جاتی ہیں جنکی حیثیت تاریخی روایات سے زیادہ اہم نہیں ہے۔

محدثین کی ایک بڑی جماعت کی تحقیق ہے کہ اُن کے لئے حیات ابدی کا ثبوت نہ قرآن حکیم سے ثابت ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے۔ لہذا وہ بھی عام انسانوں کی طرح اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر وفات پا گئے۔ صوفیہ کرام کی ایک بڑی تعداد اُن کے حیات کی قائل ہے اور اس بارے میں وہ حضرات اپنے مشاہدات تک بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت خضر کو دیکھا ہے اور ملاقات بھی کی ہے۔ واللہ اعلم

چونکہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث سے متعلق ہے اور انہی دو ذریعہ سے ہمیں انکا

علم بھی ہوا ہے اس لئے قرآن و حدیث ہی سے اس کا فیصلہ کرنا چاہیے اور یہی عقل و دانش کا بھی تقاضہ ہے۔

ان ہر مسئلہ میں حقیقت یہ ہے کہ پہلی بات کے متعلق قرآن حکیم میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ نہ حضرت خضر کا نام موجود ہے نہ لقب بلکہ قرآن حکیم نے عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کہہ کر ان کا واقعہ بیان کیا ہے۔ البتہ بخاری و مسلم کی صحیح روایات میں ان کا نام خضر بیان کیا گیا ہے۔ لہذا یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ وہ عبد صالح حضرت خضر تھے۔ البتہ اُنکے لقب وغیرہ کی بحث اس سلسلے میں تاریخی روایات اور اقوال اس درجے مختلف ہیں کہ اُن کے ذریعہ کسی نتیجہ پر پہنچنا یقیناً دشوار ہے اور اسکی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔

لہذا ہمارے علم کے لئے اُن کا اتنا تعارف کافی ہے کہ وہ اللہ کے خاص بندوں میں سے ایک بندے تھے جنہیں اللہ نے اپنے علم سے خصوصی طور پر سرفراز کیا تھا۔ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمان تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی خدمت میں چند حقائق کے انکشاف کے لئے روانہ کیا گیا تھا جسکی تفصیل قرآن حکیم نے بیان کی ہے۔

(کہف آیات ۷۱ تا ۸۲)

دوسری بات کے متعلق سے حقیقت سے قریب تر یہی ہے کہ وہ نبی تھے۔ کوئی صاحب کتاب یا صاحب شریعت رسول نہیں تھے۔ قرآن و حدیث میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے کہ وہ کسی قوم کی جانب مبعوث کئے گئے ہوں۔ جیسا کہ دیگر انبیاء کے باریکیں وضاحتیں اور اشارے ملتے ہیں۔ ان کے لئے نبوت کا ثبوت بھی اگرچہ قطعی طور پر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن قرآن حکیم نے اُن کا جس انداز سے ذکر کیا ہے وہ انداز کلام نبیوں پر ہی صادق آتا ہے۔ غیر نبی کے لئے ایسا کوئی عنوان قرآن حکیم نے اختیار نہیں کیا اسلئے حقیقت سے قریب تر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے جنہیں اللہ کی طرف سے وحی (جو صرف انبیاء و رسل ہی کے لئے مخصوص ہے) کی گئی۔ اس کے لئے دو بڑی وجہ قرآن حکیم سے ملتی ہیں:-

وجہ اول۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کا تعارف اس طرح کروایا ہے:-

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا
وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا. (کہف آیت ۶۵)

پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جسکو دی تھی ہم نے
رحمت اپنے پاس سے اور سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔

آیت میں تین لفظ خصوصی طور پر ذکر کئے گئے ہیں ایک اُن کا خاص بندہ ہونا دوسرے اللہ
نے اُنہیں اپنی رحمت خاص سے کچھ حصہ عطا کیا تھا۔ تیسرے اپنے پاس سے اُنہیں علم
خاص دیا۔

یہ انداز کلام اور عنوان خاص قرآن حکیم میں صرف انبیاء کرام کے لئے استعمال
ہوا ہے اور اس عنوان سے ایک خصوصیت نمایاں ہوتی ہے جو عام انسانوں کے لئے
چسپاں نہیں ہوتی۔

ویسے اللہ نے عام انسان کو علم بھی عطا کیا ہے رحمت سے بھی سرفراز کیا ہے
لیکن کسی خاص فرد کے لئے ایسا عنوان نہیں ملتا جیسا کہ اس واقعہ میں اُس بندے
کے لئے اختیار کیا گیا ہے اس لئے حضرت خضر علیہ السلام کا نبی ہونا حقیقت سے
قریب تر ہے۔

دوسری وجہ حضرت خضر علیہ السلام نے قتل ولد کی جو وجہ بیان کی ہے
اس میں یہ صراحت بھی موجود ہے :-

وَمَا فَعَلْتُ مَا عَنِ امْرِئِي. (کہف آیت ۸۲)

یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔

جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وحی الہی کا امر تھا جسکے تحت لڑکا قتل کیا گیا۔ اور یہ واقعہ
ہے کہ کسی بھی مذہب میں کسی عام انسان کو یا ولی کو اسکی اجازت نہیں رہی کہ وہ اپنے
وجدان یا الہام سے کسی کو قتل کرے اور خاص طور پر ہماری اس شریعت میں جسکا ماخذ
یہی قرآن حکیم ہے۔ اس میں کوئی اجازت نہیں ملتی کہ بے گناہ قتل کیا جائے۔ لہذا کسی کا
بے گناہ قتل صرف وحی الہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ رائے، قیاس، وجدان، الہام وغیرہ
سے کچھ مشتبہ جو انب و اوضح ہو سکتے ہیں لیکن قتل جیسا قبیح اور بڑا جرم جائز نہیں ہو سکتا۔
لہذا حضرت خضر علیہ السلام کا آخر میں یہ فرمانا کہ میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیا ہے

واضح دلیل ہے کہ وحی الہی انکو نصیب تھی اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ انسانوں میں صرف انبیاء و رسل ہی کو وحی کی جاتی ہے۔
مسائل سے گناہ میں تیسرا مسئلہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات ابدی سے متعلق ہے۔

اس سلسلے میں تمام اہل تحقیق محدثین و مفسرین کی قطعی رائے ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حیات ابدی حاصل نہیں ہے اور وہ عام انسانوں کی طرح اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر وفات پا گئے۔
قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں ایسی کوئی وضاحت نہیں کہ وہ فرشتوں کی طرح زندہ ہیں اور اپنا مفوضہ کام انجام دیتے ہیں۔ امام بخاری ان کے حیات کے قابل نہیں ہیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس کی تائید کے لئے احادیث بھی نقل کئے ہیں۔ اسی طرح امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں حدیث نقل کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

دیگر ائمہ حدیث سے پوچھا گیا کہ کیا خضر زندہ ہیں؟
تو انھوں نے قرآن حکیم کی اس آیت سے اسکی تردید کی

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (انبیاء آیت ۳۲)

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی

بشر کو حیات ابدی نہیں دی۔

نیز قرآن حکیم نے انبیاء سابقین کی موت کا اعلان کیا ہے :-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ.

(آل عمران آیت ۱۴۴)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول ہی ہیں اُن سے پہلے

بھی رسول گزر چکے ہیں۔

چونکہ حضرت خضر بھی نبی ہیں وہ بھی اس آیت میں شامل ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا تھا کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟
جواب دیا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اُن پر واجب تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی معیت میں غزوات میں شریک ہوتے اور آپ کا ہر طرح تعاون کرتے جیسا کہ صحابہ نے کیا ہے۔
صوفیہ کرام میں سے ایک مشہور بزرگ ابوالفضل مرسیؒ نے بھی انکی وفات کا ذکر کیا ہے۔

مشہور ناقد حدیث ابن الجوزیؒ نے حضرت علی بن موسیٰ رضاؑ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ (قصص الانبیاء ابن کثیرؒ)
نیز قرآن حکیم کی یہ آیت بھی اس نظریہ کی تردید کرتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بقید حیات ہیں:-

فَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَنِيْنَ لَمَّا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ
وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتَتُؤْمِنُنَّ
بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي
قَالُوا أَأَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ
(آل عمران آیت ۸۱)

”اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد و پیمان لیا کہ میں نے جو کچھ تم کو کتاب میں اور علم دیا ہے پھر آئے تمہارے پاس رسول (محمدؐ) جو تصدیق کرنے والا ہے تمہارے پاس والی کتاب کی تو اس رسول پر تم ضرور ایمان لاؤ گے اور اسکی ضرورت مدد کرو گے؛ اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا؟ سب بولے ہم نے اقرار کیا! ارشاد فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں“

اہل تحقیق لکھتے ہیں کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے خواہ وہ نبی ہوں یا ولی تو ان کا فرض تھا کہ وہ علی الاعلان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ پر ایمان لاتے اور تمام غزوات میں آپ کی اعانت کرتے مگر کسی بھی صحیح روایت سے ان باتوں میں کسی ایک بات کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ غزوہ بدر اور حنین وغیرہ میں جبریل امین اور ملائکہ کی آمد اور اعانت تک کی تصریحات قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ لہذا قرآن حکیم کی اس آیت میثاق سے ان کا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی دلیل کا ماخذ یہی آیت بیشاق ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بھی آیت بیشاق کی تفسیر میں یہی مضمون بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی و رسول کو مبعوث کیا ہے مبعوث کرنے سے پہلے اُس سے عہد و پیمان لیا کہ اگر تمہارے زمانے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو تم اُن پر ایمان لاؤ گے اور اُنکی مدد کرو گے، اسی طرح ہر نبی و فات سے قبل اپنی اپنی امت کو یہ تلقین کر گئے ہیں کہ اگر تم لوگ زندہ رہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو تم اُن پر ایمان لانا اور اُن کی ہر طرح نصرت کرنا۔

(ذکرہ البخاری عن ابن عباسؓ)

قرآن حکیم کی ان آیات کے علاوہ بخاری و مسلم کی صحیح روایت بھی اس عقیدہ کی تردید کرتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ و موجود ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کیا تم نے آج رات کچھ دیکھا؟ پھر فرمایا یہ حقیقت ہے کہ آج جو شخص بھی روئے زمین پر موجود ہے ایک صدی گزرنے پر اُن میں سے ایک بھی زمین پر زندہ باقی نہیں رہے گا۔ (بخاری مسلم کتاب الفضائل)

اس حدیث صحیح کی پیشگوئی کے مطابق بھی حضرت خضر علیہ السلام کی حیات ابدی کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکلتی اور نہ اُن کا کوئی استثناء کسی روایت سے ثابت ہے۔ حالانکہ یہ روایت بخاری و مسلم کے علاوہ اور کتب حدیث میں بھی منقول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور محدث ابن القیمؒ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کتب احادیث میں ایک صحیح روایت ایسی موجود نہیں ہے جس سے حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا ثبوت ملتا ہو۔ مشہور مفسر ابن حبانؒ اندلسیؒ نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ امت کا سوا داعظم اس بات کا قائل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے۔

اور حقیقت یہی ہے کہ جس مسئلہ کا تعلق قرآن و حدیث سے ہو اسکو اسی ذریعہ سے حل کرنا چاہیے۔ تاریخی روایات، واقعات، مشاہدات، اقوال مشائخ وغیرہ سے نہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ کوئی قطعی حکم جاری کیا جاسکتا ہے۔

حیاتِ خضر علیہ السلام کے سلسلے میں جتنی بھی روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب کی سب ضعیف، غریب، مرسل، منقطع، موضوع قسم کی ہیں جسکے نقل کرنے والوں کے لئے محدثین نے مجہول، مجروح، متروک، غیر معروف، حتیٰ کہ اسکے بعض راویوں کو کذابین کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

مشہور ناقد الحدیث ابن الجوزیؒ نے اس مضمون پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ”عجالة المنتظر في شرح حال الخضر“ ہے۔ اسمیں وہ ساری روایات جمع کر دی ہیں جو ان کے حیات کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں اور ان سب پر محدثانہ کلام بھی کیا ہے اور ان کا ضعف اور غیر صحیح ہونا ثابت کیا ہے۔

اسی طرح مشہور محدث و مفسر ابن کثیرؒ نے بھی اپنی کتاب ”قصص الانبياء“ میں بھی ان تمام روایات کو نقل کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے اور اکثر روایات موضوع ہیں۔

مزید معلومات اور علمی بحث کے لئے البدایہ و النہایہ ج ۱، ساوح المعانی ج ۱۵، عینی شرح البخاری ج ۱، فتح الباری ج ۱، اصابہ ج ۱ قابل مطالعہ ہیں۔ ان میں وہ ساری تفصیلات موجود ہیں جس کا خلاصہ ہم نے سطور بالا میں لکھا ہے۔

البتہ ایک روایت امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ایک اجنبی شخص آئے اور صحابہ کرام کو ان کلمات سے تسلی دی :-

”اللہ کی بارگاہ میں صبر ہی ہر مصیبت کا عوض اور ہر فوت ہونے والی شئی کا بدلہ ہے، اللہ ہی پر بھروسہ کرو اور اُسی کی طرف رجوع ہو کیونکہ محروم وہ شخص ہے جو مصیبت کے ثواب سے محروم ہو جائے۔“

یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ امام بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ مسند شافعی کی اس روایت میں قاسم بن عبد اللہ العمري متروک الحدیث ہے۔

امام احمدؒ اور یحییٰ بن معین جیسے ناقدین حدیث نے کہا کہ یہ شخص جھوٹا تھا۔ امام احمدؒ نے یہ بھی کہا کہ احادیث گھڑ لیا کرتا تھا۔

روایت بیہقی میں عباد بن عبد الصمد راوی کے بارے میں خود بیہقی فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔

ابن حبانؒ اور عقیلیؒ لکھتے ہیں کہ اسکی روایات اکثر موضوع ہوتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتمؒ نے کہا کہ یہ نہایت ضعیف الحدیث ہے۔ ابن عدیؒ نے کہا کہ یہ غالی قسم کا شیعی مسلمان تھا حضرت علیؓ کی شان میں احادیث گھڑتا تھا۔ الغرض حیات خضر علیہ السلام کے بارے میں جسقدر بھی روایات ہیں ان کا یہی حال ہے کہ یا تو وہ سنداً ضعیف ہیں یا پھر متنناً منکر اور غریب ہیں۔

ابن کثیر نے ساری روایات کو جمع کرنے کے بعد لکھا کہ یہ سب احادیث مرفوعہ ضعیف الاسناد ہیں ان سے کوئی حجت قائم نہیں کی جاسکتی اور نہ دین میں ان کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ (قصص الانبیاء ص ۶۷)

البتہ بخاری و مسلم میں ایک روایت امام زہریؒ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

قیامت کے قریب دجال نکلے گا اور بارہی زمین کا چکر لگائیگا لیکن مدینہ منورہ میں اُس کا داخلہ نہ ہو سکے گا وہ باہر مقیم رہے گا اس کے مقابلہ کے لئے ایک شخص مدینہ منورہ سے نکل کر آئے گا جو اُس زمانے کا سب سے بہترین انسان ہو گا وہ دجال سے مخاطب ہو کر کہیگا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جسکی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

دجال لوگوں سے کہے گا کہ اے لوگو! اگر میں اسکو قتل کر کے دوبارہ زندہ کر دوں تو کیا تم میرے بارے میں پھر بھی شک کرو گے؟ لوگ کہیں گے نہیں! پھر دجال اُس خیر الناس کو قتل کر دے گا اور دوبارہ زندہ بھی کر دے گا، لوگ یقین کر لیں گے، لیکن وہ مقتول کہے گا کہ میں اب پوری بصیرت کے ساتھ شہادت دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جسکی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ پھر دجال اُن کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کریگا لیکن عاجز و بے بس ہو جائیگا اور قتل نہ کر سکیگا۔

”ان خیر الناس“ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگوں نے اس حدیث کی یہی تفسیر کی ہے اور اس سے ثابت کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بقید حیات ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

لیکن اسی روایت کے ایک راوی ابو اسحاق ابراہیم الفقیہ کہتے ہیں کہ یہ معمر کا قول ہے جو اس روایت کو زہری سے نقل کرتے ہیں۔
(قصص الانبیاء ابن کثیر ص ۴۲)

اس حدیث میں رَجُلٌ مِّنْ خَيْرِ النَّاسِ اور دوسری روایت میں شَابٌ مُّسْتَلِيٌّ شَبَابًا، ایک نوجوان جبکی جوانی بھر پور ہوگی کے الفاظ ہیں۔ بعض راویوں نے اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام سمجھا ہے لیکن حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام کی کوئی تصریح نہیں فرمائی۔

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اور بھی بہت سی عجیب و غریب روایات تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں محققین اہل علم کی نگاہ میں سب موضوع اور بے اصل ہیں اور یہودی روایات سے ماخوذ ہیں۔ اسلئے ناقابل اعتماد ہیں۔

مشہور مفسر ابو حیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں متعدد بزرگوں کے واقعات نقل کئے ہیں جن کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے مگر آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے :-

وَالْجَمْعُ مَوْجُودٌ عَلَى أَنَّ مَوَاتٍ (البحر المحیط ص ۱۳ ج ۴)

لیکن جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ وفات پا گئے۔ واللہ اعلم وعلیہ التمسع۔

تذکرہ سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام

سلسلہ نسب و تعارف | حضرت یوشع علیہ السلام کا سلسلہ نسب بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء کرام کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ مورخین نے انہیں اسباط یوسف (اولاد یوسف علیہ السلام) میں شمار کیا ہے اور سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے :-

یوشع بن نون بن فراسیم بن یوسف بن یعقوب بن سیدنا

ابراہیم علیہم السلام۔
قرآن حکیم میں حضرت یوشع علیہ السلام کا نام مذکور نہیں ہے البتہ سورہ کہف میں دو جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق سفر (نوجوان) کا ذکر موجود ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تھے تو اپنے ساتھ بطور رفیق سفر ایک نوجوان کو لے لیا تھا جو حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات تک ہمسفر رہے۔ یہی نوجوان حضرت یوشع ہیں جن کا ذکر ان آیات میں ملتا ہے :-

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاكَ لَا آْبِرُحَ حَتَّىٰ أَبْلُغَ جَمْعَ الْبَحْرَيْنِ

أَوْ أَمْصَىٰ حَقْبًا. الْآيَةُ (کہف آیت ۶۱)

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اُس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاكَ اِنْتَ غَدَا عَنَّا الْخ (کہف آیت ۶۲)

پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے

فرمایا ہمارا ناشتہ لاؤ۔

فَتّٰی نوجوان کو کہتے ہیں اور خادم عموماً ایسے ہی رکھے جاتے ہیں۔ یہ خادم جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا رفیق سفر بنایا تھا بخاری کی روایت کے مطابق ان کا نام یوشع بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابی بن کعبؓ سے منقول ہے۔ اس لحاظ سے حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن حکیم میں آ جاتا ہے۔ اس وجہ سے اکثر مفسرین نے ان نوجوان کا نام یہی بیان کیا ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے خادم تھے اور حضرت ہارون و حضرت موسیٰ علیہما السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ کتاب تورات میں بھی حضرت یوشع (یشوع) کا بکثرت ذکر موجود ہے۔ اہل کتاب انکی نبوت پر اتفاق رکھتے ہیں مفسرین کی ایک بڑی جماعت بھی ان کو نبی قرار دیتی ہے اور یہی اسلامی مؤرخین کی بھی تحقیق ہے۔

اور بعض دیگر مفسرین کرام کی رائے کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا تو اس سے پہلے ارض مقدس کے جابر و ظالم لوگوں کی تحقیق حال کے لئے جن دو شخصوں کو روانہ کیا تھا ان میں ایک یہی حضرت یوشع علیہ السلام ہیں جنہوں نے آکر یہ بیان کیا تھا کہ قوم اگرچہ زبردست ڈیل ڈول کی ہے لیکن ان کے دل کمزور اور بے قوت ہیں، مقابلہ ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ (مزید تفصیل تذکرہ سیدنا موسیٰ میں آچکی ہے) چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے چالیس سال بعد انہی کی قیادت میں بنی اسرائیل اپنے آبائی وطن ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہوئے اور جہاد کرتے کرتے کنعان، شام، اردن سے تمام ظالم طاقتوں کو نکال باہر کیا۔

ارض مقدس کی بازیابی | حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی رہنمائی حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ آئی، انہی کی قیادت میں بنی اسرائیل نے چالیس سالہ زندگی گزاری، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لیکر اپنے آبائی وطن میں قیام کریں اور وہاں قوم عمالقہ اور دوسری ظالم قوموں سے جہاد کریں اور اپنا آبائی وطن حاصل کریں۔ تورات میں بھی

اس کا ذکر موجود ہے۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بھی خوشخبری دی۔ سب کے سب وادی تیبہ سے نکل کر ارض کنعان کے سب سے بڑے شہر آریحا کی جانب بڑھے اور سخت مقابلہ کے بعد دشمن کو شکست دی اس کے بعد تمام ارض مقدس پر قابض ہو گئے اور پھر اپنے آبائی وطن کے مالک بنے۔

تورات میں مزید یہ وضاحت ملتی ہے کہ جب بنی اسرائیل جنگ کے لئے تیار ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تابوت سکینہ (خاص صندوق) ان کے ساتھ تھا جس میں عصائے موسیٰ، پیر بن ہارون اور من و سلویٰ کے برتن کے علاوہ دوسری تبرکات بھی تھیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ تم من و سلویٰ کو محفوظ کر لو تاکہ تمہاری آئندہ نسلیں بھی مشاہدہ کر لیں کہ تم پر اللہ کا انعام ہوا تھا۔ یہ صندوق وراثتہ خاندان میں محفوظ چلا آ رہا تھا اور اس کی حفاظت کی جاتی تھی مصائب اور جنگوں میں اس کو ساتھ رکھ کر برکت حاصل کی جاتی تھی۔ قرآن حکیم میں بھی اس تابوت سکینہ کا ذکر موجود ہے۔ طاووت کے قصہ میں اُن کے نبی نے قوم سے کہا تھا کہ طاووت کے بادشاہ مقرر ہونے کی یہ علامت ہے کہ

اُس کے عہد میں وہ صندوق (تابوت سکینہ) تمہارے پاس پہنچ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے سکون قلب کا سامان ہے اور جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں جسکو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے بیشک اسمیں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔ (بقرہ آیت ۲۴۸)

اسکی تفصیل تذکرہ سیدنا داؤد علیہ السلام میں آئیگی) ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی ہی میں ارض مقدس (فلسطین) کی فتح کے لئے حضرت یوشع علیہ السلام کو امیر لشکر نامزد کر دیا تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو انھوں نے بنی اسرائیل کی معیت میں ارض مقدس کو مشرک قوموں سے پاک کیا۔ اس طرح شہر آریحا کی فتح تمام ارض مقدس کی فتح و نصرت کا ذریعہ بنی۔ قرآن حکیم نے یہ وضاحت نہیں کی کہ پہلے کس شہر کو فتح کیا صرف قریہ (شہر) کہہ کر اس کا ذکر کیا ہے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر کہتے ہیں کہ غالباً یہ قریہ بیت المقدس تھا۔

ناسپاسی یا شکر گزاری | اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل پر رحم فرمایا اور شہر

فلسطین میں اُن کا فاتحانہ داخلہ ہوا تو حکم دیا گیا کہ اس مقدس شہر میں مغرور اور متکبرانہ طور پر داخل نہ ہوں بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے خشوع و خضوع کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے داخل ہوں مگر فتح و نصرت کے بعد بنی اسرائیل کی سابقہ فطرت لوٹ آئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مغرور اور متکبرانہ انسانوں کی طرح شہر میں داخل ہوئے، اتراتے، سر بلند کئے ہوئے توبہ و استغفار کے بجائے سو قیانہ الفاظ کہتے ہوئے داخل ہوئے، اس ناپاسی اور خدا فراموشی حالت پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور ایک آسمانی عذاب نے اُنہیں گھیر لیا۔

قرآن حکیم نے اس آسمانی عذاب کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی صرف رَجُزًا مِّنَ السَّمَاءِ (آسمانی عذاب) کہہ کر اپنے غضب کا اظہار کیا ہے۔ امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ آسمانی عذاب طاعون تھا جو اُن کے شہر میں داخل ہونے کے بعد پھوٹ پڑا جس سے بہت بڑی تعداد ہلاک ہو گئی۔ بعض مفسرین نے ہلاک شدہ انسانوں کی تعداد ستر ہزار لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو دو مقام پر قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے:-

قرآنی مضمون

وَإِذْ قُلْنَا اذْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَاْكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ مَرَعًا ۚ (بقرہ آیت ۵۷)

اور جب ہم نے حکم دیا کہ اس شہر میں داخل ہو اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہو کھاؤ پیو اور شہر کے دروازے میں نیاز مندی کے ساتھ جھکتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے داخل ہونا الہی ہماری خطاؤں کو معاف فرما، تو پھر ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور عنقریب نیکوکاروں کو مزید دینگے۔ سو ظالموں نے اُس قول کو جو اُن سے کہا گیا تھا دوسرے قول (سو قیانہ) میں بدل دیا۔ پس ہم نے بھی ظالموں پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے سخت عذاب بھیج دیا۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ ۚ (الباب ۱۲ سجۃ ۱۲) (اعراف آیت ۱۶)

اور جب اُن سے کہا گیا تم اس شہر میں سکونت اختیار کرو اور جس طرح تمہارا چاہیے کھاؤ پیو اور یہ کہتے ہوئے شہر میں داخل ہو خدایا

ہماری خطاؤں کو معاف فرما، اور شہر میں عاجزی کے ساتھ ٹھکے ہوئے داخل ہو تو ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور غنقریب نیکو کاروں کو مزید دیں گے۔ پس ظالموں نے اُس قول کو جو انہیں بتایا گیا تھا دوسرے قول سے بدل دیا سو ہم نے اُن پر آسمان سے عذاب نازل کر دیا ان کے ظالم ہونے کی وجہ سے۔

بخاری کی ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل نے ”حِطَّتْ“ (معاف فرما) کی جگہ ”حَبَّتْ“ (مٹی شعلہ) (ہم کو محفوظ غلے کی ضرورت ہے) کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے سرینوں کو ابھارتے اُن کے بل پر ملکتے ہوئے داخل ہو رہے تھے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے سچے اور نیک بندوں اور شکبر انسانوں کے درمیان ایک امتیاز کر دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے اپنی ذاتی سر بلندی کیلئے نہیں لڑتے بلکہ زمین سے شرک و کفر ظلم و فساد کو مٹانے کے لئے جنگ کرتے ہیں اور جب غلبہ پاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے ہیں اور نیاز مندی اور سجدہ ریزی سے شکر ادا کرتے ہیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تواضع و انکساری کی یہ کیفیت تھی کہ اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے اس قدر ٹھکے جا رہے تھے کہ ریش مبارک کجاوے کے سرے سے مس کر جاتی تھی اور جب حرم شریف میں داخل ہوئے تو بارگاہ الہی میں آٹھ رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔

یہی حال صحابہ کرام کا تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر جب بیت المقدس فتح ہوا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھ پر ایران فتح ہوا تو حرم قدس اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوتے ہی سجدہ ریز ہو کر نماز شکرانہ ادا کی۔

نتائج وعبر

اعترافِ نعمت

حضرت یوشع علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے مذکورہ واقعہ میں جو بات قابل توجہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جب کسی انسان کو مصیبت یا کسی آزمائش سے نجات ملے اور وہ کامیاب ہو کر فائز المرام ہو تو غرور و نخوت سے یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ کامیابی میری اپنی استعداد اور قابلیت کا نتیجہ ہے بلکہ وہ اللہ واحد کا شکر گزار بنے اور اپنے عجز و بندگی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کو فضل الہی قرار دے۔ ایسے عمل پر اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت یہ چلی آرہی ہے کہ اس نعمت کو محفوظ کر دیا جاتا ہے اور اس میں مزید اضافہ بھی ہوتا ہے۔

سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ

نیکی کرنے والوں کو مزید دیتے ہیں۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

اگر تم نے نعمت کا شکر ادا کیا تو میں نعمت اور زیادہ کروں گا۔

کفرانِ نعمت

جس فرد یا جماعت پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان کھلی نشانیوں کے ذریعہ ہوا کرتا ہے وہ اگر شکر و اطاعت کے بجائے ناسپاسی اور نافرمانی پر اُترتی ہے تو پھر جلد ہی اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ کا شکار بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اُسکی یہ ناسپاسی اور نافرمانی نعمت کے مشاہدہ اور تجربے کے بعد ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں کفرانِ نعمت اپنی آخری حد پر آ جاتی ہے جو یقیناً سخت سزا کی مستحق ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حُرّاً مِنْ الْمَسَاكِينِ بِمَا كَانُوا يظْلِمُونَ

(اعراف آیت ۱۶۷)

تذکرہ سیدنا حزقیل علیہ السلام

تمہید حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے بکثرت انبیاء تشریف لائے جن کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چلتا رہا۔ ان درمیانی صدیوں میں کتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے اُن کی پوری تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ قرآن حکیم نے اُن میں سے چند ایک انبیاء کا ذکر کیا ہے اور ان میں بھی بعض کا تذکرہ تفصیلی طور پر اور بعض کا اجمالی طور پر اور بعض کا صرف نام ہی مذکور ہے۔ ان پیغمبروں کے درمیان تاریخی ترتیب بھی مختلف فیہ ہے۔ تاہم ابن جریر طبری اور ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ پھر ان کی جانشینی کا لب بن یوحنا کے حصے میں آئی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم بنت عمران کے شوہر تھے۔ ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق یہ بنی اسرائیل کے قائد و رہنما تھے نبی یا رسول نہ تھے۔ اور ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی قیادت کے لئے جس ہستی کو منتخب کیا گیا وہ حضرت حزقیل علیہ السلام ہیں۔ واللہ اعلم

نام و نسب و بعثت تورات کی تصریح کے مطابق وہ بوذی کاہن کے بیٹے ہیں اور ان کا نام حزقی ایل ہے۔ یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے جس کے معنی اللہ کی قدرت کے ہیں۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا تھا ماں کی زیر پرورش رہے۔ اور جس وقت نبوت سے سرفراز ہوئے ماں مہابت نمر وضعیف ہو چکی تھی اسی وجہ سے انکو تورات میں ابن العجوز دُبُرْھیا کا بیٹا کے نام سے یاد کیا گیا۔

کیا گیا ہے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام نے عرصہ دراز تک بنی اسرائیل کی رہنمائی و قیادت کی ہے تاہم ان کا اسم مبارک قرآن حکیم میں موجود نہیں البتہ سورہ بقرہ میں ایک بیان کردہ واقعہ کے متعلق عام مفسرین کا خیال ہے کہ وہ واقعہ انہی سے منسوب ہے۔

سیدنا حزقیل اور قرآن حکیم

کتب تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر صحابہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ کسی زمانے میں بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت سے اُن کے پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام نے فرمایا کہ فلاں دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اللہ کے نام کو بلند کرنے کیلئے جہاد کرو! یہ حکم سنتے ہی پوری جماعت کی جماعت خوف کے مارے، بھاگ کھڑی ہو گئی اور ایک دور دراز علاقہ میں پناہ لی اور اپنے اس عمل سے اُنھوں نے یقین کر لیا کہ اب وہ اپنی موت سے محفوظ ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ حرکت سخت ناپسند آئی اور اُسی علاقہ میں اللہ کا غضب ٹوٹ پڑا اور ہر ایک کو اُسکی موت نے آپکڑا سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

ایک ہفتے کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا اُن پر گزر ہوا دیکھا کہ پوری قوم موت کی آغوش میں چلی گئی ہے۔ ان کی اس حالت پر انھیں نہایت افسوس ہوا اور اللہ کی جناب میں معذرت پیش کی اور دعا مانگی کہ اُن کو موت کے عذاب سے نجات مل جائے تاکہ اُن کی زندگی خود اُن کے لئے اور دوسروں کے لئے عبرت و نصیحت بنے۔

چنانچہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت خاص سے اُن سب کو دوبارہ زندہ کر دیا پھر اُن لوگوں نے عرصہ دراز تک حضرت حزقیل علیہ السلام کی رہنمائی میں زندگی بسر کی۔

حکم جہاد سے فرار کا یہ واقعہ قرآن حکیم میں مختصراً اس طرح مذکور ہے :-

قرآنی مضمون | اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ حَذَّوْنَ الْمَوْتِ اَلَمْ (بقرہ آیت ۲۴۴)

اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈرے
اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے، سو اللہ نے اُن کو (غضب سے)
کہا مر جاؤ (سو اُن پر موت طاری ہو گئی) پھر اللہ نے انہیں زندہ کر دیا۔ بیشک
اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں ادا کرتے۔

جہاد کے خوف سے بھاگ جانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے موت کا عذاب مسلط کر دیا تاکہ اس
واقعہ سے لوگ عبرت حاصل کریں اور ان کے قلوب میں شجاعت و بہادری کا جذبہ پیدا ہو اور
بُزدلی و نامردی سے نفرت پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس مختصر واقعہ کے بعد ہی مسلمانوں
کو جہاد فی سبیل اللہ کا حکم سنایا اور یہ بھی بتلایا کہ خدا کی راہ میں جہاد اور قربانی سے گریز
کرنا زوال و اسخطاط کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کی روگردانی پر ظاہر ہوا۔

جہاد سے فرار کی سب سے بڑی وجہ زندگی سے محبت اور موت کا ڈر
ہے۔ ایک اور جگہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ (ترجمہ) ”موت تم کو
پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں اور برجوں ہی میں کیوں نہ ہو۔“ یہاں اللہ نے
خود ان کو مشاہدہ کرا دیا کہ وہ جس موت کے خوف سے بھاگ کر اور اپنے کو
محفوظ سمجھ کر جس جگہ آئے تھے موت وہاں بھی آکر رہی۔

نتائج و عبرت

حیات بعد الموت دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عام قانون کے مطابق اگرچہ دوبارہ زندگی

نہیں ملتی جو مر چکا وہ دوبارہ زندہ نہیں ہوگا البتہ قیامت میں
دوبارہ زندگی کا واقعہ پیش آئے گا، لیکن اسی عالم میں اللہ تعالیٰ کے قانونِ خاص (قدر اللہ)
کے پیش نظر کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر اگر کسی مردے کو دوبارہ حیات حاصل ہو جائے صرف
ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہوا ہے۔ قوم حزقیل علیہ السلام کا یہ قرآنی واقعہ اس کا واضح ثبوت ہے
اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جو ذات جس شئی کو ترکیب دیتی ہے وہ ترکیب کے بھر جانے کے بعد
دوبارہ اُس کو ترکیب دے سکتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ بھرے اجزاء کی دوبارہ ترکیب

کے ممکن ہونے کے بعد حیات بعد الموت کا انکار کیا جائے جو بعض خاص حالات میں نبی اور رسول کی تصدیق اور تائید کے لئے اسی دنیا میں بصورت معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسکی مزید تفصیل معجزات کی حقیقت میں گزشتہ صفحات پر آچکی ہے۔

اکسیر حیات | جہاد اگرچہ قوم کے بعض افراد کے لئے پیغام موت بن کر اُن کو دنیوی لذائذ سے محروم کر دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ پوری امت اور قوم کے لئے اکسیر حیات ثابت ہوتا ہے اور ملک و ملت کی دوام و بقا کا ذریعہ بنتا ہے اور جو لوگ اس راہ میں کام آجاتے ہیں اُن کے لئے دائمی حیات اور باعزت موت کا باعث ہوتا ہے۔ موت و حیات کا یہی وہ فلسفہ ہے جس نے مسلمانوں کی زندگی کو دوسری قوموں سے اس طرح ممتاز کر دیا کہ اللہ کا نام بلند کرنے والا مسلمان اگر زندہ رہا تو غازی اور مجاہد بنتا ہے اور اگر اس راہ میں کام آجاتا ہے تو شہید کے باعزت نام سے یاد کیا جاتا ہے :-

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَمْوَاتٌ
وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔ (بقرہ آیت ۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ حقیقی حیات تو اُن ہی کو حاصل ہے لیکن تم اسکی حقیقت سے آگاہ نہیں۔

تہوور یا شجاعت | اسلام نے شجاعت کو خُلُقِ حَسَن قرار دیا ہے اور بُزدلی کو نامردی اور عیب شمار کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مسلمان سے گناہ ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں ممکن ہے! پوچھا گیا کیا مومن بُزدل ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا نہیں! (الحديث) حق پر قائم رہتے ہوئے غیر سے بے خوف ہو جانا شجاعت اور بہادری ہے۔ بیجا قوت آزمائی یا بے مقصد ہجوم کرنا شجاعت نہیں تہوور کہلاتا ہے جو انسانی کمالات سے متعلق نہیں ہے۔ سیدنا حزقیل علیہ السلام کے اس واقعہ میں شجاعت اور تہوور کا نمایاں فرق معلوم ہوتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے اور جب دشمن کو دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

تذکرہ سیدنا الیاس علیہ السلام

تمہید | حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد قرآن حکیم میں اُن کے ابتدائی جانشینوں کے نام مذکور نہیں ہیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر دو جگہ آیا ہے مگر ایک جگہ فتیٰ (نوجوان) یعنی صاحب موسیٰ کہہ کر ذکر کیا گیا اور دوسری جگہ سورہ مائدہ میں حضرت یوشع اور کالب بن یوفنا کو رُجلان (دو شخص) کہہ کر ذکر کیا ہے اور حضرت حزقیل علیہ السلام کا ذکر مبارک ایک قصہ کے ضمن میں سمجھا گیا ورنہ آیت میں اُن کے کسی نام یا وصف کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد قرآن حکیم میں سب سے پہلے جس نبی کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے وہ حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔ یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے جانشین اور بنی اسرائیل میں الیاس نبی کے نام سے مشہور ہیں۔

اسم گرامی اور سلسلہ نسب | قرآن حکیم نے ان کا نام الیاس بتایا ہے اور انجیل میں ان کو الیاس نبی کہا گیا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر خیر قرآن حکیم میں صرف دو مقام پر آیا ہے۔ ایک سورہ انعام میں دوسرے سورہ صافات میں۔ سورہ انعام میں تو صرف انبیاء کرام کی ایک فہرست میں آپ کا اسم گرامی موجود ہے اور کوئی واقعہ یا تفصیل موجود نہیں۔ البتہ سورہ صافات میں آپ کی دعوت و تبلیغ کا مختصر تذکرہ ملتا ہے۔

کتب تفسیر میں آپ کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں جن میں بیشتر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت ادریس علیہ السلام ایک ہی رسول کے نام ہیں لیکن اہل تحقیق نے ان اقوال کی تردید کی ہے جسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہما السلام کا تذکرہ جدا جدا کیا ہے اور دونوں کی نوعیت دعوت کو بھی مختلف بیان کیا ہے۔

علاوہ ازیں تمام مؤرخین نے حضرت ادریس علیہ السلام کا جو سلسلہ نسب بیان کیا ہے وہ حضرت الیاس علیہ السلام کے سلسلہ نسب سے بالکل مختلف ہے اور پھر تاریخی لحاظ سے دونوں میں صدیوں کا تفاوت بھی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ البیہ والنہایہ ص ۲۹ پر تمام اقوال نقل کرنے کے بعد صحیح اسی کو قرار دیا ہے کہ دونوں حضرات مستقل رسول ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام سیدنا نوح و سیدنا ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی دور میں مبعوث ہوئے ہیں اور حضرت الیاس علیہ السلام اسرائیلی نبی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے

مؤرخ طبری نقل کرتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت ایسع علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے اور انکی بعثت حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد ہوئی اور یہ کہ حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے:- الیاس بن یاسین بن فحاض بن یعزر بن ہارون (علیہ السلام)

حضرت الیاس علیہ السلام اُردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے۔ اُس وقت ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اس کا نام کتاب بائبل میں آخی آب اور عربی تواریخ میں اُجب یا اُجب مذکور ہے۔

سیدنا الیاس علیہ السلام اور قرآن حکیم

اسکی بیوی بعل نامی ایک بت کی پرستار تھی اور اُس نے ملک میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کروا کر تمام بنی اسرائیل کو بت پرستی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو اسی قوم کی اصلاح و تربیت کیلئے مبعوث کیا تھا۔ دیگر انبیاء کرام کی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید

کشمکش سے دو چار ہونا پڑا۔ ان کی قوم نے بھی ان کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے بھی حضرت الیاس علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا۔ بعض کتب تفسیر میں تفصیل کے ساتھ حالات بیان کئے گئے ہیں۔ خاص طور پر تفسیر منطہری میں علامہ بغوسی کے حوالہ سے تفصیلی تذکرہ موجود ہے جو غالباً اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ دیگر کتب تفسیر میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہ اور کعب احبار کے حوالہ سے بیان کئے گئے ہیں جو اسرائیلی روایات نقل کرنے میں مشہور ہیں۔

ان تمام روایات میں جو قدر مشترک بات ہے وہ یہ کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیلی بادشاہ اخی آب اور اسکی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے منع کر کے اللہ واحد کی دعوت دی مگر دو چار حق پرست انسانوں کے علاوہ کسی نے بھی یہ بات نہ مانی بلکہ آپکو طرح طرح سے پریشان کیا یہاں تک کہ بادشاہ اور اسکی بت پرست بیوی نے آپکو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا، آپ کو جب اسکی اطلاع ملی تو ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی اور ایک عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے۔ اس درمیان ملک پر قحط سالی کا عذاب آیا ساری قوم پریشان ہو گئی اور آپ کو تلاش کرنے لگی تاکہ آپ سے دعا کر دیا کر قحط سالی سے نجات پائیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر غار سے باہر آئے اور شہر کے بادشاہ اخی آب سے ملے اور بتایا کہ یہ عذاب اُس بت پرستی اور شرک کی وجہ سے آیا ہے لہذا تم لوگ اب بھی توبہ کر لو عذاب دور ہو سکتا ہے پھر آپ نے اپنی صداقت و سچائی کے لئے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ بعل نامی بت کے ساڑھے چار سو نبی ہیں جو اُس کی طرف مامور کئے گئے ہیں تم اُن سب کو ایک دن جمع کرو کہ وہ بعل کے نام قربانی پیش کریں اور میں اللہ واحد کے نام قربانی پیش کروں گا جس کی قربانی کو آسمانی آگ اگر جلادے اُس کا دین سچا ہے۔ اس تجویز کو بادشاہ اور اُس کی قوم نے پسند کیا۔ چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا بعل کے جھوٹے نبیوں نے بعل کے نام پر قربانی پیش کی اور دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے مگر کوئی جواب نہ آیا، اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی۔ اس پر آسمان سے ایک آگ نمودار ہوئی اور اُس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو جلا کر خاک کر دیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آئے لیکن بعل کے یہ جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے۔ اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے انھیں وادی

قیثون میں قتل کروادیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش ہوئی اور قحط سالی دور ہو گئی لیکن بادشاہ
اخئی آب اور اسکی بت پرست بیوی اب بھی ایمان نہیں لائے وہ حضرت الیاس علیہ السلام
کے اور بھی زیادہ دشمن ہو گئے اور آپ کو قتل کرنے کی سازش میں پڑ گئے۔ آپ نے پھر
رُپوشی اختیار کی اور کچھ عرصہ کے لئے دوسرے شہر یہودیہ ہجرت کر گئے وہاں بھی بعل
پرستی کی وبا پھیل چکی تھی آپ نے حکمت کے ساتھ اپنی تبلیغ جاری رکھی وہاں کے حاکم
نے بھی آپکی اطاعت سے انکار کیا اور آپ کی پیشگوئی کے مطابق کچھ عرصہ بعد ہلاک ہو گیا۔
پھر آپ دوبارہ اسرائیل تشریف لائے اور پھر یہاں کے بادشاہ اخئی آب اور اُسکے بیٹے
اختریاہ کی ہدایت کے لئے جدوجہد شروع فرمادی مگر وہ بدستور اپنے مذہب پر قائم
رہا۔ آخر کار مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی
حضرت الیاس علیہ السلام کو اُٹھالیا۔

کے تفسیر میں یہ وضاحت نقل ہوتے چلی آرہی ہے کہ حضرت
الیاس علیہ السلام کی قوم جس بُت کی پوجا کرتی تھی اس کا نام بعل تھا
اور وہ سونے کا مجسمہ تھا بیٹ گز اُس کا قد تھا اُسکے چار منہ تھے اُسکی
خدمت کے لئے چار سو خادم مقرر تھے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۳۷)

قرآنی مضمون سورہ صافات میں حضرت الیاس علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر اس طرح

موجود ہے :-

وَلَا نَ الْيَاسَ لِمَنِ الْمُرْسَلِينَ . اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اَسْكَا

تَشْقُونَ . الخ (صافات آیات ۱۲۳ تا ۱۲۷)

اور بلاشبہ الیاس رسولوں میں سے ہیں ۔

وہ وقت قابل ذکر ہے جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم

اللہ سے نہیں ڈرتے ؟

کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے

خالق کو چھوڑ دیتے ہو ۔

اللہ ہی تمہارا اور تمہارے باپ داداؤں کا پروردگار ہے۔
پس اُنھوں نے الیاس کو جھٹلایا تو بے شک وہ لائے جائینگے
پکڑے ہوئے (جہنم میں) بجز اُن کے جو اللہ کے مخلص بندے ہیں۔
اور ہم نے بعد کے لوگوں میں الیاس کا ذکر باقی رکھا۔
الیاس پر سلام ہو۔

بیشک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔
بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

(انعام آیت ۸۴)
اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی ہم نے ہدایت عطا کی۔ یہ سب صالحین میں شمار ہیں۔

نتائج و عبرت

ایک تفسیری نکتہ | سورۃ انعام کے دسویں رکوع میں سلسلہ اٹھارہ انبیاء کرام کے
اسماء گرامی آئے ہیں۔ ان میں حضرت الیاس علیہ السلام کا اسم
گرامی بھی موجود ہے۔ اور آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی کہ یہ سب اللہ
کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ آپ بھی ان کی پیروی کیجئے۔ ان سب کو ہم نے جہان والوں پر
برتری بخشی ہے۔

قرآن حکیم نے اس فہرست میں انبیاء کرام کو تین جُدا جُدا طبقوں میں بیان کیا ہے:-
پہلے طبقے میں حضرت داود، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون علیہم السلام۔

دوسرے طبقے میں حضرت زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس علیہم السلام۔

تیسرے طبقے میں حضرت اسمعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام۔

اس ترتیب کی حکمت میں مفسرین کرام نے مختلف توجیہات لکھی ہیں، لیکن مفسر المنار نے بہت
عمدہ حکمت بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے:-

انبیاء بنی اسرائیل میں خصوصی امتیازات کے پیش نظر تین قسم کی جماعتیں گزری ہیں :-

بعض انبیاء صاحب تخت و تاج اور دولت و ثروت کے مالک تھے

بعض ان کے بالکل برعکس زاہدانہ اور راہبانہ زندگی کے حامل تھے انھیں دولت و ثروت سے تعلق ہی نہیں بلکہ سخت بیزاری تھی۔
تیسرا طبقہ چند انبیاء کرام کا ایسا بھی تھا جو نہ اپنی قوم کے حاکم تھے نہ صاحب دولت و ثروت تھے اور نہ ہی صرف زاہدانہ زندگی کے حامل تھے بلکہ اپنی قوم کے ساتھ متوسط معاش بھی رکھتے تھے نہ وہ محتاج تھے اور نہ صاحب دولت و ثروت۔

قرآن حکیم نے سورۃ العام کے اس دسویں رکوع میں غالباً اسی خصوصی امتیاز کے پیش نظر ان انبیاء کرام کو سلسلہ وار تین طبقوں میں ذکر کیا ہے :-

پہلی فہرست میں حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام جو صاحب حکومت رسول ہیں اور حضرت ایوب و حضرت یوسف علیہما السلام اگرچہ صاحب مملکت نہ تھے لیکن اول الذکر ایک چھوٹی سی ریاست کے مالک تھے اور ثانی الذکر حکومت مصر کے وزیر اور مختار کل تھے۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا اسم گرامی آیا ہے جو نہ صاحب حکومت تھے نہ وزیر مملکت بلکہ اپنی قوم کے پیغمبر اور ان کے سردار تھے (اس حیثیت سے صاحب اقتدار بھی تھے)

دوسری فہرست میں حضرت زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس علیہم السلام کا تذکرہ ہے جو اپنے زہد و قناعت میں مشہور زمانہ ہیں۔ ساری زندگی نہ اپنے لئے مکان بنایا نہ کھانے پینے کا سامان فراہم کیا و نہ بھر تبلیغ حق میں مشغول رہے اور رات کو یاد الہی میں صرف کرتے جب نیند آتی تو ہاتھ کا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو جاتے (التذاکیر)

تیسری فہرست میں حضرت اسمعیل، ایسع، یونس، لوط علیہم السلام

کا ذکر ہے جن کی زندگی درمیانہ حالت کی رہی ہے انہوں نے نہ حکومت
 نہ وسرداری کی اور نہ خالص زہد و قناعت اختیار کیا بلکہ متوسط زندگی سے
 وابستہ رہ کر تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے اور قوم کی خیر خواہی میں اپنی
 زندگی صرف کر دی۔

حیات الیاس علیہ السلام | حضرت خضر علیہ السلام کی طرح حضرت الیاس

علیہ السلام کی حیات کے بارے میں بھی
 مؤرخین اور مفسرین نے تفصیلی بحث کی ہے۔ تفسیر مظہری میں علامہ بغویؒ کے حوالہ سے جو
 طویل روایت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ

حضرت الیاس علیہ السلام کو ایک آتشین گھوڑے پر سوار
 کر کے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی طرح زندہ ہیں۔ (مظہری ج ۸ ص ۱۳۱)
 علامہ سیوطیؒ نے بھی ابن عساکر اور حاکم کے حوالہ سے کسی ایک روایات نقل کی ہیں جس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔

کعب احبارؒ سے ایک روایت منقول ہے کہ چار انبیاء کرام اب تک
 زندہ ہیں دو زمین میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام
 اور دو آسمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام۔
 (درمنثور ج ۵ ص ۲۵۵)

اور بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت
 الیاس علیہم السلام ہر سال رمضان المبارک میں بیت المقدس میں جمع
 ہوتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ (تفسیر قطبی ج ۱۵ ص ۱۱۶)

لیکن مشہور ناقد حدیث حافظ ابن کثیرؒ نے ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیا۔ ان جیسی روایات
 کے بارے میں ان کا اپنا یہ فیصلہ ہے:-

وَهُوَ مِنَ الْأَسْرَائِيلِيَّاتِ الَّتِي لَا تُصَدَّقُ وَلَا تُكَذَّبُ
 بَلِ الظَّاهِرُ أَنَّ صِحَّتَهَا بَعِيدَةٌ ۖ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۳۸)

یہ اُن اسرائیلی روایات میں سے ہیں جنکی نہ تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان روایات کی صحت بعید تر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کعب احبار اور وہب بن منبہ جیسے علماء نے جو اہل کتاب کے علوم کے ماہرین میں سے تھے، اس قسم کی روایات مسلمانوں کے آگے بیان کی ہونگی جس سے حضرت الیاس علیہ السلام کی حیات کا نظریہ مسلمانوں میں پھیل گیا اور نہ قرآن و حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی جس سے ان کی حیات کا عقیدہ قائم کیا جاسکے یا یہ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر اُٹھائے گئے ہوں۔ البتہ ایک روایت مستدرک حاکم میں ملتی ہے جس میں یہ بات مذکور ہے کہ تیوک کی راہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت الیاس علیہ السلام سے ہوئی۔

لیکن اس روایت کو محدثین نے موضوع گھڑی ہوئی، قرار دیا ہے۔ مشہور ناقد حدیث علامہ ذہبیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:-

یہ حدیث موضوع ہے اللہ اُس کا بُرا کرے جس نے یہ حدیث گھڑی ہے اس سے پہلے میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ امام حاکم کی بخبری اس حد تک پہنچ سکتی ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیں۔

(در مشورہ ۵ ص ۲۸۷)

الغرض کسی سند صحیح سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام بقید حیات ہیں۔ لہذا اس معاملہ میں احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور اسرائیلی روایات کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کیا جائے کہ ”اُن کی تصدیق کرو نہ تکذیب“

کیونکہ قرآن حکیم کی تفسیر اور عبرت و نصیحت کا مقصد اس کے بغیر بھی پورا ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔

تذکرہ سیدنا ایسح علیہ السلام

تعارُف حضرت اَیْسَح علیہ السلام بنی اسرائیل پیغمبر ہیں۔ قرآن حکیم میں اور انبیاء کی طرح ان کا کوئی مستقل تذکرہ موجود نہیں البتہ انبیاء کرام کی فہرست میں انکو شمار کیا ہے اور صرف نام کی حد تک تذکرہ موجود ہے۔ اسرائیلی روایات میں بھی آپ کا اسم گرامی ایسح بیان کیا گیا ہے۔ کتب تاریخ میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں شمار کیا ہے :-
الیسح بن عدی بن شوتم بن افراتیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم علیہم السلام۔

بعثت حضرت ایسح علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ بچپن ہی سے آپ کی رفاقت میں رہتے تھے۔ تعلیم و تربیت بھی حضرت الیاس علیہ السلام سے پائی۔ اور جب حضرت الیاس علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے حضرت ایسح علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا۔ آپ نے حضرت الیاس علیہ السلام ہی کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی قیادت فرمائی اور آخر عمر تک یہی خدمت انجام دیتے رہے۔
مزید تفصیلات سے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ ساکت ہیں۔

قرآن حکیم اور سیدنا ایسح قرآن حکیم میں دو مقام پر حضرت ایسح علیہ السلام

کا اسم گرامی ملتا ہے اور صرف ذکر اسم پر اکتفا کیا گیا ہے اور آپ کو انبیاء کرام کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

سورۃ النعام آیت ۸۶ اور سورۃ ص آیت ۴۷۔

وَالْمُعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُونُسَ وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلٰی

الْعَلٰییْنِ۔ (النعام آیت ۸۶)

اور اسمعیل اور الیسع اور یونس اور لوط اور ان سب کو

ہم نے دنیا والوں پر فضیلت عطا کی ہے۔

وَإِذْ کُرِّسَ الْمُعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَذَا الْکِفْلِ وَکُلٌّ مِّنَ

الْأَخْیَارِ۔ (ص آیت ۴۷)

اور یاد کرو اسمعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو اور یہ سب

اچھے لوگوں میں ہیں۔

حضرت الیسع علیہ السلام کی زندگی کا یہ اہم نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام

کی صحبت نے انہیں خلافت اور پھر اس کے بعد نبوت سے سرفراز کیا۔ نیکوں کی صحبت

حصولِ خیر کے لئے نہایت مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ نیکوں کی صحبت کے چند لمحات بسا اوقات

انقلابِ زندگی کا ذریعہ بنے ہیں۔

عارفِ رومیؒ کہتے ہیں :-

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

تذکرہ سیدنا شمسوئیل علیہ السلام

تمہید حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد تقریباً ساڑھے تین سو سال بنی اسرائیل میں نہ کوئی بادشاہ پیدا ہوا نہ پوری قوم کا کوئی ایک سردار تھا۔ خاندانوں اور قبائل میں چھوٹے چھوٹے سردار حکومت کرتے تھے اور ان کے مناقشات و معاملات کے فیصلے مقرر کردہ قاضی انجام دیتے تھے اور موجودہ نبی ان تمام امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے بھی اپنی آخر عمر تک یہی خدمت انجام دی اور قوم کے معاملات اور باہمی مناقشات کے فیصلوں کے لئے قاضیوں کو مقرر کیا تاکہ وہ آئندہ بھی اسی طرح اپنا نظام قائم رکھیں، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قاضی کو منصب نبوت عطا ہو جاتا اور وہ دونوں خدمتیں انجام دیتے تھے۔ چونکہ پوری قوم کا کوئی ایک حکمراں یا سردار نہ ہوتا تھا اس لئے ہمسایہ اقوام ان پر اکثر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں اور بنی اسرائیل ان کا نشانہ بنتے رہتے تھے۔ کبھی قوم عمالقہ چڑھ آتے اور کبھی فلسطین کبھی مدیانی قوم حملہ آور ہوتی تو کبھی آرامی قوم چھا پہ مارتی۔ آئے دن کی اس لوٹ مار، غارت گری سے پوری قوم بنی اسرائیل منتشر اور بے قوت ہو گئی تھی یہاں تک کہ چوتھی صدی موسوی کے آخر جبکہ عیسیٰ کا سن کا دور تھا۔ فلسطینی قوم نے اُن پر زبردست حملہ کیا اور شکست دے کر متبرک صندوق تابوت سکینہ بھی چھین لے گئے جسکی حفاظت بنی اسرائیل صدیوں سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس متبرک صندوق میں تورات کا اصلی نسخہ اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے عصا اور پیرسن اور سن و سلویٰ کا برتن محفوظ تھا۔ فلسطینیوں نے اس صندوق کو اپنے مشہور مندر "بیت وجون" میں رکھ دیا یہ مندر ان کے سب سے بڑے دیوتا "وجون" کے نام سے موسوم تھا۔

اس بُت کا چہرہ انسانی شکل کا اور جسم پھلی کا تھا۔ قصص الانبیاء کے مؤلف بخار مصری کہتے ہیں کہ فلسطین کے مشہور شہر رملہ کے قریب آج بھی ایک بستی بیت دجون کے نام سے پائی جاتی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ تورات میں دجون کے جس مندر کا ذکر ہے وہ یہیں واقع ہوگا اور اسی نسبت سے بستی کا نام ”بیت دجون“ رکھ دیا گیا ہو۔

نام و نسب اعلیٰ کاہن کی وفات کے بعد قضاۃ میں سے ایک قاضی شموئیل کو جو تقویٰ و طہارت میں ممتاز تھے منجانب اللہ منصب نبوت عطا ہوئی اور وہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے مامور ہوئے۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں تفصیل بھی ملتی ہے کہ جب حضرت الیسع علیہ السلام کی وفات ہو گئی اس وقت مصر اور فلسطین کے درمیان بحر روم کے خطہ پر آباد عمالقہ قوم میں جالوت نامی جابر و ظالم حکمران نے بنی اسرائیل کو مغلوب کر کے اُن کی آبادیوں پر قبضہ کر لیا اور ان کے بہت سے سرداروں اور قبیلہ کے معزز لوگوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا اور تورات کو بھی جلا کر رکھ کر دیا۔ بنی اسرائیل کے لئے یہ ایسا نازک دور تھا کہ ان میں نہ کوئی نبی و رسول موجود تھا اور نہ کوئی سردار اور امیر۔ خاندان نبوت میں سے صرف ایک حاملہ عورت کے اور کوئی باقی نہ تھا۔ ایسی بے سروسامانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے قوم پر کرم فرمایا اور اُس خاتون کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شموئیل رکھا گیا اور اس بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کو مقرر کیا گیا۔ شموئیل نے اُن بزرگ سے تورات حفظ کی اور دینی تعلیم حاصل کی۔ جب سنِ رشد کو پہنچے تو تمام بنی اسرائیل میں ممتاز اور نمایاں تھے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور قوم کی رشد و ہدایت پر مامور کیا۔ کسی بھی قوم میں نبی و رسول کا مبعوث ہونا اسکی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوتا ہے اور خدا کی تائید و نصرت اُس نبی کے لئے قابلِ حال ہو جاتی ہے۔ یہاں سے پھر بنی اسرائیل کے عروج و اقبال کا آغاز ہوا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت شموئیل علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے اور سلسلہ نسب یہ ہے :-

شموئیل بن حنہ بن عاقر بن عاقر سے اوپر کی کڑیاں

مذکور نہیں ہیں۔

شموسیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی میں ترجمہ اسمعیل سے کیا جاتا ہے اور کثرت استعمال سے شموئیل ہو گیا۔

طالوت کی حکمرانی

بنی اسرائیل پر قوم عمالقہ کے ظلم و ستم جب زیادہ ہو گئے تو انھوں نے اپنے نبی حضرت شموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہم پر ایک بادشاہ مقرر کر دیں جسکی قیادت میں ظالموں کا مقابلہ کیا جاسکے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ دشمنوں کی لائی ہوئی مصیبت کا خاتمہ کیا جاسکے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام نے ان کے اصرار و مطالبہ پر اپنا یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی بادشاہ مقرر ہو گیا اور تم نے اُسکی مخالفت کی یا اگر وہ جہاد کا حکم دے تو کہیں بُز دل ثابت نہ ہو جاؤ اور جہاد سے انکار کر بیٹھو۔

بنی اسرائیل نے بڑی قوت سے جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم جہاد جیسے مقدس فریضہ کا انکار کر دیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ دشمنوں نے ہم کو بہت زیادہ ذلیل و کمزور کر دیا ہے اور انھوں نے ہم کو ہمارے گھروں تک سے نکال باہر کیا ہے اور ہماری اولاد کو قید کر لیا ہے۔ ان کے اس اصرار پر حضرت شموئیل علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں دعا کی کہ ایسا کوئی انتظام فرمایا جائے جس سے قوم کی خواہش پوری ہو۔

درخواست منظور ہوئی اور اولادِ یعقوب (علیہ السلام) سے ایک شخص بادشاہ نامزد ہوا جو علم اور جسم کے لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا تھا اس کا نام طالوت تھا۔ بنی اسرائیل نے جب یہ سنا تو منہ بنانے لگے اور ناگواری سے کہنے لگے یہ شخص تو غریب خاندان کا ہے اس کے پاس تو معمولی سی دولت بھی نہیں یہ کس طرح ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے۔ بادشاہت کا حق تو اس سے زیادہ ہم رکھتے ہیں ہم میں سے کسی کو بادشاہ مقرر کر دیجئے۔

اس مخالفت کی ایک وجہ مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عرصہ دراز سے نبوت کا سلسلہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے اولادِ لاوی میں اور حکومت و سرداری کا سلسلہ اولادِ یہودا میں چلا آ رہا تھا اب جبکہ حضرت شموئیل علیہ السلام نے

اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ شرف اولادِ بنیامین میں منتقل کر دیا تو بنی اسرائیل کے ان سرداروں میں حسد پیدا ہوا اور وہ اسکو برداشت نہ کر سکے۔

بہر حال جب انھوں نے خلاف توقع حکومت کو اولادِ بنیامین میں منتقل ہوتے دیکھا تو حسد کی آگ نے انھیں برا فروختہ کر دیا اور حضرت شموئیل علیہ السلام سے جھگڑا کرنے لگے۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ مال و دولت کی کثرت کسی بڑائی یا بزرگی کی علامت نہیں ہے حکمرانی کے ذاتی اوصاف کے لئے قوتِ علم و طاقتِ جسم ضروری ہیں اور یہ دونوں وصفِ طاوت میں ممتاز و نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اس لئے آپ اسکو بادشاہ مقرر کیا گیا ہے اسکی رہنمائی میں تم جہاد کرو اور اپنے آبائی وطن (فلسطین) کو حاصل کرو، اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس شخص کے ساتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہے زمین کی حکمرانی کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

آیات ذیل میں اس واقعہ کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے:-

قرآنی مضمون | اَللّٰهُ تَدَاٰی الْمَلٰٓئِیْمٰنُ بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰیؑ ۱۰۶ (بقرہ آیات ۲۳۶، ۲۳۷)

کیا تم کو بنی اسرائیل کی اُس جماعت کا حال معلوم نہیں جس نے موسیٰ کے بعد اپنے زمانے کے نبی (شموئیل) سے درخواست کی کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے ہمارے لئے ایک حکمراں مقرر کر دیجئے! نبی نے اُن سے کہا کچھ بعید نہیں کہ اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو تم لڑنے سے انکار کر دو!

سرداروں نے کہا ایسا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں جبکہ ہم اپنے اصلی گھروں سے نکالے جا چکے ہیں اور اپنی اولاد سے بھی علیحدہ کئے جا چکے ہیں، پھر جب اُن کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ سب نے پیٹھ دکھلا دی، اور اللہ تو ظالموں سے خوں واقف ہے۔ آخر کار اُن کے اصرار پر اُن کے نبی نے کہا کہ اللہ تمہارے لئے طاوت کو حاکم مقرر کر دیا ہے۔

جب اُنھوں نے یہ بات سنی تو اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے کہنے لگے وہ ہم پر کیسے حکمراں بن سکتا ہے جبکہ اُس سے کہیں زیادہ حکمراں بننے کے ہم حقدار ہیں، علاوہ ازیں اُس کو مال و دولت کی وسعت بھی حاصل نہیں تھی۔ نبی نے فرمایا حکمراں کا جو معیار تم نے بنا لیا ہے وہ غلط ہے، بلاشبہ اللہ تم نے حکمرانی کی قابلیت و استعداد میں تم پر اُس کو برگزیدہ اور فائق کیا ہے اور علم کی فراوانی اور جسم کی قوت و طاقت دونوں میں اُسکو وسعت بخشی ہے اور حکومت و قیادت تمہارے چاہنے سے نہیں ملتی بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہے اپنی زمین کی حکمرانی بخش دیتا ہے وہ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے۔

تابوتِ سکینہ | حضرت شموئیل علیہ السلام کی یہ حکیمانہ نصیحت کچھ مفید ثابت نہیں ہوئی قوم

کا اصرار بڑھتا ہی گیا کہ بادشاہت کے لئے کسی دولت مند انسان ہی کا انتخاب ضروری ہے۔ آخر قوم کے دو متمند لوگ ایک غریب مفلس کی کیونکر اطاعت قبول کریں گے۔ جب یہ نزاع طویل ہو گئی تو قوم کے بعض سرداروں نے کہا کہ اگر طالوت کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے پا چکا ہے تو اسکے لئے کوئی دلیل اور نشان چاہیئے تاکہ ہمیں بھی یقین ہو جائے کہ طالوت کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام کی دُعا پر اللہ تعالیٰ نے ایک نشان و علامت عطا کی فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے علم و یقین کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی روانہ کی ہے وہ یہ کہ جو متبرک صندوق تمہارے ہاتھوں سے چھین لیا گیا تھا جس میں تورات کا اصلی نسخہ اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات محفوظ ہیں۔ وہ طالوت کی بدولت تمہارے پاس واپس آجائے گا۔ یہ اُسکے حق اور منجانب اللہ ہو سکی علامت ہوگی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام فرمایا کہ وہ دشمن جو اس صندوق کو لے کر اپنے وطن چلے گئے تھے اسکو جہاں کہیں رکھتے وہاں کوئی نہ کوئی وبا اور بلا آجاتی۔ اس طرح اُن کے پانچ شہر ویران ہو گئے تھے آخر پریشان ہو کر اُن کافروں نے دو بیلوں پر اسکو لا کر ہانک دیا۔ فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا دیئے۔ صبح کے وقت قوم نے جو یہ تابوت دیکھا تو طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور جہاد کے لئے آمادہ ہو گئے۔

تابوتِ سکینہ کا یہ واقعہ قرآن حکیم کی آیات ذیل میں اس طرح آیا ہے:-

قرآنی مضمون | وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهَا سَبْكُنَا مِمَّنْ سَبَكُمُ الْفَجْرَ (بقرہ آیت ۲۴۸)

اور اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ وہ صندوق تمہارے پاس آجائے گا جس میں تسکین کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بھی ہوئی چیزیں ہیں جنکو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں اُس صندوق کو فرشتے لے آئیں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

چنانچہ حضرت ثمویل علیہ السلام کی یہ بشارت پوری ہوئی اور بنی اسرائیل کے آگے ملائکہ اللہ نے تابوتِ سکینہ طالوت کو پیش کر دیا۔ اس طرح ان پر ظاہر ہو گیا کہ طالوت کا بادشاہ مقرر ہونا منجانب اللہ ہے۔

جہادِ مقدس اور قتلِ جالوت | جب طالوت بادشاہ مقرر کر دیئے گئے تو انہوں نے بنی اسرائیل کو دشمنوں (فلسطینیوں)

کے مقابلہ کیلئے کوچ کرنے کا حکم دیا اور ایک بڑی تعداد طالوت کی سرکردگی میں روانہ ہوئی، درمیان سفر حضرت طالوت نے خیال کیا کہ جنگ کا معاملہ بھیجنا نازک مرحلہ ہوتا ہے اور بنی اسرائیل عرصہ دراز سے فریضہ جہاد چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض مرتبہ ایک شخص کی بزدلی یا منافقانہ حرکت پوری فوج کو نقصان پہنچا سکتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ بنی اسرائیل کو جہاد سے پہلے آزمایا جائے کہ کون شخص تعمیلِ حکم اور ضبطِ نفس کا حامل ہے اور کس میں یہ اوصاف پائے نہیں جاتے تاکہ ادائے فریضہ سے قبل ہی ایسے عناصر کو علیحدہ کر دیا جائے۔

چنانچہ جب یہ لشکر ایک دریا کے کنارے پہنچا تو حضرت طالوت نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اس نہر کے ذریعہ تمہارا امتحان لینا چاہتے ہیں وہ یہ کہ کوئی شخص بھی اس سے پانی نہ پئے اور جو خلاف ورزی کرے گا اُس کو لشکر سے نکال دیا جائے گا۔

البتہ سخت پیاس کی حالت میں گھونٹ بھر پانی پی کر حلق تر کر لینے کی اجازت ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ نہر اردن پر پیش آیا۔ بخاری

کی ایک روایت میں ہے حضرت برادر بن عازبؓ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں یہ بات چیت کیا کرتے تھے کہ اصحاب

بدر کی تعداد اصحابِ طاووت کے برابر ہے۔ (بخاری باب المغازی)

الغرض جب یہ لشکرِ دریا کے پار ہو گیا تو جن لوگوں نے خلاف ورزی کر کے پانی پی لیا تھا وہ اپنے دشمنِ جاووت کی قوت و طاقت کو دیکھ کر سمجھنے لگے کہ ہم جاووت جیسے قومی ہیکل اور اس کی فوجی طاقت سے لڑنے کی ہمت نہیں پاتے لہذا ہمیں واپس لوٹنے کی اجازت دی جائے۔

لیکن جن لوگوں نے ضبطِ نفس اور اطاعتِ امیر کا ثبوت دیا تھا انھوں نے جرات اور بے خوفی سے کہا کہ ہم دشمن کا مقابلہ ضرور کریں گے اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ اللہ کی تائید و نصرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ اللہ پر اعتماد اور ثابت قدمی ہو۔

اسکے بعد ان مخلص مجاہدین کا لشکر آگے بڑھا اور دشمن کی فوج کے آگے صف آرا ہو گیا، دشمن کی فوج کا سردار جاووت نامی مشرک دیو، ہیکل شخص تھا اور اس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ مجاہدین نے اللہ کی بارگاہ میں اخلاص و تضرع کے ساتھ دعا کی کہ اے اللہ ہمیں صبر و ہمت عطا کر اور ہمیں ثابت قدمی نصیب کر اور دشمنوں پر ہمیں کامیابی عطا فرما۔

تورات اور تاریخی کتب میں مذکور ہے کہ جاووت کی غیر معمولی طاقت و قوت نے بنی اسرائیل کو متاثر کر رکھا تھا اور اس کے آگے پیش قدمی کی ہمت کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن بنی اسرائیل کے اس لشکر میں ایک غیر معروف نوجوان جو اس سے قبل نہ شجاعت و بہادری میں کوئی شہرت رکھتا تھا نہ جنگ آزمودہ تھا جاووت کی مسلسل لٹکار پر مقابلہ کے لئے آگے بڑھا لیکن بنی اسرائیل کے سردار حضرت طاووت نے انھیں روکا اور کہا کہ ابھی تم نا تجرب کار لڑکے ہو جاووت کے مقابلے کی برداشت نہ کر سکو گے لیکن اس نوجوان کا اصرار بڑھتا ہی گیا آخر حضرت طاووت کو اجازت دینی پڑی۔ یہ بہادر نوجوان حضرت داؤد علیہ السلام تھے (جو بعد میں نبوت سے سرفراز ہوئے)

کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے باپ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور شرکتِ جنگ

میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھری لے (تو اُسے اجازت ہو) الغرض سب نے اُس نہر سے بے تحاشا پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے سے آدمیوں نے اُن میں سے (چکھاتک نہیں اس امتحان کی حکمت غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے مواقع پر جوش و خروش بھیڑ بھڑکا بہت ہو جایا کرتا ہے لیکن وقت پر جمنے والے کم ہوتے ہیں اور اس وقت ایسوں کا اکھڑ جانا باقی لوگوں کے پاؤں بھی اکھاڑ دیتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کا علیحدہ کرنا منظور تھا۔ تفسیر بیان القرآن)

سُوجِبَ طَلُوتُ اور جواہل ایمان ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے (تو ان لوگوں نے جو بے تحاشا پانی پی لیا تھا) کہنے لگے آج تو ہم میں جالوت اور اُس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں معلوم ہوتی (یہ سُنکر) وہ لوگ جنہیں قیامت کے دن اللہ کے روبرو پیش ہونے کا یقین تھا کہنے لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں اور جب جالوت اور اُسکی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر ثابت قدمی (غیب سے) نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کا فرقہ قوم پر غالب بھیجئے (مؤمنین کی اس دُعا کی ترتیب بڑی پاکیزہ ہے کہ غلبہ کیلئے چونکہ ثابت قدمی کی ضرورت ہے اس لئے پہلے اس کی دُعا کی گئی۔ اور ثابت قدمی کا انحصار تقویتِ قلب پر ہے اس لئے ثابت قدمی سے پہلے تقویتِ قلب کی دُعا کی) پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور (پھر) اللہ تعالیٰ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت (نبوت) عطا فرمائی اور جو جو بھی اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اُن کو تعلیم فرمایا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے رہا کرتے تو سر زمین (تمام تر) فساد سے بھر جاتی لیکن

اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہاں والوں پر۔
یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں (یعنی یہ قصہ جو ذکر کیا گیا) جس کو
صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ کر سنارہے ہیں (اور اس سے ثابت
ہوا کہ) اے نبی آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جالوت کی زبردست قوت و طاقت اور اُس کے لشکروں
کی تعداد کا اندازہ کر کے حضرت طالوت نے جنگ سے پہلے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص بھی
جالوت کو قتل کر دے گا میں اُس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور حکومت میں بھی حصہ
دوں گا۔

چنانچہ جب حضرت داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر دیا تو حضرت طالوت
نے حسب وعدہ اپنی بڑی میکان کا نکاح اُن سے کر دیا اور حکومت میں بھی حصہ دار بنا دیا۔
اسی دور ان حضرت شموئیل علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور حضرت داؤد علیہ السلام
اُنکی جگہ بنی اسرائیل کے نبی و رسول قرار پائے اور دنیاوی قیادت بھی حاصل ہوئی جس کا
مفصل ذکر تذکرہ سیدنا داؤد علیہ السلام میں مطالعہ کیجئے۔

نتائج و عبرتیں

مرکزیت

بنی اسرائیل پر دشمنوں کے مسلسل حملوں اور غیر محفوظ زندگی نے مجبور کیا کہ ان غیر یقینی
حالات میں کسی رہنما اور قائد کا انتخاب ہونا چاہیے چنانچہ انہوں نے حضرت شموئیل علیہ السلام
سے یہ مطالبہ کیا کہ ہماری دنیاوی زندگی کے تحفظ کے لئے ایک حکمران منتخب فرمادیں۔
أُبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

(بقرہ آیت ۲۴۶)

جس قوم کے نصیبے میں عروج مقدر ہوتا ہے اس کے بعض صالح افراد میں غیر شعوری طور پر

یہ احساس شدت سے پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنے لئے ایک مرکز بنایا جائے اور ایک قابلِ اعتماد رہنما کا انتخاب کیا جائے۔ یہ غیر شعوری احساس دراصل قوموں کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ بنتا ہے اور جو قومیں ایسے حساس افراد سے محروم رہتی ہیں وہ بہت جلد دنیا سے معدوم ہو جاتی ہیں۔

جاہلی اعتقاد:-

قوم کی خواہش و اصرار پر اُس زمانے کے نبی نے حضرت طاہوت کو امیر لشکر مقرر کر دیا تھا جو غیر معروف ہونے کے علاوہ دولت و ثروت سے تہی دست تھے۔ اقوام و اُمم کے مختلف اعتقادات میں ایک عقیدہ یہ بھی رہا ہے کہ قیادت و حکومت اُسی شخص کو ملنی چاہیے جو دولت و ثروت کا مالک اور قوم میں نمایاں حیثیت رکھتا ہو اور حسب و نسب بھی معروف و مشہور ہو۔ بنی اسرائیل کا دامن بھی اس فاسد خیال سے خالی نہ تھا اُنھوں نے بھی حضرت طاہوت کی امارت پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہہ دیا۔

نَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْكَ وَلَكِنْ يُؤْتِ سَعَةً مِّنَ

الْمَالِ - (بقرہ آیت ۲۴۷)

ہم اُسکے مقابلہ میں زیادہ مستحقِ حکومت ہیں اور اُس کو تو

وسعتِ دولت بھی حاصل نہیں ہے۔

مگر اسلام نے اس جاہلانہ عقیدے کے خلاف یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکومت و قیادت کا تعلق دولت و ثروت سے وابستہ نہیں ہے اور نہ حسب و نسب اس کے لئے علامت ہیں بلکہ علم و حکمت، قوت و انصاف جس فرد میں پائے جاتے ہیں عموماً اُس کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔

حضرت شمویل علیہ السلام نے اس فطری قانون کے مطابق قوم کو جواب دیا:-

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ عَلَيْكُمْ وَرَآدَا بَسُطَةً فِي الْعِلْمِ وَ

الْجِسْمِ - (بقرہ آیت ۲۴۷)

بیشک اللہ نے تم پر طاہوت کو فضیلت دی ہے اور اُس کو

علم و جسم کی وسعت عطا کی ہے۔

روح کا مرانی :-

جب حق و باطل کا معرکہ پیش آتا ہے اور حق کی جانب سے مخلصین فداکارانہ جذبات کے ساتھ حق کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور انہیں خود اعتمادی سے زیادہ توکل علی اللہ کی روح سرایت کر جاتی ہے تو پھر کامیابی کا مدار قوت اور کثرت افراد پر نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات قلت کثرت پر غالب ہو جاتی ہے اور کثرت مغلوب ہو کر بھاگ کھری ہوتی ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے اس طرح ادا کیا ہے :-
 كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً لَا يُؤْذِنُ
 اللّٰهُ - (بقرہ آیت ۲۴۹)

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

(الحمد للہ ”ہدایت کے چراغ“ جلد اول ختم ہوئی)

بطوافِ کعبہ رنم بجرمِ کُشادہ دیدم
 کہ برون در تو کردی کہ درونِ خانہ آئی
 بزمین چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
 کہ مرا بشاد کردی تو بسجد خدائی

(الحمد للہ ”ہدایت کے چراغ“ جلد اول ختم ہوا)